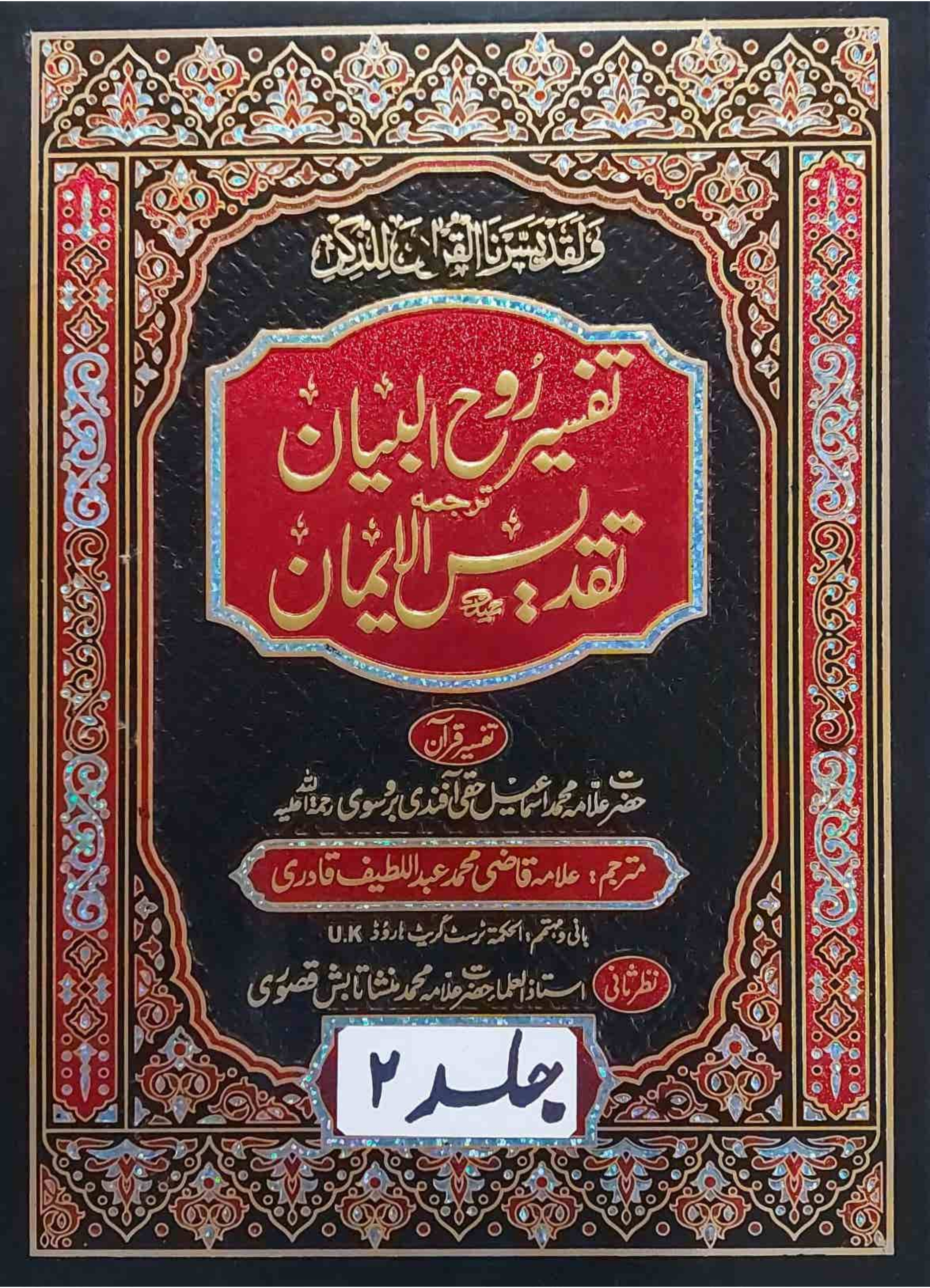


ولقد یسرنا القرآن للذکر
تفسیر روح البیان
ترجمہ
تقدیس الایمان
تفسیر قرآن
حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی برسوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم: علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
بانی ومہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہارووڈ U.K
نظر ثانی
استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
جلد ۲

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن کو آسان بنادیا ہے۔ (سورۃ القمر)

A

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

تفسیر قرآن : حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

بانی ومہتمم: الحکمہ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی : استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پارہ 4 تا 6

عبداللہ اکیڈمی

میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

فون: 042-37241382

نام کتاب ......☆...... تفسیر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان

تفسیر قرآن ......☆...... حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وتخریج ......☆...... علامہ قاضی محمد عبد اللطیف قادری

......☆...... بانی و مہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی ......☆...... استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پروف ریڈنگ ......☆...... علامہ قاضی محمد سعید الرحمٰن قادری۔0300-9506527

......☆...... علامہ قاضی طاہر محمود قادری، علامہ قاضی مظہر حسین قادری

......☆...... مولانا مقصود الٰہی، مولانا حافظ غالب چشتی

پروف ریڈنگ قرآن......☆...... قاری محمد اسلام خوشابی 0306-6628331

......☆...... (رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب)

کمپوزنگ ......☆...... حافظ شاہد خاقان 0321/0311-5841622

اشاعت اول ......☆...... 2021

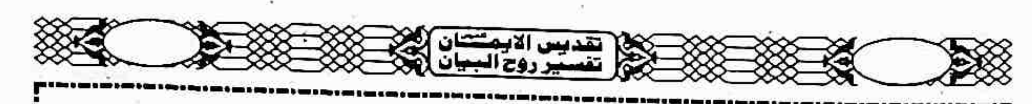
مجلدات ......☆...... 10

ہدیہ

گورنمنٹ آف پاکستان کے احکامات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کا نام مبارک جہاں بھی آئے گا وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ کا لفظ لازمی آئے گا۔ حکومت کے اسی حکم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں جہاں جہاں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ لکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کہیں لکھنے سے رہ گیا ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ خاتم النبیین ﷺ ہی لکھا اور پڑھا جائے۔ شکریہ ادارہ

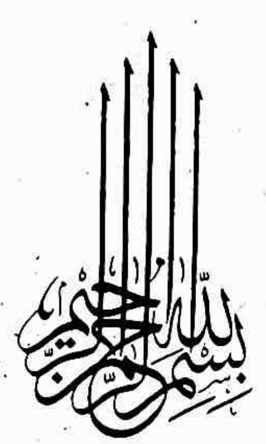
ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ (ادارہ)



فہرست مضامین تفسیر روح البیان (جلد دوم پارہ 6-4)

چھٹا پارہ ختم



پارہ 4 تا 6

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

جلد-2



لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا

ہرگز تم نہیں پاؤ گے نیکی یہاں تک کہ تم خرچ کرو وہ چیز جو تم کو پیاری ہو اور جو تم خرچ کرو

مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

کوئی چیز پس بے شک اللہ اس کو جاننے والا ہے

(آیت نمبر ۹۲) ایمان والوں کو کہا گیا کہ تم نیکی کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ جس میں رغبت رکھتے ہو جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ چیز نہ خرچ کرو جسے تم خود پسند کرتے ہو۔ **مسئلہ**: بِرّ یعنی نیکی ایک بلند مرتبہ ہے جو کسی خوش نصیب کو ملتا ہے۔ یہ اسی کو ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے۔ آگے فرمایا جو چیز بھی تم خرچ کرو گے یعنی اچھا مال جو تمہیں پسند ہے وہ اللہ کی راہ میں جب تم دو گے تو تمہیں بلند مرتبہ ملے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے جو اللہ کی راہ میں دے یعنی وہ اس کی پوری پوری جزا دے گا۔ اچھے مال پر اچھی جزا دے گا کیونکہ اس کے کامل علم سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ **مسئلہ**: اس آیت میں اچھی چیز خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی۔ ف: انسانی فطرۃ ہے کہ وہ اچھی چیز مشکل وقت کیلئے چھپا رکھتا ہے تاکہ سخت ضرورت کے وقت وہ کام آئے لہٰذا عقلمند آدمی اچھی چیز اللہ کی راہ میں دیتا ہے تاکہ محفوظ بھی ہو جائے اسے کوئی چوری بھی نہ کر سکے اور قیامت کے مشکل وقت میں کام بھی آ جائے۔

صحابہ کا ایثار: جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرا محبوب مال میرا باغ بیرخاء ہے میں یہ اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا واہ واہ کتنا ہی نفع والا مال ہے اور فرمایا کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو تو انہوں نے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرما دیا۔ (مسلم شریف کتاب الزکوٰۃ)

ربط: پچھلی آیت میں فرمایا۔ قیامت کے دن پوری زمین سونے سے بھری ہوئی بھی دی گئی تو قبول نہ ہوگی۔ اور دنیا میں معمولی چیز بھی دی گئی تو اس کا اجر ملے گا۔ اعلیٰ چیز دی جائے تو بلند مرتبہ ملے گا۔ اور کم درجہ چیز بھی دی جائے۔ تو پھر بھی رد نہیں ہوتی لیکن اس کا وہ درجہ نہیں ملتا۔ جو اعلیٰ چیز دینے سے ملتا ہے۔ اس میں اخلاص شرط ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ بلکہ ہر عمل میں اخلاص شرط ہے۔ یعنی کسی عمل میں ریا کاری کا خیال نہ آئے۔ نہ کوئی عمل حرص یا عوض لینے کیلئے کیا جائے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى

ہر قسم کے کھانے حلال تھے واسطے بنی اسرائیل کے مگر جو حرام کئے یعقوب نے اوپر

نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ

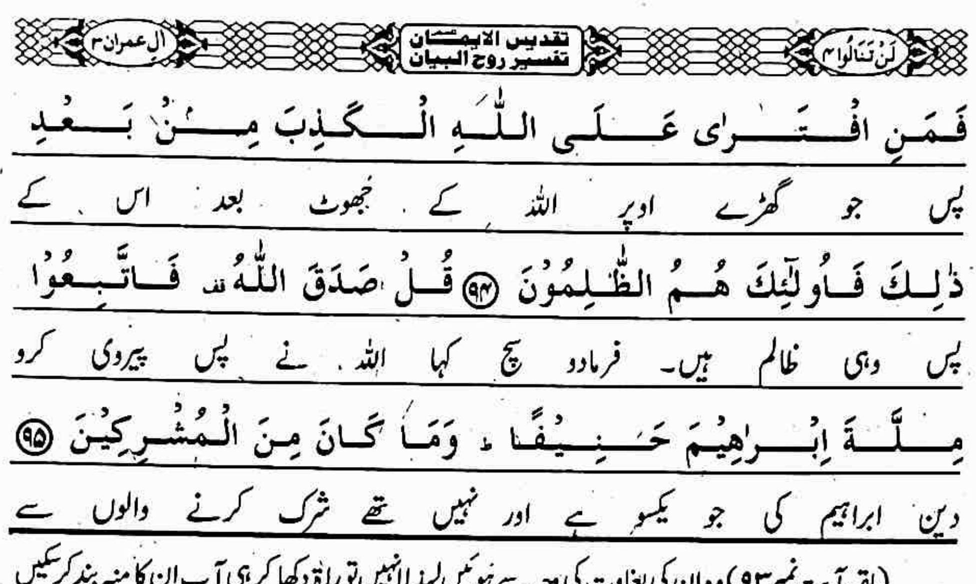
اپنی ذات کے پہلے اس کے کہ اتاری گئی توراۃ فرمادو لاؤ توراۃ پھر پڑھو اس کو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾

اگر ہوتم سچے

(آیت نمبر۹۳) جب وہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ ہم نے یہودیوں پر حلال چیزیں حرام کیں تو یہودیوں نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ ان اشیاء کی حرمت تو قدیم سے چلی آ رہی ہے۔ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام سے لیکر اب تک سب دینداروں پر حرام تھیں۔ اصل میں ان کا مقصد یہ تھا کہ یہودیوں کی ان برائیوں پر پردہ ڈالا جائے۔ جن کی وجہ سے وہ چیزیں حرام ہوئیں۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ قرآن مجید میں یہودیوں کی جتنی بھی برائیاں بیان کی گئیں۔ وہ سراسر غلط ہیں۔ اور ان پر بہتان ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال سے آگاہ فرمایا کہ سب کھانے بنی اسرائیل کیلئے حلال تھے۔ مگر ان کی شرارتوں کی وجہ سے ان پر حرام ہوئے یا وہ اشیاء جن کو یعقوب علیہ السلام نے اپنی ذات پر حرام کر لیا تھا (یعنی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ) وغیرہ۔ **واقعہ:** یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بارہ بچے عطا فرمائے تو میں آخری بچے کو بیت المقدس میں قربان کرونگا۔ تو ان کے جب بارہ بیٹے جوان ہوئے چونکہ شرط لگائی تھی کہ اگر میں بیت المقدس پہنچا تو میں قربان کرونگا آپ عرق النساء بیماری کی وجہ سے نہ جا سکے اس بیماری کی وجہ سے آپ رات کو سو بھی نہ سکتے تھے تو آپ نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو میں اپنا محبوب ترین کھانا چھوڑ دونگا چونکہ اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ آپ کی پسندیدہ غذا تھی لہذا نفس کو زیر کرنے کیلئے اس غذا کو ترک کر دیا۔

یہودیوں کا فرار: یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دیتے کہ آپ ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ ابراہیم علیہ السلام تو اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور تم کھاتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب ان سے کہو کہ اونٹ کا گوشت تو یعقوب نبی نے اپنے اوپر حرام کیا تمہیں شک ہو تو تم توراۃ لے آؤ۔ اور اس کو میرے سامنے پڑھو۔ توراۃ میں صاف موجود ہے کہ یہودیوں پر جتنی چیزیں حرام ہوئیں۔ ان تمام باتوں کی تفصیلات توراۃ میں موجود ہے۔



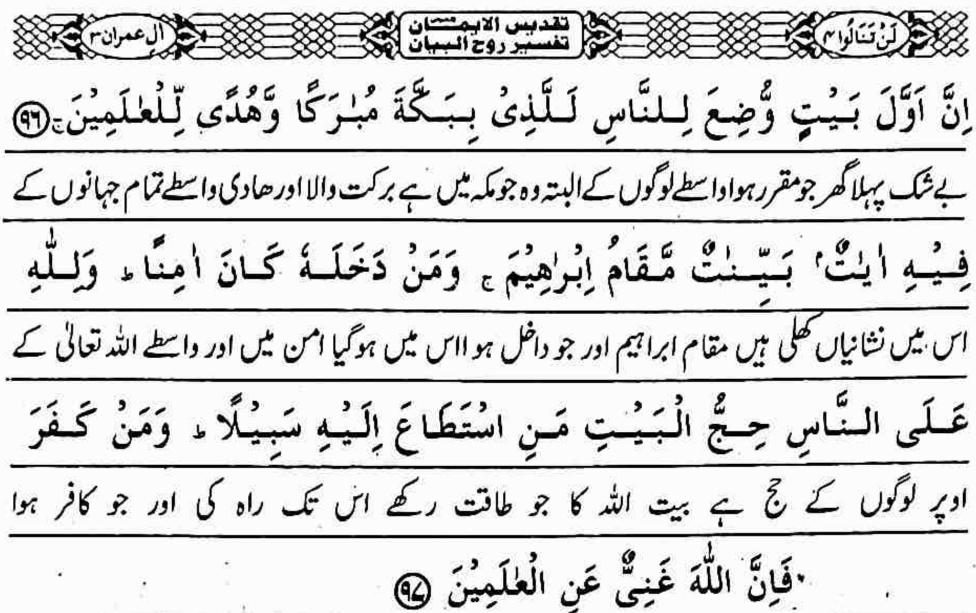
(بقیہ آیت نمبر ۹۳) وہ ان کی بغاوت کی وجہ سے ہوئیں لہذا انہیں توراۃ دکھا کر ہی آپ ان کا منہ بند کر سکیں گے اوران کا جھوٹ بھی ظاہر ہو جائیگا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے قول میں سچے ہو تو لاؤ توراۃ اور پڑھو۔

یھود کی ذلت : یہ بات انہیں معلوم تھی کہ توراۃ میں وہ تمام باتیں موجود ہیں۔ جو یہ نبی ﷺ فرمار ہے ہیں۔ لہذا انتہائی ذلیل ہو کر واپس چلے گئے۔ (بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے)۔

حضور ﷺ کی صداقت کی دلیل: (آیت نمبر ۹۴) یہ حضور ﷺ کی صداقت پر بہت بڑی واضح دلیل ہے۔ کہ جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اسی طرح توراۃ میں لکھا تھا۔ اور یہودی جھوٹے تھے اس لئے فرمایا۔ اور جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یعنی اللہ پر بہتان باندھے کہ جو اشیاء اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیں۔ ان کے متعلق کہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ بلا وجہ ہم پر نے حرام کیا ہے۔ حالانکہ توراۃ سے ان کا جھوٹا ہونا واضح ہو گیا تو اس وقت معلوم ہو گیا کہ یہی اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ظالم ہیں۔

(آیت نمبر ۹۵) اے میرے محبوب آپ اعلان کریں کہ یہودیوں پر حرام ہونے والی چیزوں کے متعلق جو کچھ یہودیوں نے کہا وہ جھوٹ ہے اور جو کچھ اللہ نے فرمایا وہ بالکل سچ ہے۔ لہذا اے لوگو اب ملۃ ابراہیمی یعنی دین اسلام کی پیروی کرو۔ کیونکہ یہی اصل ملت اور دین ہے باقی تمام ادیان (غلط ہیں) جو خود ساختہ ہیں۔ اور یہ بات بھی یاد رکھو۔ کہ ابراہیم علیہ السلام مشرکوں سے نہ تھے نہ اصولاً نہ فروعاً۔

خلاصہ کلام : یہ ہے کہ یہودی ملت ابراہیم پر ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور شرک بھی کرتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام تو شرک سے بہت دور تھے۔ لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیح وارث اور ان کی ملت کے پیروکار تو حضور ﷺ ہیں اور ان کے غلام ہیں۔ جو ان کی طرح توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ اور شرک سے دور ہیں۔



اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾

بے شک پہلا گھر جو مقرر ہوا واسطے لوگوں کے البتہ وہ جو مکہ میں ہے برکت والا اور ھادی واسطے تمام جہانوں کے

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ

اس میں نشانیاں کھلی ہیں مقام ابراہیم اور جو داخل ہوا اس میں ہوگیا امن میں اور واسطے اللہ تعالیٰ کے

عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ

اوپر لوگوں کے حج ہے بیت اللہ کا جو طاقت رکھے اس تک راہ کی اور جو کافر ہوا

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

پس بے شک اللہ بے پرواہ ہے تمام جہانوں سے

(آیت نمبر۹۶) سب سے پہلا گھر جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔

شان نزول: جب حضور ﷺ کی منشاء کے مطابق خانہ کعبہ قبلہ مقرر ہوا تو یہودیوں نے کہا کہ کعبہ سے بیت المقدس افضل ہے اس لئے کہ وہ پہلے کا قبلہ ہے اس پر انہوں نے بیت المقدس کی افضلیت پر کئی خود ساختہ دلائل بھی دیئے تو اس کے جواب میں بتایا گیا کہ اولیت تو خانہ کعبہ کو حاصل ہے۔ اس لئے کہ یہ تو آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے سے بھی دو ہزار سال پہلے فرشتوں نے تعمیر کیا تھا آدم علیہ السلام جب زمین پر آئے تو انہوں نے طواف کیا جیسے فرشتے طواف کررہے تھے۔ پھر طوفان نوح کے وقت آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پہلی مرتبہ اسے بنایا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ اسے سابقہ بنیادوں پر تیار کیا۔ اس کے چالیس سال بعد بیت المقدس کو تعمیر کیا۔ اس بات سے معلوم ہو فرمایا گیا کہ سب سے پہلا گھر جو دنیا میں بنایا گیا وہ ہے۔ جو مکہ میں ہے جو بڑی برکت والا ہے اور تمام جہانوں کی راہنمائی کرنے والا ہے۔ لہذا خانہ کعبہ کو مسجد اقصیٰ پر اولیت اور افضلیت حاصل ہے

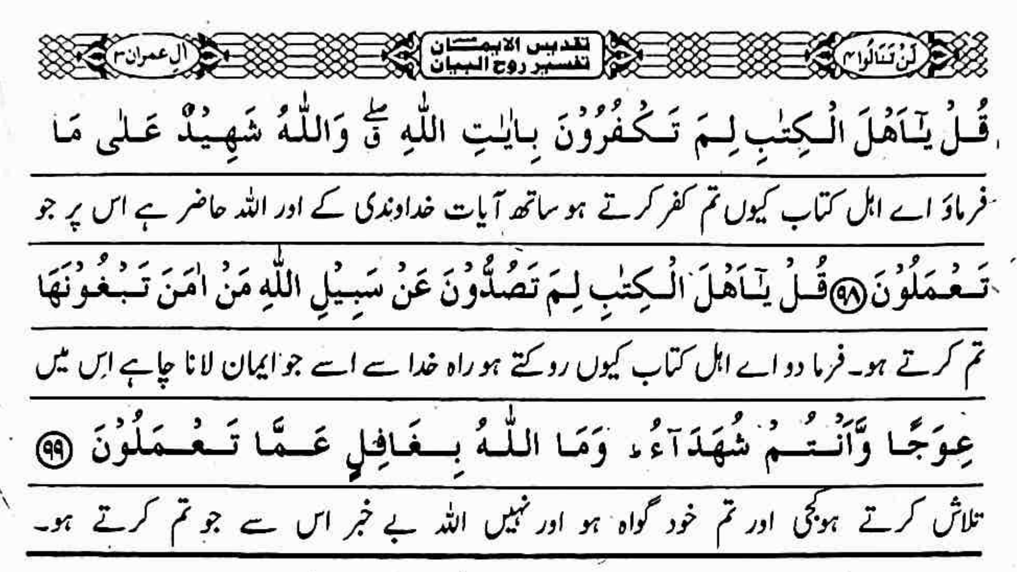
(آیت نمبر۹۷) جس میں واضح نشانیاں موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ خاص کر مقام ابراہیم ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی دوسری دلیل ہے کہ جو بھی حرم شریف میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بھی اس حرم شریف میں مرے گا وہ بروز قیامت امن والا ہو کر اٹھے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس پر قصاص واجب ہوا اور وہ حرم میں آجائے تو حرم میں اس

سے قصاص نہ لیا جائے۔آگے فرمایا اللہ تعالیٰ کیلئے حج کرنا مومنوں پر ثابت ہوگیا۔ یہاں الناس سے مراد مسلمان ہیں۔اس لئے کہ کافر حج کا مکلف ہی نہیں۔اس لئے مسلمانوں پر بیت اللہ کا حج کرنا واجب ہے۔حج بمعنی ارادہ ہے یعنی مخصوص اور مقرر طریقے پر بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کرنا۔اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر یہ وہ حق واجب ہے کہ اس کی ادائیگی کے بغیر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے لیکن حج کرنا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے یعنی جو بیت اللہ تک پہنچنے پر قادر ہے قدرت ہونے سے مراد اسباب کی موجودگی اور راستے کی سلامتی ہے۔ یعنی اس کے پاس آنے جانے کا خرچ ہو۔اور راستہ پر امن ہو۔بال بچے ہوں تو ان کیلئے واپسی تک کا خرچ ان کو دے کر جائے۔**مسئلہ**: حج اس پر ہے جو بیت اللہ تک پہنچنے کیلئے زادراہ اور سواری رکھتا ہے۔ استطاع سے مراد یہی ہے و من کفر سے حج کے واجب ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس کے تارک کو شدت کے ساتھ سمجھایا گیا ہے کہ جو شخص قدرت کے باوجود حج نہیں کرتا۔وہ کفر کی سرحد تک پہنچ گیا ہے گویا وہ حج کے حکم کا انکار کر رہا ہے اور اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں سے ہی بے پرواہ ہے۔اسے کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔

حدیث شریف حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس پر حج فرض ہو پھر اسے کوئی حاجت شدیدہ بھی نہیں روکتی اور نہ کوئی بیماری مانع ہے۔نہ حکومت وقت رکاوٹ کرتی ہے پھر بھی وہ حج نہیں کرتا پھر وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر (ترمذی شریف)۔چونکہ یہودی اور عیسائی دونوں نہ کعبے کو مانتے ہیں نہ حج کو تو گویا یہ بھی ان جیسا ہو گیا۔البتہ حج عمر میں ایک بار ہی فرض ہے۔**نکتہ**: حج میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ لوگ بابرکت اور پاک مقامات کی زیارت کریں تاکہ ان کے دلوں میں اللہ کے پیارے بندوں سے منسوب مقامات کی محبت پیدا ہو (**نکتہ**: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب مقامات کی زیارت لازم ہے تو دیار حبیب کی زیارت کیوں لازم نہیں ہے)۔حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بیت اللہ کا حج کیا پھر میری زیارت کیلئے آیا اس کو دو مقبول حجوں کا ثواب ملے گا ایک بیت اللہ کے حج کا اور دوسرا روضہ رسول کی زیارت کا۔اس روایت کو دیلمی نے اتحاف میں لکھا اور فضائل حج میں مولوی زکریا صاحب نے بھی اسے لکھا ہے۔**حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل عمل اللہ رسول پر ایمان پھر جہاد اور پھر حج مبرور ہے۔(ریاض الصالحین)۔**مسئلہ**: حج سے گناہ معاف اور جنت نصیب ہوتی ہے بشرطیکہ حج مقبول ہو۔

ف: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔حاجی کو تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے: (۱) پرہیز گاری جو اللہ کی حرام کردہ باتوں سے بچائے۔(۲) حوصلہ جو اللہ کے غضب سے بچائے۔(۳) رفقائے حج کے حقوق کی پاسداری جس نے ان تینوں کو مکمل کیا اس کو حج کامل نصیب ہوا۔

حج مبرور کی نشانی: یہ ہے کہ جب حج کر کے واپس آئے تو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف دھیان ہو۔



قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا

فرماؤ اے اہل کتاب کیوں تم کفر کرتے ہو ساتھ آیات خداوندی کے اور اللہ حاضر ہے اس پر جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا

تم کرتے ہو۔ فرما دو اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو راہ خدا سے اسے جو ایمان لانا چاہے اس میں

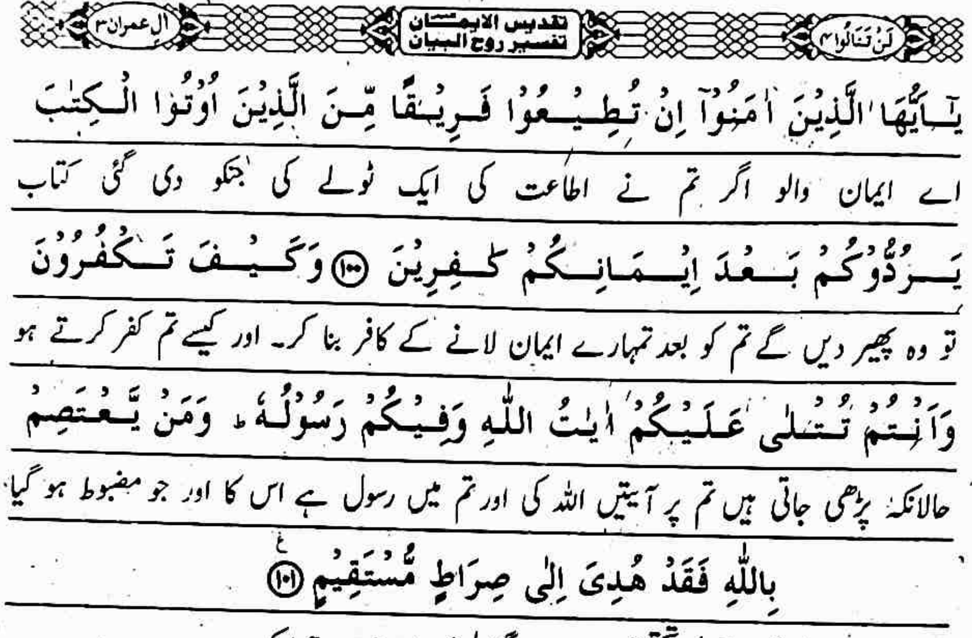
عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

تلاش کرتے ہو کجی اور تم خود گواہ ہو اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو۔

(آیت نمبر ۹۸) اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں انہیں کہا گیا کہ تم اللہ کی آیتوں سے کفر کیوں کرتے ہو ان کا کفر یہ تھا کہ انہوں نے من گھڑت مضامین کو خدا کی کتاب کہا۔ یا آیات سے مراد قرآنی آیات ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مراد یہی حج والی آیات ہوں کیونکہ وہ حج کے منکر تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ آیات یعنی حضور ﷺ کے معجزات ہوں جو اسلام کی حقانیت پر روز روشن کی طرح واضح دلیل ہیں۔ تو از راہ تعجب اہل کتاب سے استفسار ہے۔ کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے۔ کہ ان روشن دلائل کو جانتے اور پہچانتے ہوئے بھی ان کا انکار کرتے ہو۔ اپنی تحریف اور اس عیاری کا اور اس مکر و فریب کا اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کردار پر گواہ ہے یعنی دیکھ بھی رہا ہے اور اس کی وجہ سے تمہیں سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

(آیت نمبر ۹۹) اے کتاب والو تم لوگوں کو اللہ کی راہ (توحید) سے یا دین اسلام قبول کرنے سے کیوں روکتے ہو۔

شانِ نزول: یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو فتنے میں ڈالنے اور دین اسلام سے دور کرنے کیلئے کئی قسم کے حربے استعمال کرتے تھے اور لوگوں کو اسلام سے روکنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے اور لوگوں کو کہتے کہ حضور ﷺ کے متعلق ہماری کتابوں میں کوئی ان کی صفت وغیرہ نہیں ہے حالانکہ وہ جھوٹ بولتے تھے، اس لئے کہ ان کی کتاب توراۃ میں اوصاف موجود تھے۔ تو اللہ کریم نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس سیدھے راستے میں بھی کجی تلاش کرتے پھرتے ہو اور تم نے حضور ﷺ کے اوصاف کو اپنی کتابوں میں بدل ڈالا ان تمام باتوں کے تم گواہ ہو یعنی جانتے ہو کہ سیدھا راستہ وہی ہے جو حضور ﷺ بتلا رہے ہیں اور آگے فرمایا تمہارے ان برے اعمال سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔ یعنی جو تم اسلام سے روکتے ہو اور حضور کے اوصاف کو اپنی کتابوں سے نکالتے ہو یا چھپاتے ہو اور بیان نہیں کرتے۔ تمہارے ان تمام افعال بد کو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔



يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اے ایمان والو اگر تم نے اطاعت کی ایک ٹولے کی جنکو دی گئی کتاب

يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ

تو وہ پھیر دیں گے تم کو بعد تمہارے ایمان لانے کے کافر بنا کر۔ اور کیسے تم کفر کرتے ہو

وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ

حالانکہ پڑھی جاتی ہیں تم پر آیتیں اللہ کی اور تم میں رسول ہے اس کا اور جو مضبوط ہو گیا

بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

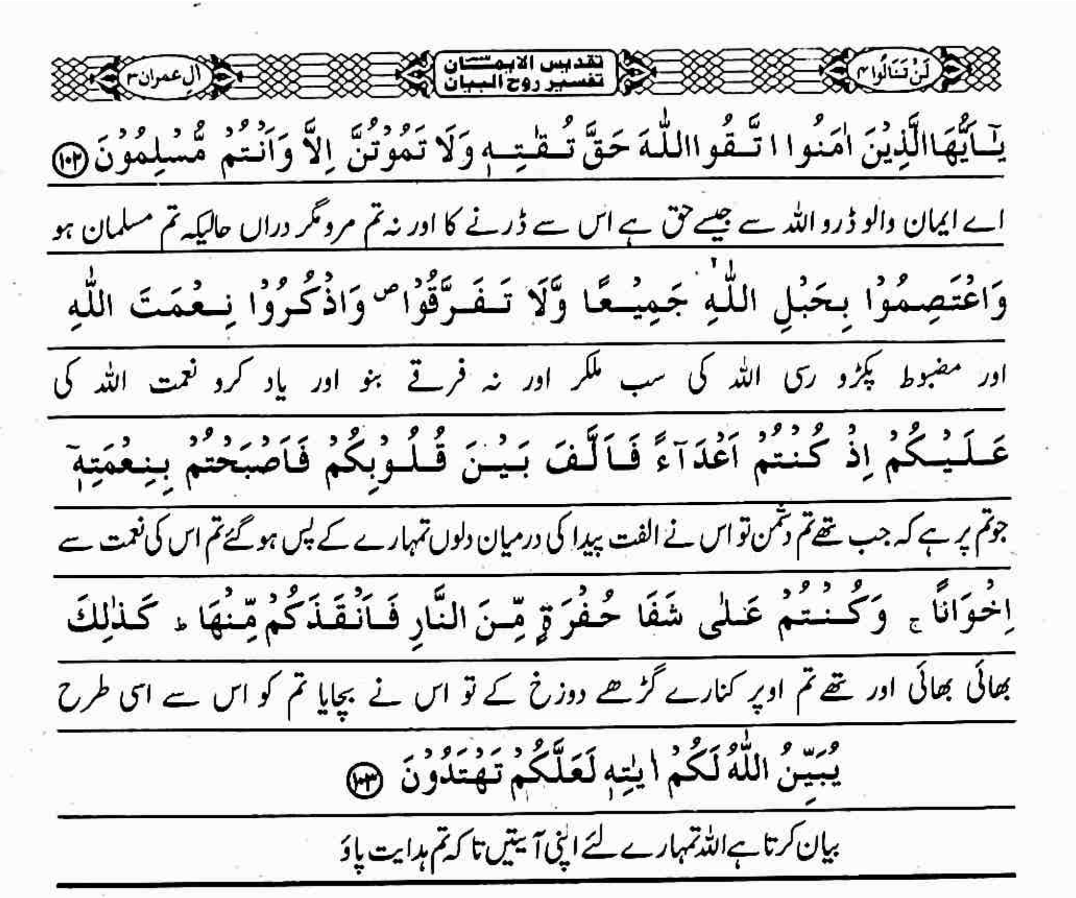
اللہ کے ساتھ پس تحقیق وہ ہدایت دیا گیا طرف راستے سیدھے کے

(آیت نمبر ۱۰۰) اے اہل ایمان اگر تم نے ان اہل کتاب کے ایک گروہ کی بات مانی تو یاد رکھو یہ تمہیں مرتد بنا دیں گے۔ یعنی تمہارے اندر گندی عادتیں ڈال کر سیدھی راہ سے ہٹا دیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے لوگوں کی خواہشات پر مت چلو جو خود بھی گمراہ ہیں اور بے شمار لوگوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بھی ہٹ گئے ہیں۔

علم اور خوف خدا: بہترین علم وہ ہے جس کے ساتھ خشیت الٰہی بھی ہو۔ خشیت الٰہی سے ہی احکام خداوندی پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ یہود و نصاریٰ علم تو رکھتے تھے مگر ان میں خوف خدا نہیں تھا اس لئے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اسی خدشے کو بیان کیا گیا کہ اگر ان کی تم نے کوئی بات مانی تو وہ تمہیں ایمان کے بعد کافر بنا دیں گے۔

شانِ نزول: عکرمہ کہتا ہے کہ یہ آیت شاس بن قیس یہودی کے حق میں نازل ہوئی کہ جو اوس اور خزرج کے اکٹھے ہونے اور آپس میں ان کی محبت دیکھ کر نہ رہ سکا اور ایک نوجوان کے ذریعے ان کے پرانی دشمنی کے اشعار پڑھوائے۔ جس سے دونوں قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی۔ جب حضور ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے صلح کرائی۔

(آیت نمبر ۱۰۱) اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم کیسے کفر کر سکتے ہو۔ حالانکہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور تمہارے اندر رسول پاک بھی موجود ہیں۔ یعنی تم میں کفر کیسے آ سکتا ہے کہ تمہیں قرآن جیسی معجزہ والی کتاب ملی ہے۔ جو میرے نبی کی زبان سے سنایا جا رہا ہے۔ جو اللہ سے تمسک کرے گا یعنی دین حق پر چلے گا اسے یقینی طور پر سیدھی راہ کی ہدایت نصیب ہوگی۔ اور جو اس قرآن سے منہ موڑے گا۔ وہ گمراہ ہے۔ اب اگر ہدایت مل سکتی ہے۔ تو صرف اسی ایک کتاب قرآن مجید سے مل سکتی ہے۔ اور کسی کتاب سے ہدایت نہیں مل سکتی۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا اور نہ تم مرو مگر دراں حالیکہ تم مسلمان ہو

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب ملکر اور نہ فرقے بنو اور یاد کرو نعمت اللہ کی

عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

جوتم پر ہے کہ جب تھے تم دشمن تو اس نے الفت پیدا کی درمیان دلوں تمہارے کے پس ہو گئے تم اس کی نعمت سے

اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ

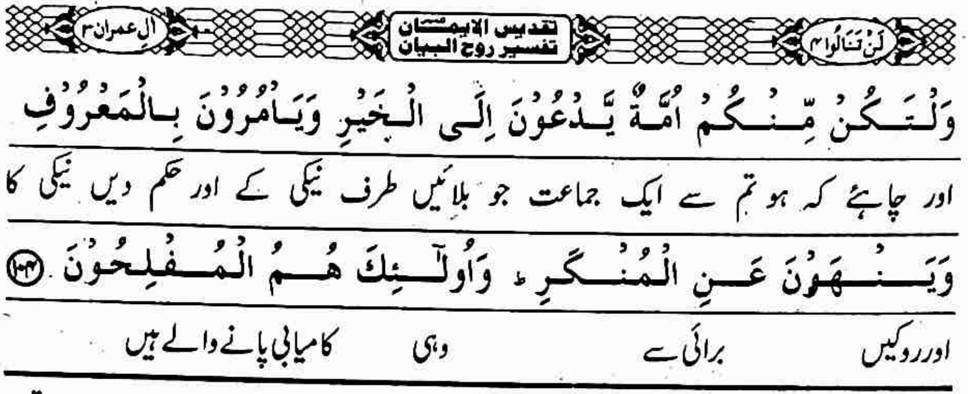
بھائی بھائی اور تھے تم اوپر کنارے گڑھے دوزخ کے تو اس نے بچایا تم کو اس سے اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں تا کہ تم ہدایت پاؤ

(آیت نمبر۱۰۲) اے ایمان والو اللہ سے ایسے ڈرو جس طرح حق ہے اس سے ڈرنے کا (اصطلاح شریعت میں تقوی واجب کی ادائیگی میں حسب وسعت بشریہ جدوجہد کرنا اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے کی پوری کوشش کرنا) آگے فرمایا۔ کہ تم ضرور مسلمانی حالت میں مرنا یعنی تمہیں کفر پر موت نہ آئے اپنے نفسوں کو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے بناؤ کہ کسی غیر کی شرکت نہ ہو یعنی تم پر موت آئے۔ اس حال میں کہ تمہارا اسلام محقق ہو اور اس پر تم ثابت قدم ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اسلام پر ہی زندگی بسر کرو تا کہ اسلام پر ہی تمہیں موت بھی آئے یہی صراط مستقیم ہے۔

(آیت نمبر۱۰۳) اور اللہ کی رسی مضبوط پکڑو۔ رسی سے مراد دین اسلام ہے یا قرآن جیسے رسی پکڑنے والا نجات پاتا ہے۔ اسی طرح دین اسلام (قرآن) کو مضبوط پکڑنے سے عذاب الٰہی سے نجات پاجاؤ گے۔ اس لئے فرمایا کہ سب مل کر اللہ کی رسی تھام لو اور اہل کتاب کی طرح جدا جدا نہ ہو ورنہ حق سے دور ہو جاؤ گے۔ اور جو تم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو خصوصاً جب زمانہ جاہلیت میں تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور بغض وعداوت سے بھرے ہوئے تھے اور عرصہ دراز تک جنگ وجدال میں گھرے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تمہاری دشمنی محبت میں بدل گئی۔



وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور چاہیۓ کہ ہو تم سے ایک جماعت جو بلائیں طرف نیکی کے اور حکم دیں نیکی کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور روکیں برائی سے وہی کامیابی پانے والے ہیں

(بقیہ آیت نمبر۱۰۳) **تشریح**: بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد اوس اور حزرج کے دونوں قبیلے ہیں۔ اصل میں یہ دونوں رشتے دار چچازاد بھائی تھے لیکن ان کی اولاد میں نہ ختم والی جنگ جاری ہوئی تو ایک سو بیس سال تک جاری رہی پھر اللہ کی رحمت ہوئی۔ اور حضور کی تشریف آوری سے ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔ پھر ایک دوسرے کے بغیر رہنا محال تھا اور آگے فرمایا کہ تم جہنم کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے پھر اسی خدا نے تمہیں بچالیا قریب تھا کہ تم گر جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم میں نبی کریم کو بھیجا جنہوں نے اسلام کی طرف ہدایت دیکر گرنے سے تمہیں بچالیا اور جہنم سے نجات بخشی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

مسئلہ: جو حق میں تفرقہ پیدا کرے اس کو قتل کرنا ضروری ہے خواہ کتنے بڑے مرتبے کا مالک ہو۔ اس لئے کہ اندر واندر خواہشات نفسانیہ سے ایسے برے اعمال سرزد ہونگے جو امت میں مزید تفرقہ کا سبب بنیں گے۔

حدیث شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے ان میں صرف ایک فرقہ نجات پانے والا ہے۔ پوچھا گیا کہ اس فرقہ کی علامت کیا ہے۔ فرمایا کہ وہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔ (ترمذی شریف) **سبق**: سالک کیلئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کماحقہ کرے اور اس کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوط پکڑے یعنی اس کو پڑھے اور اس پر عمل کرے۔ اور دین میں تفرقہ سے بچے۔

(آیت نمبر۱۰۴) اور چاہیۓ کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ہو جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے۔ خیر سے وہ دینی امور مراد ہیں کہ جن میں بھلائی ہی بھلائی ہو اور وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں۔ معروف سے مراد ہر وہ بات جسے شریعت اچھا سمجھے یعنی شرع وعقل کے مطابق ہو اور دوسرا یہ کہ وہ لوگوں کو برائی سے روکیں۔ منکر وہ چیز ہے جس کو شرع وعقل ناپسند کریں یعنی حکم الٰہی کی مخالفت منکر ہے۔ یہی لوگ کامیاب ہیں جو کمال فلاح سے مخصوص ہیں۔ یہاں اگرچہ خطاب تو سب کو عام ہے۔ لیکن دعوت الی الخیر کی نسبت بعض کی طرف ہے چونکہ حق کی طرف بلانے کو فقہاء نے فرض کفایہ میں شمار کیا ہے۔ یعنی بعض کے ادا کرنے سے باقی حضرات سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اور نہ ہو تم مثل ان کے جو فرقے بنے اور اختلاف کیا اس کے بعد جو آگئیں ان کے پاس

الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ ﴿۱۰۵﴾

روشن دلیلیں وہی ہیں کہ ان کیلئے عذاب ہے بڑا

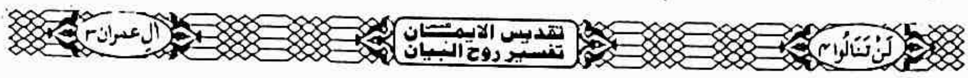
(بقیہ آیت نمبر۱۰۴) **حدیث شریف**: حضور ﷺ ممبر پر وعظ فرمار ہے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ خلق خدا میں افضل کون ہے تو آپ نے فرمایا کہ جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور اس کے دل میں خوف خدا ہو اور صلہ رحمی بھی کرتا ہو (احکام القرآن)۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ برائی دیکھ کر بھی لوگوں کو اس سے نہیں روکتے تو عذاب الٰہی میں مجرموں کے ساتھ وہ بھی مبتلا ہونگے۔ (کنز العمال)

مسئلہ: نہی عن المنکر یعنی برائی سے روکنا ہر لحاظ سے واجب ہے لہذا ہر مکلف پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔ اس کیلئے عالم یا عامل ہونا ضروری نہیں۔ ہر مسلمان نیکی کا حکم دے سکتا ہے۔ برائی سے روک سکتا ہے۔

(آیت نمبر۱۰۵) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو تفرقہ ڈالتے ہیں۔ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ جنہوں نے درجنوں فرقے بنائے۔ توراۃ اور انجیل کی اکثر آیات کو چھپا کر اور ان کے معانی اور مطالب تبدیل کر کے آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔ یہ سب کام اس گھٹیا دنیا کی لالچ میں کیا اور اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح آیات آگئیں۔ جن میں انہیں سمجھا دیا گیا۔ لیکن نہ ماننے کی وجہ سے ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ **مسئلہ**: اہل اسلام میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنا از حد ضروری ہے۔ ورنہ خانہ جنگیاں شروع ہو جائینگی (جیسے آج کل شروع ہیں) پھر دین و دنیا کے امور میں بگاڑ اور بود و معاش کا سارا معاملہ خراب ہو جائیگا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے جو جماعت سے الگ ہوا۔ شیطان اسے گھیر لیتا ہے۔ (ترمذی)

ف: جو شخص شریعت پر عمل کرے اور صراط مستقیم پر قائم رہے اور تفرقہ بازی سے باز رہے۔ تو ایسے شخص کا نہ حساب ہوگا نہ پل صراط عبور کرنا مشکل ہوگی وہ انبیاء و اولیاء کے ساتھ ہی سیدھا جنت میں داخل ہو جائیگا۔

افسوس یہ ہے کہ آج ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں۔ خدا ایک رسول ایک کتاب ایک اور کعبہ بھی ایک ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بے شمار فرقوں میں بانٹ رکھا ہے۔ اور علماء سو (بدعقیدہ مولویوں) نے ان میں نفرت و عداوت کی ایسی بلند دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں۔ کہ ان کا آپس میں اکٹھا مل بیٹھنا بھی دشوار ہے۔



يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ قف

جس دن سفید ہوں گے کچھ چہرے اور کالے ہونگے کچھ چہرے البتہ وہ کہ سیاہ ہونگے چہرے ان کے

اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

کیا کفر کیا تم نے بعد ایمان لانے کے تو اب چکھو عذاب بہ سبب اس کے جو تھے تم کفر کرتے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

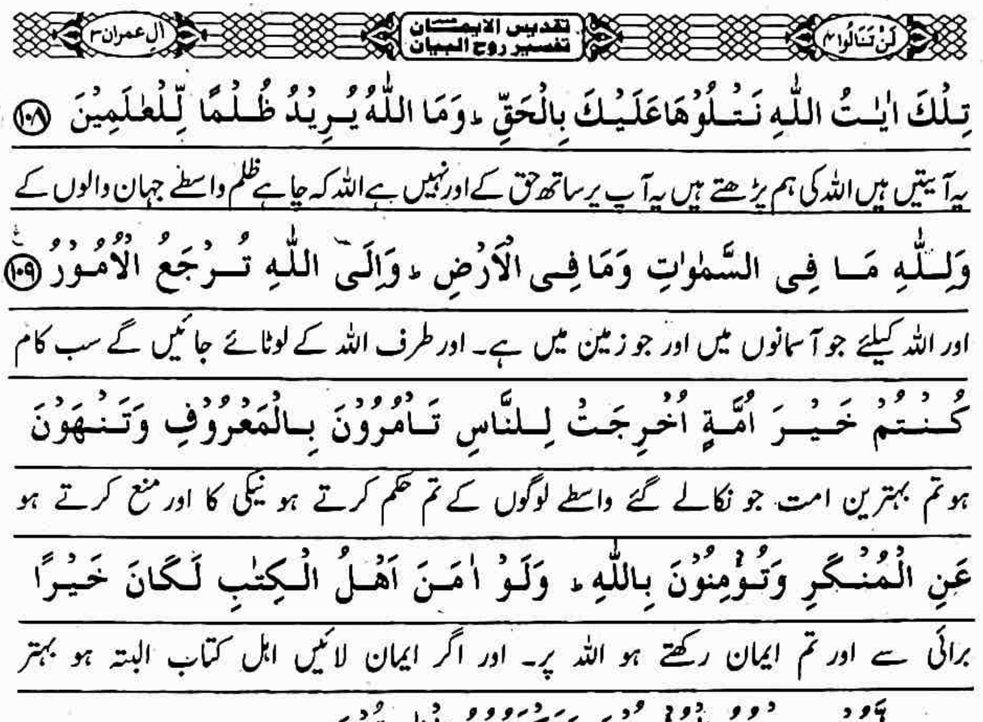
اور البتہ وہ جن کے سفید چہرے ہوں گے وہ رحمت الٰہی میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

(آیت نمبر ۱۰۶) اس (قیامت) کے دن بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہونگے اور بہت سارے لوگوں کے چہرے سیاہ ہونگے۔ یعنی حق والوں کے چہرے نور علیٰ نور ہوں گے ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں نور ہی نور ہوگا اور اہل باطل کے چہرے سیاہ کالے اور آگے پیچھے تاریکی ہی تاریکی ہوگی۔ تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ انہیں کہا جائیگا کہ کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے۔ یہ بات اظہار تعجب کے طور پر کہی جائیگی۔ ظاہراً تو اس سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں جو انبیاء پر ایمان رکھتے تھے اور حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے انتظار کر رہے تھے جب حضور ﷺ تشریف لے آئے تو پھر منکر ہو گئے یا تمام کفار مراد ہیں جو روز میثاق تو ایمان لائے اور دنیا میں آ کر منکر ہو گئے ان سے قیامت کے دن کہا جائیگا۔ اب چکھو (مزا) عذاب کا اس سبب سے کہ جو تم کفر کرتے رہے۔

(آیت نمبر ۱۰۷) البتہ جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے۔ یعنی جنت اور اس کی نعمتوں میں مزے کر رہے ہوں گے۔

مسئلہ: مومن کا یہ عقیدہ ہے کہ بخشش محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگی۔ اعمال پر بھروسہ نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ نیک اعمال سے جنت میں درجات ملیں گے۔ اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اصل میں سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ کہ پھر ان سے کیا معاملہ ہوگا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں رہیں گے کبھی بھی انہیں وہاں سے نکالا نہیں جائے گا اور نہ ان کو وہاں پر موت آئیگی۔

مسئلہ: نیک بخت لوگوں کے چہرے تو محشر کے میدان میں ہی نورانی ہو جائیں گے وہ تمام لوگوں میں نمایاں نظر آئیں گے اور تمام اہل محشر بھی انہیں دیکھ کر ان پر رشک کر رہے ہوں گے۔ اور وہ انہیں دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ یہ اہل سعادت میں سے ہیں۔ جنہوں نے ایمان بھی لایا۔ اور نیک اعمال بھی کئے۔



تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم پڑھتے ہیں یہ آپ پر ساتھ حق کے اور نہیں ہے اللہ کہ چاہے ظلم واسطے جہان والوں کے

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ کیلئے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور طرف اللہ کے لوٹائے جائیں گے سب کام

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ

ہو تم بہترین امت جو نکالے گئے واسطے لوگوں کے تم حکم کرتے ہو نیکی کا اور منع کرتے ہو

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا

برائی سے اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔ اور اگر ایمان لائیں اہل کتاب البتہ ہو بہتر

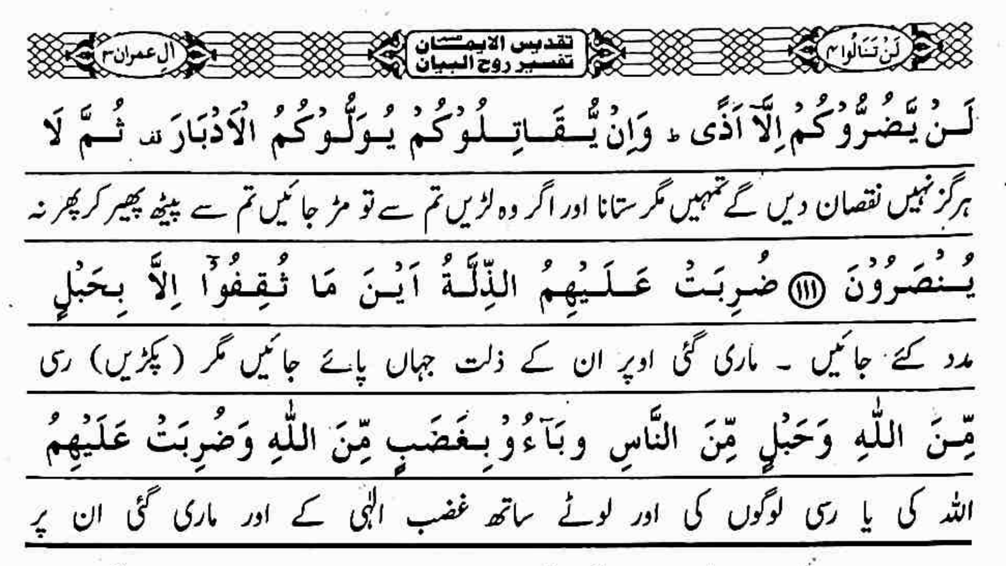
لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

واسطے ان کے کچھ ان میں مومن ہیں اور زیادہ ان میں فاسق ہیں

(آیت نمبر ۱۰۸) یہ آیات ہیں جن میں نیک لوگوں کو نوازنے اور کفار کو عذاب دینے کا بیان ہے۔ ہم یہ آیات حق کے ساتھ آپ کو سناتے ہیں یا یہ آیات حق سے ملانے والی ہیں۔ یعنی نیکوں کی نیکی میں کمی نہ ہوگی مجرم کی سزا میں جرم سے زیادتی بھی نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق جزاء وسزا دی جائیگی اور اللہ تعالیٰ عالمین میں سے کسی پر کسی قسم کے ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ اس کے باوجود کہ وہ علی الاطلاق مالک ہے اور اس کے تمام افعال مبنی بر حکمت ہیں۔

(آیت نمبر ۱۰۹) یعنی جو کچھ زمین یا آسمانوں میں ہے۔ وہ اسی کی ملکیت ہے وہ اکیلا ہی سب اشیاء کا مالک ہے۔ زمین وآسمانوں کی کسی چیز میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی قضا یا اس کے حکم کی طرف ہی سب کام لوٹائے جائیں گے پھر وہ اس کے مطابق جزا وسزا دے گا اور اس کے حکم میں کسی کو کوئی دخل نہیں چونکہ آخرت میں وہی واحد مالک ہوگا۔ اس لحاظ سے امور کو رجوع سے تعبیر کیا گیا۔

(آیت نمبر ۱۱۰) تم ہمیشہ سے بہترین امت ہو کہ تم پہلی امتوں میں بھی مشہور تھے اور لوگوں کی مصلحت اور نفع کیلئے ظاہر کئے گئے کیونکہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ گویا یہ خیر امت ہونے کی دلیل ہے کہ تمہارے خیر امت ہونے کا سبب ہی یہ ہے کہ تمہاری عادات وخصائل بہت اچھے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔


لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا

ہرگز نہیں نقصان دیں گے تمہیں مگر ستانا اور اگر وہ لڑیں تم سے تو مڑ جائیں تم سے پیٹھ پھیر کر پھر نہ

يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ

مدد کئے جائیں ۔ ماری گئی اوپر ان کے ذلت جہاں پائے جائیں مگر (پکڑیں) رسی

مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

اللہ کی یا رسی لوگوں کی اور لوٹے ساتھ غضب الٰہی کے اور ماری گئی ان پر

(بقیہ آیت نمبر۱۱۰) اورتم اللہ پر ایمان بھی رکھتے ہو اور رسول پر کتابوں پر اور جزاء وسزاء پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا بجائے اس کے کہ دنیا کے جاہ وحشمت کی لالچ میں آخرت خراب کریں۔ بعض ان میں مومن ہیں جو چند ایک گنتی کے ہیں جن کا سب کو علم ہے جن کو دارین کی خیر وبرکت ملنے والی ہے۔ اور زیادہ ان میں فاسق ہیں یعنی کفر میں ہی منہمک ہیں۔

(آیت نمبر۱۱۱) ہرگز وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے مگر کچھ تکلیف کہ اپنی جگہ برا بھلا کہہ لیں۔ یہ بات ضرر میں نہیں آتی اور اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں تو بھاگ جائیں پیٹھ پھیر کر یعنی وہ تمہارے سامنے نہیں ٹھہر سکتے اور تمہیں کسی قسم کا نقصان بھی نہیں دے سکتے یعنی تم میں سے کسی کو قتل کر سکیں یا قیدی بنا سکیں یہ ان میں ہمت نہیں ہے۔ اور وہ مدد بھی نہ کئے جائیں یعنی ایسا کوئی نہیں جو ان کی مدد کر سکے یا انہیں قتل وقید وغیرہ سے بچا سکے۔

ف: اس آیت میں اہل کتاب کی اس جماعت کا ذکر ہے جو ایمان لانے کے بعد پکے سچے مسلمان ہو گئے ان کو بتایا گیا کہ تمہاری برادری والے تمہیں ڈرائیں دھمکائیں یا گمراہ کرنے کی کوشش کریں تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آخرکار ذلت ورسوائی ان کو ہی ملے گی۔ اس میں مسلمانوں کیلئے خوشخبری ہے کہ اب وہ تم پر دست درازی نہیں کر سکتے۔ تمہیں قتل کرنا تو دور کی بات ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی گالی گلوچ تمہیں بک دیں گے وہ بھی اپنی جگہ۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جو تمہیں نقصان دے آخرکار رسوائی ان کی ہو گی جیسے بنو قریظہ وغیرہ کی رسوائی ہوئی۔

(آیت نمبر۱۱۲) ان پر ذلت اور رسوائی ماردی گئی۔ یعنی اب وہ کہیں بھی ہوں۔ ذلت اور خواری ان کے ساتھ ہی رہے گی جیسے کوئی چیز قبہ میں آجاتی ہے اسی طرح ذلت نے ان پر گھیرا ڈال لیا ہے البتہ ایک صورت ان کے بچاؤ کی یہ ہے۔ کہ یا تو اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لیں کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا لوگوں کے زیر سایہ آجائیں (جیسے آج کل امریکہ کے زیر سایہ ہیں)

الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

محتاجی یہ بہ سبب اس کے کہ وہ تھے کفر کرتے ساتھ آیتوں اللہ کے اور قتل کرتے

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾

نبیوں کو ناحق یہ بہ سبب اس کے جو انہوں نے نافرمانی کی اور تھے حد سے بڑھتے

ف: درمیان میں واؤ مغائرت کیلئے ہے۔ **نکتہ**: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مغایرت کی وجہ یہ ہے کہ وہ امان جو ذمی کافر کیلئے شرعاً متعین ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) جس کا ذکر بطور نص کے قرآن میں آ گیا ہے یعنی کفار سے جزیہ لے کر انہیں امان دی جائے۔ (۲) اور وہ امام وقت کی رائے اور اجتہاد پر منحصر ہے کہ وہ مفت ہی امان دینا مناسب سمجھتا ہے یا کسی متعین مالیت کی صورت میں۔ پہلی قسم کو حبل من اللہ سے تعبیر کیا جائے گا اور دوسری کو (حبل من الناس) سے۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ اللہ کا غضب لے آئے جو انہوں نے خود ہی اپنی غلط کاری کی وجہ سے اپنے اوپر واجب کر لیا اور اسی طریقے سے ان پر مسکینی ماری گئی۔ یعنی یہ فقیرانہ صورت میں زندگی گذاریں گے اگر چہ بہ ظاہر امیر ہوں گے۔ لیکن حالت ان کی مسکینی یا گر بہ مسکین کی ہوگی (جیسے آج کل یہودی مسلمانوں کو مار بھی رہے ہیں اور ساتھ ساتھ رو بھی رہے ہیں کہ مسلمان ہمیں مارتے ہیں) یاد رکھو یہ ذلت اور مسکینی ویسے ہی نہیں آئی بلکہ اس ذلت اور مسکینی کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے چلے آ رہے ہیں اور وہ آیات جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر واضح دلالت کرتی ہیں نہ صرف یہ بلکہ یہ تمام آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور اس سے بھی بڑا ظلم ان کے بڑوں نے یہ کیا کہ انبیاء سابقہ کو وہ ناحق قتل کرتے رہے اور وہ ان انبیاء کرام کو شہید کرنا ضروری خیال کرتے تھے اور یہ جو (حضور ﷺ کے زمانہ کے یہود ہیں) یہ بھی حضور ﷺ کو شہید کرنا چاہتے تھے مگر انہیں موقع نہ مل سکا اپنی طرف انہوں نے بڑی کوششیں کیں۔ زہر بھی کھلایا جادو بھی کیا اور بھی کئی حربے استعمال کئے۔ اس لحاظ سے انبیاء کے قتل کی نسبت اس وقت کے یہود کی طرف کرنا صحیح ہے۔ (جیسے چور کی چوری پر خوش ہونے والا اس کا برابر کا شریک ہے گناہ کے لحاظ سے)۔ آگے فرمایا کہ یہ ذلت اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے یعنی پہلے عام نافرمانی کی پھر حد سے تجاوز کر کے انبیاء کو قتل کر دیا۔

مسئلہ: گناہ صغیرہ بار بار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے اور کبیرہ کو بار بار کرنے سے کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ اپنے اوپر کسی قسم کے گناہ کا دروازہ ہی نہ کھلنے دے بلکہ مباح کاموں کی بھی عادت نہ بنائے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ متقی اس وقت درجہ کمال تک پہنچتا ہے کہ جب وہ مباح کاموں کو بھی چھوڑ دے کہ کہیں مجھ سے بڑی غلطی نہ ہو جائے۔ (شرح ریاض الصالحین)

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ

نہیں ہیں برابر اہل کتاب ان سے ایک جماعت (حق پر) قائم ہے. پڑھتے آیتیں اللہ کی وقت

الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

شب اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔ ایمان رکھتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور وہ نیک لوگوں میں سے ہیں

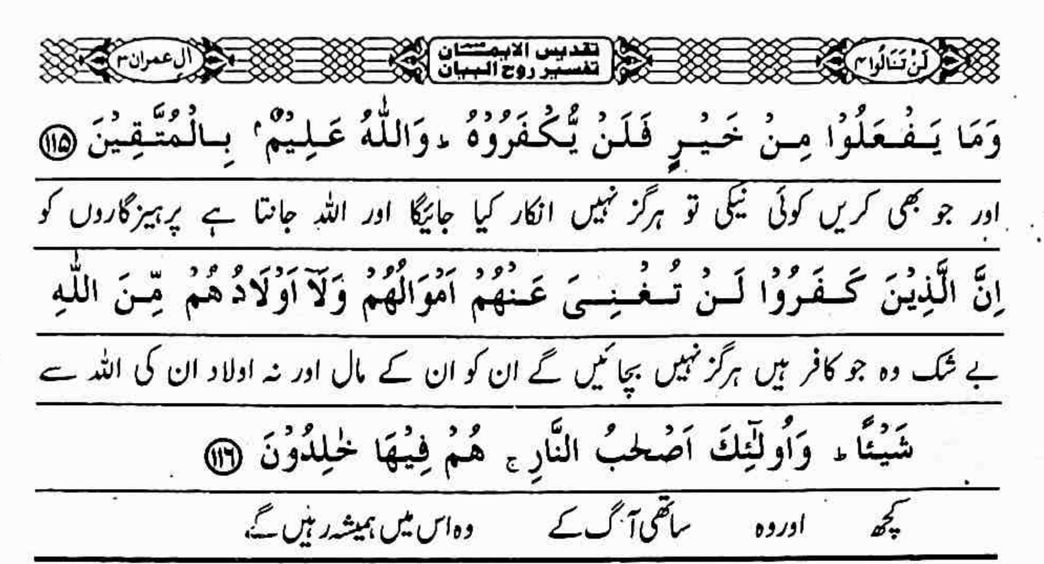
(آیت نمبر ۱۱۳) اہل کتاب برابر نہیں یعنی سارے اہل کتاب ایک ہی جیسے نہیں ہیں ان میں فرق ہے۔ قبائح مذکورہ ان میں پائے جانے کے باوجود ان میں کچھ تو بلند مرتبہ بھی ہیں۔ جو مسلمان ہیں۔

شان نزول: یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے دیگر ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی جو اسلام لائے تو عرض کیا کہ یارسول اللہ ابھی یہود یہاں آئیں گے۔ میں پردے کے پیچھے ہوں گا۔ آپ میرے بارے میں ان سے پوچھنا کہ تم میں عبداللہ بن سلام کیسا آدمی ہے تھوڑی دیر بعد جب وہ آئے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ تم میں عبداللہ بن سلام کیسا آدمی ہے تو انہوں نے بہت تعریف کی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو تم بھی قبول کر لو گے کہنے لگے وہ تو اتنے بڑے عالم ہیں وہ کبھی مسلمان نہیں ہو سکتے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پردے سے باہر آئے اور اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تو وہی یہودی ان کے متعلق برائیاں بیان کرنے لگے۔ قرآن نے ان کی شان بیان کی کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی رات کے وقت عبادت کرتے ہیں۔ خصوصاً مغرب کی نماز کے بعد نماز اوابین پڑھا کرتے تھے اور نماز میں تلاوت قرآن کرتے تھے۔ رات کے آخری حصے میں اور اس کے بعد سجدہ کرتے تھے۔

نکتہ: سجدہ کا ذکر اس لئے کیا کہ اس میں کمال خضوع ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ اس نماز سے مراد ان کی نماز تہجد ہو۔

یہود کے دو گروہ: ایک امت مذمومہ جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا اور دوسرا یہ گروہ ہے جن کی مدح بیان کی گئی۔

(آیت نمبر ۱۱۴) کہ وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر بھی جیسا کہ شرع شریف نے حکم دیا۔ اگرچہ ظاہراً تو سارے یہود اللہ اور قیامت کو مانتے ہیں۔ لیکن انکا مذمومہ گروہ حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا ماننے کی وجہ سے گویا وہ نہ اللہ کو مانتا ہے نہ آخرت پر یقین رکھتا ہے اور یہ دوسرا نیک لوگوں کا گروہ امۃ قائمہ جو ہیں۔ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔



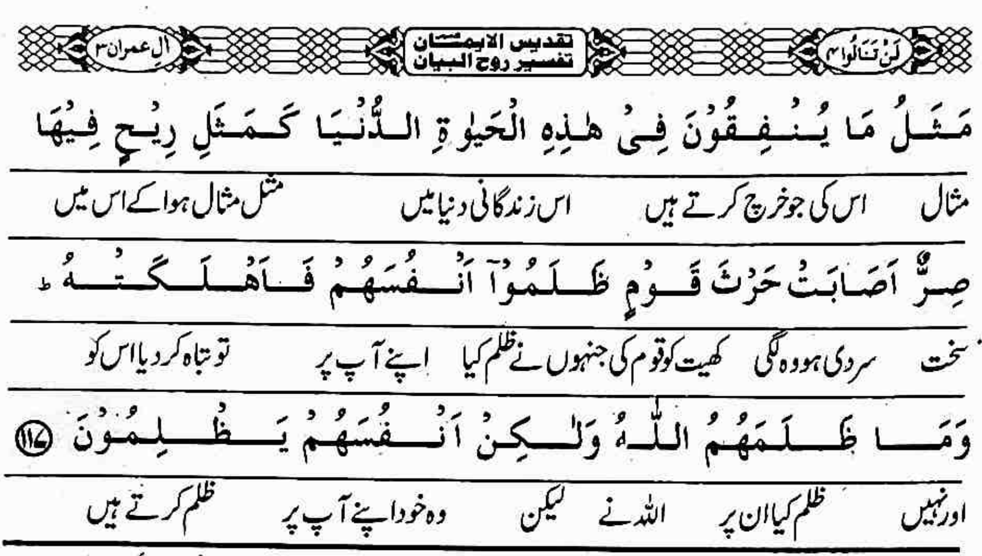
(بقیہ آیت نمبر۱۱۴) اور برائی سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور یہ نیک لوگوں کا گروہ نیکی حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ بہت زیادہ رغبت کو جلدی کرنے سے تعبیر کیا گیا اور فرمایا کہ یہ لوگ صالحین ہیں لہذا اب وہ جو بھی نیکی کا کام کریں گے ان کی نیکیوں کو ضائع نہیں ہونے دیا جائیگا کہ ان کو ثواب نہ ملے یا ثواب تھوڑا ملے۔

(آیت نمبر۱۱۵) اور وہ جو بھی نیکی کریں گے۔ اس کا انکار نہیں کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں مکمل جزاء وثواب دینے کا نام شکر رکھا اور کسی کے ثواب کو روکنے اور پورا بدلہ نہ دینے کو مجازاً کفران کہا۔ یعنی نیکی کرنے والے کو پورا بدلہ دیا جائیگا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی تقوی تمام بھلائیوں اور اچھے اعمال کا اصل ہے اور کامیاب لوگ ہی متقین ہیں۔ **ف**: تقوی ہی دراصل متقین کا نشان ہے۔ صالحین سے مراد ہمیشہ نیکی کرنے والے لوگ ہیں۔

(آیت نمبر۱۱۶) بے شک جنہوں نے انکار کر دیا ایمان لانے سے یعنی جس پر ایمان لانا ان کیلئے ضروری تھا۔ اس پر نہیں لائے۔ انہیں ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور اولاد اللہ کے عذاب سے بچانے کیلئے۔

شانِ نزول: کفار کو اپنے مال واولاد پر بڑا فخر تھا کہ یہ مال اور اولاد ہوتے ہوئے ہمیں کیسے عذاب ہوگا اور اس مال واولاد ہی پر فخر کرتے ہوئے حضور ﷺ کو اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو فقر وفاقہ پر عار دلاتے کہ تم حق پر ہوتے تو تمہیں یہ فقر وفاقہ نہ ہوتا۔ چونکہ انہوں نے آخرت کو دنیا پر قیاس کر لیا تھا۔

نکتہ: چونکہ مال اور اولاد سے انسان دنیا میں فائدہ اٹھاتا ہے تو کافروں نے یہ سمجھا کہ آخرت میں بھی یوں ہی ہوگا۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ یہی لوگ جہنمی ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر مال واولاد پر بھروسہ کئے ہیں وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔



(بقیہ آیت نمبر ۱۱۶) **ربط آیات:** جب یہ کہا گیا کہ کفار کو ان کے مال و اولاد کام نہیں آئیں گے تو کفار نے کہا ہم تو اچھے اچھے خیر کے کاموں میں بھی خرچ کرتے ہیں اس سے تو ضرور ہمیں فائدہ پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا یہ جواب دیا۔ کہ تمہارے اعمال ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔

(آیت نمبر ۱۱۷) دنیا میں کفار جو مال اچھے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ یعنی جو مال ان کے خیال میں قربت خداوندی کی نیت سے یا فخریہ طور پر یا مشہوری کیلئے خرچ کیا۔ یا مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوا جیسے بدر وغیرہ کی لڑائیوں میں بہت سارا مال کفار نے خرچ کیا تو وہ بالکل ایسا ہے۔ جیسے بہت ٹھنڈی اور تیز ہوا کسی قوم کی لہلہاتی ہوئی کھیتی پر آئے۔ جنہوں نے کفر و شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور ان کی کھیتی کو تباہ کر جائے۔ جڑوں سمیت اکھیڑ کر اس کا نام و نشان ختم کر جائے تو وہ کہیں یہ کیا ہوا ہماری تو ساری محنت ضائع ہو گئی تو اللہ کریم نے فرمایا کہ ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ کہ انہوں نے اپنے مالوں کو ناجائز جگہ خرچ کیا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے تھے۔ اس لئے ان پر یہ عذاب نازل ہوا۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ جو لوگ صرف دنیوی فوائد کیلئے یا اپنی مشہوری کیلئے مال و دولت خرچ کرتے ہیں۔ ایسے خرچ پر انہیں کوئی ثواب نہیں مل سکتا۔ کافروں کو کہاں ثواب مل سکتا ہے۔ کافر لوگ اگر آخرت کے ثواب کیلئے مال خرچ کریں بھی جیسے قریش مکہ حاجیوں کی خدمت اور کعبے کی تعمیر وغیرہ جیسے اعمال جتاتے تھے۔ ایسے کفار و مرتدین آج بھی اس قسم کے کار خیر میں مال خرچ کرتے ہیں جیسے سرائیں بنانا۔ پل تیار کرنا۔ ضعیفوں یتیموں بیواؤں کی خبر گیری کرنا وغیرہ اور وہ بھی آخرت کے ثواب کی امید کرتے ہیں لیکن کفار جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جائیں گے۔ تو ان کے سامنے ان کے تمام نیک اعمال ھباء منثورا (گرد و غبار) کر کے اڑا دیئے جائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا

اے ایمان والونہ بناؤ رازدار اپنوں کے سوا نہیں کمی چھوڑیں گے تمہیں نقصان پہنچانے میں وہ وہی چاہتے ہیں

مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ

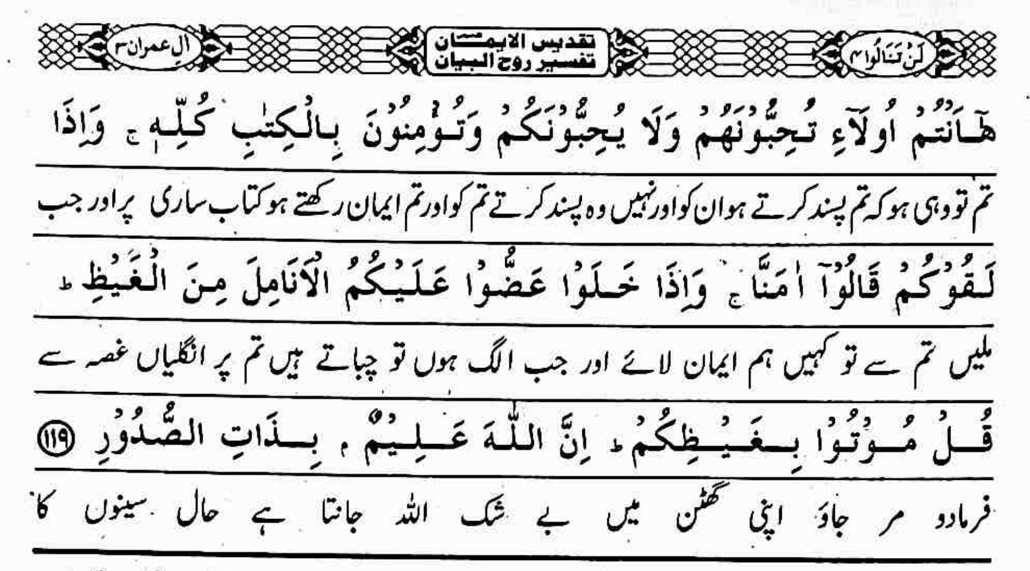
جو تمہیں تکلیف پہنچے تحقیق ظاہر ہوچکا بغض ان کے مونہوں سے اور جو چھپا ہوا ہے

صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

سینوں میں ان کے وہ اس سے بڑا ہے تحقیق واضح کیں تمہارے لئے آیتیں اگر ہو تم سمجھتے

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۷)۔۔ جیسے کسی کسان کی کھیتی لہلہاتی پر اولے پڑیں یا سخت آندھی کی وجہ سے جڑوں سمیت اکھڑ جائے تو زمیندار حسرت وحزن سے ہاتھ ملتا رہ جائے اور اسے حسرت ویاس کے سوا کچھ بھی نصیب نہ ہو۔ یہی حال کفار کا ہوگا۔ جب وہ اپنے اعمال کو ضائع دیکھیں گے۔ **سبق**: لہذا مومن پر لازم ہے۔ نیکی حاصل کرنے کیلئے مال خرچ کرنے میں دیر بھی نہ کرے اور عمل میں اخلاص کو بھی مدنظر رکھے ورنہ سب کچھ ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۸) اے ایمان والو اپنوں کے سوا کسی کو رازدار نہ بناؤ۔ **شان نزول**: یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جن کے کفار اور منافقین کے ساتھ بھی مراسم تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں منافقین کی دوستی سے روکا اور فرمایا کہ اے ایمان والو تم اپنے مسلمان بھائیوں کے علاوہ کسی کو اپنا ولی دوست نہ بناؤ۔ **بطانہ** اس دوست کو کہا جاتا ہے جو اپنے دوست کے اندرونی بھید سے واقف ہو چونکہ ایسے دوست پر کلی اعتماد ہوتا ہے۔ لہذا فرمایا کہ یہ منافق تمہیں نقصان پہنچانے میں مکروفریب کر کے یا دھوکہ دے کر تمہیں نقصان پہنچانے میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑیں گے اور ہر وہ جدوجہد کریں گے جو تمہارے لئے دکھ اور تکلیف کا باعث ہو اور فرمایا کہ وہ یہی چاہتے ہیں کہ تمہیں کوئی نہ کوئی دکھ اور تکلیف پہنچتی ہی رہے۔ بلکہ وہ پوری کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہارا کوئی دینی یا دنیوی نقصان ہو اور ضرر پہنچے اور فرمایا کہ یہ جو بغض اور عداوت تمہارے متعلق دل میں رکھتے ہیں ان کے مونہوں سے ظاہر ہوگئی ہے ان کی کوشش تو ہوتی ہے کہ وہ بغض دل میں رہے لیکن وہ رہ نہیں سکتے کسی نہ کسی وقت ان کا وہ زہر زبان پر ظاہر ہو ہی جاتا ہے اور جو کچھ انہوں نے سینوں میں چھپا رکھا ہے وہ تو اس سے بھی کئی گناہ زیادہ ہے اور جو کچھ ظاہر ہو جاتا ہے وہ بھی بے بس ہو کر جسے وہ کسی طرح روک نہیں سکتے۔ آگے فرمایا کہ تحقیق ہم نے تمہارے لئے آیات کو بیان کر دیا تا کہ تم اپنے اندر خلوص پیدا کرو اور دوستی صرف مسلمانوں سے رکھو اور ان کافروں سے دور رہو اگر تم عقل والے ہو اور جو ہم نے بتایا ہے اس پر عمل کرو۔ (لیکن صد افسوس ہے سعودیہ کے ان شہزادوں پر جو یہودیوں سے اور دیگر کفار سے بھی محبت کرتے ہیں اور مسلمانوں سے دشمنی کرتے ہیں)۔



هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا

تم تو وہی ہو کہ تم پسند کرتے ہو ان کو اور نہیں وہ پسند کرتے تم کو اور تم ایمان رکھتے ہو کتاب ساری پر اور جب

لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ

ملیں تم سے تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب الگ ہوں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے

قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

فرمادو مر جاؤ اپنی گھٹن میں بے شک اللہ جانتا ہے حال سینوں کا

(آیت نمبر ۱۱۹) پھر تم وہی ہو جو ان منافقوں سے دور رہنے کے بجائے ان سے دوستی رکھتے ہو مگر یاد رکھو تم تو ان سے محبت کرتے ہو لیکن وہ تم سے محبت نہیں کرتے کیونکہ تمہارا دین ہی الگ الگ ہے آگے فرمایا کہ تم سب کتابوں کو ماننے والے ہو یعنی تم تو ان کی کتاب توراۃ پر بھی ایمان رکھتے ہو مگر وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے اس آیت میں گویا مسلمانوں کو بھی زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ وہ اہل باطل ہو کر اپنے دین پر پختہ ہوں اور تم اہل حق ہو کر اتنے پختہ نہیں ہو کہ تم ان سے دوستی کرو اور وہ تم سے دشمنی کریں۔

آگے فرمایا کہ جب وہ تمہیں ملتے ہیں تو زبانی دعوی کرتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں اور یہ بات وہ منافقت سے کہتے ہیں کیونکہ جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں تو انہیں تم پر اس قدر غصہ ہوتا ہے کہ اسی غصہ میں اپنی انگلیاں چباتے ہیں کہ کون سا طریقہ ہو کہ ان کا غصہ تم پر نکلے۔ منافقین کا یہ غصہ اس لئے ہے کہ جب دیکھتے ہیں کہ مسلمان دن بدن ترقی میں ہیں۔ آپس میں ان کی سخت محبت ہے۔ اتفاق ان کا بے مثال ہے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے بہت بڑے خیر خواہ ہیں اس لئے انہیں تم پر سخت جلن ہے۔ تو فرمایا اے حبیب ان سے کہہ دیں کہ اگر تمہیں مسلمانوں پر بہت ہی جلن ہے تو تم مر جاؤ اپنے غصے میں۔ یہ ان کے لئے بددعائیہ کلمہ ہے کہ جوں جوں اسلام ترقی پذیر ہے۔ اسی طرح ان کا غصہ بھی روبہ ترقی ہے اور یہ غصہ انہیں برباد کردے گا۔ اس سے ان پر لعنت اور پھٹکار کا اظہار ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو تمہارے سینوں کے اندر کے حال کو بھی جانتا ہے۔ یعنی جو تم مسلمانوں سے بغض و عداوت کرتے ہو وہ اس کے علم میں ہے۔

سبق: اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو دشمنوں کی خطرناک چالوں سے محتاط اور چوکنا رہنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔ کہ تمہارے دل تو صاف ہیں۔ لیکن وہ تم پر جلتے ہیں اور کچھ نہ کرسکیں تو اپنی انگلیاں ہی چباتے ہیں۔

اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا

اگر پہنچے تمہیں کوئی اچھائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر پہنچے تمہیں کوئی برائی تو خوش ہوتے ہیں اس سے اور اگر صبر کرو

وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ؏ ﴿۱۲۰﴾

اور متقی بنو تو نہ نقصان ہو تمہیں ان کے مکر سے کچھ۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو بھی وہ کریں اسے گھیرنے والا ہے

(آیت نمبر۱۲۰) اے مسلمانو جو بھی تمہیں بھلائی ملے یعنی تمہیں جب دشمن پر غلبہ حاصل ہو یا وہاں سے مال، غنیمت ملے تو تمہاری ترقی اور خوشحالی ان منافقوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ وہ انہیں بری لگتی ہے کہ مسلمانوں کو یہ خیر و برکت اور اتنا نفع کیوں ملا اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے یعنی جنگ میں کوئی نقصان ہو یا کوئی مسلمان قید ہو جائے یا تم قحط و تنگدستی کا شکار ہو جاؤ تو اس پر وہ خوشی مناتے اور شادیانے بجاتے ہیں یعنی ان کی خوشی کا دارومدار تمہاری تکلیف پر ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم ان کی تکالیف پر صبر کرو اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے بچو تو ان کافروں کا مکر و فریب جو انہوں نے تمہارے مٹانے کیلئے تیار کر رکھا ہے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کے فضل و کرم سے ان کے تمام داؤ پیچ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس لئے کہ احکام الٰہی پر چلنے والا تقوے اور صبر والا ہی دشمن پر حملہ کرنے کی جرأت رکھتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں کو جو تمہاری دشمنی میں کر رہے ہیں گھیرنے والا ہے۔ یعنی ان کفار و منافقین کو اور ان کے ارادوں کو خوب جانتا ہے پھر ان کی اس بدعملی پر ان کو سزا دے گا۔ **فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے گھراؤ کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے۔ نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ **سبق:** عقل مند پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دور رہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والے ہر دکھ درد پر صبر کرے۔ اس لئے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر امتحان ہے۔ مسلمانوں کے دشمن گالیاں ہی بک سکتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کافروں کی بدزبانی سے انبیاء نہیں بچ سکے۔ اور کون بچے گا۔

حدیث شریف: نبی پاک ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو وصیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی پوری کوشش کرو اور ہر دکھ اور تکلیف میں صبر کرو اس میں بہت ہی خیر و برکت ہے۔ (رواہ الطبرانی)

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ

اور جب صبح کے وقت نکلے آپ اپنے گھر سے مقرر کررہے تھے مومنوں کو مورچوں میں

لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ

لڑائی کیلئے اور اللہ سننے جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم سے یہ کہ

تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

بزدلی دکھائیں حالانکہ اللہ مددگار تھا انکا اور اوپر اللہ کے توکل کرنا چاہئے ایمان والوں کو

(آیت نمبر۱۲۱) اے میرے حبیب ﷺ اپنے اصحاب کو یاددلائیں کہ جب تم صبح کو گھر سے نکلے تھے۔ تاکہ غزوہ احد میں جو کچھ گذرا وہ بات یاددلاؤ یعنی بے صبری کے بعد جب سنبھل کر صبر وتقوی سے کام لیا تو کفار کا کوئی حربہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اهــــلك سے مراد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ سے نکلے اس کا مطلب ہے کہ حضرت عائشہ باقی ازواج مطہرات سمیت اہل بیت میں ہیں شیعہ لوگوں کا انہیں اہل بیت سے نکالنا قرآن کے خلاف ہے آگے فرمایا کہ وہ وقت یاد کریں جب آپ مسلمانوں کو لڑائی کیلئے اور مرکز جنگ میں اترنے کیلئے تیار کررہے تھے۔ مقاعد سے وہ مقامات مراد ہیں کہ جہاں جہاں حضور ﷺ انہیں متعین فرمارہے تھے۔ ہر صحابی اور ہر گروہ کو اپنے اپنے مورچے میں بیٹھنے اور تاک میں رہنے کی تلقین فرمارہے تھے۔ **واقعہ**: مشرکین مکہ بدھ کے دن احد میں پہنچے تو حضور ﷺ نے پہلی مرتبہ منافقین کو بھی مشورہ میں شامل فرمایا کہ کیا کیا جائے۔ منافقوں نے اور کچھ مسلمانوں نے کہا کہ ہمیں مدینے شریف میں رہتے ہوئے لڑنا چاہئے اگر وہ شہر میں آبھی گئے تو ہماری عورتیں اور بچے ہی ان کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے لیکن بعض نوجوان مسلمانوں نے کہا کہ ہم ان کتوں کا مقابلہ باہر نکل کر کریں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں اشارہ ملا ہے کہ ہمیں فتح ونصرت ملے گی۔ بالآخر آپ نے جنگی لباس پہنا تو باقی صحابہ بھی تیار ہوگئے بہر حال نماز جمعہ کے بعد آپ بمعہ اصحاب احد کی طرف چل پڑے اور احد میں پہنچ کر مقابلے کی تیاری اور ہفتہ کی صبح ۱۵ شوال اور تین ہجری تھی۔ منافقین تو حسب عادت کفار کو دیکھ کر ہی دم دبا کر واپس بھاگ نکلے لیکن مسلمانوں نے بہادری دکھائی جس پر ان کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی (تمام واقعہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے) آگے فرمایا اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کا صحابہ کے ساتھ ہونے والے مشورے کو سن رہا تھا اور اس کے علم میں ہے کہ کون مدینہ میں لڑنے کا اور کون باہر نکل کر لڑنے کا کہہ رہا تھا۔

(آیت نمبر۱۲۲) یعنی ان کو وہ وقت بھی یاددلائیں کہ جب مومنوں کے دوگروہوں (بنوسلمہ اور بنوحارثہ) نے بزدلی کی یعنی انہوں نے واپسی کا دل میں سوچا لیکن کوئی پختہ ارادہ نہ تھا ویسے ہی نفسانی خیال آیا۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں اس حال میں کہ تم کم تھے پس ڈرتے رہو اللہ سے تا کہ تم شکر گذار بنو

(بقیہ آیت نمبر۱۲۲) لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس جانے کے ارادے پر عمل کرنے سے بچالیا اللہ تعالیٰ ہی ان کا مددگار رہا کہ دلی خطرات سے بچ نکلے۔ کسی اور پر بھروسہ کرنے کے بجائے صرف اللہ پر ہی ایمان والے بھروسہ کریں کیونکہ انہیں وہی کافی ہے۔ **ف**: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اگر کوئی مکروہ چیز یا آفت وغیرہ پیش آئے تو وہ اللہ پر بھروسہ کر کے اسے دور کرے۔

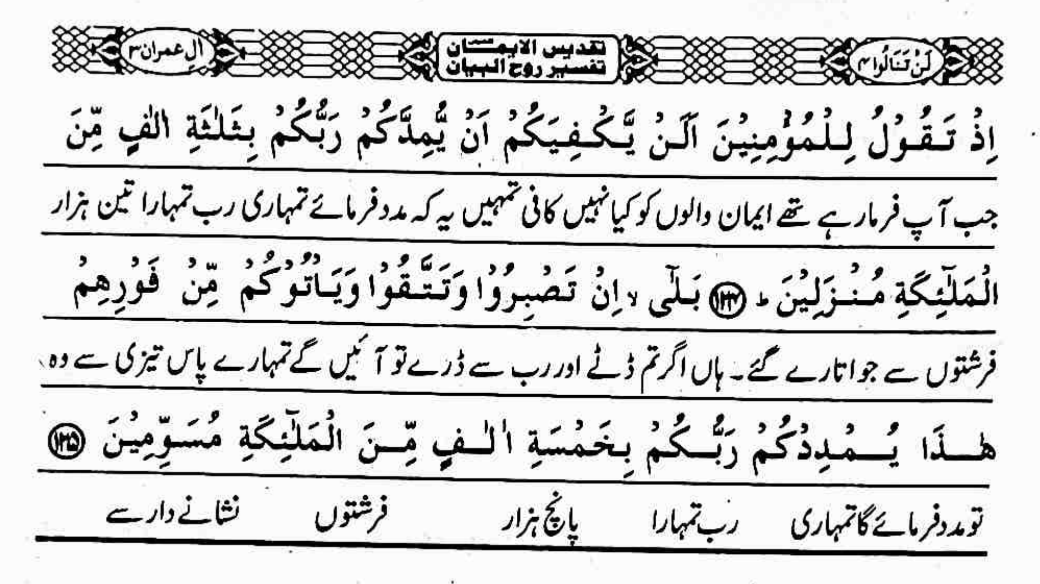
توکل کی تین علامات: (۱) اللہ کے سوا کسی سے سوال نہ کرے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی تکلیف آئے اس پر صبر کرے۔ (۳) جو مال اپنی ضرورت سے بچے اسے جمع نہ کرے۔ بلکہ اللہ کی راہ میں لگادے۔

ضروری اشیاء کا ہونا توکل کے خلاف نہیں: حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ توکل میں مشہور ہوئے۔ کسی نے آپ کے پاس: (۱) سوئی۔ (۲) دھاگا۔ (۳) قینچی۔ (۴) لوٹا دیکھ کر پوچھا کہ آپ متوکل علی اللہ ہو کر یہ چیزیں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ ان چیزوں سے توکل نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر کچھ فرائض ہیں۔ مثلاً نماز کی ادائیگی کیلئے میرے پاس صرف ایک قمیص ہے وہ اگر پھٹ جائے تو ظاہر ہے پھٹے کپڑے سے ستر عورت نہ رہے گا جس سے نماز فاسد ہوگی۔ لہٰذا سوئی دھاگے سے سی کر ستر چھپالوں گا جس سے تکمیل عبادت ہو لہٰذا یہ ضروری اشیاء رکھنا توکل کے خلاف نہیں۔ اسی طرح اگر لوٹا نہیں ہوگا تو وضو کیسے کروں گا اور وضو نہ ہوا تو نماز کیسے پڑھوں گا۔

ف: بزرگ فرماتے ہیں کہ انسان جب توکل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے منہ مانگی چیز عطا فرماتا ہے۔

سبق: لہٰذا سالک کو چاہئے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور اپنے تمام کام اس کے سپرد کر دے۔ اسباب پر نظر رکھنے کے بجائے خدا پر نظر رکھے۔ ع: اٹھ باندھ کر کیوں ڈرتا ہے۔۔۔۔ پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

(آیت نمبر۱۲۳) اور البتہ تحقیق بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی۔ یہ بات یاد کرا کر توکل کو پختہ کیا جا رہا ہے۔ کہ بدر میں ہر چیز کی کمی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کامل تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو ہر طرح وہاں کامیابی ملی۔



اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

جب آپ فرمارہے تھے ایمان والوں کو کیا نہیں کافی تمہیں یہ کہ مدد فرمائے تمہاری رب تمہارا تین ہزار

الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ

فرشتوں سے جو اتارے گئے۔ ہاں اگر تم ڈٹے اور رب سے ڈرے تو آئیں گے تمہارے پاس تیزی سے وہ

هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

تو مدد فرمائے گا تمہاری — رب تمہارا — پانچ ہزار — فرشتوں — نشانے دار سے

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۳) بدر ایک کنواں ہے:

بدر کی لڑائی جس مقام پر ہوئی۔ وہ جگہ بدر کے کنویں کی وجہ سے مشہور تھی جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، اس کو کھودنے والے کا نام بدر تھا۔ اس لئے کنوئیں کا نام بدر پڑ گیا۔ اور اب اس علاقے کا نام بدر ہے۔ اور بدر کا غزوہ ۱۷ رمضان ۲ ہجری میں واقع ہوا تو اس موقع کے متعلق فرمایا کہ اس وقت تم گنتی کے لحاظ سے بہت تھوڑے تھے۔ تمہاری حالت بھی پتلی تھی یعنی ہتھیار بھی کم اور سواریاں بھی تھوڑی تھیں۔ کل تعداد تین سو تیرہ نفوس تھے ان میں ۷۶ مہاجرین باقی انصار تھے رضی اللہ عنہم۔ اور دشمن کی تعداد ہزار تھی اور وہ اسلحہ سے بھی لیس تھا۔ آگے فرمایا کہ میرے رسول کی مخالفت میں اللہ سے ڈرو یعنی میرے رسول کے ساتھ ثابت قدم رہو تا کہ تم شکر گذار بنو۔ جب تم میرا شکر کرو گے۔ تو کامیابی تمہاری ہی ہوگی۔

(آیت نمبر ۱۲۴) اے محبوب وہ وقت بھی اپنے غلاموں کو یاد دلاؤ جب آپ ایمان والوں سے فرمارہے تھے۔ کہ تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے تین ہزار فرشتوں سے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتر چکے ہیں۔

ف: مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے ایک ہزار فرشتے آئے پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار۔

نکتہ: فرشتوں کے اتارنے میں حکمت یہ تھی تا کہ مسلمانوں کے دل مضبوط ہو جائیں۔

(آیت نمبر ۱۲۵) ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کو اختیار کرو۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری مدد فرمائے گا۔ صبر سے مراد ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور تقوی سے مراد ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے سے ڈرنا یعنی اگر تم صبر کرو اور ڈرو تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان دار گھوڑوں والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے گا اور ان فرشتوں کے گھوڑوں کی علامت یہ ہے کہ ان کے کان اور پیشانیاں سفید ہوں گی۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ

اور نہیں بنایا اس کو اللہ نے مگر خوشخبری واسطے تمہارے تا کہ مطمئن ہوں دل تمہارے اس سے اور نہیں مدد

اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ ﴿۱۲۶﴾

مگر من جانب اللہ جو غالب حکمت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۵) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ بدر کے دن فرشتوں کے سروں پر سفید پگڑیاں تھیں۔ البتہ جبریل امین کی زرد رنگ کی پگڑی تھی۔ کچھ فرشتے نظر بھی آ رہے اور کچھ نظر تو نہیں آ رہے تھے۔ مگر حالات سے پتہ چل رہا تھا کہ فرشتے مسلمانوں کی بھرپور مدد کر رہے ہیں۔

فرشتوں کی خوشخبری کی وجہ: مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ کفار کی مدد کیلئے۔ کرز بن جابر محاربی بڑی کمک لے کر آ رہا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو کچھ تشویش ہوئی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ کیا ہوا اگر کرز اپنی جمعیت کے ساتھ آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کیلئے تین ہزار فرشتے بھیج دیئے۔ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو۔ تو یہ تعداد بڑھا کر پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ حضور ﷺ کے فرمانے سے صحابہ کے حوصلے اور بھی بلند ہو گئے۔ اور وہ خوب جم کر لڑے۔

غیبی خبر: حضور ﷺ نے اگلی شام کو ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تمام بڑے بڑے کافروں کے ملیامیٹ ہونے کی اطلاع دے دی تھی اور یہ بھی بتایا۔ کہ کون کہاں گرے گا۔ اس سے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوصلے بلند ہو گئے تھے۔

(آیت نمبر ۱۲۶) فرمایا کہ نہیں بنایا ہم نے اس مدد کو مگر صرف اس لئے کہ تم خوش ہو جاؤ اور فرشتوں کی امداد سے تمہارے دلوں کو سکون حاصل ہو جائے۔ جیسے بنی اسرائیل کیلئے سکینہ ان کے دلوں کیلئے سکون کا سبب بنا ایسے ہی فرشتوں کی آمد تمہارے دلوں کیلئے سکون کا سبب بنی اور نہیں تھی یہ مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ یعنی مدد لاؤ لشکر یا ساز و سامان سے نہیں تھی بلکہ اصل مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ مدد کیلئے کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ فرشتوں کو سبب اگر بنایا گیا ہے تو وہ صرف مسلمانوں کا دل خوش کرنے کیلئے۔ تا کہ تمہارے دل جہاد کیلئے مضبوط ہو جائیں۔ یعنی اسباب رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ عام لوگوں کے دل چونکہ اسباب دیکھ کر ہی مطمئن ہوتے ہیں۔

سبق: لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کسی سبب پر بھروسہ نہ کریں، بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اسباب کے بغیر بھی پہنچ سکتی ہے اس لئے فرمایا کہ یہ مدد صرف اس ذات کی طرف سے ہے جو عزیز یعنی ایسا غالب ہے کہ جس کے حکم اور فیصلے پر کسی کو غلبہ نہیں اور حکیم یعنی حکمت والا ہے کہ اس کا ہر کام مبنی بر حکمت ہوتا ہے۔

لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِيۡنَ ﴿۱۲۷﴾

تا کہ کاٹ کر الگ کرے ایک حصہ ان کا جو کافر ہیں یا ذلیل کرے ان کو تو پھر پلٹیں ذلیل ہو کر

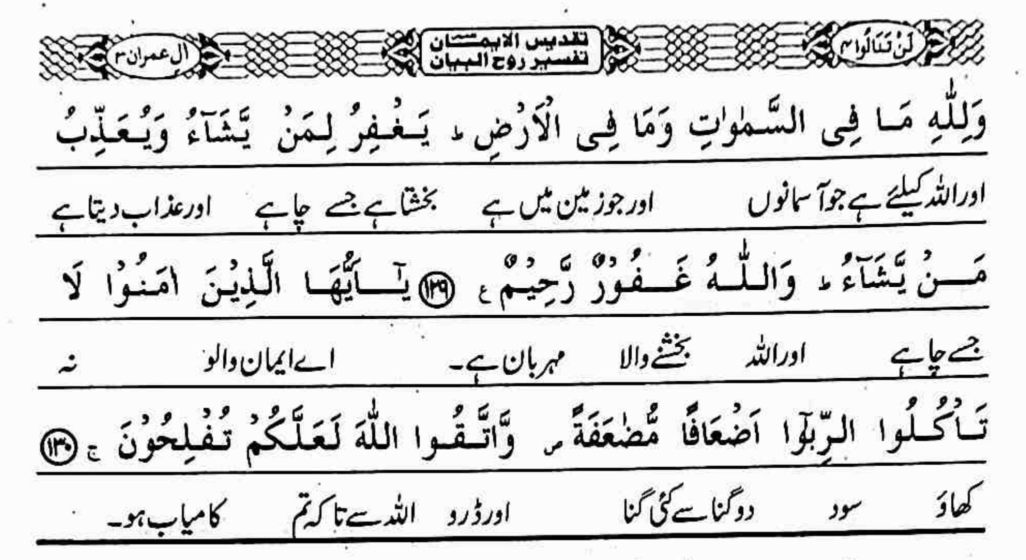
لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾

نہیں ہے آپ کے لئے اس معاملے سے کوئی دخل چاہے توبہ کی توفیق دے ان کو یا عذاب دے ان کو پس بے شک وہ ظالم ہیں

(آیت نمبر ۱۲۷) اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد اس لئے فرمائی تا کہ کافروں کے ایک گروہ کو قتل اور دوسرے گروہ کو قید کر کے ہلاک کرے۔ یا ذلیل کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کے ستر بڑے بڑے نامی سردار مارے گئے۔ اور ستر قیدی ہوئے آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کر کے شکست فاحش دے اور ان کو غیظ و غضب کے عذاب سے جلا دے تا کہ یہ شکست خوردہ اور اپنی آرزوؤں سے ناامید ہو کر اپنے گھروں کو لوٹیں۔ خیبہ اور یاس میں فرق یہ ہے کہ الخیبہ توقع کے بعد ہوتی ہے اور یاس عام ہے کبھی توقع سے پہلے اور کبھی توقع کے بعد ہوتی ہے۔ کفار کے ساتھ دونوں باتیں ہوئیں۔ وہ اس طرح کہ بدر میں جس توقع سے آئے تھے۔ وہ بھی پوری نہ ہوئی۔ اور جس کامیابی کا خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوئی۔ یہ ہے "خسر الدنیا والآخرۃ"۔

(آیت نمبر ۱۲۸) نہیں ہے آپ کا کوئی ذاتی دخل یعنی اللہ ہی سارے کاموں میں مطلق طور پر مالک و مختار ہے۔ اگر کسی کیلئے اس کی مرضی ہو جائے کہ اس کی توبہ قبول کر لے تا کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا انہیں سخت عذاب دے۔ اس لئے کہ وہ بڑے ظالم ہیں۔ اس آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ حضور ﷺ کی دعا یا بددعا کا کوئی وزن نہیں اس میں تو ذرہ بھی شک نہیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں۔ کہ جس مصطفےٰ کریم ﷺ کے ہاتھ اٹھیں۔ تو چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ سورج پلٹ آتا ہے۔

اگر وہ فتح کی دعا کریں تو کیوں نہ قبول ہو۔ اس میں بھی شک نہیں کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے ہیں۔ وہ صرف آخرت کے عذاب سے ڈرانے کیلئے بھیجے گئے یا پھر جہاد میں شریک ہونے والوں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنانے کیلئے بھیجے گئے اور ان کافروں ظالموں کو عذاب جو ہو گا وہ ان کے اپنے ظلم کی وجہ سے ہو گا اس لئے کہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔



وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ

اوراللہ کیلئے ہے جوآسمانوں اورجوزمین میں ہے بخشتا ہے جسے چاہے اورعذاب دیتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۹ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

جسے چاہے اوراللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو نہ

تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۳۰

کھاؤ سود دوگنا سے کئی گنا اورڈرو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو۔

(آیت نمبر۱۲۹) خلقت اور ملکیت کی وجہ سے تمام موجودات جوآسمانوں اور زمینوں میں ہے۔سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے اور کسی کو اس میں دخل نہیں جسے چاہے بخش دیتا ہے۔اور جسے چاہے عذاب بھی دے دیتا ہے۔مغفرت کا ذکر پہلے اس لئے کیا کہ رحمت کو غضب پر سبقت حاصل ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔یعنی اس کی رحمت غضب پر غالب ہی رہتی ہے۔**مسئلہ**:اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کا ہر کام مبنی بر حکمت ہوتا ہے کسی کو بخش دیتا ہے۔تو یہ کوئی اس پر واجب نہیں بلکہ یہ اس کے فضل واحسان کی بناء پر ہے۔**سبق**:اس لئے عقل مند کو چاہئے کہ ایمان کے قبول ہونے کیلئے عمل میں اخلاص پیدا کرنے کی پورے طور پر کوشش جاری رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کا مستحق ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

حکایت: داؤد علیہ السلام پر وحی آئی کہ آپ گناہ گاروں کو خوش خبری سنائیں اور نیک لوگوں کو ڈرائیں۔عرض کی یا اللہ الٹ معاملہ کیوں؟ فرمایا کہ گناہ گاروں کو خوشخبری اس بات کی سنائیں کہ انہیں پتہ ہو۔کہ میں بخشنے والا مہربان بھی ہوں۔
میں توبہ کرنے والے کے سب گناہ معاف بھی کر دیا کرتا ہوں۔یہ میرے لئے کوئی مشکل بات نہیں ہے اور نیک لوگوں کو ڈر اس لئے سنائیں کہ وہ اس پر نہ اترائیں کہ وہ نیک ہوگئے ہیں۔اب انہیں کچھ نہیں ہوگا۔وہ میرے عدل وانصاف کے ترازو پر کہیں ہلاک اور برباد نہ ہوجائیں۔بہت زیادہ فخر وغرور اللہ کو ناپسند ہے۔

(آیت نمبر۱۳۰) اے ایمان والو سود مت کھاؤ نہ کھانے سے مراد نہ لینا ہے چونکہ سودی کاروبار کھانے پینے کی اشیاء خریدنے کیلئے کیا جاتا ہے۔اس لئے لینے کو کھانے سے تعبیر کیا۔دگنا بہ دگنا کر کے یعنی ایک ہی دفعہ دی ہوئی رقم پر کئی کئی سالوں تک سود لیتے رہنا۔مثلاً سو درہم کے ساتھ کئی سو درہم لے لینا۔جاہلیت میں چونکہ یہ مرض عام تھی۔بلکہ آج مسلمانوں میں بھی یہ مرض بعض لوگوں میں ہے۔لوگ سودی کاروبار کر کے خدا سے نہیں ڈرتے۔نہ انہیں آخرت کا خوف ہے۔اس لئے مسلمانوں کو سپیشل طور پر مخاطب فرمایا۔کہ خدا کا خوف کرو۔تاکہ کامیاب ہو۔



وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور بچو آگ سے جو تیار ہوئی واسطے کافروں کے

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۰) مقصد یہ ہے کہ جس برے فعل سے روکا گیا ہے۔ اس سے پورے طور پر رک جائیں۔ یہ جملہ بطور زجر و توبیخ کے ہے اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ یعنی جس سودی کاروبار سے تمہیں روکا گیا ہے۔ اس معاملے میں خوف خدا رکھو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔

(آیت نمبر ۱۳۱) اور اس آگ سے بھی بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

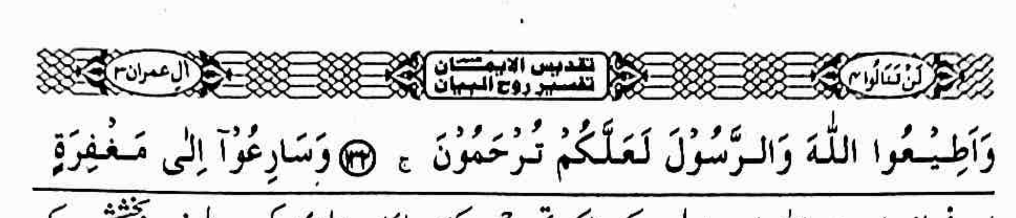
مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ نار جہنم اصل میں کافروں کیلئے تیار کی گئی۔ گناہ گار اپنے گناہ کی وجہ سے بالتبع وہاں جائیں گے (نعوذ باللہ)۔ مراد یہ ہے کہ اگر تم نے سودی کاروبار نہ چھوڑا تو اس آگ میں جاؤ گے جو کافروں کیلئے تیار ہوئی۔

نکتہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ یہی آیت خوف دلاتی ہے کہ اس میں نار سے مومنوں کو خطاب کر کے ڈرایا گیا کہ جو آگ کافروں کیلئے تیار ہوئی۔ سود کھانے کی وجہ سے تم بھی اس میں جا سکتے ہو۔

سود کی برائی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سودی کاروبار کرنے والے کیلئے اس میں سخت تہدید کی گئی۔ کہ جو شخص سودی کاروبار سے نہیں بچتا اس کی فلاح ناممکن ہے۔ خواہ وہ اپنے پاس دولت ایمان بھی رکھتا ہو۔ اس سے بڑی کون سی مصیبت ہوگی کہ جہنم کافروں کیلئے بنائی گئی ہے اور بدعمل ایمان والے سودی کاروبار وغیرہ کر کے اس میں جائیں۔ **حدیث شریف**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو سود کھانے اور کھلانے والے پر اور اس کی گواہی دینے والے اور اس کے کاتب پر اور اسے حلال سمجھنے والے پر۔ (مسلم شریف نمبر ۱۵۹۸)

حریص: سودی کاروبار آدمی کو ذخیرہ اندوز اور دنیا جمع کرنے کا حریص بنا دیتا ہے اور مال جمع کرنے میں ایسا اندھا ہو جاتا ہے۔ کہ پھر کسی کی نصیحت اسے اچھی نہیں لگتی۔

مسئلہ: جو آدمی ذخیرہ اندوزی کیلئے سود حاصل کرتا ہے۔ اس کا گناہ ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔ ضرورت بلاضرورت کسی طرح بھی سود کھانا جائز نہیں ہے۔ (**نوٹ**: کافر کے ساتھ سود کا کاروبار کرنے یا سود لینے یا دینے میں یہ سود بنتا ہے یا نہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہر حال بچنا زیادہ بہتر ہے۔)



وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ

اور فرمانبردار رہو اللہ اور رسول کے تاکہ تم رحم کئے جاؤ اور جلدی کرو۔ طرف بخشش کے

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۙ ﴿۱۳۳﴾

اپنے رب کی طرف سے اور جنت کیلئے کہ چوڑائی اس کی آسمانوں اور زمین جتنی ہے تیار کی گئی پرہیزگاروں کیلئے

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۱) **سود کا نقصان:** قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کے مال کو مٹاتا اور صدقہ کے مال کو بڑھاتا ہے۔ سود سے ایمان ضائع ہوتا ہے اگرچہ ظاہراً مال بڑھتا نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً اس میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ سود والے پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔ مال سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے بلکہ اس آدمی کی دنیا آخرت میں عزت و وقار ختم ہو جاتا ہے اور وہ بندہ لوگوں کی نظروں میں گر جاتا ہے بلکہ اس کی ہر جگہ مذمت کی جاتی ہے اور اس کا دل سیاہ اور سخت ہو جاتا ہے اور اس کی کوئی (نیکی خیرات، زکوٰۃ نماز اور جہاد وغیرہ) قبول نہیں ہوتی۔

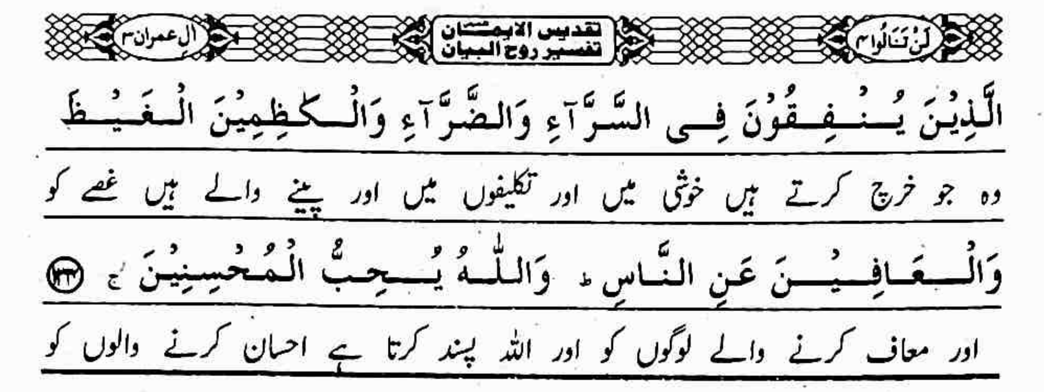
سبق: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اللہ کے بندوں کے مال لوٹ کر ان پر ظلم نہ کرو۔ ابوبکر وراق کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ گناہوں کی وجہ سے بسا اوقات موت کے وقت ایمان سلامت نہیں رہتا۔ بالخصوص ظالم کا ایمان موت کے وقت چھن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں برے خاتمے سے بچائے۔

(آیت نمبر ۱۳۲) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو یعنی جن باتوں سے تمہیں روکا گیا ہے۔ ان میں اللہ کا حکم مانو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جو احکام لے کر آئے وہ بھی مانو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ربط آیات: اللہ کی اطاعت کو رسول کی اطاعت سے جوڑا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مومن ہو کر بھی اگر وہ ایسے گناہ میں مبتلا ہے تو اسے یقین کر لینا چاہئے کہ اسے رحمت الٰہی حاصل نہیں ہوگی۔ خصوصاً اگر وہ سود کھانے میں منہمک ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر رہا ہے۔ اس لئے ایسے گناہ میں مبتلا ہو کر وہ بہت بڑا محروم ہے۔

(آیت نمبر ۱۳۳) اور اپنے رب کی طرف سے ملنے والی بخشش کے لئے جلدی کرو اور جنت کیلئے اچھے اعمال کرنے میں عجلت کرو یعنی اسلام قبول کر کے توبہ اور اخلاص حاصل کر کے واجبات کو ادا کر کے اور منکرات کو چھوڑ کر اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی ساتوں آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ ہے یہ بہ طور تمثیل کے کہا گیا ہے اور اس چوڑائی کو بیان کیا۔ لمبائی کو اللہ ہی جانتا ہے۔ وہ جنت متقی لوگوں کیلئے بنائی گئی ہے۔

نکتہ: اس سے معلوم ہوا کہ جنت اس وقت بھی موجود ہے لیکن وہ اس جہان سے الگ کسی جہان میں ہے۔



الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ

وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور تکلیفوں میں اور پینے والے ہیں غصے کو

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور معاف کرنے والے لوگوں کو اور اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو

(آیت نمبر ۱۳۴) متقی وہ لوگ ہیں جو راحت ہو کہ رنج ہر حال میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پورا کر سکنے کے باوجود غصہ پی جانے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ محسنین وہ لوگ جن کی بزرگیاں مشہور ہیں۔ جن میں سے چند مندرجہ ذیل مذکور ہوئیں۔

احسان دو قسم ہے: (۱) کسی کو نفع پہنچانا۔ (۲) کسی سے تکلیف دور کرنا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ سخی اللہ کے بھی قریب اور جنت کے بھی قریب ہے (ترمذی)۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو غصہ پورا کرنے کی قدرت کے باوجود غصہ پی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کا دل امن وامان سے بھر دے گا۔ (ریاض الصالحین)

نکتہ: اس آیت میں احسان کی تمام اقسام کو بیان کر دیا گیا۔ **نکتہ:** فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نیکی سے پہلے نیکی کرنا احسان اور نیکی کے بعد نیکی کرنا بدلہ ہے۔ برائی کرنے والے سے احسان کرنا جود و کرم ہے اور احسان کرنے والے سے برائی کرنا بدبختی اور کمینگی ہے۔ احسان تمام مراتب سے بلند تر مرتبہ ہے کہ انسان کسی سے انتقام بھی نہ لے اور اسے معاف بھی کر دے۔ **حکایت:** حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ مہمانوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ کا خادم مہمانوں کیلئے کھانا لایا تو ترکاری کا برتن اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ جس سے امام حسن رضی اللہ عنہ کے کپڑے خراب ہو گئے تو خادم نے کہا متقی لوگ غصہ پی جانے والے ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا میں نے غصہ پی لیا۔ اس نے آیت کا اگلا حصہ پڑھا کہ وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے تجھے معاف کر دیا تو خادم نے اگلا حصہ مکمل کیا کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تو آپ نے فرمایا۔ جا میں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے آزاد بھی کیا اور فلاں اپنی لونڈی سے تیرا نکاح بھی کر دیا اور تمہارا سارا خرچہ بھی میں دونگا۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ نیکیوں کی عادت ڈالے۔ خاص کر لوگوں پر احسان کرے۔ موت سے پہلے جتنے اچھے کام کر سکتا ہے کر لے۔ اور سچے دل سے توبہ کرے ورنہ موت کے بعد کچھ نہیں کر سکے گا۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا

اور وہ جب کر بیٹھیں بے حیائی یا ظلم اپنی جانوں پر یاد کریں اللہ کو پھر بخشش مانگیں

لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا

اپنے گناہوں کی اور کون بخشے گناہوں کو سوا اللہ کے اور نہیں ڈٹ جاتے اوپر اس کے جو

فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کیا انہوں نے اور وہ جانتے ہیں

(آیت نمبر ۱۳۵) اور وہ لوگ جو برائی کر بیٹھیں یعنی انتہائی قبیح کام کر لیں جیسے زنا وغیرہ یا انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا۔ یعنی ایسا گناہ کیا کہ جس کی بروز قیامت پکڑ ہوگی یا فاحشہ اور ظلم بر نفس سے مراد گناہ کبیرہ ہے۔ چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہ کئے پھر فوراً خدا کا عذاب یاد آ گیا۔ یا اس کے جلال سے خشیت وحیاء آ گئی تو فوراً اپنے گناہوں سے معافی مانگ لی یعنی جو قصور ہوا۔ اس پر پشیمانی آ گئی اور اس گناہ سے آئندہ بچنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ محض زبانی استغفار سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ گناہ ختم ہوتا ہے یہ تو جھوٹے لوگوں کی توبہ ہے سچی توبہ یہ ہے کہ بندہ حسب مقدور اپنے گناہ سے عذر پیش کرے۔ نہایت ہی خشوع وخضوع کے ساتھ نادم بھی ہو تو پھر سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو گناہوں سے بخشش مانگے اس کے گویا گناہ ہی نہیں۔ (ابن ماجہ) اگرچہ دن میں ستر بار غلطی ہو جائے۔ اور وہ توبہ کرے۔

مسئلہ: توبہ استغفار سے کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں آگے فرمایا کہ اور ہے بھی کون جو گناہ بخشے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ ذنوب ہر قسم کے گناہ کو کہتے ہیں۔ یعنی اس سے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی بزرگی بٹھانا مقصود ہے کہ وہ ذات بہت ہی بلند قدر ہے اور اس کی مغفرت بے حساب ہے اور اس کی ذات گناہ گاروں کیلئے جائے پناہ ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ اپنے گناہوں پر ڈٹ نہیں جاتے یعنی گناہ کر لیں تو پھر نادم ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔

سبق: اس سے انسان کو اس کے فضل ورحمت کا حرص اور ناامیدی ختم کرنے کا درس دیا گیا ہے اور یہ بات بھی یاد رہے کہ صغیرہ گناہ بار بار کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ یہ بات جانتے بھی ہیں اس لئے وہ اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے یعنی وہ جانتے ہیں کہ یہ بہت ہی برا کام ہے اور اس کے کرنے والے پر سخت وعید ہے۔

أُولَٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

وہی ہیں کہ بدلہ ان کا بخشش ان کے رب کی طرف سے اور باغات جاری ہیں نیچے ان کے

الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ

نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں اور کتنا اچھا اجر ہے اچھے عمل والوں کا۔ تحقیق گذر چکے تم سے پہلے

سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣٧﴾

کئی طریقے تو تم پھرو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۵) **مسئلہ**: گناہ سے معذور تب شمار ہوگا جب لاعلمی سے گناہ کرے جان بوجھ کر گناہ کرنے سے تمام اعمال صالحہ نامقبول ہونے کا خدشہ ہے۔

(آیت نمبر ۱۳۶) جو لوگ مذکورہ صفات والے ہوں ان کا بدلہ مغفرۃ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ہے اور وہ باغات ہیں جن میں نہریں جاری ہیں۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یعنی انہیں ایسا ذخیرہ ملنے والا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور ایسے باغات اور ان کے میوے ہونگے جن کی لذت کبھی ختم یا کم نہیں ہوگی۔ فرمایا کتنا ہی اچھا اجر ہے نیک عمل کرنے والوں کیلئے جس کا پیچھے بیان ہوا۔

حکایت: ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کے نازل ہونے پر شیطان سخت رویا۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ وہ بندہ بڑا ہی بے حیا ہے۔ کہ جو ایک طرف تو میری جنت کی امید رکھتا ہے اور دوسری طرف گناہوں میں بھی مصروف رہتا ہے۔ میں تو بہر حال کریم ہوں بندے کی نافرمانی کے باوجود بھی اسے اپنی رحمت سے محروم نہیں کرتا۔ (ثعلبی اور زمخشری نے بیان کیا)۔ **سبق**: متقی مومن کا سرمایہ توبہ استغفار ہے اور یہی جنت کے داخلے کا سبب ہے۔ بندے کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو فرمانبرداری میں لگائے رکھے۔ اور گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرے۔ وہی اس کا خالق ہے اور عمل کی توفیق بھی اسی کی طرف سے ہے اور سب کچھ اس کی عنایت سے ہے۔

(آیت نمبر ۱۳۷) تحقیق تم سے پہلے بھی کئی طریقے گذر چکے الخالیہ پہلی گذری ہوئی قوم کو کہا جاتا ہے یعنی تم سے پہلے کئی زمانے اور ان کے حالات گذر چکے ہیں۔ (سنن) سے اللہ کو جھٹلانے والی قومیں یا ان کو ملنے والی سزائیں مراد ہیں جو تباہ و برباد ہوئیں یعنی اس میں اگر تمہیں شک ہے تو تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

یہ بیان ہے تمام لوگوں کیلئے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے

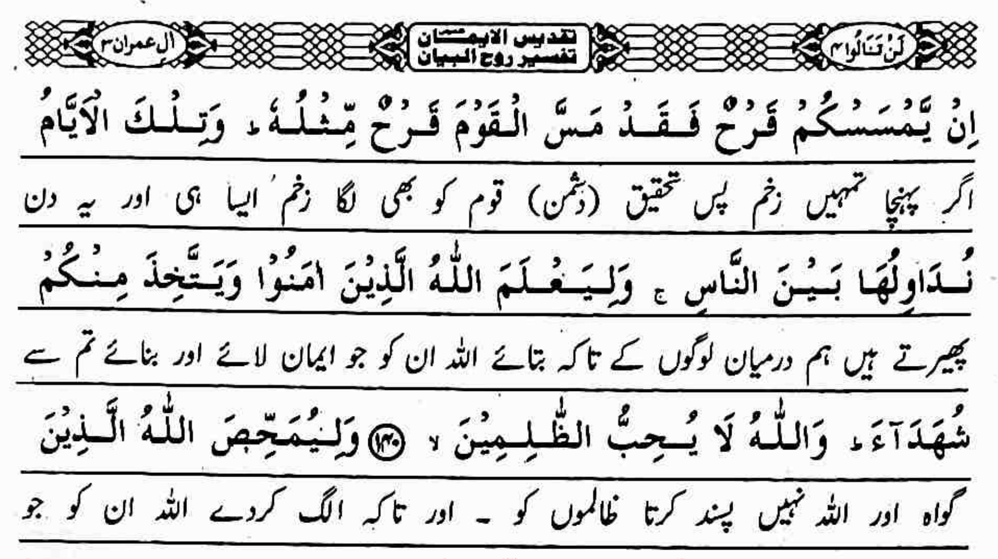
وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور نہ سستی کرو اور نہ غم کرو اور تم ہی بلند ہوگے اگر ہوئے تم مومن

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۷) **نکتہ**: چونکہ دیکھی اور سنی ہوئی بات میں فرق ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ (فانظروا) یعنی اپنی آنکھوں سے خود جا کر مشاہدہ کرلو کہ کیسا انجام ہوا ان کا جو میرے انبیاء عظام اور اولیاء کرام کو جھٹلاتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۳۸) لہذا یہ بیان قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کیلئے ہے۔ یا اس سے مراد انبیاء کو جھٹلانے والے ہیں۔ یہ پھر ان کے انجام بد کا بیان ہے۔ **مسئلہ**: اس میں جھٹلانے والوں کیلئے درس عبرت ہے کہ وہ دیکھیں کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام بد ہوا ان کی تباہی و بربادی کا حال دیکھ لو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا اور فرمایا کہ اس میں ان کے لئے ہدایت ہے یعنی بصیرت والوں کیلئے جو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی حاصل کرنا چاہے۔ اور موعظہ ہے۔ موعظہ ہر اس کام کو کہا جاتا ہے۔ جس میں دین کے خلاف عمل کرنے والوں کیلئے زجر و توبیخ موجود ہو یعنی یہ نصیحت ہے متقیوں کیلئے کہ ان کی ہدایت اور نصیحت کا دار و مدار تقوے پر ہے۔ یا اس نصیحت سے متقین نے صحیح فائدہ اٹھایا ہے۔ **سبق**: یہاں یہ سبق ملا کہ ہمیں صرف وہ کام کرنے چاہیں جو ہمیشہ کیلئے نفع بخش ہوں۔ دنیا کی رنگینیوں کی طرف نہیں دیکھنا چاہے۔ اس لئے کہ وہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ آخرت کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ لہذا ان کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

(آیت نمبر ۱۳۹) یعنی غزوۂ احد میں جو تمہیں زخم آئے تھے ان کی وجہ سے اب جہاد میں کمزوری نہ کرو اور سابقہ تکالیف کو یاد کرکے غم بھی نہ کرو۔ اس میں ان کو صبر کی تلقین ہے۔ کہ اگر جہاد میں تم نے صبر کیا۔ تو تم ہی غالب آؤ گے بشرطیکہ تم مومن ہوئے ایمان قلبی قوت میں اضافہ کرتا ہے اور اللہ پر بھروسہ کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ تمہیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر امید ہے کہ زندہ رہے تو مال غنیمت اور مر گئے تو جنت ملے گی۔ کفار کو تو اس کی بھی کوئی امید نہیں۔ وہ اگر اس کفر پر ڈٹ سکتے ہیں تو تم بھی اپنے ایمان پر اگر قائم رہے تو کامیابی تمہاری ہی ہوگی۔



اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ

اگر پہنچا تمہیں زخم پس تحقیق (دشمن) قوم کو بھی لگا زخم ایسا ہی اور یہ دن

نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ

پھیرتے ہیں ہم درمیان لوگوں کے تاکہ بتائے اللہ ان کو جو ایمان لائے اور بنائے تم سے

شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۙ ﴿۱۴۰﴾ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

گواہ اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو ۔ اور تاکہ الگ کردے اللہ ان کو جو

اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

ایمان لائے اور ختم کرے کافروں کو

(آیت نمبر ۱۴۰) اگر تمہیں زخم لگا تو اس سے پہلے بدر میں تمہاری دشمن قوم کو بھی تو ڈبل زخم لگے یعنی احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تو بدر میں کفار کے بھی ستر آدمی مارے گئے۔ستر قید ہوئے۔اور پوری دنیا میں ذلیل ہوئے اور کفر کی کمر ہی ٹوٹ گئی بڑے بڑے سب کافر جہنم رسید ہوگئے۔

یہ دن ایسے ہی ہیں (کہ کبھی جیت کبھی ہار) یعنی یہ دن لوگوں میں ہم پھراتے ہیں۔فتح ونصرت میں کبھی تمہاری باری کبھی ان کی باری۔اس میں کئی حکمتیں ہیں۔ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر کریں کہ کون مخلص مومن ہے اور کون اس کے برخلاف ہے اور کن لوگوں کو شہادت کے درجے سے نوازتا ہے۔اس سے احد کے شہداء مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا یعنی ظالموں پر غضب الٰہی ہے۔**تنبیہ**: اللہ تعالیٰ کافروں کی کبھی مدد نہیں کرتا۔کبھی کبھار ان کا غلبہ پانا استدراجاً ہے اور اہل ایمان کا اس میں امتحان ہے۔تاکہ وہ سونہ جائیں۔بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہوں۔

(آیت نمبر ۱۴۱) جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مومنوں کو گناہوں سے پاک وصاف کرتا ہے اور کفار کو تباہ وبرباد کرنا چاہتا ہے۔**ف**: قاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مومنوں کی آزمائش اس وجہ سے ہے کہ ان کے جو کمالات چھپے ہوئے ہیں۔وہ کھل کر سامنے آجائیں۔صبر وشجاعت اور قوۃ الیقین اور روحانیت کو نفسانیت پر غلبہ اور قضاء الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم ہونا۔گویا جہاد ایک ٹیسٹ ہے۔جس سے اپنے اور بیگارنے کی پہچان ہوجاتی ہے۔اور دوسرا یہ کہ مسلمان کفار کے مقابلے کیلئے اچھے ہتھیار تیار کرلیتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

یا گمان کیا تم نے یہ کہ تم داخل ہو گے جنت میں حالانکہ ابھی نہیں امتحان لیا اللہ نے ان کا جو غازی ہیں تم سے

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ

اور آزمائش کرے صبر والوں کی۔ اور البتہ تحقیق تھے تم آرزو کرتے موت کی پہلے اس کہ

تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

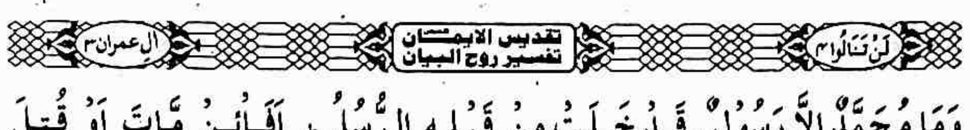
تم ملو اس کو پس تحقیق دیکھ لیا تم نے اس کو اپنی نظروں سے

(آیت نمبر ۱۴۲) جنگ احد میں شریک ایمان والوں سے خطاب ہے۔ جو جنگ کی معمولی تکلیف سے گھبرا گئے۔ یہ ام بمعنی بل ہے۔ یعنی بلکہ تم نے گمان کیا کہ تم جنت جا کر وہاں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ گے۔ حالانکہ تا حال جہاد اور مشکلات پر صبر یہ دو چیزیں ابھی تم میں جمع نہیں ہوئے۔ مناسب یہی ہے کہ اب تم جنت میں جانے کا دھیان مت کرو۔ جنت میں تو صرف وہی جائیں گے۔ جو راہ مولا میں شہید ہوئے اور جان و مال راہ مولا میں خرچ کر دیا تم لوگ بھی جب تک ان کی طرح جان و مال اللہ کی راہ میں نہیں لگاؤ گے اور ہر دکھ درد میں ان کی طرح صابر نہیں ہو گے اور ان والا راستہ اختیار نہیں کرو گے۔ تو تم ان کے مراتب تک نہیں پہنچ سکتے۔ ابھی مزید تمہارے امتحان ہونے ہیں۔ تا کہ مجاہد اور صبر کرنے والوں کے درجات میں اضافہ ہو۔

(آیت نمبر ۱۴۳) بے شک تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔ یعنی جنگ میں شریک ہونے کی۔ یہ خطاب ان سے ہے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ وہ یہ آرزو کرتے کہ کاش وہ بھی حضور ﷺ کے ساتھ بدر کی جنگ میں شریک ہو کر یہ بلند مرتبے حاصل کرتے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے پہلے کہ تم جنگ کی سختیاں اور تکالیف دیکھ لیتے تو پھر تمہیں پتہ چلتا لیکن پھر بھی تم نے موت اور اس کے اسباب کا مشاہدہ احد میں کر لیا۔ اور تم دیکھتے تھے کہ تمہارے بھائی تمہاری آنکھوں کے سامنے شہید ہو رہے تھے اور تم خود بھی موت کے دھانے پر تھے۔

خلاصہ: یہ زجر و توبیخ ان لوگوں کو کی گئی جنہوں نے پہلے جنگ کی آرزو کی پھر تیاری بھی کی پھر جب وقت آیا تو موت سے ڈر بھی گئے۔ اصل میں ابھی تک انہیں شہادت کا کوئی شوق نہ تھا کفار پر غلبہ پانے کا خیال تھا۔

نکتہ: عشق الٰہی زبانی اور خیالی باتوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ ضروری نہیں کہ ہر مدعی اپنے دعوے میں سچا ہی ہو۔ سچے اور جھوٹے کا فرق ہی ایسے مشکل مواقع پر ہوتا ہے۔ سچی محبت کی علامت یہ ہے جو جفا سے کم نہ ہو اور وفاء سے بڑھے نہیں۔ یعنی کتنی ہی تکلیف آ جائے اس کی محبت میں کمی نہ آئے۔ (سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی طرح)



وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

اور نہیں ہیں محمد ﷺ مگر رسول تحقیق گذر گئے ان سے پہلے اور رسول۔ کیا پس اگر وفات پائیں یا شہید ہوں

انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ

کیا تم پھر جاؤ گے اوپر اپنی ایڑیوں کے۔ اور جو مڑ گیا اپنی ایڑی پر پس ہرگز نہیں نقصان کریگا اللہ کا

شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾

کچھ اور عنقریب بدلہ دیگا اللہ شکر والوں کو

(آیت نمبر ۱۴۴) اور نہیں ہیں محمد ﷺ مگر رسول محمد وہ ہوتا ہے جو تمام محامد کا جامع ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو دو اسموں محمد اور احمد کے اسماء گرامی سے مختص فرمایا۔ محمد کا معنی بہت زیادہ تعریف کیا ہوا۔ اور احمد کا معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف کرنے والا۔ یہ دونوں نام حضور ﷺ پر فٹ آتے ہیں۔

شانِ نزول: جنگ احد میں حضور ﷺ اپنے ساتھ سات سو جان نثاروں کو لیکر گئے۔ منافقین تو راستے سے ہی بھاگ گئے۔ پچاس حضرات کو حضرت عبداللہ بن جبیر کی معیت میں ایک درے پر منتخب فرما کر حکم دیا کہ ہمیں کچھ بھی ہو جائے۔ یعنی جیت ہو یا ہار تم نے یہ درہ نہیں چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی پہلے حملے میں ہی مسلمانوں نے کفار کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیا جب کافر بھاگ گئے تو ان پچاس حضرات میں سے چالیس حضرات نے جب دیکھا کہ کفار تو بھاگ گئے۔ اب ہم چلیں۔ اور مال غنیمت حاصل کریں۔ لہذا وہ دوڑ کر نیچے میدان میں آ گئے۔ خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) نے درہ خالی دیکھ کر ادھرے سے آئے اور وہاں موجود دس مسلمانوں کو بھی شہید کیا اور یکدم مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ اچانک حملہ کی وجہ سے صحابہ متفرق ہو گئے۔ حضرت مصعب کی شکل حضور سے ملتی تھی۔ وہ حضور پر قربان ہوئے تو کافروں نے مشہور کر دیا کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے۔ شیطان نے ہر طرف یہ شور بپا کر دیا۔

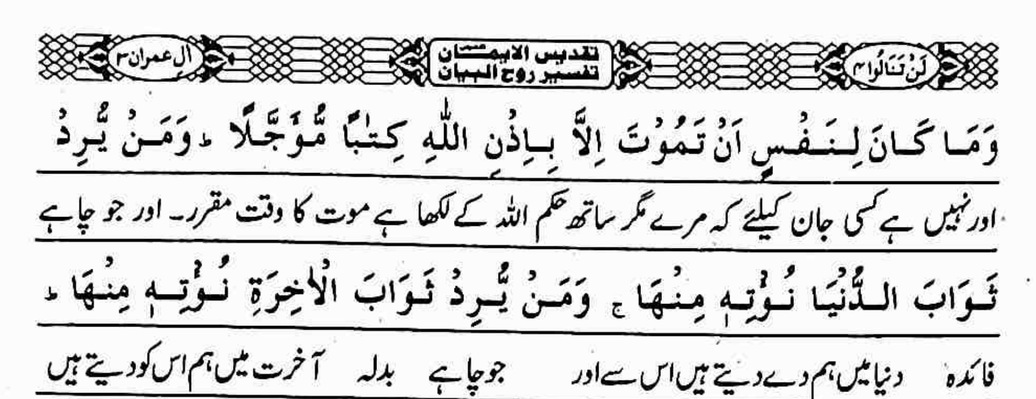
حضرت کعب فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے حضور ﷺ کو دیکھ کر پہچان لیا۔ حضور ﷺ نے زور سے پکارا اے بندگان خدا میرے پاس آ جاؤ۔ آواز سنتے ہی سب حضور کے پاس جمع ہو گئے اور عرض کی کہ حضور ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہم نے آپ کے متعلق جب یہ خبر بد سنی تو ہمارے دل بجھ گئے اور شکست خوردہ ہو کر بھاگے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ محمد ﷺ بھی دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول ہیں۔ آپ سے پہلے کئی رسول اس دنیا

سے چلے گئے۔اب ایک دن یہ بھی وصال فرمائیں گے۔تو کیا جب وہ فوت ہوں یا شہید ہو جائیں۔تو کیا تم دین سے پھر جاؤ گے۔**فائدہ:** یاد رکھو جو بھی اپنی ایڑیوں پر مڑ جائے۔تو کسی کا دین سے پھر جانا اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس دین سے پھرنے کا نقصان اسی کو ہی ہوگا۔اور اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا یعنی جو دین اسلام پر ثابت قدم رہے انہیں اچھا بدلہ ملے گا۔**مسئلہ**:معلوم ہوا کہ دین سے پھرنا کفران نعمت ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اس آیت کریمہ سے مرزائیوں کی طرح اور لوگوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔قد خلت کا معنی کیا کہ سارے رسول فوت ہو گئے۔لہذا عیسیٰ علیہ السلام بھی فوت ہو گئے۔ان بے عقلوں کا مدعا تو تب پورا ہوتا کہ خلت کی جگہ ماتت ہوتا کہ آپ سے پہلے سب رسول فوت ہو گئے۔

خلت کا معنی تو ہے کہ وہ گذر گئے۔جیسے منافقوں کے بارے میں فرمایا۔"واذا خلوا الی شیاطینهم "کہ جب وہ منافق اپنے شیطانوں کی طرف چلے گئے۔اس کا یہ معنی تو نہیں۔کہ منافق مر گئے۔قرآن پاک کے واضح الفاظ کی یہ تحریف ہے اور یہ کفر ہے تحریف کرنے سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے۔آمین



وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ

اور نہیں ہے کسی جان کیلئے کہ مرے مگر ساتھ حکم اللہ کے لکھا ہے موت کا وقت مقرر۔ اور جو چاہے

ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ

فائدہ دنیا میں ہم دے دیتے ہیں اس سے اور جو چاہے بدلہ آخرت میں ہم اس کو دیتے ہیں

وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور عنقریب بدلہ دیں گے شکر والوں کو

(آیت نمبر ۱۴۵) موت کسی کو بھی اسباب سے نہیں آئی۔ جب تک مشیت الٰہی نہ ہو اور فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے روح قبض کرتے ہیں۔ یاد رہے ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ اور کوئی بھی اپنے وقت سے پہلے نہیں مر سکتا۔ یعنی بزدلی دکھانے سے زندگی بڑھ نہیں سکتی۔ اور بہادری سے عمر گھٹ نہیں سکتی۔

فائدہ: اس آیت میں مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دی گئی اور اور ان کے دل میں جذبہ جہاد پیدا کرنا مقصود ہے۔ اس آیت میں ان منافقوں کی تردید بھی ہے جو شہداء کے گھروں میں جا کر کہتے تھے کہ جنگ میں مرنے والے اگر ہمارے ساتھ مڑ آتے جیسے ہم کفار کو دیکھ کر بھاگ آئے تو نہ مارے جاتے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس اجل کا ایک وقت معین ہے نہ وہ وقت سے پہلے آئے نہ بعد۔ یہ سب مشیت الٰہی پر منحصر ہے۔ آگے فرمایا کہ جو اپنے عمل سے دنیا میں بدلہ چاہتا ہے۔ یعنی یہ تعریض ہے ان کیلئے جو احد کی لڑائی میں صرف مال غنیمت کے حصول کیلئے شریک ہوئے تو انہیں دنیا میں ہی دیتے ہیں۔ اور جو آخرت میں بدلہ مانگتا ہے۔ ہم اسے آخرت میں عطا فرمائیں گے اور شکر کرنے والوں کو جزائے خیر دیں گے (جو نعمت اسلام پر قائم دائم رہے)۔ **مسئلہ:** یہاں شاکرین سے مراد شہداء احد ہیں اور اس کے بعد تمام مجاہدین فی سبیل اللہ اسی زمرے میں آتے ہیں۔ **خلاصہ:** دراصل یہ آیت جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق اتری لیکن عمومی طور پر تمام اعمال صالحہ کو شامل ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کی نیت میں آخرت کی طلب ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنا سے بھر دے گا اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے قدموں میں آئے گی (ترمذی نمبر ۲۳۸۹)۔ اور جس کی نیت صرف دنیا طلبی ہو تو فقر و فاقہ کو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں میں ڈال دے گا اور اس کے حالات پریشان کن رہیں گے اور ملے گا بھی اسے وہی جو اس کی قسمت میں لکھا ہو گا۔ لہذا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو نیت کے موافق ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حقیقی شکر گذار بندے وہی ہیں جنہوں نے اسلام کی نعمت کو پہچانا۔ اور اس کی قدر کی اور اس پر جان و مال سب قربان کیا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

اور کتنے ہی نبی ہوئے کہ لڑے اس کے ساتھ مل کر اللہ والے بہت پس نہ سستی کی اس میں جو

اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

جو پہنچی انہیں (تکلیف) راہ خدا میں اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ کسی سے دبے اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا

صبر کرنے والوں سے۔ اور نہیں تھی بات ان کی مگر یہی کہتے تھے اے ہمارے رب بخش ہمارے گناہ

وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور ہماری زیادتیاں جو ہمارے کام میں ہوئیں اور ثابت قدم رکھ ہمیں اور مدد فرما ہماری اوپر قوم کافر کے

(آیت نمبر۱۴۶) بہت سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہو کر کلمہ الٰہی کو بلند کرنے کیلئے اور دین کی سربلندی کیلئے علماء واتقیاء کی بڑی بڑی جماعتیں جنگوں میں شریک ہوئیں۔ تو نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ ہمت ہارے خواہ کتنے ہی جنگوں میں ان پر مصائب ٹوٹے۔ وہ جہاد میں یا دینی معاملات میں ذرا بھی ڈھیلے نہیں پڑے اور نہ ہی دشمن کے آگے جھکے یا دبے۔ اس لئے کہ اللہ کے آگے جھکنے والا کسی اور کے آگے نہیں جھک سکتا۔ اس میں تعریض ہے ان کیلئے کہ جنہوں نے کفار کے اچانک حملے سے سستی اور غفلت کا مظاہرہ کیا۔

احد میں صحابہ کا حال: شیطان نے جب پکارا کہ اے لوگو کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے تو مہاجر وانصار اکٹھے ہوئے اور فیصلہ کیا کہ حضور شہید ہو گئے تو ہم اب زندہ رہ کر کیا کریں گے تم سب بھی اسلام پر اپنی اپنی جان دیکر عزت سے مر جاؤ۔ فوراً حضرت انس نے جنگ کے درمیان گھس کر شہادت پائی یعنی صحابہ نے نہ حضور کا ساتھ چھوڑا نہ جان دینے سے دریغ کیا۔ یہ منافقین تھے یا کچھ کچے اور کمزور درجہ کے مسلمان جن کا یہاں بیان ہوا۔ واللہ اعلم۔ مدارج النبوۃ میں ہے۔ کہ تیرہ حضرات حضور ﷺ کے پاس سے ذرہ بھی نہیں ہٹے۔ ان میں سرفہرست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور اللہ صابروں سے محبت کرتا ہے جو سخت مصائب و آلام میں صبر کرتے ہیں اور راہ خدا میں ہر دکھ اور تکلیف کو برداشت کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی عزت ووقار کو بڑھاتا ہے۔ اور مسلمان دشمنوں کے مقابلے میں اور جنگی سخت مشکلات میں گھر کر یہی کہتے ہیں۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ؑ ﴿۱۴۸﴾

پس دیا ان کو اللہ نے انعام دنیا میں اور بہت اچھا بدلہ آخرت میں اور اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۷) وہ ایسی مشکل گھڑی میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو ہم سے حد سے تجاوز ہو کر کوئی کبیرہ گناہ بھی ہو گئے وہ بھی بخش دے۔ اگرچہ وہ لوگ گناہوں سے بہت ہی اجتناب کرتے تھے لیکن یہ کلام کسرِ نفسی کے طور پر کہی یا یہ بزرگوں کی عادات سے ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو قصور وار سمجھتے ہیں اور فرمایا کہ ہمیں میدان جنگ میں ثابت قدم رکھ تاکہ ہم تقویٰ پر قائم رہ کر تیری تائید غیبی کو بھی حاصل کریں یا مراد ہے کہ ہمیں دین حقہ پر قائم دائم فرما اور کافروں پر فتح و نصرت عطا فرما اس کلمہ سے ان کی مراد یہ ہے کہ جلد دعا قبول ہو اس لئے کہ جس دعا میں خشوع و خضوع زیادہ ہو۔ وہ جلد قبول ہوتی ہے۔ اس لئے وہ حضرات ہمیشہ یہ دعا مانگتے رہتے ہیں۔

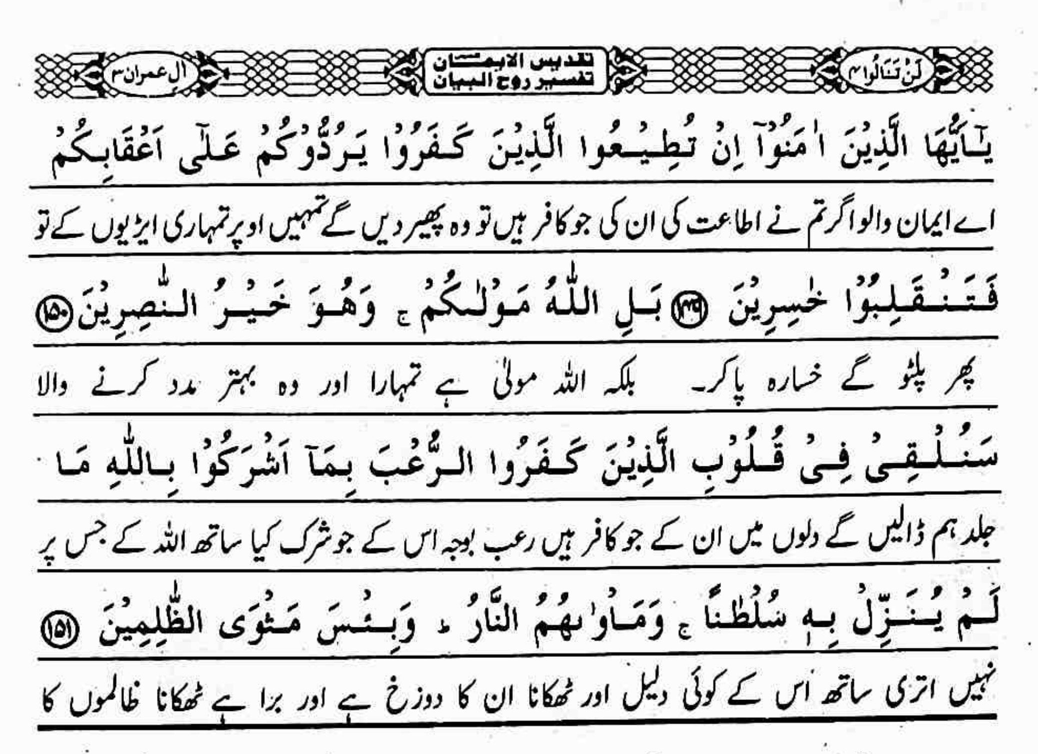
(آیت نمبر ۱۴۸) تو ان کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت عطا کی ان کو دنیا میں فتح و نصرت عزت و شہرت کے طور پر اچھا بدلہ دیا اور ثواب آخرۃ یہ کہ جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں عطا کیں اور آخرت کے ثواب میں حسن کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ آخرت میں اعمال کا اچھا بدلہ الگ اور اس پر فضل الٰہی الگ ہوگا اور اللہ تعالیٰ محسنین سے ہمیشہ محبت فرماتا ہے۔

نکتہ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ "یحب المحسنین" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب متقی قسم کے لوگوں نے اپنے آپ کو مجرمین کہا۔ اپنے گناہ گار ہونے کا اعتراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں محسنین کا خطاب عطا کیا گویا اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو تم نے اپنے عجز و گناہ گاری کا اعتراف کیا تو میں نے تمہیں بخش کر اپنا محبوب بنالیا ہے۔

ف: معلوم ہوا کہ جب تک بندہ عجز و انکساری کا اظہار نہ کرے اللہ تعالیٰ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ف: سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکھٹایئے۔ سر پر مصیبت آجائے پھر فریاد کا کوئی فائدہ نہیں۔

سبق: سالک تجھے شیطان دنیا کی زیب و زینت میں نہ ڈالے۔ تجھے تو معلوم ہے کہ یہ دنیا فانی ہے۔

ف: پچھلی آیتوں میں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مددگاروں کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور دوسری آیت میں کفار کی اطاعت سے روکا گیا۔ اس لئے کہ کفار کی اطاعت سے دین ہاتھ سے نکل جانے کا خدشہ ہے۔ اگر پورا نہ بھی نکلے۔ دین پر قائم رہنے کا جذبہ کم از کم ضرور کمزور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین حقہ پر قائم دائم فرمائے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

اے ایمان والو اگر تم نے اطاعت کی ان کی جو کافر ہیں تو وہ پھیر دیں گے تمہیں اوپر تمہاری ایڑیوں کے تو

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

پھر پلٹو گے خسارہ پاکر۔ بلکہ اللہ مولیٰ ہے تمہارا اور وہ بہتر مدد کرنے والا

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا

جلد ہم ڈالیں گے دلوں میں ان کے جو کافر ہیں رعب بوجہ اس کے جو شرک کیا ساتھ اللہ کے جس پر

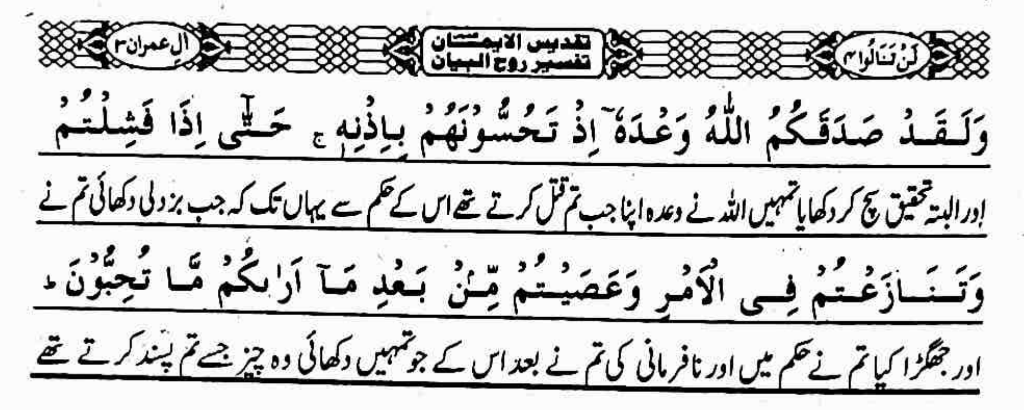
لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

نہیں اتری ساتھ اس کے کوئی دلیل اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے اور برا ہے ٹھکانا ظالموں کا

(آیت نمبر ۱۴۹) اے ایمان والو اگر تم نے کافروں کی بات مانی۔ **شان نزول**: یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہارا دین صحیح دین نہیں ہے ورنہ تمہیں احد میں شکست نہ ہوتی۔ بہتر ہے کہ پرانے دین کی طرف لوٹ آؤ اگر یہ تمہارے نبی سچے ہوتے تو تم مغلوب اور شہید نہ ہوتے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ اے ایمان والو اگر تم نے ان کافروں کی بات مانی۔ تو تمہیں تمہارے دین سے ہٹا کر اپنے دین میں داخل کر دیں گے تو پھر تم بہت بڑے خسارے میں ہو کر لوٹو گے۔ دنیا میں عزت جاتی رہے گی اور آخرت میں سعادت سے محروم ہو جاؤ گے یعنی دنیا میں دشمن کا تابعدار ہو کر رہنا پڑے گا اور آخرت میں عذاب نار سہنا پڑے گا۔ اس لئے کفار کی کسی بات کا اعتبار نہ کرو۔

(آیت نمبر ۱۵۰) بلکہ اللہ ہی تمہارا مولیٰ و مددگار ہے اور یہ جو تمہیں کفر کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ تمہارے مددگار نہیں اس لئے صرف رب کی اطاعت کرو اور اسی کی مدد پر بھروسہ کرو ان ایرہ ویرہ سے بے پرواہ ہو جاؤ۔ یہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہیں۔ تمہارا اللہ خیر خواہ ہے جو سب سے بہتر مددگار ہے۔

(آیت نمبر ۱۵۱) ہم ان کافروں کے دلوں میں ایسا رعب ڈالیں گے کہ وہ تمہارے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ چنانچہ احد میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا۔ جس کی وجہ سے وہ جنگ آدھے میں ہی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ حالانکہ وہ دوسرے حملے میں غالب آ رہے تھے کہ اچانک خوف کھا کر بھاگ گئے۔ (اسی طرح دیگر جنگوں میں بھی بھاگے)۔



وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ

اور البتہ تحقیق سچ کر دکھایا تمہیں اللہ نے وعدہ اپنا جب تم قتل کرتے تھے اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب بزدلی دکھائی تم نے

وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

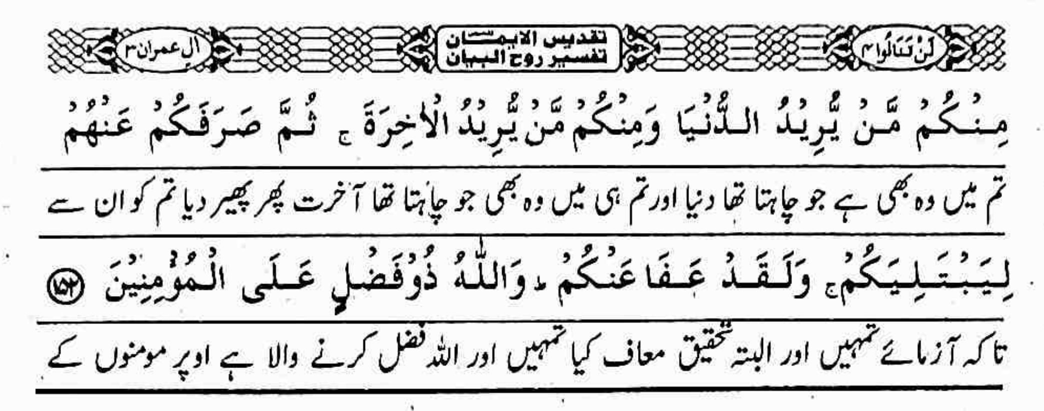
اور جھگڑا کیا تم نے حکم میں اور نافرمانی کی تم نے بعد اس کے جو تمہیں دکھائی وہ چیز جسے تم پسند کرتے تھے

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۱) اور جس مہم کو وہ پورے طمطراق سے پایہ تکمیل تک پہنچانے آئے تھے۔ اور رنڈیاں نچانے کیلئے ساتھ لائے تھے۔ وہ سب کچھ وہیں چھوڑ کر واپس بھاگنے میں ہی انہوں نے اپنی عافیت سمجھی۔ اس لئے کہ وہ مشرک تھے۔ اور یہ شرک ہی ان کی رسوائی اور مسلمانوں کی فتح ونصرت کا سبب بنا اور ان کے شرک پر کوئی آسمان سے دلیل بھی نہیں اتری۔ اس سے ان کے معبودان باطلہ مراد ہیں جن کی پوجا کرے اور انہیں خدا یا خدا کا شریک ماننے کی ان کے پاس نہ کوئی حجت ہے نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ دلیل وہی مفید ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ آسمانی کتاب میں ہو۔ یا نبی کا فرمان ہو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی مخالفت میں جہنم کے علاوہ ان کیلئے کوئی اور جگہ نہیں ہے جو ظالموں کیلئے بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ مثویٰ اس اقامت گاہ کو کہتے ہیں جہاں ہمیشہ رہنا ہو۔ لہذا مسلمان اللہ کے حکم پر چلنے کی وجہ سے جنت میں اپنا ٹھکانہ بنائیں گے۔

مسئلہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جدھر چاہتا ہے پھرا دیتا ہے۔ (بخاری شریف) اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ بندوں کے دل اللہ کی قدرت کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں ہیں وہ جدھر چاہے دل کو پھراتا ہے چاہے تو دل کو سیدھا رکھے اور چاہے تو ٹیڑھا کر دے۔ یاد رہے۔ اللہ تعالیٰ ہاتھوں یا انگلیوں سے پاک ہے۔ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ نے کفار نے شروع میں جرات دی انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

(آیت نمبر ۱۵۲) اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔ **شان نزول:** اللہ تعالیٰ نے تو اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ اس آیت کا یہ شان نزول ہے کہ کچھ مسلمان جب احد سے واپس ہوئے تو راستے میں کہنے لگے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فتح ونصرت کا وعدہ کیا وہ کیا ہوا ہے۔ اس کا وعدہ سچا ہے۔ تو ہمیں یہ مار کیوں پڑی۔



مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ج ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

تم میں وہ بھی ہے جو چاہتا تھا دنیا اور تم ہی میں وہ بھی جو چاہتا تھا آخرت پھر پھیر دیا تم کو ان سے

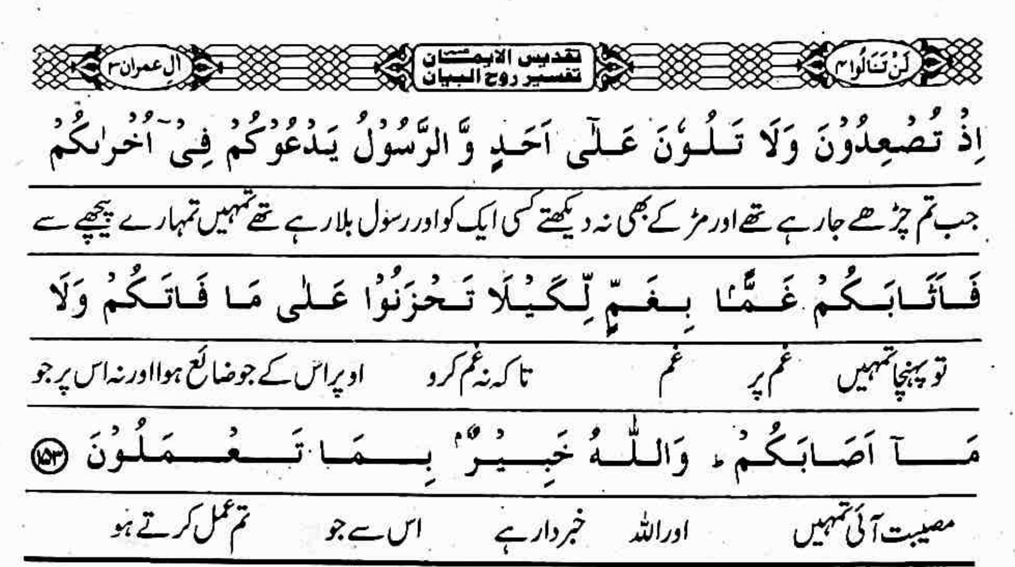
لِيَبْتَلِيَكُمْ ج وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ط وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

تاکہ آزمائے تمہیں اور البتہ تحقیق معاف کیا تمہیں اور اللہ فضل کرنے والا ہے اوپر مومنوں کے

(بقیہ آیت نمبر۱۵۲) اور ہمیں یہاں شکست کیوں ہوئی تو اس کے جواب میں فرمایا کہ بے شک میرے نبی پاک ﷺ نے پچاس مسلمانوں کو ایک درے میں کھڑا کر کے فرمایا تھا کہ تم نے یہاں سے نہیں ہلنا ہمیں خواہ کچھ ہو جائے۔خواہ کامیاب ہوں یا ناکام۔حتی کہ ہمیں اگر پرندے بھی نوچ کر کھا جائیں۔تم نے یہاں سے نہیں ہلنا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم سے فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔تو مسلمانوں نے کفار پر جب حملہ کیا اور کافروں کو مولی گاجر کی طرح کاٹ رہے تھے۔تحسونهم کا استعمال ہی وہاں ہوتا جہاں خوب کشت وخون ہو۔عین اس وقت جب کفار شکست خوردہ ہو کر بھاگ گئے۔تو تم نے حکم رسول میں اختلاف کر دیا اور آپس میں جھگڑ پڑے کہ کچھ اس درے میں حکم رسول کے مطابق ٹھہرے رہے۔اور کچھ نے کہا کہ مقصد پورا ہو گیا۔کافر کچھ قتل کئے جا چکے۔اور باقی بھاگ گئے ہیں۔لہذا اب یہاں ٹھہرنا بے سود ہے لہذا وہ درہ سے حکم رسول کی مخالفت کر کے اتر گئے اور صرف دس مسلمان حکم رسول کے مطابق قائم رہے۔لہذا مسلمانوں کو نقصان حکم رسول کی مخالفت سے پہنچا۔اس لئے بتا دیا کہ تم نے اس وقت نافرمانی کی جب تم نے دیکھا کو مسلمان مال غنیمت اکٹھی کر رہے ہیں تو تم نے وہ مقام چھوڑ دیا۔جہاں میرے رسول نے کھڑا کیا تھا کفار نے جب وہ درا خالی دیکھا تو وہ اسی مقام سے چڑھ کر آئے۔اور مسلمانوں پر اچانک حملہ کیا۔جس سے کئی مسلمان شہید ہو گئے۔جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

معلوم ہوا کہ جب تک نبی کی نافرمانی نہ ہوئی تھی۔تب تک تو مسلمانوں کو فتح اور کافروں کو شکست ہوئی۔لیکن جب نبی کے فرمان کے خلاف کام کیا تو تمہیں یہ نقصان پہنچا چونکہ تم میں ہی بعض وہ لوگ تھے جو صرف دنیا (مال غنیمت) چاہتے تھے اور بعض تم میں آخرت کے طلبگار تھے۔تو جو دنیا چاہتے تھے وہ مال غنیمت کی طرف دوڑ پڑے اور جو آخرت چاہتے تھے انہوں نے مرکز نہ چھوڑا اور جان رسول کے حکم پر دے کر جام شہادت نوش کیا پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈال کر تم سے دور کر دیا اور تم فتح یاب ہو گئے تاکہ تمہاری آزمائش ہو۔پھر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے تمہیں معاف بھی کر دیا جب دیکھا کہ تم اپنے کئے پر نادم ہو گئے ہو تو معاف کر دیا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر ہمیشہ فضل فرماتا ہے۔نعمتوں سے نوازے یا آزمائش میں ڈالے دونوں صورتوں میں مومنوں پر رحمت فرماتا ہے۔



(آیت نمبر ۱۵۳) وہ وقت بھی یاد کرو جب تم میدان چھوڑ کر چڑھائی کی طرف دوڑے جا رہے تھے اور پیچھے کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے اس سے بعض لوگوں نے یہ مطلب نکال لیا کہ صحابہ حضور کو چھوڑ کر بھاگ گئے ۔ یہ رافضی قسم کے لوگوں کا خیال ہے ۔ اگر یہی بات ہے تو بخاری کی روایت کے مطابق تو حضور ﷺ کے پاس صرف حضرت طلحہ رہ گئے ۔ گویا حضرت علی بھی بھاگ گئے تھے ۔ یہ بات بالکل غلط ہے ۔ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ تیرہ حضرات نے حضور ﷺ کا ساتھ بالکل نہیں چھوڑا ۔ ان میں اول نمبر ابو بکر صدیق ہیں ۔ حتی کہ شیعہ نے بھی یہی لکھا ہے (فتح الباری و مدارج النبوۃ) ۔ چونکہ یہ حملہ اچانک تھا ۔ مسلمانوں کو سنبھلنے میں کچھ دیر لگ گئی ۔ اس وقت اس میدان میں ٹھہرنا بھی تو بہت مشکل تھا ۔ اور رسول پاک ﷺ تمہیں بلا رہے تھے ۔ حدیث شریف: حضور ﷺ تو فرما رہے تھے ۔ "الی عباد اللہ" ۔ اے اللہ کے بندو میرے پاس آ جاؤ ۔ میں اللہ کا رسول زندہ ہوں جو واپس لوٹے گا ۔ انعام میں جنت پائیگا ۔ (تفسیر کبیر ج ۹) ۔

یاد رہے حضور ﷺ کا بلانا اپنی حاجت یا مدد حاصل کرنے کی غرض سے نہ تھا ۔ بلکہ انہیں جمع کرنے کی غرض سے بلایا ۔ کیونکہ اچانک حملے سے ادھر ادھر ہو گئے یعنی سب کو جمع کرنے کے طور پر تھا لہذا آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور ﷺ تمہیں پیچھے سے آواز لگا رہے تھے ۔ کہ سب ایک مرکز پر جمع ہو جاؤ ۔

حقیقت حال: فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ احد میں بارہ حضرات نے حضور ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا ۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ چودہ حضرات حضور کے ساتھ رہے ۔ سات مہاجرین سے اور سات انصار میں سے ۔ فتح الباری شرح بخاری ج ۸ ص نمبر ۱۰۹ و مدارج النبوۃ (ان میں سرفہرست ابو بکر صدیق ہیں) ۔ اور یہ بات بھی یاد رہے ۔ منافق

بھاگے مسلمان بھاگے نہیں صرف وقتی طور پر اچانک حملے کی وجہ سے متفرق ہوئے بعد میں پھر اکٹھے ہو گئے۔ یہ جو آج صحابہ کے بھاگنے کا کہتے ہیں۔ اگر یہ ہوتے تو شاید بھاگ کر اسلام ہی چھوڑ جاتے۔ اور واپس کبھی حضور ﷺ کے قریب بھی نہ آتے۔

آگے فرمایا کہ یہ سارا بیان اس لئے بتایا کہ اب تم فوت شدہ منافع اور آئی ہوئی تکلیف و مصیبت پر غم نہ کھاؤ اور اپنے اندر تکالیف پر صبر کرنے کی عادت ڈالو اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ یعنی وہ تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے اور مقاصد سے بھی باخبر ہے۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ تمہیں یہ رنج و غم اس لئے دیا۔ کہ آئندہ تم کو ایسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ تو صبر و استقامت سے کام لو۔

سبق: حضور ﷺ کی مخالفت سے بچنا اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور بزدلی اور آپس کا اختلاف اور دنیا کی خواہش اور حضور ﷺ کی نافرمانی آزمائش اور میدان سے بھاگنے کا سبب بنتے ہیں۔

فتح حاصل کرنے کا نسخہ:

جو بندہ ظاہری اور باطنی دشمنوں پر فتح چاہتا ہے وہ شرع پر چلنے کے ساتھ ہر آزمائش میں راضی برضاء مولا رہے۔ اور دین کے معاملے میں ہر دکھ درد میں صبر کرے۔

علامات اولیاء:

یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ولی اللہ کی علامات کیا کیا ہیں تو انہوں نے فرمایا:

۱۔ صبر اس کا اوڑھنا ہے۔
۲۔ شکر اس کا بچھونا۔
۳۔ فقر اس کی آرزو۔
۴۔ تقویٰ اس کی سواری۔
۵۔ حکمت اس کا علم۔
۶۔ توکل اس کا صابن۔
۷۔ غربت اس کی ملازم۔
۸۔ حزن اس کا ساتھی
۹۔ ذکر الٰہی اس کا دوست۔
۱۰۔ اللہ تعالیٰ اس کا انیس
۱۱۔ قرآن مجید اس کا ساتھی

ظاہر ہے جس کے پاس یہ مذکور ہتھیار ہوں۔ وہ کسی میدان میں مار نہیں کھاتا۔ ہر میدان میں وہ کامیاب و کامران ہو کر لوٹتا ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

پھر اتارا تم پر بعد غم کے سکون اونگھ کی شکل میں گھیر لیا ایک جماعت کو

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

تم سے اور ایک جماعت کو تحقیق فکر ہوا اپنی جانوں کا تو وہ گمان کرنے لگے اللہ پر ناحق بدگمانی

الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

جاہلوں والی۔ کہنے لگے کیا ہمارا بھی اختیار ہے کچھ فرما دو بے شک اختیار

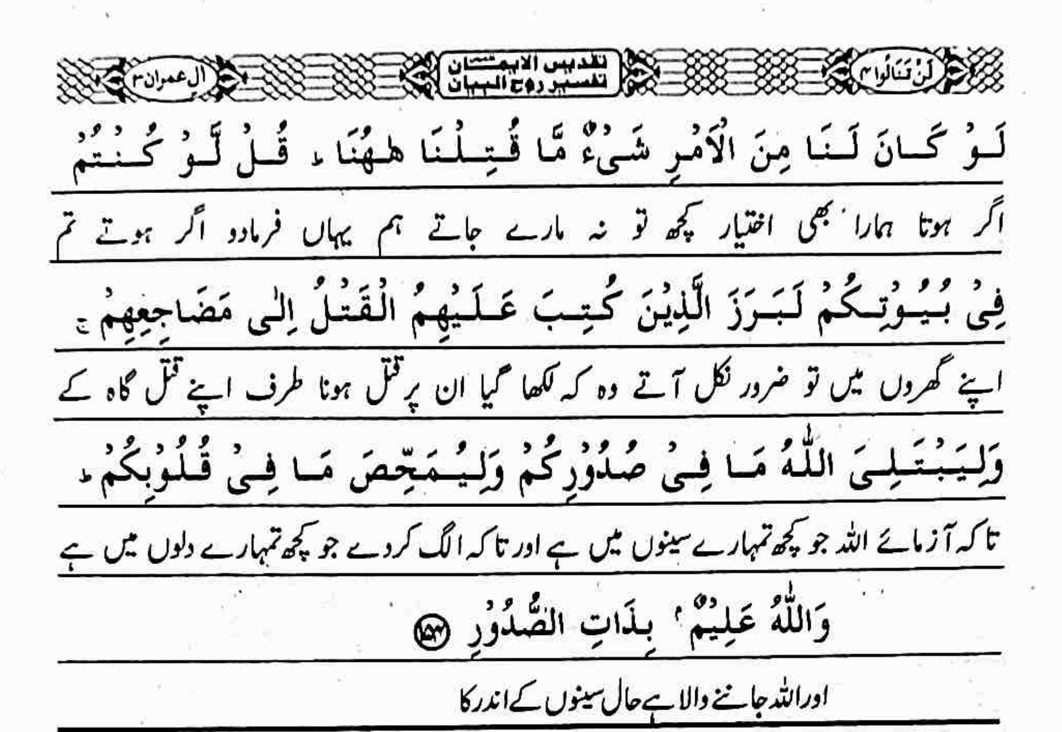
كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ

سارے کا سارا اللہ کا ہے وہ چھپاتے ہیں اپنے دلوں میں جو نہیں ظاہر کرتے تمہارے لئے کہتے ہیں

(آیت نمبر ۱۵۴) اے مومنو پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر اس غم کے بعد اونگھ طاری کر دی۔

واقعہ: حضرت ابوطلحہ فرماتے ہیں کہ عین غزوہ کے درمیان دیکھا کہ سب صحابہ کے سر ڈھال پر پڑے ہیں اور مجھے بھی کئی بار اونگھ سی آئی اور ہر بار تلوار نیچے گر جاتی۔ اس لئے فرمایا کہ اس اونگھ نے تم میں سے ایک جماعت کو ڈھانپ لیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض وہ بھی تھے جن پر اونگھ طاری نہ ہوئی۔ بہر حال زیادہ حضرات وہ تھے کہ جن پر اونگھ طاری ہوئی۔ اس اونگھ سے گویا وہ تر و تازہ ہو گئے اور پھر ایسا دشمن پر حملہ کیا کہ ان کو بھگا کے چھوڑا۔ لیکن ان میں کچھ کمزور ایمان والے وہ بھی تھے جنہوں نے اتنے مسلمانوں کو شہید ہوتے دیکھا۔ تو انہیں اپنے آپ کی فکر پڑ گئی۔

وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی ناحق گمان کرنے لگے اور حضور ﷺ سے پوچھنے لگے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے اس امر اور وعدے میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے کہا کہ ان کو بتایئے کہ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہیں لیکن غلبہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو ہی ملے گا اور ان میں کچھ وہ بھی ہیں جو اپنے دلوں میں کچھ باتیں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے اور آپس میں چپکے چپکے بات کرتے ہیں کہ آج اگر ہمارے اختیار میں کوئی بات ہوتی تو ہمیں یہ شکست نہ ہوتی اور نہ اتنے آدمی مارے جاتے یا یہ مطلب ہے کہ ہمیں یہاں سے نکلنے کا اختیار دیا جاتا یہاں ٹھہرے نہ رہتے تو یہ حالت نہ ہوتی کیونکہ حضور ﷺ نے تو وعدہ کیا تھا کہ ہم ہی غالب رہیں گے۔ اور یہاں تو معاملہ اس کے برعکس ہوا کہ ہمارے اتنے آدمی قتل ہو گئے۔ (صحابہ کرام میں سے کسی نے کسی بات پر اعتراض نہیں کیا۔)



لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ

اگر ہوتا ہمارا بھی اختیار کچھ تو نہ مارے جاتے ہم یہاں فرمادو اگر ہوتے تم

فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ ۚ

اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے وہ کہ لکھا گیا ان پر قتل ہونا طرف اپنے قتل گاہ کے

وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

تاکہ آزمائے اللہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ الگ کردے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

اور اللہ جاننے والا ہے حال سینوں کے اندر کا

یعنی اس قسم کے جاہلیت والی باتیں سوچتے تھے یا آپس میں ایک دوسرے سے کانا پوسی کرتے تھے تو ان کی ان باتوں کا جواب دیا گیا کہ یہ وقتی شکست اس لئے ہوئی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تھی۔ اس وجہ سے ان پر یہ آزمائش آئی تھی۔ ورنہ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اصل میں وعدہ الٰہی کے مطابق اول اور آخر فتح مسلمانوں کو ہی نصیب ہوئی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے محبوب یہ جو جاہلیت والی باتیں کررہے ہیں۔ ان کی تکذیب اور ابطال کرتے ہوئے ان کو فرمادیں کہ اگر تم غزوہ احد میں آنے کے بجائے اپنے گھروں میں ٹھہرے رہتے جیسے تمہارا خیال ہے تو وہ لوگ جن کے متعلق لوح محفوظ پر غزوہ احد میں ہی مرنا یا قتل ہونا لکھا گیا تو پھر کوئی نہ کوئی سبب تو ضرور انہیں یہاں لے آتا۔ خواہ تم بستر پر ہوتے یا جہاں بھی ہوتے۔ ہر حال میں مرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا لکھا تو ٹل نہیں سکتا اور اس کی تقدیر کوئی نہیں ٹال سکتا۔

اصل بات یہ ہے: کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری بہت ہی آزمائش ہورہی ہے اور یہ جو کچھ بھی ہوا اس میں تمہاری اصلاح اور تمہاری کامیابی ہے۔ اس لئے یہ آزمائش ہے تاکہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے۔ وہ ظاہر ہوجائے۔ اور پتہ چلے کہ تمہارے دلوں میں اخلاص ہے یا نفاق تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے ان مخفی امور کو خالص کردے۔ اللہ تعالیٰ سینے کے اندر والے چھپے ہوئے بھید اور اسرار وغیرہ سب کو جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ

بے شک وہ جو پھر گئے تم سے جس دن ملیں دو جماعتیں سوائے اس کے نہیں پھسلا دیا ان کو شیطان نے

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ع ﴿۱۵۵﴾

بوجہ بعض اس کے جو جو عمل کیا انہوں نے اور البتہ تحقیق معاف کیا اللہ نے ان کو بے شک اللہ بخشنے والا بردبار ہے

(آیت نمبر ۱۵۵) غزوۂ احد میں جب (مسلمان اور کافروں کی) دو جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو ان میں سے کچھ وہ تھے جو مڑ کر مدینے میں چلے گئے تو دراصل ان کو شیطان نے پھسلا دیا یعنی شیطان نے انہیں کہا کہ جان بچاؤ گھر جاؤ۔ تو (غلطی کے سبب جو ان سے سرزد ہوئی کہ حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت کر کے جم کے لڑنے کے بجائے بھاگنے کو ترجیح دی)۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ جب انہوں نے توبہ کی اور سچے دل سے معذرت کر لی بے شک اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا بردبار ہے یعنی وہ جلد عذاب نہیں دیتا بلکہ وہ توبہ کا موقع دیتا ہے۔

وضاحت : اس میں نکتہ یہ ہے کہ شیطان چونکہ آگ سے بنا اور وہ انسان کے معدن سے اپنے وسوسے کی آگ نکالتا ہے یعنی شیطان نے ان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر موت سے ڈرایا۔ تو وہ خطا جو جنگ سے بھاگنے کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے عفو و کرم مغفرت و حلم کا اس قدر ظہور فرمایا کہ ان کو معاف فرما دیا۔ (لیکن کچھ لوگوں نے ابھی تک انہیں معاف نہیں کیا۔ جو منہ میں آتا ہے بک دیتے ہیں)۔

حکایت: جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان کو ننگا دیکھا تو فرمایا۔ تجھے لوگوں میں یوں ننگا پھرتے شرم نہیں آتی تو اس نے کہا کہ یہ لوگ مرد نہیں۔ مرد وہ ہیں جو شونیزیہ مسجد میں محو عبادت ہیں۔ جنہوں نے میرے جسم کو فنا اور میرے کلیجے کو جلا رکھا ہے۔ جنید بغدادی فرماتے ہیں میں وہاں گیا تو کچھ لوگ گھٹنوں پر سر رکھے غور و فکر میں مشغول تھے۔ ایک نے سر اٹھا کر کہا۔ اس خبیث کی باتوں میں نہ آنا۔ (مولانا روم نے فرمایا (بندگان خاص علام الغیوب) حوالہ تبلیغی نصاب)

حکایت : احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں شیطان نے صحابہ کو گمراہ کرنے کیلئے کچھ شطونگڑوں کا لشکر بھیجا۔ مگر وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹے۔ شیطان نے پوچھا کیا ہوا۔ انہوں نے کہا کہ وہ کسی طرح ہمارے کہنے میں نہ آئے۔ اس نے کہا کوئی بات نہیں۔ یہ اپنے نبی کی صحبت کی وجہ سے ہمارے قابو میں نہیں آئیں گے۔ ہم ان کی اولاد کو گمراہ کریں گے لیکن تابعین کے زمانے میں بھی ان کا داؤ نہ چل سکا۔ مگر آگے ان کی اولادوں میں شیطانوں نے اکثریت لوگوں کو غلط راستے پر ڈال ہی لیا۔ اور طرح طرح کی خواہشات میں انہیں لگا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے شر سے بچائے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

اے ایمان والو نہ ہو مثل ان کافروں کے جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں سے

اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا

جب وہ چلے کسی علاقہ میں یا تھے کسی جنگ میں اگر وہ ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے

وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور نہ مارے جاتے تاکہ رکھے اللہ اس کا افسوس دلوں میں ان کے حالانکہ اللہ

یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾

زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے اور اللہ اس کو جو تم عمل کرتے ہو دیکھ رہا ہے

(آیت نمبر ۱۵۶) اے ایمان والو ان کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ (یہاں کافروں سے مراد منافق ہیں) کہ جنہوں نے اپنے ہم عقیدہ بھائیوں سے یعنی کمزور ایمان والوں سے کہا جب وہ گھروں سے باہر کہیں گئے اور وہیں موت آ گئی۔ یا جنگ میں شرکت کیلئے گئے اور مارے گئے تو یہ آپس میں گفتگو کرتے وقت یوں کہتے کہ اگر وہ ہمارے پاس مدینہ میں رہتے تو نہ مرتے یا جنگ میں وہ اگر نہ جاتے تو نہ مارے جاتے اور یہ بات کسی محبت کی وجہ سے نہ کہتے بلکہ اس لئے یہ بات ان کے گھر والوں کو کہتے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں یہ حسرۃ رکھ دے۔ (یہ بات بھی انہوں نے ظاہر کی)۔ اندرونی ان کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔ وہ یہ کہ وہ حسرت وافسوس سے ہاتھ ملتے رہیں اور آئندہ جہاد وغیرہ کے موقع پر اپنے عزیزوں کو جہاد میں شرکت کیلئے جانے سے منع کریں۔ لیکن انہیں اس قسم کی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ ان کا مقولہ ان ہی کیلئے حسرت کا باعث بنا۔ مسلمان تو پورے جوش اور جذبے سے جہاد میں شریک ہوتے۔ دین واسلام کی خاطر جان دینا اپنے لئے وہ باعث سعادت سمجھتے تھے۔

مسلمان کا عقیدہ: تو یہ ہے کہ موت وحیات کا وقوع قضاء الٰہی کے مطابق ہے لہذا مسلمان اس قسم کی باتوں پر حسرت وافسوس نہیں کرتا۔ مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ ہی زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے یہ بھی ان منافقین کے خیالات کا رد ہے۔ جنہوں نے کہا اگر یہ جہاد میں نہ جاتے تو نہ مارے جاتے۔ انہیں بتایا گیا کہ موت وحیات میں حقیقی موثر اللہ تعالیٰ ہی ہے اس میں اقامت وسفر کو کوئی دخل نہیں ہے۔ کئی دفعہ مسافر اور جنگ میں جانے والے زندہ

سلامت گھر میں لوٹ آتے ہیں اس کے باوجود کہ موت کے اسباب ان کے سر پر منڈلا رہے ہوتے ہیں گویا موت کے منہ سے نکل کر گھر میں صحیح وسلامت آجاتے ہیں۔اور بسا اوقات گھر میں آرام سے رہنے والا اور جنگ میں شرکت نہ کرنے والا موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔اس کے باوجود کہ عافیت وسلامتی کے اسباب ان کے پاس موجود ہوتے ہیں۔کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا:

اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند
کہ خرسنگ جان بمنزل برد

(یعنی بہت سارے تیز رو گھوڑے تھک ہار کر راستے میں ہی رہ جاتے ہیں اور لنگڑا گدھا منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے)

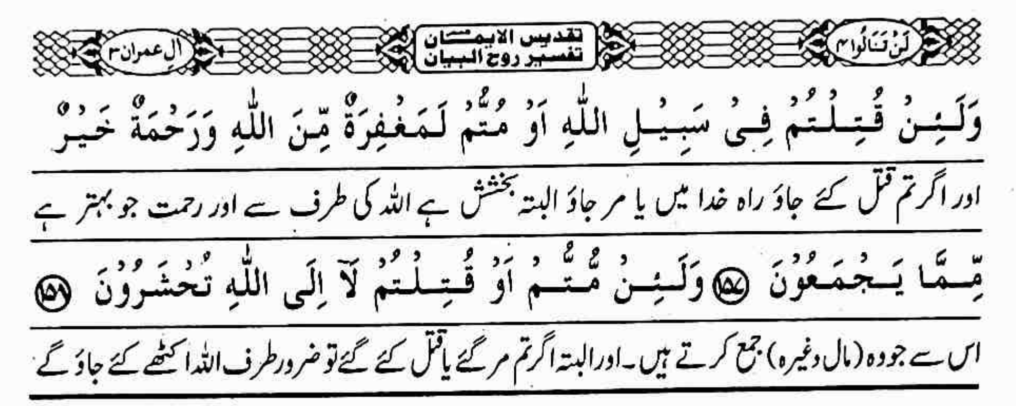
بس کہ درخاک تعذر ست را
دفن کردند وزخم خوردہ نمرد

(یعنی بہت سارے تندرست آدمی فوراً مر کر زیر زمین دفن ہو جاتے ہیں لیکن زخم خوردہ نہیں مرتا) آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے لہٰذا تم ان منافقین سے بچ جاؤ جو تمہیں جہاد سے روکنے کیلئے کئی طرح کی باتیں بتاتے ہیں۔

سبق: عقل مند کو چاہئے کہ وہ اپنی آخرت کا معاملہ ان منافقین کے دام فریب میں آکر خراب نہ کرے۔دنیا تو چند روزہ ہے۔حضرت امام اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب بندہ جہاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کا دل دنیا سے ہٹ کر آخرت کی طرف لگ جاتا ہے اور جب وہ مرتا ہے تو گویا وہ شخص دشمن سے جان کی رہائی پاکر محبوب کے وصال سے سرشار ہو جاتا ہے اور بدقسمتی سے کوئی موت کے ڈر سے چھپ کر گھر میں بیٹھ جاتا ہے تو وہ دنیا جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔لیکن جب وہ مرتا ہے تو وہ محبوب حقیقی کے دیدار سے محروم ہو جاتا ہے کہ اس کے اور محبوب حقیقی کے درمیان پردے حائل کر دیئے جاتے ہیں اور پھر اسے دار الغربت میں پھینک دیا جاتا ہے۔

ف: اس بات سے ایک انسان کی سعادت اور دوسرے کی شقاوت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ دنیا وآخرت کے تصورات سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا کہ اس کے سامنے سے تجلیات ربانی کے سب پردے ہٹ جائیں اور یہ حضور کردگار میں پہنچ جائے۔



وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ

اور اگر تم قتل کئے جاؤ راہ خدا میں یا مر جاؤ البتہ بخشش ہے اللہ کی طرف سے اور رحمت جو بہتر ہے

مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اس سے جو وہ (مال وغیرہ) جمع کرتے ہیں۔ اور البتہ اگر تم مر گئے یا قتل کئے گئے تو ضرور طرف اللہ اکٹھے کئے جاؤ گے

(آیت نمبر ۱۵۷) اور اگر تم اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤ یا مر جاؤ ایمان کی حالت میں تو تمہارے لئے بخشش بھی ہے اللہ کی طرف سے اور رحمت بھی نصیب ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ سفر اور جنگ سبب موت نہیں ہیں اور نہ وقت سے پہلے موت آسکتی ہے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر موت اس طرح شہادت والی آئی جس طرح حکم الٰہی تھا تو پھر ضرور اللہ تعالیٰ اپنی بخشش و رحمت بندے کو عطا فرمائیں گے اور وہ رحمت و بخشش ہزار ہا گنا بہتر ہے اس سے جو یہ مال و دولت دنیا کیلئے جمع کر رہے ہیں۔ یعنی کافروں کی پوری زندگی کی پونجی اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کی مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بلکہ اگر وہ اپنے اعتقاد کے مطابق صدقات وغیرہ کے لئے بھی خرچ کریں تب بھی عقیدہ فاسدہ کی وجہ سے ضائع ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۵۸) البتہ اگر تم مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ۔ لیکن ارادۂ الٰہی کے بغیر تمہیں موت نہیں آسکتی۔ اور اگر موت آ بھی گئی تو تمہیں اس معبود برحق عظیم الشان اور واسع الرحمۃ اور جزیل للاحسان کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ تو وہ تمہیں اجر و ثواب پورے طور پر عطا فرمائے گا۔ اور بڑے بڑے انعامات و عطیات سے نوازے گا۔

شان نزول: کفار یہ کہتے تھے کہ ہمارا دنیا میں رہنا مرنے سے زیادہ بہتر ہے کہ دنیا میں رہ کر ہم بے شمار مال و دولت جمع کر سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہترین چیز مال و دولت نہیں۔ بہترین چیزیں مغفرت و رحمت ہے۔

ربط آیات: مذکورہ دونوں آیات کی اعلیٰ ترتیب ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر عبادت کرلے اس کے گناہ معاف ہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ جو محض اللہ تعالیٰ کیلئے عبادت کرتا ہے نہ جنت کی لالچ ہے نہ دوزخ کا ڈر ہے۔ تو ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع ہونا ہے۔ دونوں کے درجات میں بہت بڑا فرق ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

پس بہ سبب رحمت خداوندی کے آپ نرم ہیں ان کے لئے اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سنگ دل تو

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي

ضرور چلے جاتے یہ لوگ آپ کے پاس سے تو معاف فرمائیں ان کو اور بخشش مانگیں ان کے لئے اور ان سے مشورہ کرتے رہیں

الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

کام میں پھر جب پختہ ارادہ کرلیں تو پھر توکل کریں اوپر اللہ کے بے شک اللہ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے

(آیت نمبر۱۵۹) اے میرے محبوب آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں۔ اور آپ مومنوں پر نرم ہیں۔ انہیں سینے سے لگاتے ہیں اور آپ اپنے مکارم اخلاق سے مزین ہیں۔ آپ مسلمانوں سے انتہائی نرمی کا سلوک کرتے ہیں۔ اگر چہ ان سے آپ کی حکم عدولی بھی ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی آپ ان سے انتہائی لطف و کرم سے پیش آتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اگر آپ تند مزاج ہوتے یعنی ان سے ہر بات اور ہر کام میں پہلو تہی کرتے اور سخت دل ہوتے اور سختی کا معاملہ ان سے کرتے نرمی کی ان سے بات نہ کرتے۔ غلیظ قلب اسے کہتے ہیں کہ جس کے دل پر کوئی چیز اثر نہ کرے اور فظ بد اخلاق کو کہا جاتا ہے کئی آدمی بد اخلاق ہونے کے باوجود کسی کے درپے آزار نہیں ہوتے۔ تو اللہ کریم نے حضور ﷺ کی صفت کریمانہ ارشاد فرمائی کہ آپ اگر سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پاس نہ ٹھہرتے۔ لیکن آپ کی نرم مزاجی نے انہیں آپ کا گرویدہ بنایا ہوا ہے۔

اگر آپ سختی کرتے تو وہ کہیں اور چلے جاتے خواہ کہیں اور جا کر تباہ و برباد ہوتے۔ لیکن اے محبوب آپ پھر بھی ان کی کوتاہیوں سے درگذر فرماتے رہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا آپ بھی ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے رہیں۔ تاکہ آپ کی ان پر کمال درجے کی شفقت و رحمت ہو جائے اور مختلف اوقات میں ان سے مشورہ بھی لیں تاکہ ان کی آراء کا بھی پتہ چل جائے کہ وہ جنگ کے موقع پر کیا ارادہ رکھتے ہیں یہاں الامر سے مراد یا تو جنگ کا موقع ہے یا دیگر بڑے اہم معاملات (جن کیلئے عموماً مشورہ لینے کی ضرورت پڑتی ہے) تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کی رائیں کیا ہیں اور اس سے ان کے دل بھی خوش ہو جائیں گے اور تیسری بات یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے مراتب کی بلندی بھی معلوم ہو جائے گی اور اس کے علاوہ یہ ہے کہ امت کے لئے یہ کام سنت بن جائیگا کہ وہ بھی آپس میں مشورہ کریں گے۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ

اگر مدد کرے تمہاری اللہ تو نہیں کوئی غالب آئیگا تم پر اور اگر وہ چھوڑ دے تمہیں تو کون ہے وہ جو

يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

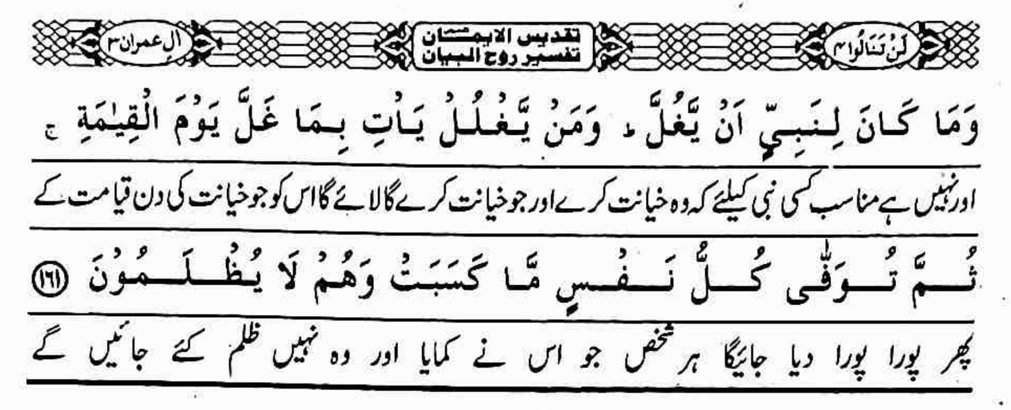
جو مدد کرے گا تمہاری اس کے بعد اور اوپر اللہ کے بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۹) آگے فرمایا کہ جب مشورہ ہو جائے تو اس کام کو مکمل کرنے کا پختہ ارادہ کرلو اور اس پر تمہارا دل بھی مطمئن ہو جائے تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ اس لئے کہ یہی مناسب ہے۔ کیونکہ تمہارے ہر معاملے کو وہی بہتر حل کرسکتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ توکل والوں سے پیار کرتا ہے اور جس کام میں اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اس میں وہ مدد بھی کرتا ہے اور راہنمائی بھی کرتا ہے توکل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے اور کام اس کے حوالے کردینے کو کہتے ہیں۔

ازالہ وھم: بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ توکل بر خدا کے ساتھ مشورہ کی کیا ضروری ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشورہ لینا توکل کے خلاف نہیں ہے مناسب یہ ہے کہ اسباب ظاہری کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تم کرو اور فرماتے ہیں کہ رفق یعنی نرمی اپنے معاملات میں بہتر ہے۔ لیکن حقوق اللہ اور شریعت کے معاملے میں رفق اور نرمی ٹھیک نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ کے دین کے معاملے تمہیں نرمی نہ آئے۔ پھر مشورے سے ایک بات جب طے ہو جائے تو پھر تذبذب میں نہیں پڑنا چاہئے۔ خصوصاً یہ پیغمبر کی شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے دل میں کمزوری اور مزاج میں تلون پیدا ہو جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۶۰) اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے چونکہ مدد دو قسم ہے: (۱) مدد کرنا۔ (۲) اور دوسرے کی سختی روکنا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔ یا دشمن کو تم سے روکے۔ جیسا کہ بدر میں ہوا تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کرے اور تمہیں ہلاکت کے سپرد کردے تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کرے۔ اس رسوائی کے بعد۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب کچھ رب تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس لئے فرمایا کہ مومنوں کو چاہئے کہ وہ صرف اسی پر بھروسہ کریں۔ اس لئے کہ جب انہیں پورا یقین ہے کہ مددگار حقیقی وہی ہے تو پھر توکل بھی اسی پر کریں۔

مسئلہ: توکل کا ایک شعبہ یہ بھی ہے کہ مسلمان اللہ کے سوا نہ کسی کو مددگار سمجھے اور نہ روزی رساں سمجھے۔



وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

اور نہیں ہے مناسب کسی نبی کیلئے کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا لائے گا اس کو جو خیانت کی دن قیامت کے

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

پھر پورا پورا دیا جائیگا ہر شخص جو اس نے کمایا اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۱۶۰) حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ میری امت کے ستر ہزار حضرات بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائیں گے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ نہ ملاوٹ کرتے ہیں نہ چوری کرتے ہیں نہ بدفالی لیتے ہیں بلکہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (رواہ البخاری والمسلم)

(آیت نمبر ۱۶۱) کسی نبی کیلئے مناسب نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ غلول یہ ہے کہ مسلمانوں کے مال غنیمت میں سے کوئی چیز چھپا کر اپنے لئے نکال لینا۔ اس کا دوسرا نام خیانت ہے۔ یا اسے بددیانتی بھی کہتے ہیں۔

واقعہ: یہ ہوا کہ احد میں جب پچاس آدمی درے پر مقرر کئے گئے اور مشرکین پہلے حملے کی ہی تاب نہ لاکر بھاگ گئے تو درہ والوں میں سے چالیس آدمی بھاگ کر نیچے میدان میں آگئے کہ کہیں مال غنیمت سے ہم محروم نہ کردیے جائیں تو حضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ تمہیں یہ بدگمانی ہوگئی ہم خیانت کر کے تمہیں مال غنیمت سے محروم کردیں گے۔ کیا میں نے تم سے وعدہ نہ لیا تھا کہ جب تک میرا حکم نہ آئے اس مرکز کو نہ چھوڑنا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے بھائیوں کو وہاں چھوڑ آئے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں گمان ہوا کہ ہم خیانت کریں گے اور مال غنیمت میں سے تمہیں حصہ نہیں دیں گے۔

فائدہ: حضور ﷺ نے فرمایا۔ حاکموں کو دیے جانے والے ہدیئے تحفے بھی خیانت ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ یاد رکھو جو بھی خیانت کریگا۔ بروز قیامت وہ خیانت کیا ہوا مال اپنے سر پر اٹھا کر لائے گا۔ اس کے متعلق حضور ﷺ کے بے شمار ارشادات ہیں کہ جس نے کسی کی زمین غصب کی تو وہ ساتوں زمینوں تک سر پر اٹھا کر لائے گا (مسلم شریف کتاب المساقاۃ) تاکہ سر محشر اس کی رسوائی ہو پھر ہر نفس کو اپنے کئے کی پوری جزاء یا سزا دی جائے گی اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔ یعنی ان کے جرم سے زیادہ انہیں سزا نہیں دی جائے گی۔ یہی عدل کا تقاضا ہے۔ اور ثواب ہزاروں گنا بڑھا کر دیا جائے گا۔ یہ اس کے فضل کا تقاضا ہے۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

کیا پس جو چلے رضائے الٰہی پر (ہوسکتا ہے) مثل اس کے جو لوٹا ناراضگی لیکر اللہ کی اور ٹھکانا بنایا جہنم کو جو بہت بری جگہ ہے

الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

لوٹنے کی۔ وہ درجے ہیں نزدیک اللہ کے اور اللہ دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں

(آیت نمبر۱۶۲) تو کیا جو شخص خوف خدا کی وجہ سے اللہ کی رضا پر چلے۔ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو غضب الٰہی لے کر لوٹے۔ بددیانتی اور خیانت کا جرم کر کے آئے یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ اس لئے کہ اس بڑے مجرم خیانت کرنے والے کا ٹھکانہ تو جہنم ہے جو کہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ جہاں ذلت رسوائی مار کٹائی اور آگ ہی آگ ہے۔ نعوذ باللہ۔ بلکہ حضور ﷺ نے خیانت کرنے والے کی نماز جنازہ ہی نہیں پڑھی۔ کہ جس نے مال غنیمت میں سے ایک معمولی چیز نکالی تھی۔

(آیت نمبر۱۶۳) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے مختلف درجات ہیں۔ جن کا اسی ذات کو علم ہے یعنی جیسے جیسے اعمال میں تفاوت ہوگا۔ ایسے ہی ان کے درجات میں ثواب وعقاب میں فرق ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ جن کا بروز قیامت اعمال کے مطابق جزاء وسزاء کا حکم دے گا۔

سبق: عقلمند کو چاہئے کہ وہ جنت میں ملنے والے درجات کے حصول کیلئے پوری پوری کوشش کرے۔

جنت کے بڑے درجات:

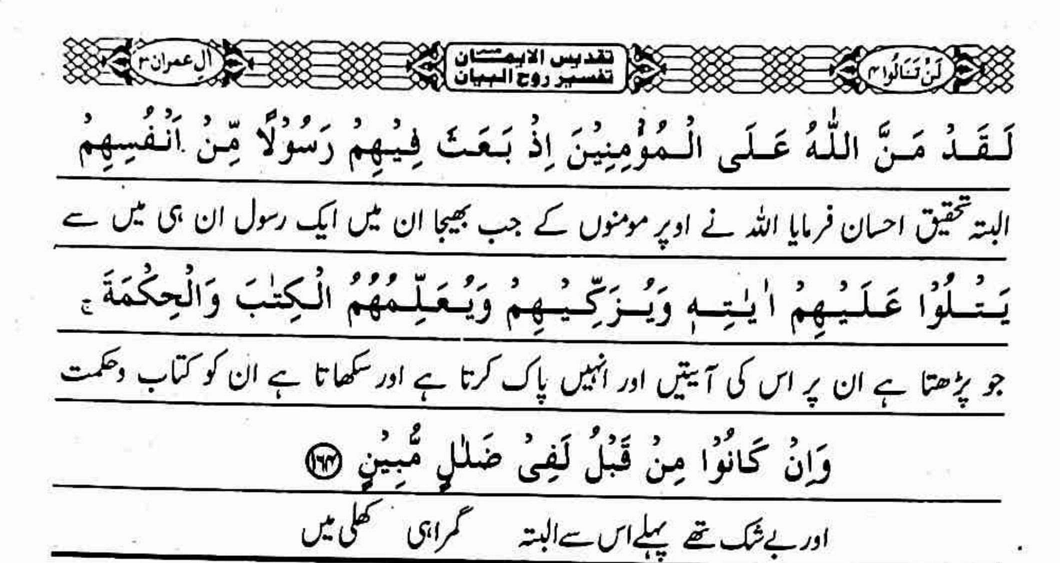
۱۔ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے درجات۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے سچے تابعدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درجات۔

۳۔ وہ مومنین جو سچے دل سے انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق کرتے رہے۔ اولیاء کرام

۴۔ علماء کرام جو توحید کے دلائل عقلیہ سے تصدیق سے کرتے رہے۔ ان سب کے درجات۔

آیت کریمہ شھد اللہ الخ واولو العلم قائما بالقسط سے یہی لوگ مراد ہیں اور ان ہی لوگوں کے متعلق ہے۔ والذین اوتوا العلم درجات۔ یہی لوگ دیدار حق سے سرشار ہونگے۔ جن کو علم کی وجہ سے بڑے بڑے درجے ملے۔



مراتب اور درجات کی اقسام:

۱۔ بعض حضرات کو عمر بھر خدمت اسلام میں گذارنے کی وجہ سے۔
۲۔ بعض کو اچھی اور نیک ساعات میں عبادت کی وجہ سے مثلاً زندگی میں رمضان، جمعہ، لیلۃ القدر، ذوالحج اور عاشورہ کی راتوں میں جاگنے اور ان میں خوب عبادت کرنے کی وجہ سے۔
۳۔ بعض حضرات کو اچھے مقامات میں مثلاً مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ میں کثرت سے حاضری کی وجہ سے۔
۴۔ بعض کو احوال کی وجہ سے مثلاً عمر بھر نمازیں با جماعت ادا کیں۔
۵۔ بعض کو اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کی تکالیف دور کرتے رہے۔
۶۔ بعض کو اس وجہ سے کہ انہوں نے صدقہ وخیرات انتہائی ضرورت والی جگہ میں مال صرف کیا۔ مثلاً جہاں لوگ بھوکے مر رہے تھے یا سادات کو ہدیہ دیا۔ یا صدقہ جاریہ والی جگہ پر خرچ کیا۔ کوئی مسجد یا مدرسہ بنایا۔
۷۔ بعض کو اس لئے کہ ان کے اعضاء دل دماغ آنکھ کان وغیرہ اسلام کے مطابق استعمال ہوئے۔

سبق: اے بھائی اس شخص کی طرح عمل کر جو جانتا ہے کہ میں ایک دن اللہ کے پاس لوٹ کر جانے والا ہوں اور مجھے ہر چھوٹے بڑے عمل پر عمل کے مطابق جزاء وسزا ملنے والی ہے۔ لہذا غفلت نہ کر اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

(آیت نمبر ۱۶۴) قسم ہے اللہ کی کہ بے شک اللہ نے انعام فرما کر (احسان جتایا) مومنوں کو کہ جو اپنے رسول پر ایمان لائے۔ صرف مومنوں کا نام اس لئے لیا کہ انعام بھی ان پر ہوا۔ اور اس انعام سے صرف مومنوں کو ہی فائدہ پہنچا اور وہ رسول ان کی جنس سے یا ان کی قوم میں مبعوث فرمایا تا کہ وہ آسانی کے ساتھ تمہیں سمجھا سکیں اور اے مسلمانو تم

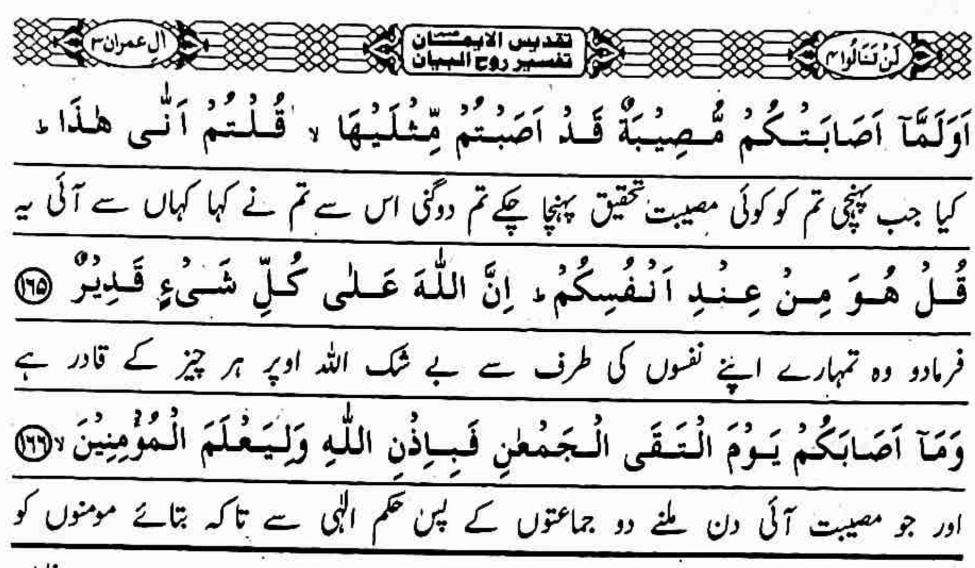
بھی باآسانی ان کی بات کو سمجھ سکو چونکہ (اہل مکہ) آپ کی صداقت وامانت سے پہلے ہی مکمل واقف تھے اور انفسھم کو بہ صیغہ تفضیل بھی پڑھا گیا۔ پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ رسول ان میں نفیس ترین ہے اور وہ رسول ان کے سامنے اس (اللہ) کی آیتیں پڑھتے ہیں حالانکہ انہوں نے اس سے پہلے نہ وحی سنی نہ آیات کا نام اور وہ رسول ان کو گندے عقائد واعمال سے اور قبیح برائیوں سے پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے کہ وہ لوگ آپ کی بعثت یا تعلیم سے پہلے بالکل کھلی گمراہی میں تھے اس بات میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت: حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع پر بے شمار کرامات کا ظہور ہوا۔ کعبہ میں پڑے تمام بتوں کا منہ کے بل گرنا، کسریٰ کے محل کے ۱۴ میناروں کا گرنا، فارس کی ہزار سالہ جلنے والی آگ کا اچانک بجھنا، بحیرۂ ساوہ کے سمندر کا اچانک خشک ہونا (جیسے بے شمار واقعات رونما ہوئے) اور ساری کائنات میں سب سے برگزیدہ بن کر تشریف لائے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبریل نے آکر بتایا کہ میں نے تمام مشرقوں مغربوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مگر محمد ﷺ سے افضل کسی کو نہیں پایا (خصائص کبریٰ)۔ اس افضلیت کی سب سے بڑی یہ دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن آدم وبنی آدم سب میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوں گے (ترمذی)۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سب نبیوں کے آخر میں لایا اور تمام انبیاء ومرسلین کا سردار بنایا۔ جیسے سر سارے جسم اور آنکھ سارے سر میں اعلیٰ چیز ہے

حضور ﷺ کی نورانیت: حضور ﷺ نے فرمایا بے شک میں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے نور تھا۔ فرشتوں کے ساتھ تسبیح کہتا۔ پھر میرا نور پشت آدم میں رکھا گیا۔ پھر نیک لوگوں کی صلبوں سے ہوتا ہوا حضرت عبد المطلب کے پاس آیا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے بے شمار کرامات دیکھیں۔ پھر اپنے والد ماجد حضرت عبد اللہ کی پشت میں تشریف لائے۔ پھر امانت جناب آمنہ کے پاس آئی۔ تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ مجھ سے نور برآمد ہوا۔ جس کی وجہ سے میں نے شام کے محلات دیکھ لئے۔ (خصائص کبریٰ)

احسان عظیم: حضور ﷺ کی بعثت کو احسان عظیم اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار ہا نعمتیں عطا فرما کر احسان نہیں جتایا مگر اس نعمت پر احسان جتایا گیا۔ دوسرا یہ کہ آپ کی تشریف کی برکت سے گمراہوں کو ہدایت مل گئی۔ باطل والوں کو حق کا راستہ مل گیا۔ جن کے طریقے پر چل کر ایک فرد۔ ایک خاندان بلکہ پوری دنیا کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ جن کی اصلاح سے درندہ صفت انسان فرشتہ سیرت بن گئے۔ جنہیں کوئی غلامی میں پسند نہ کرتا تھا۔ وہ دنیا بھر کے استاد بن گئے۔ جو جہنم میں گرنے والے تھے۔ وہ جنت کے مالک بن گئے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے محبوب کی سنتوں پر چلنے اور آل پاک اور اصحاب کرام کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ

کیا جب پہنچی تم کو کوئی مصیبت تحقیق پہنچا چکے تم دوگنی اس سے تم نے کہا کہاں سے آئی یہ

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

فرمادو وہ تمہارے اپنے نفسوں کی طرف سے بے شک اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ﴿۱۶۶﴾

اور جو مصیبت آئی دن ملنے دو جماعتوں کے پس حکم الٰہی سے تاکہ بتائے مومنوں کو

(آیت نمبر ۱۶۵) شان نزول: جب احد میں مسلمانوں کو کچھ مصیبت آئی کہ اس میں کچھ مسلمانوں ہی کی غلطی سے ستر مسلمان شہید ہوئے تو کچھ لوگوں نے عجیب باتیں شروع کردیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

کیا جب تمہیں کوئی مصیبت آئی یعنی احد میں جو تکلیف آئی تو تم نے کہا یہ مصیبت کیسے آ گئی اگر ہم حق پر ہوتے تو یہ مصیبت نہ آتی اور مشرکین کو یہ غلبہ نہ ملتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بر سبیل انکار اپنے پیارے رسول سے فرمایا کہ ان کو بتادیجئے کہ یہ تمہارے اپنے عمل کا نتیجہ ہے کہ تم کو جہاں رسول نے کھڑا کیا تھا۔ تم وہاں سے ہٹ گئے۔ یہ مصیبت اس نافرمانی کی وجہ سے ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اگر اطاعت کرو تو مدد کرتا ہے۔ میری اور میرے رسول کی نافرمانی سے یوں ہی شرمساری اور رسوائی ملتی ہے اس کی مثال تم نے احد میں دیکھ لی۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہیں اگر احد میں تکلیف پہنچی۔ تو بدر میں تم نے اللہ تعالیٰ اور اس پیارے رسول ﷺ کی مخالفت نہیں کی تو تم نے کافروں کو دوگنی ضرب لگائی کہ ان کے ستر آدمی مارے اور ستر قید بھی کئے۔ اس بات کو بھی یاد کرو۔

(آیت نمبر ۱۶۶) اور جو بھی تمہیں دو جماعتوں کے ملنے کے دن مصیبت آئی یعنی مسلمانوں کو کافروں کے مقابلے کے وقت یہ سب اللہ کی قضاء وقدر سے ہوا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز پیدا کردے یعنی بتائے کہ تم میں مومن کون ہے اور منافق کون ہے۔

فائدہ: یاد رہے۔ یہ اعتراض کرنے والے منافق تھے۔ یا کمزور ایمان والے۔ جو ہر ایسے موقع کی تاڑ میں رہتے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے ایسی باتیں کرتے تھے جو پختہ مسلمان تھے۔ انہیں تو اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین تھا اور وہ ایسے موقع کو امتحان سمجھتے اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے تھے۔ ایسے واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے۔ وہ اپنی کمزوری کی طرف منسوب کرتے تھے کہ ہماری اپنی کوتاہی کی وجہ سے یہ واقع ہوا۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ

اور بتائے ان کو جو منافق ہیں اور کہا گیا ان سے کہ آؤ لڑو راہ خدا میں یا دفاع کرو

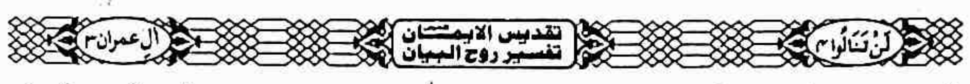
قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ

کہنے لگے اگر ہم جانتے لڑائی کرنا تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے وہ کفر کے اس دن زیادہ قریب تھے مقابلہ ایمان کے

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ ﴿۱۶۷﴾

جو کہتے ہیں وہ زبانی ہی دعوی ہے جو نہیں ان کے دلوں میں اور اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں

(آیت نمبر۱۶۷) اور انہیں جب کہا گیا۔ اس سے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔ جب وہ غزوہ احد سے واپس بھاگ رہے تھے تو انہیں پیچھے سے آواز دی گئی کہ آؤ اور اللہ کی راہ میں لڑ و یا کم از کم کفار سے مدافعت کرو یعنی ان کے سامنے تمہارا ٹھہرنا بھی کافی ہے۔ تا کہ ہماری کثرت ظاہر ہو اور ان کے دلوں پر رعب پڑے تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم لڑنا جانتے یا لڑائی کو اچھا سمجھتے تو تمہارے ساتھ ہوتے۔ یہ بات انہوں نے مزاحاً اور استہزاء کہی۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اس دن کفر کے زیادہ قریب تھے۔ بہ نسبت ایمان کے یعنی آج پتہ چلا کہ وہ ایمان والوں کے بجائے کفار کے زیادہ حمایتی ہیں۔ یہ جو وہ کبھی کبھار اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں وہ صرف ان کے موہنہ کی باتیں ہیں۔ یہ باتیں دل سے نہیں تھیں۔ ان کے دل اور زبانیں آپس میں موافق نہیں۔ چونکہ وہ دل سے مسلمان بھی تو نہیں تھے۔ جہاد سے اس لئے وہ بھاگے کہ انہیں پتہ تھا کہ جنگ میں ہلاکت ہوگی دنیا سے جان ضائع گئی آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے اس لئے وہ جنگ سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یہ موقع جنگ کا رکھا ہی اس لئے ہے کہ جو مسلمان ہیں وہ بھی ظاہر ہو جائیں اور جو گندے انڈے ہیں ان کا بھی پتہ چل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عین جنگ سے کچھ دیر پہلے یہ گندے انڈے خود بخود ہی الگ ہو گئے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ وہ وہاں سے نکل گئے۔ ورنہ مسلمان کو ان کی وجہ سے مزید نقصان پہنچتا۔ **ف**: اس سے پہلے ان کی منافقت چھپی ہوئی تھی لوگ انہیں مسلمان سمجھتے رہے لیکن اب ظاہر ہو گئے۔ **مسئلہ**: اس سے واضح ہو گیا کہ جب ان منافقوں نے جنگ سے فرار اختیار کیا اور مسلمانوں کی معاونت تو درکنار کافروں کے مقابلے میں مدافعت سے بھی گریز کیا۔ اور جو منہ میں آیا الٹی سیدھی باتیں کیں اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ہر کلمہ پڑھنے والا ضروری نہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ ان کا کلمہ پڑھنا زبانی ہی تھا دل سے نہ تھا قول کے بعد افواہ کا لفظ آئے تو اس سے مراد صرف زبانی اور لسانی بات ہوتی ہے۔ جس کا دل سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ سب ان کی ملمع سازی ہے۔



اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ

یہ وہ ہیں جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں سے اور خود بیٹھے رہے اگر وہ ہماری مانتے تو نہ مارے جاتے فرمادو

فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾

تم بچالو اپنے آپ کو موت سے اگر ہوتم سچے

(بقیہ آیت نمبر ۱۶۷) اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں (منافقت وغیرہ) اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں اور علیحدگی میں بھی جا کر جو کچھ وہ آپس میں مشورے وغیرہ کرتے ہیں۔ ان تمام تفصیلات سے آگاہ ہے تمہارا علم اے مسلمانو اجمالی ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم وسیع ہے۔ جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

(آیت نمبر ۱۶۸) وہ جو اپنے منافق بھائیوں سے کہتے ہیں ہوسکتا ہے۔ اس سے مراد ان کے خاندانی بھائی ہوں جو مدینہ شریف میں ان کے ساتھ رہتے تھے یعنی جو احد کی جنگ سے بھاگ کر گھروں میں جا بیٹھے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر یہ جنگ احد میں شہید ہونے والے ہمارا کہنا مان کر ہماری موافقت کر کے ہمارے ساتھ واپس آ جاتے تو نہ مارے جاتے جیسے ہم کفار کو دیکھ کر دم دبا کر بھاگے تو بچ گئے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ آ جاتے تو بچ جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے ان مسلمانوں کو بھی جنگ سے نکل جانے کی دعوت دی اور وہ چاہتے تھے کہ ہماری طرح یہ بھی بغاوت کر جائیں۔

تو اللہ کریم نے فرمایا اے میرے محبوب ان کے جھوٹ کو ظاہر فرما کر ان کو بتائیے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی موت کو جو تمہارے لئے لکھی جا چکی ہے جو اپنے وقت مقرر پر آئیگی تو اس وقت اس سے اپنے آپ کو بچا لینا۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارا جنگ سے بھاگ آنا یہ موت سے بچ جانے کا سبب نہیں بلکہ تمہاری موت کا جو وقت اللہ کے ہاں لکھا ہوا ہے وہ ابھی نہیں آیا۔ جب وہ وقت آ جائے گا۔ تو اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔

مسئلہ: موت نہ عمر کے ساتھ متعلق ہے نہ کسی مرض سے متعلق ہے کہ آدمی اس سے بچنے کا سامان کرے۔

سبق: عقل مند کو چاہئے کہ وہ دنیا پر نہ جھکے بلکہ اپنے انجام کو سوچ کر منافقت اور ظلم و تشدد سے دور رہے بلکہ وہ اپنے اندر اخلاص اور عدل و انصاف کی صفت پیدا کرے یہی اس کیلئے مفید چیز ہے۔

حکایت: دانیال علیہ السلام نے جنگل میں ایک مکان دیکھا۔ جس میں ایک تخت تھا۔ جو سونے چاندی کے علاوہ موتیوں سے مرصع تھا۔ مشک و عنبر کی خوشبوئیں۔ اس سے آ رہی تھیں۔ اس کے پاس ایک تلوار پڑی تھیں۔ اس پر لکھا تھا۔ میں نے ایک ہزار سات سو سال عمر پائی۔ بارہ ہزار میری لونڈیاں تھیں۔ ہزاروں شہروں کو آباد کیا۔ بارہ ہزار جنگجو میرے ساتھ ہوتے تھے۔ لیکن میں نے داناؤں کو دور رکھا اور بے وقوفوں کو اپنے قریب کیا۔ اور اب دنیا سے بھوکا اور پیاسا جا رہا ہوں۔ اے دنیا والو مجھ سے عبرت حاصل کرو اور موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔

وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور نہ گمان کرو ان کو جو مارے گئے راہ خدا میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں نزدیک اپنے رب کے

يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ

رزق دیئے جاتے ہیں خوش باش ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوشی پہنچاتے ہیں ان کو جو ابھی نہیں

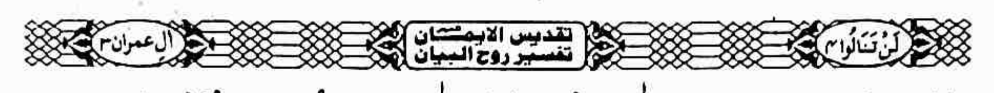
يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

ملے ان سے جو ان کے پیچھے ہیں کہ کوئی ڈر نہیں ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے

(آیت نمبر ۱۶۹) جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مردہ مت گمان کرو۔ امت مسلمہ کو اس قسم کے گمان سے روکنا مقصود ہے۔ پہلے فرمایا انہیں مردہ نہ کہو۔ اب فرمایا۔ کہ تمہارے دل میں یہ گمان بھی نہ گذرے کہ راہ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ دینے والے مر گئے وہ ہرگز مرے نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ تمہیں ان کی زندگی کا شعور ہی نہیں ہے۔

نکتہ: قاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فصیح و بلیغ بات یہ ہے کہ لاتحسبن کا خطاب ہر ایک کو ہے۔ یعنی کوئی بھی نہ سوچے کہ وہ مردہ ہیں۔ کیونکہ جہاد اگرچہ خوفناک چیز ہے۔ لیکن اس مبارک خطاب سے ہر ایک کو خوشی نصیب ہو اور اس سے جہاد کی رغبت اور جہاد کی بہتر و اعلیٰ جزاء معلوم ہو آگے فرمایا کہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے ہاں سے انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ عند یہ مکانیہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ اس لئے یہاں عزت و تعظیم اور قرب مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی مکرم و معظم ہیں اور وہ جنت کے پھلوں سے رزق حاصل کرتے ہیں یہ ان کے زندہ ہونے پر مزید تاکیدی ثبوت ہے۔ البتہ ان کی زندگی کی حقیقت ہمارے فہم و ادراک سے باہر ہے۔ اور کسی چیز کا ہمارے فہم و ادراک کی رسائی سے بالاتر ہونا۔ اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ جیسے روح کی حقیقت آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکی۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ روح ہے ہی نہیں۔

(آیت نمبر ۱۷۰) اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا اس پر خوش ہیں یعنی شرف شہادت اور ہمیشہ کی اعلیٰ زندگی پر کامیابی اور قرب الٰہی کے ساتھ دائمی نعمتوں پر وہ خود بھی خوش ہیں اور پچھلوں کو خوش خبری دینا چاہتے ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ یعنی ان کے وہ مسلمان بھائی جو ابھی درجہ شہادت سے سرفراز نہیں ہوئے یا وہ لوگ جو ان کے پیچھے رہ گئے ان کو خوش خبری دیتے ہیں کہ یہاں جنت میں نہ کسی قسم کا خوف ہے نہ غم۔ شہداء جب جنت میں میوے کھاتے اور پاکیزہ عیش پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اب ہمارے بھائیوں کو کون بتائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں تمہاری طرف سے میں خبر پہنچاتا ہوں۔



يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٧١﴾

خوش ہو رہے ہیں اس نعمت پر جو اللہ کی طرف سے اور فضل الٰہی پر اور بے شک اللہ نہیں ضائع کرتا اجر مومنوں کا

(بقیہ آیت نمبر ۱۷۰) **ف**: وہ دکھ اور تکلیف جس کا مستقبل میں خطرہ ہو اسے خوف کہتے ہیں اور کسی منافع سے محرومی کو غم وحزن کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں آنے والے قیامت کے خطرات کا خوف نہیں اور دنیا کی فانی لذتیں اور نعمتیں چھوٹنے کا غم نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۱۷۱) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر خوش ہیں۔ یہ جملہ دوبارہ اس لئے لایا ہے کہ انہیں صرف خوف حزن نہ ہونے کی خوشی نہیں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بھی بہت بڑی نعمتوں کے ملنے کی خوشی ہے جن کو وہ قادر مطلق ہی جانتا ہے اور بے شک اللہ ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ یہ عام ہے خواہ وہ شہداء ہوں یا غیر شہداء۔ اعمال چھوٹے ہوں یا بڑے بشرطیکہ اس میں اخلاص ہو۔

مسئلہ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بھائیوں کی سعادت پر خوش ہونا بھی سعادت مندی ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ آدمی کو اپنے بھائیوں اور متعلقین کی سعادت مندی پر خوش ہونا چاہئے۔

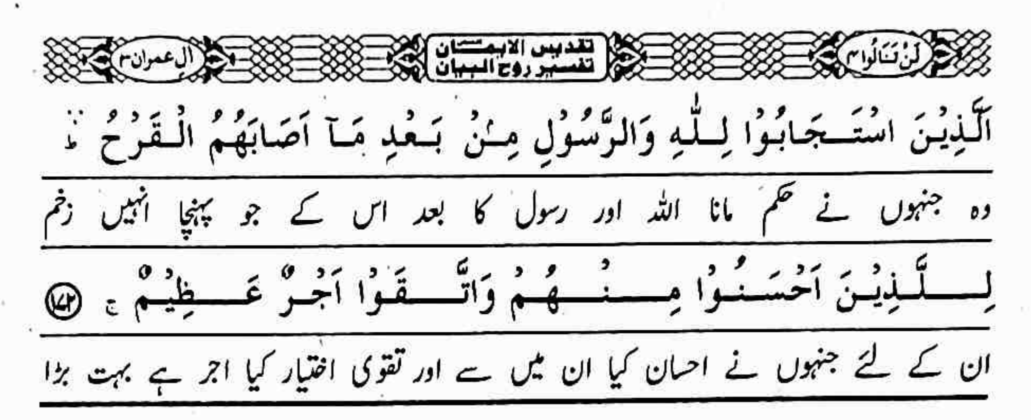
مسئلہ: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہداء کے جسموں سے روح اگرچہ بظاہر خارج ہو جاتی ہیں لیکن حکماً وہ زندہ ہوتے ہیں۔ حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں میں ہوتے ہیں اور وہ جنت میں اڑ کر نہروں پر اور پھلوں پر جا کر بیٹھے ہیں اور کھاتے ہیں بلکہ جہاں وہ چاہتے ہیں جاتے ہیں۔

نکتہ: شہید احکماً زندہ ہے حقیقتاً مردہ ہے۔ لیکن نبی حقیقتاً بھی زندہ اور حکماً بھی زندہ ہے۔ اسی لئے نہ نبی کی میراث تقسیم ہوئی۔ نہ نبی کی بیوی سے کوئی امتی نکاح کر سکتا ہے۔)

شہداء کے فضائل:

شہید کو قتل کے وقت صرف کانٹے کے برابر درد محسوس ہوتا ہے پھر اس کو سات خصلتیں ملتی ہیں:

۱۔ خون کا قطرہ گرتے ہی بخش دیا جاتا ہے۔
۲۔ فوراً جنت میں پہنچ جاتا ہے۔
۳۔ قبر کی سختی سے نجات پاتا ہے۔
۴۔ قیامت کی بڑی گھبراہٹ سے بچ جاتا ہے۔
۵۔ اس کے سر پر وہ یاقوتی تاج رکھا جاتا ہے جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔
۶۔ بہتر حوریں مل جاتی ہیں۔
۷۔ اس کی شفاعت سے اس کے خاندان کے ستر افراد بخشے جائیں گے۔



(بقیہ آیت نمبر ۱۷۱) **مسئلہ:** شہداء کی ارواح اگر چہ اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں لیکن ہر جمعہ کو وہ اپنی قبروں پر آتی ہیں۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی قبر سے گذرتا ہے۔ اگر صاحب قبر دنیا میں جانتا تھا تو قبر کے اندر سے بھی اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اور اس کی آمد پر خوش ہوتا ہے۔ (ابن کثیر، ابن عساکر)

(آیت نمبر ۱۷۲) انہیں جن کاموں کا حکم دیا گیا اللہ اور رسول کی طرف سے انہوں نے اسے مانا اور جن باتوں سے منع کیا گیا وہ باز رہے اس کے بعد کہ جو انہیں غزوۂ احد میں زخم پہنچا تو ان لوگوں کا بہت بڑا اجر ہے۔ جنہوں نے نیکی کی اور تقوی اختیار کیا اور تمام منہیات سے رک گئے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ ابوسفیان وغیرہ جب احد سے واپس بھاگے تو راستے میں انہیں خیال آیا کہ کاش ہم نے تمام مسلمانوں کا صفایا کر دیا ہوتا یہ سوچ کر انہوں نے مقام روحاء سے واپسی کا ارادہ کیا۔ ان کے اس ارادے سے حضور ﷺ مطلع ہو گئے تو ان کے پیچھے حضور ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت تیار کی اور فرمایا کہ ہمارے ساتھ وہی جائے جو کل ہمارے ساتھ تھے۔ حضور ﷺ کا حکم سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے زخمی جسموں کے ساتھ حاضر ہوئے اور مدینہ پاک سے تقریباً آٹھ میل تک گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور وہ بھاگ گئے اس وقت یہ آیت پاک اتری۔ اس غزوہ کا نام غزوہ حمراء الاسد ہے اور یہ غزوۂ احد کے فوراً بعد ہوا۔ اس کے ایک سال بعد غزوہ بدر صغری ہوا۔ اگر چہ اس موقع پر بھی مشرکین مرعوب ہوئے اور وہاں نہ آ سکے۔ البتہ مسلمانوں کو بہت بڑا فائدہ ہوا۔ جس کا ذکر اگلی آیت کے اندر آ رہا ہے۔ (مسلمان اگر معمولی سی جرات کا مظاہرہ کر لے۔ تو کافر اس کے آگے نہیں ٹھہر سکتا۔ مسلمان خود ہی ڈر کے بیٹھ جائے۔ تو پھر کفار نے تو دلیر ہونا ہی ہے۔) افسوس یہ ہے۔ کہ آج مسلمان سب کچھ ہوتے ہوئے کفار سے ڈر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کے بجائے کفار سے مدد مانگ رہے ہیں۔

الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

یہ وہ ہیں کہا ان سے لوگوں نے کہ بے شک لوگ تحقیق جمع ہوئے تمہارے لئے تو تم ڈرو ان سے

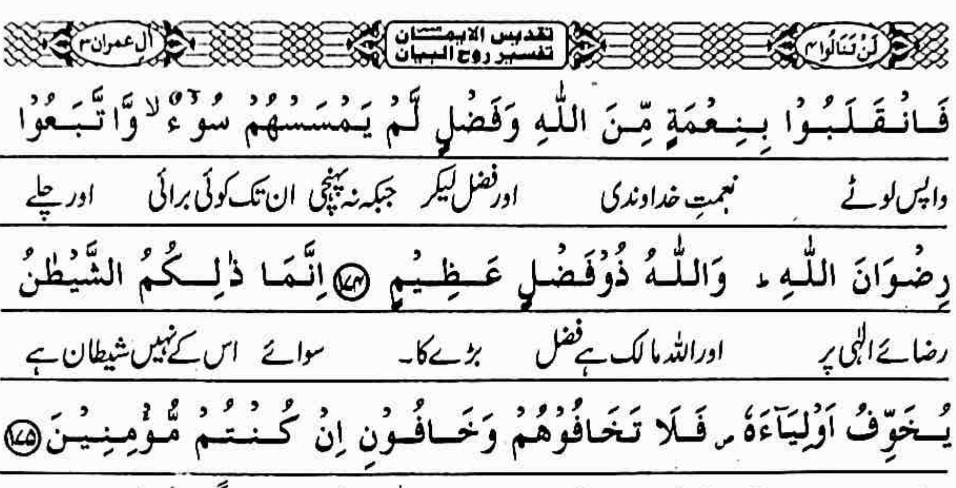
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

پس بڑھا ان کا ایمان اور کہا کافی ہے ہمیں اللہ اور کتنا اچھا کار ساز ہے

(آیت نمبر۱۷۳) وہ جنہیں لوگوں نے ڈراتے ہوئے کہا کہ لوگ تمہیں مارنے کیلئے جمع ہو رہے ہیں۔

شان نزول : ایک روایت یہ ہے کہ ابوسفیان نے احد کی جنگ سے واپس لوٹتے وقت کہا کہ ہم اگلے سال بدر میں پھر جنگ کریں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان شاء اللہ۔ جب سال پورا ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ چونکہ پچھلے بدر کا حال انہیں معلوم تھا۔ اب ڈرے کہ وہی حال نہ ہو۔ تو انہوں نے عبد بن قیس جو تجارت کیلئے مکہ گیا ہوا تھا اس سے کہا کہ اگر تو مسلمانوں کو بزدل کردے کہ وہ بدر نہ جاسکیں تو میں تمہیں اس کے عوض ایک اونٹ کشمش سے بھرا ہوا دونگا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ نعیم بن مسعود جو عمرہ کرنے مکہ شریف گیا ہوا تھا۔ اسے کہا کہ میں نے محمد سے احد کی لڑائی میں وعدہ کردیا تھا کہ آئندہ سال ہماری بدر میں جنگ ہوگی۔ اب تو اگر انہیں کسی طرح روک لے کہ وہ بدر میں نہ آئیں تو میں تجھے دس اونٹ دوں گا۔ اور اس کی ضمانت سہیل بن عمرو نے لے لی۔ نعیم نے مدینہ جا کر دیکھا کہ مسلمان بدر جانے کی تیاری کر رہے ہیں تو اس نے کہا کہ میں ابھی مکہ سے آرہا ہوں۔ وہاں کفار بہت بڑے لشکر کے ساتھ تیار ہو رہے ہیں بہتر ہے کہ تم نہ جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے۔ اور وہ تمہیں نیست و نابود کردیں گے۔

نعیم کی بات سن کر مسلمان بجائے خوف زدہ ہونے کے اور زیادہ جوش میں آگئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ جنہوں نے مسلمانوں سے آ کر کہا کہ لوگ (ابوسفیان وغیرہ) بہت بڑا لشکر تیار کر رہے ہیں اور تمہارے خلاف جنگ کیلئے تیار ہو رہے ہیں۔ لہذا تم ڈرو ان سے تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا۔ یعنی وہ اپنے عزم پر اور زیادہ مضبوط ہوگئے اور کہا: "حسبنا الله ونعم الوکیل" یعنی ہمیں اللہ کافی ہے جو بہترین کارساز ہے تو جب انہوں نے اللہ پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا بھی ان پر بہت بڑا فضل ہوا وہ اس طرح کہ مسلمان کافروں کے مقابلے کیلئے جب بدر کیطرف گئے وہاں جا کر دیکھا کہ کافر تو نہیں آئے لیکن وہاں بنو کنانہ نے بہت بڑا بازار لگا رکھا ہے تو مسلمانوں نے بھی اس تجارت میں حصہ لیا۔ اور غنیمت سے کئی گناہ زیادہ نفع کمایا۔



فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا

واپس لوٹے — نعمتِ خداوندی — اور فضل لیکر — جبکہ نہ پہنچی ان تک کوئی برائی — اور چلے

رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ

رضائے الٰہی پر — اور اللہ مالک ہے فضل — بڑے کا۔ — سوائے اس کے نہیں شیطان ہے

يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

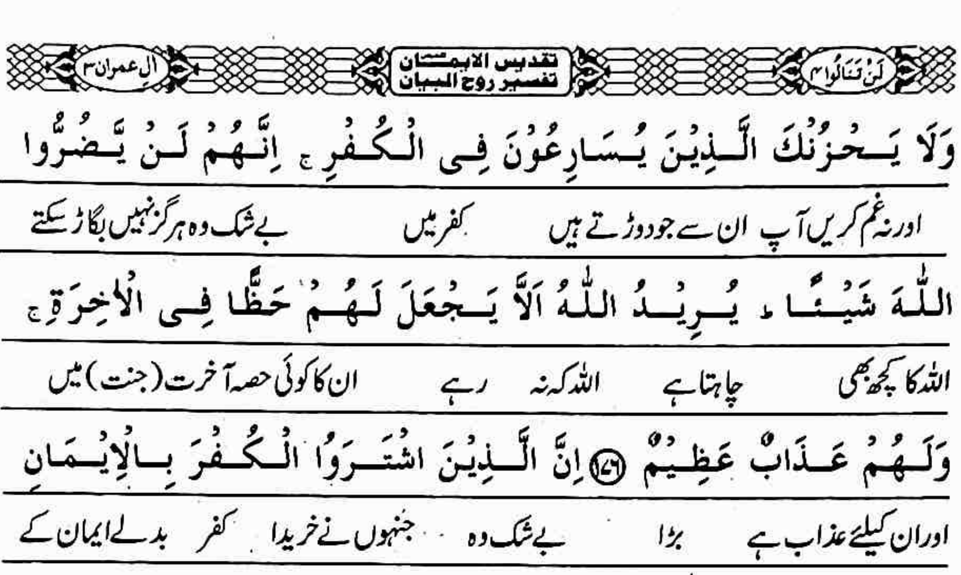
جوڈراتا ہے اپنے دوستوں سے لہذا نہ خوف زدہ ہوان سے اور ڈرو مجھ سے — اگر ہو تم مومن

(آیت نمبر ۱۷۴) فرمان الٰہی ہوا کہ جب وہ بدر سے واپس لوٹے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام اور فضل لیکر یعنی تجارت کر کے بہت بڑا نفع لے کر گھروں کو واپس آئے۔ اور اور انہیں کوئی برائی بھی نہیں پہنچی۔ یعنی کوئی دکھ درد یا تکلیف نہ ہوئی جو جنگ میں پہنچتی ہے۔ اور دوہرا نفع کمایا چونکہ وہ قول وفعل میں اللہ کی رضا کے تابع ہو گئے اور پوری جرات کے ساتھ جنگ کی نیت سے نکلے تھے۔ لہذا جنگ کا ثواب بھی مل گیا۔ تجارت میں نفع بھی حاصل کیا اور اللہ کی رضا بھی حاصل کر لی اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے کہ صحابہ کو ثابت قدم بھی رکھا اور ان کے ایمان ویقین میں اضافہ بھی فرمایا دشمن پر بہت بڑی جرات بھی عطا کی اور پریشان کن بات سے بھی محفوظ فرما کر بہت بڑا نفع بھی عطا کیا اور مشرکین کی رسوائی بھی ہوئی اور جو لوگ نہیں جا سکے ان کے لئے حسرت وارمان کا سامان بنا دیا۔

حدیث شریف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ ہمیں بدر صغری میں جنگ کا موقع تو نہیں ملا لیکن ثواب بھی ملا یا نہیں اس پر فرمایا کہ یہ آیت اسی بارے میں ہے کہ اللہ نے ثواب بھی دیا اور اپنی رضا بھی عطا کی۔

(آیت نمبر ۱۷۵) یہ شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو یعنی منافقوں کو مشرکوں کے غلبے اور ظلم سے ڈراتا ہے تا کہ وہ ان سے جنگ نہ کر سکیں۔ یہ وہی منافقین ہیں جو کفار سے ڈر کر جنگ احد سے بھاگ آئے تھے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ منافقین ہی شیطان کے دوست ہیں جنہیں وہ کفار سے ڈراتا ہے۔ ایمان والے تو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اس لئے شیطان انہیں نہیں ڈرا سکتا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان والو تم مت ڈرو ان سے یعنی شیطان اور اس کے دوستوں (کفار ومنافقین) سے مت ڈرو البتہ مجھ سے اس بات میں ڈرو کہ کہیں تم سے میرے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ تم صاحب ایمان ہو ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اللہ کا خوف تم پر غالب رہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ شیطان اور اس کے ساتھی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

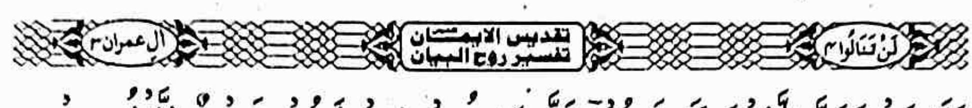


(آیت نمبر ۱۷۶) اور کفر میں جلدی کرنے والے آپ کو غم زدہ نہ کریں کفار سے مراد منافقین ہیں جو اپنے پوشیدہ کفر کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں تا کہ کفار کو غلبہ ہو اور نور خدا بجھ جائے۔لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ سارے کافر مل کر بھی اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے یعنی اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا یا اس کے دین کا کوئی نقصان نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ منافقین دینا و آخرت میں ذلیل ہوں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی ثواب وغیرہ نہ ملے۔اسی لئے انہیں گمراہی میں چھوڑ دیا بالآخر انہیں کفر پر ہی موت آئے گی اور جہنم میں ہی جائیں گے۔

نکتہ: اس آیت میں اشارہ ہے یہ لوگ کفر کی آخری حد تک پہنچ گئے لہذا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یہ کفر میں اور آگے ہی جائیں تا کہ ان کے عذاب میں اضافہ ہو۔اس آیت میں حضور ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔چونکہ حضور ﷺ کا دل ان کے کفر کی وجہ سے غمزدہ رہتا تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ آپ غم ناک نہ ہوں ان لوگوں نے خود کفر کو پسند کیا ہے۔

(آیت نمبر ۱۷۷) بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا یعنی ایمان دیکر کفر لے لیا ایمان سے منہ موڑ کر کفر کو گلے لگالیا وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتے اور انہیں سخت ترین عذاب ہوگا۔

نکتہ: عموماً تو یہی بات ہے کہ خریدی ہوئی چیز سے خریدنے والے کو سکون ملتا ہے کیونکہ اسے بہت سارا نفع حاصل ہوا ہو اور جب اسے نقصان ہوا ہو تو پھر تکلیف ہوتی ہے چونکہ سودا ان کے گھاٹے کا ہے لہذا تکلیف ہونا ظاہر ہے۔اس لئے کہ ان کوتاہ نظر لوگوں نے نقد ایمان دے کر کفر خرید لیا ہے۔لہذا ان کی یہ حرکت انہیں عذاب الیم میں مبتلا کرنے کا باعث ضرور بنے گی۔



وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ

اور نہ گمان میں ہوں کافر کہ جو ہم نے مہلت دی ان کو کوئی بھلائی ہے ان کیلئے

اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

سوائے اس کے نہیں ہم نے مہلت دی ان کو تا کہ اور زیادہ کرلیں گناہ اور ان کیلئے ہے عذاب رسوا کرنے والا

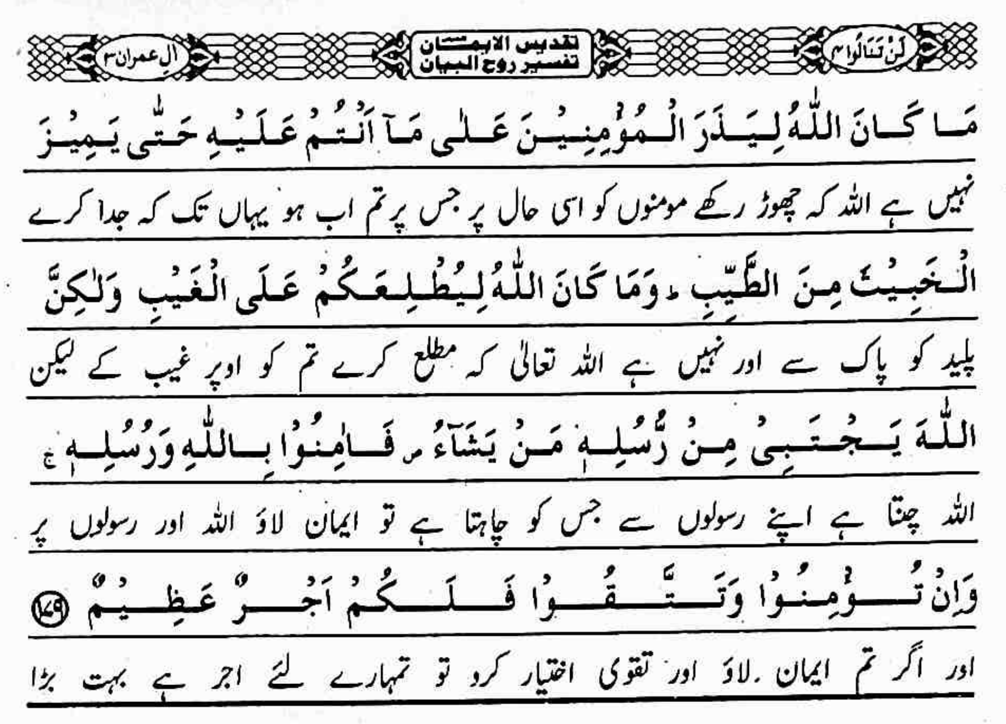
(آیت نمبر ۱۷۸) اور یہ کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ ہمارا انہیں مہلت دینا۔ ان کیلئے بہتر ہے۔ ہم نے تو انہیں مہلت اس لئے دی کہ شاید وہ مسلمان ہوں ورنہ لمبی عمریں ملنا یہ ان کیلئے بہتر نہیں کیوں کہ وہ لمبی عمریں پا کر سرکشی اور گناہ میں آگے بڑھ رہے ہیں اور اپنے گناہوں کا بوجھ بڑھا کر سزا و عذاب میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اس لئے اس میں ان کے لئے کوئی بہتر بات نہیں۔ اس لئے کہ ان کیلئے رسوا کن عذاب ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کی لمبی عمر نیکیوں میں گذری ہو اور سب سے بدتر انسان وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور گناہوں میں گذری ہو (ترمذی، ریاض الصالحین)۔ **مسئلہ:** لمبی عمر کفار کو بظاہر نعمت لگتی ہے لیکن حقیقتاً ان کے عذاب کا روز بروز اضافہ ہے۔ حلوہ نعمت ہے لیکن اس میں زہر ہو تو وہ ہلاکت کا سبب ہے۔

سبق: لہذا انسان کو لمبی عمر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ البتہ لمبی عمر نیکیوں میں گذرے تو بہت اچھا ہے۔

حدیث قدسی: معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ آپ کی امت پر میری ایک نعمت یہ بھی ہے کہ انہیں عمریں کم دیں تا کہ ان کے گناہ بھی کم ہوں اور انہیں مال بھی تھوڑا دیا تا کہ حساب بھی لمبا نہ ہو۔ اور سب سے آخر اس لئے ان کو لایا تا کہ قبروں میں زیادہ دیر نہ رہنا پڑے۔ (یہ حدیث اور کسی کتاب میں نہ مل سکی)

حکایت: شیخ سعید رحمۃ اللہ علیہ اشعار میں فرماتے ہیں کہ ایک قصاب نے بکری کو ذبح کرنے کیلئے جب چھری اس کے گلے پر رکھی۔ تو بکری نے کہا کہ میں نے درختوں کے پتے کھائے تو یہ سزا ملی تو جو میرا گوشت کھائے گا معلوم نہیں اسے کیا سزا ملے گی۔ (یعنی اعلیٰ نعمتوں کا حساب بھی لمبا ہوگا۔)

حدیث شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضور ﷺ نے اپنے پیٹ مبارک پر پتھر باندھا ہے بھوک کی وجہ سے۔ تو میں یہ حالت دیکھ کر رو پڑی اور عرض کی حضور آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے تو آپ نے فرمایا عائشہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اس کریم کو کہوں تو وہ پہاڑ سونے کے بنا کر حاضر کر دے اور میں جیسے چاہوں خرچ کروں لیکن میں نے اپنے رخسار سے بھوک کو سیرابی پر اور فقر کو غناء پر اور سکھ کو دکھ پر ترجیح دی ہے اور میں اس حال میں خوش ہوں۔ (احیاء العلوم)



مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ

نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ رکھے مومنوں کو اسی حال پر جس پر تم اب ہو یہاں تک کہ جدا کرے

الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ

پلید کو پاک سے اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ مطلع کرے تم کو اوپر غیب کے لیکن

اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

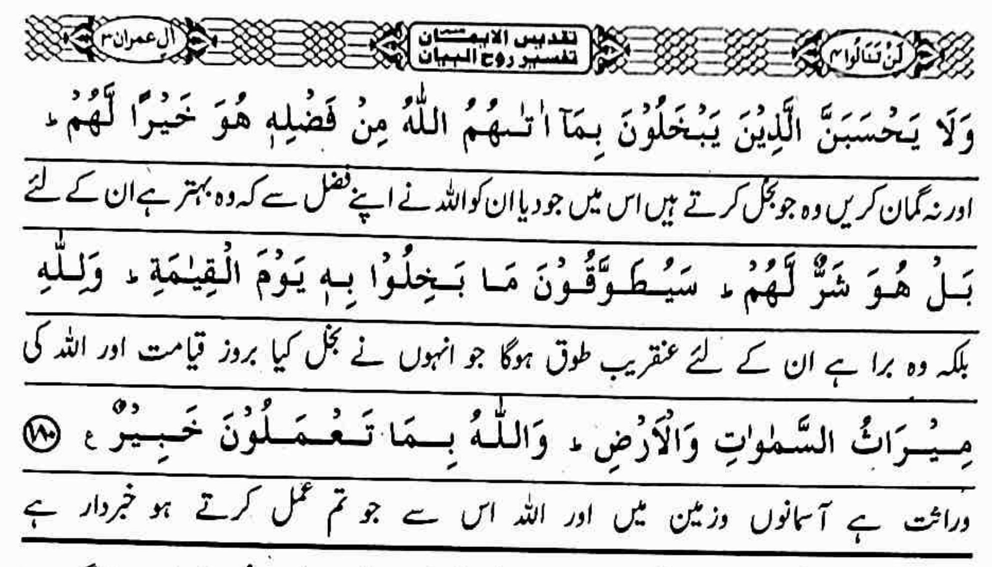
اللہ چنتا ہے اپنے رسولوں سے جس کو چاہتا ہے تو ایمان لاؤ اللہ اور رسولوں پر

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقوی اختیار کرو تو تمہارے لئے اجر ہے بہت بڑا

(آیت نمبر ۱۷۹) اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہے کہ چھوڑ دے خالص ایمان والوں کو اس حال پر کہ اب تم ہو۔ یہ خطاب اصل میں حضور ﷺ کے زمانہ کے مومنین اور منافقین کے متعلق ہے کہ اب اللہ تعالیٰ ان کو اسی حال میں نہیں چھوڑے گا بلکہ جدا کرے گا پلید کو پاک سے۔ پاک سے مراد مومن اور پلید سے مراد منافق ہیں۔

شان نزول: (چونکہ ابتداء میں مومنین اور منافقین اکٹھے رہتے تھے) ایک دن حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قیامت تک آنے والی تمام امت اپنی اپنی شکلوں میں دکھادی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ کون ایمان لائیگا اور کون نہیں۔ یہ خبر منافقوں تک پہنچی تو انہوں نے مزاح کرتے ہوئے کہا کہ ہم دن رات ساتھ ہوتے ہیں۔ ہمارے بارے تو پتہ نہیں ہے کہ ہم اندر سے ان کے مخالف ہیں اور دعویٰ قیامت تک کا ہے۔ جب حضور ﷺ کو ان کی اس ہرزہ سرائی کا پتہ چلا تو آپ نے سب کو جمع کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا ان قوموں کا قیامت میں کیا حال ہوگا جو میرے علم پر اعتراض کرتے ہیں۔ ساتھ ہی فرمایا کہ آج جو چاہو۔ پوچھو۔ میں یہاں کھڑے کھڑے تمہیں بتاؤنگا۔ ایک صحابی کے نسب میں لوگ شک کرتے تھے انہوں نے کہا من ابی یارسول اللہ میرا باپ کون ہے۔ فرمایا کہ تیرا باپ خذافہ ہے پھر ایک اور نے پوچھا تو فرمایا تیرا باپ سالم ہے۔ منافقوں سے ایک نے پوچھا کہ میں کہاں جاؤنگا فرمایا جہنم میں کیونکہ تجھے میرے علم پر اعتراض ہے اور ایسا آدمی جنت میں نہیں جاسکتا اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک ایک منافق کا نام لے کر مسجد سے نکال دیا اور مسجد پاک ہوگئی (خازن وغیرہ)



وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰـهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ

اور نہ گمان کریں وہ جو بخل کرتے ہیں اس میں جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے کہ وہ بہتر ہے ان کے لئے

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ

بلکہ وہ برا ہے ان کے لئے عنقریب طوق ہوگا جو انہوں نے بخل کیا بروز قیامت اور اللہ کی

مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ؏ ﴿۱۸۰﴾

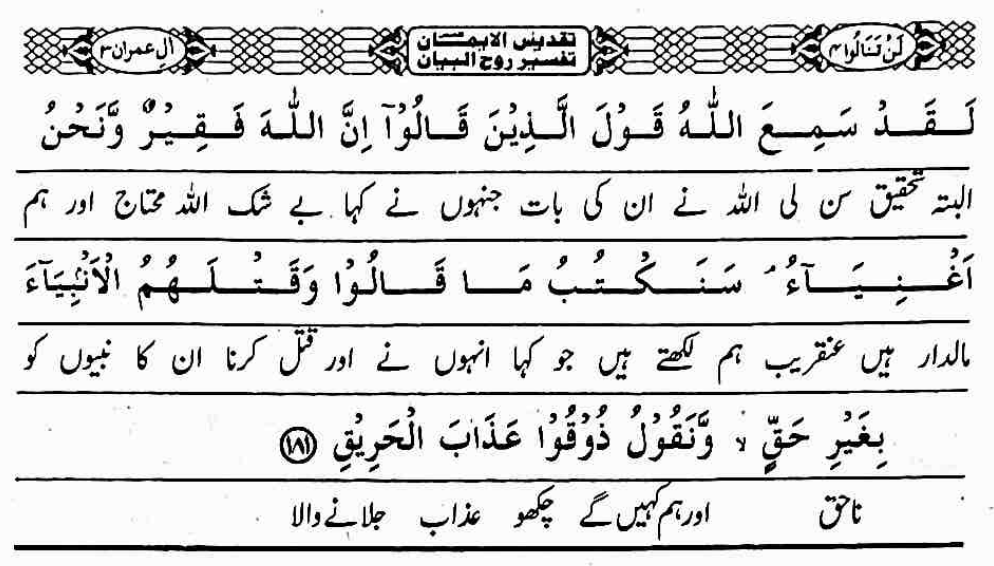
وراثت ہے آسمانوں وزمین میں اور اللہ اس سے جو تم عمل کرتے ہو خبردار ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۷۹) اس موقع پر یہ آیت اتری تو فرمایا گیا کہ اب تم اسی حال میں نہیں چھوڑے جاؤ گے جب تک کہ پلید اور پاک الگ الگ نہ کر دیئے جائیں۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ تمہیں غیب کی خبر دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے یعنی ان پر وحی بھیج کر انہیں غیب کی خبریں دے دیتا ہے۔ لہذا تم اللہ پر بھی ایمان لاؤ اور اس کے رسولوں پر بھی ایمان لاؤ اور یہ بھی مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جتنا چاہتا ہے۔ انہیں علم دیتا ہے۔ اگر تم ایمان لے آؤ اور منافقت سے بچ جاؤ۔ تو تمہارے ایمان وتقوی کے بدلے میں تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ (معلوم ہوا۔ غیبی علوم عطیہ الٰہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے۔)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب تم نیند میں ہو جب جاگو گے یعنی قیامت میں اٹھو گے تو مومن اور منافق جدا جدا ہوں گے۔ مومنوں کے چہرے سفید اور منافقوں کے سیاہ ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یوم تبیض وجوہ الخ۔ الآیۃ یعنی بروز قیامت کچھ لوگوں کے چہرے سفید اور کچھ کے سیاہ ہونگے۔ (کشف الخفاء)

(آیت نمبر ۱۸۰) اور نہ گمان کریں وہ جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یعنی بخیل لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ان کا اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ان کے لئے کوئی بھلائی کی بات ہے۔ بلکہ یہ تو ان کے لئے برائی ہے یعنی ان کا مالی حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے ان کو عذاب ہوگا۔ وہ چیز ہی ان کے گلے کا پھندا بنے گی۔ یعنی عنقریب یہ کام ہوگا کہ ان کے بخل کردہ اشیاء کا وبال ان کے گلے میں اس طرح ڈالا جائے گا جیسے کسی کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے یعنی سانپ بن کر یا آگ کے زنجیر کا طوق بنا کر گلے میں ڈال دیئے جائیں گے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا جو اپنے مال میں سے زکوٰۃ نہ دے تو اس مال کو قیامت کے دن سانپ کا ہم شکل بنا کر اس کے گلے میں طوق کی طرح ڈالا جائے گا جو اس کے دونوں جبڑوں کو ڈسے گا۔ (ابن عساکر)



لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ

البتہ تحقیق سن لی اللہ نے ان کی بات جنہوں نے کہا بے شک اللہ محتاج اور ہم

اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ

مالدار ہیں عنقریب ہم لکھتے ہیں جو کہا انہوں نے اور قتل کرنا ان کا نبیوں کو

بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

ناحق اور ہم کہیں گے چکھو عذاب جلانے والا

(بقیہ آیت نمبر ۱۸۰) اور کہے گا میں تیرا وہ مال ہوں جو اللہ کی راہ میں نہیں خرچ کرتا تھا۔ یعنی مال میں سے زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر انہیں قیامت کے دن یہ سزا بھی ہوگی اور انتہائی حسرت و ندامت بھی ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو یعنی راہ خدا میں خرچ کرنے یا نہ کرنے کو جانتا ہے مال میں سے زکوٰۃ نہ دینے پر وہ ان کو سزا دے گا۔

مسئلہ: جو چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا واجب ہے وہ نہ دینے کا نام بخل ہے اور سخت وعیدیں اور وبال قرآن میں بخل کے متعلق بیان ہوئیں۔ اس کے بارے میں۔ **حدیث شریف:** سخی اللہ کا دوست ہے خواہ گناہ گار ہو، بخیل اللہ کا دشمن ہے خواہ انتہائی نیکوکار ہو (مسند ابو حنیفہ بہ روایت ابو نعیم)۔ **مسئلہ:** بخیل کبھی جنت میں نہیں جائے گا۔

بری صفات: (۱) بخل۔ (۲) حسد۔ (۳) کینہ۔ (۴) حرص۔ (۵) عداوت۔ (۶) تکبر۔ (۷) غصہ۔

(آیت نمبر ۱۸۱) بے شک اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی۔ جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہو گئے۔

شان نزول: یہ قول یہودیوں کا ہے کہ جب ارشاد خداوندی ہوا کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیگا۔

واقعہ: یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام دینے کیلئے بنو قینقاع کے پاس بھیجا۔ آپ ان کے عبادت خانے میں تشریف لے گئے جہاں ان کا عالم فنحاص بن عازواء موجود تھا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ تو جانتا ہے کہ محمد ﷺ برحق نبی ہیں۔ ان کی صفات تمہاری کتاب توراۃ میں موجود ہیں۔

لہٰذا تم ایمان قبول کرو اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کر کے اللہ کو قرض حسن دو تاکہ جنت میں جاؤ۔ اس نے کہا ہمارا رب قرض مانگتا ہے کیا وہ محتاج ہے اور ہم مال دار ہیں۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا تو آپ نے ایک زوردار تھپڑ اسے رسید کر دیا اس نے آ کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت لگائی۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۚ ﴿۱۸۲﴾

یہ بوجہ اس کے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور بے شک اللہ نہیں ظلم کرنے والا بندوں پر

جس پر یہ آیت نازل ہوئی تو ارشاد خداوندی ہوا کہ ہم ان کے کرتوت فرشتوں کے صحائف میں لکھ رہے ہیں اور محفوظ کر رہے ہیں ان کا صرف یہی جرم نہیں ہے بلکہ اور بھی ان کے بڑے بڑے جرائم ہیں۔ انہوں نے انبیاء کرام کو شہید کیا اگرچہ یہ فعل انہوں نے نہیں کیا۔ بلکہ ان کے اوپر بڑوں نے کیا۔ لیکن ان کے ذمہ اس لئے لگایا کہ یہ اس فعل بد سے راضی تھے اور یہ ناحق ان کا فعل تھا۔ لہذا ہم انہیں موت کے وقت یا بروز قیامت کہیں گے کہ اب چکھو مزا جلا دینے والے عذاب کا۔ یعنی جیسے تم انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے انہیں کڑوا گھونٹ چکھاتے تھے۔ ہم بھی تمہیں عذاب کا مزہ چکھاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۸۲) آگے فرمایا کہ یہودیوں کو یہ عذاب شدید بلاوجہ نہیں دیا گیا۔ بلکہ ان کی ان بدکرداریوں کا طبعی ثمرہ اور عدل کا تقاضا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا یعنی بلاوجہ سزا نہیں دیتا بلکہ ان کے گناہوں کی وجہ سے سزا دیتا ہے یعنی وہ کریم ذات ہے اور ظلم کرنے سے پاک ہے بلکہ تمام قسم کی قباحتوں سے پاک ہے۔ **فائدہ**: ہاتھوں کا ذکر اس لئے کیا کہ زیادہ تر اعمال ان سے ہی ادا ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر عمل کو تغلیب کے معنی میں کر کے ذکر کر دیا گیا۔

خلاصہ: یہ ہے کہ گناہ کے بغیر عذاب دینا ظلم ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔

سبق: جب بندے میں قابلیت ہو تو اس کے حق میں قہر بھی لطف و کرم بن جاتا ہے اور کبھی اس کا الٹ بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بہت سارے اہل ایمان کا انجام بھی نافرمانیوں کی وجہ سے خراب ہو گیا ہے اور کبھی سعادت مندی دستگیری کرے تو حالات خود ہی سنور جاتے ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کسی کو بھی بلاوجہ سزا نہیں دیتا۔ اگر وہ کسی کو بلاوجہ بھی سزا دے دے تو بھی وہ ظلم نہیں کہلائے گا۔ یہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ لیکن یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ عطا تو بلاوجہ کر دیتا ہے۔ لیکن سزا بلاوجہ نہیں دیتا۔ ہر سزا کے پیچھے کوئی نہ کوئی بندے کا گناہ ضرور ہوتا ہے۔ جیسے مومن کے نیک عمل پر اسے ثواب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں لیکن وہ کسی مومن کے عمل پر اجر ضائع نہیں فرماتا۔ بلکہ وہ کرم فرماتا ہے کہ مومن کے عمل سے کئی گنا بڑھا کر اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ لہذا ایسی کریم ذات سے کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ بلاوجہ سزا دے۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا

وہ جنہوں نے کہا بے شک اللہ نے وعدہ لیا ہم سے کہ نہ ایمان لائیں ہم کسی رسول پر یہاں تک کہ لائے ہمارے پاس

بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ

قربانی کہ کھائے اسے آگ آپ فرمائیں تحقیق آئے تمہارے پاس کئی رسول مجھ سے پہلے واضح نشانیوں کے ساتھ

وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۳﴾

اور وہ بھی جو تم کہتے ہو تو کیوں قتل کیا تم نے ان کو اگر ہو تم سچے

(آیت نمبر۱۸۳) وہ جنہوں نے کہا۔ اس سے مراد کعب بن اشرف وغیرہ ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے توراۃ میں وعدہ لیا یعنی حکم دیا کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی لائے جسے آگ آ کر کھا جائے یہ گویا اس نبی کی صداقت کی دلیل ہوگی۔

تفصیل: حضرت عطا فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل اللہ کے نام کی قربانیاں کر کے اچھا گوشت میدان میں رکھتے اور خود دور کھڑے ہو جاتے، پھر سفید رنگ کی آگ آسمان سے اترتی، جس میں بھنبھناہٹ سی ہوتی۔ اور اس میں دھواں نہیں ہوتا تھا۔ آسمان سے اتر کر قربانی وغیرہ کو کھا جاتی۔ یہ قبولیت کی علامت سمجھی جاتی تھی جس کی قربانی قبول نہ ہوتی وہ ویسے ہی پڑی رہتی۔ اس کو آگ نہیں کھاتی تھی اس وجہ سے اس کی رسوائی ہوتی وغیرہ۔ **خلاصہ:** یہ کہ وہ کہنے لگے کہ حضور ﷺ بھی۔ واقعی اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ تو لوگوں کے سامنے قربانی کا جانور ذبح کر کے لائیں اگر آسمان سے آگ آ کر اسے کھا جائے تو پھر ہم مان جائیں گے اور ایمان لے آئیں گے۔ گویا ان کے ایمان لانے کی یہ شرط تھی اس طرح وہ ایمان جیسی عظیم دولت سے محروم رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط قول کی تردید کرتے ہوئے اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا کہ اے میرے پیارے حبیب ان کے کذب کو ظاہر کر کے ان کو یوں لاجواب کر دیں کہ مجھ سے پہلے تمہارے اسلاف اور آباء و اجداد کے ہاں کثیر تعداد میں انبیاء عظام علیہم السلام اور رسولان کرام علیہم السلام معجزات لے کر آئے اور خصوصاً وہ چیز بھی لے کر آئے جس کا اب تم کہہ رہے ہو۔ کہ ان کی قربانی آگ آ کر کھا جاتی تھی۔ اتنے ہی تم سچے اور پکے ہو تو تم نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کو کیوں قتل کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ تم صرف اس نبی کو مانتے ہو جو تمہارے مطالبے کو پورا کرے۔ تو بتاؤ حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام نے تمہارے مطالبے کو بھی پورا کیا اور معجزے بھی دکھائے ان پر ایمان کیوں نہ لائے۔ تم نے انہیں بھی شہید کر دیا۔ اصل میں تم نے ایمان نہیں لانا۔ صرف حجتیں ہی کرنی ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ

پس اگر جھٹلایا آپ کو تو تحقیق جھٹلائے گئے رسول پہلے آپ سے جو لائے واضح دلائل

وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿١٨٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا

اور صحیفے اور کتاب روشنی والی ہر جان چکھنے والی ہے موت کو سوائے اس کے نہیں تم

تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ

پورے دیئے جاؤ گے اجر اپنے روز قیامت تو جو بچا کر دوزخ سے داخل کیا گیا جنت میں

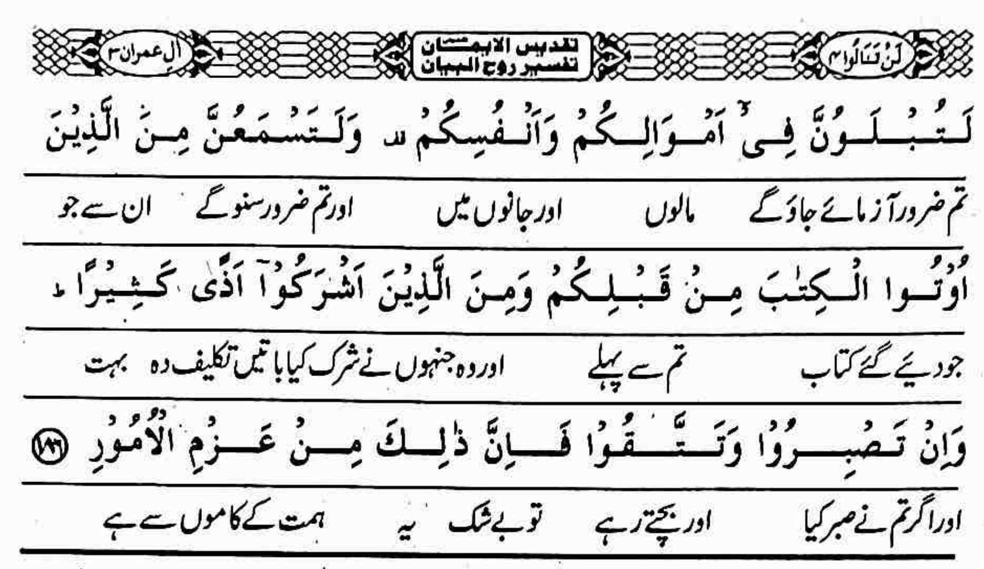
فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾

تحقیق کامیاب ہوا اور نہیں زندگی دنیا کی مگر سامان دھوکے کا

(آیت نمبر ۱۸۴) لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر انہوں نے آپ کو جھٹلایا ہے تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آپ سے پہلے بھی بے شمار انبیاء کرام کے ساتھ یہی ہوا جبکہ وہ ان کے پاس واضح معجزات صحیفے اور روشن کتاب (جیسے توراۃ، زبور اور انجیل) لے کر آئے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ارشادات سے انکار اور ان کی تکذیب حب دنیا کی طرف جھکنے کی علامت ہے۔ لہذا جب بھی انبیاء و اولیاء نے جنت اور اس کے مالک کی طرف دعوت دی ۔ چونکہ انسان کا مزاج یہ ہے کہ جب وہ تکلیف دہ بات کو دیکھتا ہے تو اس سے نفرت کرتا ہے بلکہ مجبور کیا جائے تو انکار کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہشت پر دکھوں اور تکلیفوں کا جال لگا دیا ہے کہ جو ان تکلیفوں سے گذرے گا وہی جنت میں جائے گا (رواہ مسلم وابوداؤد)۔ انسان بڑا آسان طلب ہے۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے تم ایک چیز ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو (اس لئے انبیاء کرام کا انکار یا تکذیب کرنے میں منکرین کا اپنا نقصان ہوا ہے)۔

(آیت نمبر ۱۸۵) ہر جان موت چکھنے والی ہے موت چونکہ ایک تھوڑی گھڑی کیلئے آئے گی۔ اس لئے چکھنے سے تعبیر کیا گیا۔ چونکہ اس کے بعد ایک نئے جہان میں جانا ہے جہاں نیک و بد میں امتیاز ہوگا ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء و سزا ہوگی۔ اس لئے فرمایا کہ پھر بے شک تمہیں تمہارے اعمال پر پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ یعنی عمل نیک ہے تو اچھی جزاء اور عمل برا ہے تو آخرت میں سزا ملے گی یعنی قبروں سے اٹھنے کے بعد اگرچہ عالم برزخ قبر میں بھی جزاء و سزا ہوگی۔ لیکن اصل بدلہ قیامت کے دن ہوگا۔ کیونکہ اعمال کا حساب و کتاب بروز قیامت ہوگا۔



لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ قف وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ

تم ضرور آزمائے جاؤ گے ۔ مالوں ۔ اور جانوں میں ۔ اور تم ضرور سنو گے ۔ ان سے جو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِیْرًا ط

جو دیئے گئے کتاب ۔ تم سے پہلے ۔ اور وہ جنہوں نے شرک کیا باتیں تکلیف دہ ۔ بہت

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

اور اگر تم نے صبر کیا ۔ اور بچتے رہے ۔ تو بے شک ۔ یہ ۔ ہمت کے کاموں سے ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۸۵) **حدیث شریف** : حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبر یا تو جنت کا باغیچہ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ آگے فرمایا جو جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ (ترمذی)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب جو یہ چاہے کہ اسے جہنم سے دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے اسے چاہئے کہ موت سے پہلے ایمان لے آئے (رواہ مسلم)۔ آگے فرمایا اور نہیں ہے۔ دنیا کی زندگی میں رنگینیاں اور مزے مگر دھوکا ہی دھوکا کا سامان جیسے مال بیچنے والا اوپر اچھا اور نیچے خراب رکھے تاکہ خریدنے والا دھوکا کھا کر اسے خرید لے۔ اسی طرح حال ہے اس کا جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

سبق: لہٰذا عقل مند پر لازم ہے کہ وہ اس دنیا سے دھوکا نہ کھائے اس لئے کہ اس کا ظاہر تو بڑا خوبصورت ہے لیکن اس کا اندر زہر سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ کہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کیلئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک تیار کی گئی یعنی جنت میں ملنے والی نعمتیں نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گذرا وہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہے۔

سبق: جو بندہ دل لگا کر عبادات کرتا ہے اور برائیوں اور دنیا کی لذتوں سے روگردانی کرتا ہے۔ وہ جنت کے بلند درجات حاصل کرے گا۔ اور جو اس کا الٹ کرتا ہے وہ جہنم کے برے برے طبقات میں ڈال دیا جائیگا۔

(آیت نمبر ۱۸۶) تم ضرور بہ ضرور آزمائے جاؤ گے۔ لفظ آزمائش کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہیں۔ اس لئے کہ وہ تو ہر ایک کے حال سے باخبر ہے بلکہ یہ بندے کیلئے ہے کہ وہ کس طرف جاتا ہے۔ کون سی چیز اختیار کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ امتحان جیسا معاملہ کرتا ہے۔ تمہارے مالوں میں بھی اور جانوں میں بھی تکالیف اور

مصائب دے کر۔ اورتم ضرور بہ ضرور سنو گے ان سے جوتم سے پہلے کتاب دیئے گئے۔ یہود ونصاری مراد ہیں اوراہل عرب کے مشرکوں سے جیسے ابوجہل اینڈ کمپنی سے بہت ہی تکلیف دہ باتیں یعنی دین اسلام پر طعن وتشنیع اور شرع میں جرح وقدح اور مومنوں کے خلاف پروپیگنڈے اور بکواسات وغیرہ۔اب جو مرضی ہے وہ کریں۔تم پریشان نہ ہو۔ان باتوں سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے۔

سبق: اہل اسلام کوخبردار کیا گیا ہے کہ اس قسم کے حالات پیدا ہوں توتم صبر کرو یہ کام ضرور ہوں گے لہذا اگر ان مصائب وتکالیف پرتم نے صبر کرلیا اور پرہیز گاری اختیار کی یعنی مکمل اللہ کے ہوگئے اور غیروں سے منہ پھیر لیا تو پھر تمہارے لئے دکھ اور سکھ برابر ہو جائیں گے لیکن بے شک یہ کام بڑی ہمت کے کاموں سے ہے۔یعنی ایسے نازک حالات میں صبر کرنا مشکل ہے۔لیکن اگرتم نے صبر واستقامت کا دامن نہ چھوڑا۔ اور اپنے بلند کردار پر جمے رہے۔تو تمہاری عظمت اور رفعت پر انسانیت فخر کرے گی۔اور ایسا کرنا ہرایک کے بس کی بات نہیں۔

سبق: عقل مند کو چاہئے کہ وہ انبیاء واولیاء کی عادات اپنائے اور کوشش کر کے دکھوں تکلیفوں پر صبر کرے کسی جاہل سے مقابلہ نہ کرے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے بلکہ ان کی لغو باتوں سے باوقار ہو کر گذر جائے۔

دانا کا قول ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینا تو آسان ہے اگر تو جوان مرد ہے تو تو برائی کرنے والے سے اچھا سلوک کر۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جوتم سے توڑے تم اس سے جوڑنے کی کوشش کرو جوتم پر ظلم کرے تم اسے معاف کرو اور جوتم سے برائی کرے تم اس پر احسان کرو۔حضور ﷺ سے کہا گیا مشرکین کیلئے بددعا کردیں تو آپ فرمایا کہ میں رحمت بن کر آیا۔عذاب بن کرنہیں آیا۔(مسند امام احمد،نمبر ۱۶۹۹۹)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور جب لیا اللہ نے وعدہ ان سے جو دیئے گئے کتاب کہ تم ضرور بیان کروگے لوگوں سے

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ

اور نہیں چھپاؤگے اس کو تو پھینک دیا اس کو پیچھے پیٹھوں اپنی کے اور خرید لی اس سے

ثَمَنًا قَلِيْلًا ط فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

قیمت تھوڑی تو کتنی بری ہے جو چیز خریدی انہوں نے

(آیت نمبر ۱۸۷) اے میرے محبوب وہ وقت یاد کریں جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کے علماء سے بواسطہ انبیاء علیہم السلام یہ وعدہ لیا کہ تم ضرور بہ ضرور اس کتاب کو لوگوں کے سامنے صحیح صحیح بیان کروگے۔ یعنی اس میں جو حلال وحرام اور توحید کے متعلق احکام بیان ہوئے۔ خصوصاً نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور اسے ہرگز نہ چھپانا لیکن ان سے جتنے بھی وعدے لئے گئے۔ انہوں نے وہ سب پس پشت ڈال دیئے وعدہ کی پاسداری تو در کنار بلکہ انہوں نے اس کے خلاف کیا اور اس کے بدلے میں انہوں نے متاع دنیا جو بہت تھوڑی اور حقیر چیز تھی وہ لے لی۔ اس لئے کہ انہیں خطرہ تھا صحیح صحیح بتادیا اور لوگ ایمان لے آئے تو ہمیں ان لوگوں سے مال ودولت وغیرہ کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے حقائق کو چھپادیا تا کہ لوگوں سے مال ملتا رہے اور ہمارا کام چلتا رہے اور کتنا ہی برا وہ مال ہے جو خریدتے ہیں۔ یہ آیت اگرچہ ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جو حق کو اس لئے چھپاتے تھے کہ اس سے دنیا کا تھوڑا مال حاصل کریں۔ یاد رہے یہ حکم آج بھی ہے کہ جو لوگ قرآن کو (جو تمام کتابوں سے اعلیٰ ہے) کے احکام کو چھپاتے ہیں۔ دنیا کی لالچ میں قرآن پڑھیں وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ **مسئلہ**: علماء کا فرض ہے کہ قرآنی احکام کو بے دھڑک بیان کریں۔ دنیا کی لالچ میں کسی سے کچھ بھی چھپا کر نہ رکھیں اور کسی مسئلہ کے اظہار میں بخل سے کام نہ لیں۔ اور ظالموں فاسقوں فاجروں سے ہرگز نہ ڈریں۔ **مسئلہ**: جو لوگوں سے ڈر کر حق چھپاتا ہے وہ بھی اس وعید میں داخل ہے۔ **سبق**: قرآن وحدیث بیچ کر اپنے نفس کو شہوات سے نہ پال اور نہ اظہار حق میں مخلوق سے ڈر۔ جو تجھے حکم دیا گیا ہے۔ وہ جوانمردی سے اور ہمت سے بیان کر۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو علم چھپاتا ہے۔ اس کے منہ میں جہنم کی لگام دی جائے گی۔ (رواہ احمد وابوداؤد) حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اہل علم اس کی پوری حفاظت کریں جیسے اللہ نے انہیں حکم دیا۔ تو بڑے بڑے جابروں اور ظالموں کی گردنیں بھی ان کے آگے جھک جائیں گی۔ (افسوس ہے۔ کہ بڑے بڑے مقررین اور واعظین نے وعظ کے پیسے مقرر کردیئے۔ حافظوں اور قاریوں نے قرآن سنانے کی قیمتیں مقرر کردیں۔ الا ماشاءاللہ)

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ

ضرور نہ سمجھیں وہ جو خوش ہیں اس پر جو کیا انہوں نے اور پسند کرتے ہیں کہ تعریف کئے جائیں اس کی جو نہیں

يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

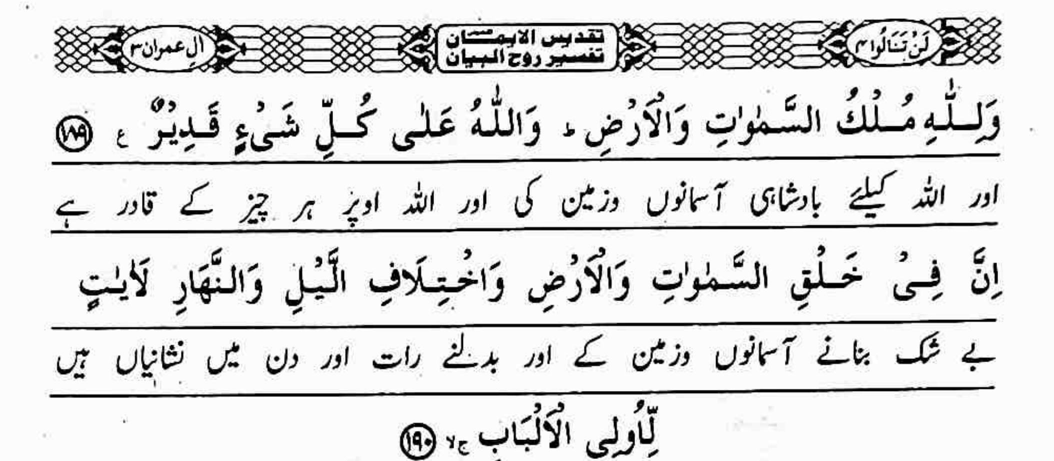
کیا انہوں نے تو نہ سمجھ ان کو بچ نکلنے والے عذاب سے اور واسطے ان کے عذاب ہے دردناک

(بقیہ آیت نمبر ۱۸۷) اور وہ ان کے غلام بے دام بن جائیں گے۔ اس سے اسلام کی شان بھی ظاہر ہوگی اور مسلمانوں کو بھی شرافت اور بزرگی نصیب ہوگی۔ اور جنہوں نے دنیوی لالچ میں آ کر اپنے آپ کو ذلیل کر لیا اور اسلام پر مر مٹنے کے بجائے دشمن دین کی حمایت کی تا کہ انہیں کوئی دنیوی اعزاز ملے تو ایسے لوگ دنیا میں آخر کار ذلیل وخوار ہو کر مرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۸۸) نہ گمان کریں اس کے متعلق جو کچھ دیئے گئے اس پر خوش ہوتے ہیں یعنی جو لوگ حق کو چھپا کر یا باطل سے ملا کر مال حاصل کر کے خوش ہوتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے۔ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا نہ حق کو واضح کیا اور نہ لوگوں کے سامنے سچی بات کہی۔ اس کے باوجود اپنی تعریف پر خوش ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ ان کے کفر اور ان کے حق و باطل کے ملانے کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ حضور ﷺ نے یہودیوں سے توراۃ کے متعلق کچھ باتیں دریافت کیں اور انہوں نے اصل باتیں چھپائیں اور باہر جا کر خوش ہوئے کہ انہوں نے بہت اچھا کام کیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ تمام منافقین کے حق میں ہے جو ظاہر تو ایمان کرتے ہیں لیکن اندر کفر رکھتے ہیں اور اس سے وہ خوش ہیں اور انتظار میں ہیں کہ مسلمان ان کی تعریف کریں لیکن یہ لوگ بہ ظاہر اہل ایمان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں اور اندر سے ان کے جانی دشمن ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وہ سب لوگ آتے ہیں جو معمولی نیکی کر کے فخر کرتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ ان کی تعریف کریں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں کا مزاج یہی ہے کہ وہ مختلف حیلوں سے دنیا جمع کرتے ہیں اور لوگوں سے اپنی تعریف کی امید بھی کرتے ہیں۔ **ف:** عقل مند پر لازم ہے کہ وہ اپنی قدر سے زیادہ نہ بڑھے اور جو نہیں کیا۔ اس پر تعریف سن کر خوش نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ خوشی اسے کوئی کام نہیں دے گی۔

سبق: اپنی تعریف سن کر مغرور نہ ہو ورنہ ہلاک ہو جائیگا۔ حاتم اصم کی طرح بظاہر بہرہ بن۔ اس لئے کہ مخلوق جو تیرے متعلق بدگمانی رکھتی ہے۔ اگر وہ بیان ہو تو پھر ہی تجھے اپنے عیوب معلوم ہوں۔ اور جب تجھے اپنے عیب معلوم ہوں گے تو پھر ہی تو انہیں دور کرنے کی کوشش کرے گا۔



وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور اللہ کیلئے بادشاہی آسمانوں وزمین کی اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ

بے شک بنانے آسمانوں وزمین کے اور بدلنے رات اور دن میں نشانیاں ہیں

لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

عقلمندوں کیلئے

(آیت نمبر ۱۸۹) اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔ زمین وآسمان میں جیسے وہ چاہتا ہے ویسا ہی تصرف کرتا ہے۔ جسے چاہے زندہ کرے۔ جسے چاہے موت دے۔ اس میں کسی کو بھی دخل نہیں۔ وہی ان کے سب امور کا مالک ہے۔ اس کے قبضہ قدرت سے کوئی نہیں نکل سکتا۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جسے عذاب دینا چاہے کون اسے نجات دلا سکتا ہے چونکہ وہ مختار کل ہے۔ کسی کی کیا مجال ہے۔ کہ اسے پوچھ سکے۔ فنا وبقا سب اس کے ہاتھ میں ہے۔

(آیت نمبر ۱۹۰) بے شک آسمانوں زمینوں کے بنانے اور رات اور دن کے بدلنے یعنی آنے اور جانے میں بڑا اور چھوٹا ہونے میں عقلمندوں کیلئے بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ **شان نزول**: اہل مکہ نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ایسی نشانی دکھائیں کہ جو آپ کے دعویٰ پر واضح دلیل ہو۔ اس لئے کہ آپ کہتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا کہ یہ اتنی بڑی مخلوق زمین وآسمان۔ سمندر پہاڑ۔ جمیع حیوانات کس نے پیدا کئے اور اس سے بڑے نشان رات دن کا بدلنا۔ لیکن یہ ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ اسے وہی سمجھے گا۔ جو عقلمند ہوگا۔ **حدیث شریف**: عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں۔ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ عبداللہ نے سلام عرض کیا۔ مائی صاحبہ نے سلام کا جواب دیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کا کوئی عجیب واقعہ سنائیں تو آپ بہت روئیں اور فرمایا کہ حضور ﷺ کی تو ہر بات ہی عجیب تھی۔ ایک رات میرے پاس تشریف لائے۔ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھے۔ پھر فرمایا۔ عائشہ مجھے اجازت دو کہ میں اپنے رب کی عبادت کرلوں۔ پھر آپ نے وضو کیا اور نماز شروع فرمادی اور صبح تک روتے رہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے عرض کی کہ آپ اس قدر کیوں روتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخش دیا تو فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگذار نہ بنوں۔ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "ان فی خلق السموات والارض"۔ عقلمند سے مراد وہ لوگ ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ

جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اوپر اپنے پہلو کے اور غور وفکر کرتے ہیں

فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج

پیدا کرنے میں آسمان وزمین کے کہ اے ہمارے رب نہیں بنایا تو نے یہ بے کار

سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ

تو پاک ہے تو بچا ہمیں عذاب دوزخ سے اے ہمارے رب بے شک تو نے جسے داخل کر دیا

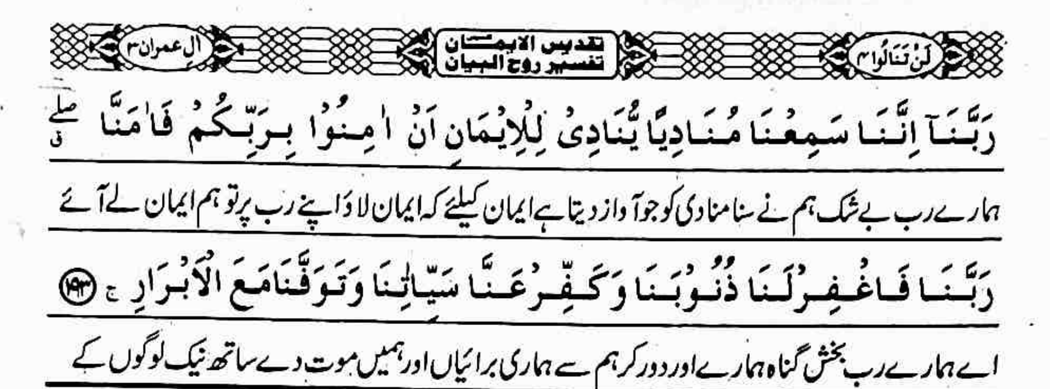
النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

آگ میں تو تحقیق رسوا کر دیا تو نے اسے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار

(آیت نمبر۱۹۱) جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے یعنی ہمہ وقت اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حال میں ضرور ہوگا۔ وہ تینوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اور وہ زمین وآسمان کے بنائے جانے میں غور وفکر کرتے ہیں۔ **حدیث:** حضور ﷺ نے فرمایا مخلوق میں فکر کر سکتے ہو۔ خالق میں فکر نہ کرنا کہ وہ تمہاری عقل سے وراء الوراء ہے (رواہ ابن ابی شیبہ)۔ **حدیث شریف:** ایک گھڑی کیلئے فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے (رواہ شیخ اصبہانی فی العظمہ)۔ تفکر کو عبادت پر اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ عبادت کرنے سے بندہ عبادت کے ثواب یعنی جنت تک پہنچتا ہے اور تفکر سے بندہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے تو جو چیز اللہ تعالیٰ تک پہنچائے وہ اس سے بہتر ہے۔ جو مخلوق تک پہنچائے۔

دعا کا طریقہ: اے ہمارے رب جو کچھ تو نے بنایا (یعنی زمین وآسمان) اس میں کوئی چیز بے کار اور حکمت ومصلحت سے خالی نہیں بنائی۔ **فائدہ:** اے ہمارے رب آسمانوں وغیرہ کے بنانے میں بہت بڑی حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ بندوں کی معاش کا سارا دارومدار ہی اس پر ہے۔ یعنی چاند سورج وغیرہ نہ ہوتو پھل غلہ وغیرہ بھی نہ پک سکے۔ اور بندہ عرض کرتا ہے۔ اے اللہ تیری ذات پاک ہے ہر عیب سے ہر نقص سے۔ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (ذکر وفکر کے مزید فضائل دیکھنے ہوں تو میری تصنیف برکات ذکر کا مطالعہ فرمائیں)۔

(آیت نمبر۱۹۲) اے ہمارے رب جسے تو نے عذاب نار میں داخل کر دیا۔ اسے رسوائی کی انتہاء تک پہنچا دیا۔ اس میں تنبیہ ہے کہ وہ لوگ اس وقت سخت خوف میں ہونگے اور ظالموں کا اس دن کوئی مددگار نہیں ہوگا۔



رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ

ہمارے رب بے شک ہم نے سنا منادی کو جو آواز دیتا ہے ایمان کیلئے کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر تو ہم ایمان لے آئے

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ ﴿۱۹۳﴾

اے ہمارے رب بخش گناہ ہمارے اور دور کر ہم سے ہماری برائیاں اور ہمیں موت دے ساتھ نیک لوگوں کے

(بقیہ آیت نمبر۱۹۲)۔ اور نہ کوئی حمایتی ہوگا جو انہیں قہر الٰہی اور عذاب سے بچا سکے۔ یاد رہے کسی کی مدد نہ کرنا شفاعت کے خلاف نہیں ہے۔ شفاعت بہر حال ہوگی۔ لیکن صرف مسلمانوں کی۔ اور شفاعت ان کی ہوگی۔ جن کی شفاعت کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوگی۔

(آیت نمبر۱۹۳) اے ہمارے رب ہم نے ندا والے کی آواز کو سنا جو ندا دے رہا تھا۔ منادی سے مراد حضور ﷺ کی ذات پاک ہے چونکہ حقیقی طور پر انہوں نے ہی ایمان کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق "ادع الی سبیــــل ربك" تو اس حکم کے مطابق فرمایا کہ اے لوگو اپنے تمام کاموں کے کارساز رب پر ایمان لے آؤ۔ لہذا ہم ایمان لے آئے۔ یعنی ہم نے فرمانبرداری قبول کی۔ اس لئے ہماری التجا ہے کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری تمام برائیوں کو بھی ہم سے دور فرما دے یعنی صغیرہ کبیرہ سب ہمارے گناہ معاف فرما دے۔

مسئلہ: جو بندہ کبیرہ گناہوں سے بچے اس کے صغیرہ خود ہی معاف ہو جاتے ہیں اور آگے فرمایا کہ اے ہمارے رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔ یعنی ان کے طریقے پر چلتے ہوئے موت آئے۔

ف: اس سے معیت زمانی مراد نہیں ہے وہ تو محال ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کے اوصاف سے موصوف فرما۔

مسئلہ: جو بندہ اولیاء کے طریقے پر چلے۔ اللہ انہیں بہشت میں ان اولیاء کرام کی رفاقت عطا فرمائے گا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ بروز قیامت اسی کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی شریف)

سبــق: مبارک ہیں وہ لوگ جو حق سن کر قبول بھی کرتے ہیں اور اس کی اتباع بھی کرتے ہیں۔ یاد رہے جو اچھی بات سے نصیحت حاصل کر لیتا ہے۔ سمجھ لو وہ حق کے منادی پر ایمان لے آیا۔ جیسے اس بندۂ مقدس نے کہا اس نے ویسے ہی عمل کیا تو سمجھو کہ وہ جہنم سے نجات پا گیا۔ اسے بارگاہ الٰہی سے مغفرت و رحمت بھی نصیب ہوئی۔

دعــا کــا فــائــدہ: دعا عبادت کا مغز ہے۔ یعنی عبادت کے بعد دعا ضرور کرنی چاہئے۔ ورنہ عبادت بے مغز ہو جائیگی۔ اس لئے جو لوگ عبادت کرتے ہیں۔ اور دعا کے بغیر ہی اٹھ کر جاتے ہیں۔ ان کی عبادت بے مغز ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد کی دعا کبھی رد نہیں جاتی۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

اے ہمارے رب دے ہمیں جو وعدہ کیا ہم سے اپنے رسولوں کی معرفت اور نہ رسوا کر ہمیں بروز قیامت

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

بے شک تو نہیں خلاف کرتا وعدہ سے

(بقیہ آیت نمبر ۱۹۳) دعا سے دنیا کی تکالیف و مصائب دور ہوتے ہیں اور قیامت کے دن جب فرشتوں کے ذریعے ہدیئے ملیں گے اور حکم ہوگا کہ یہ ہدیئے تمہاری دعاؤں کا بدلہ ہے جو تم نے دنیا میں مانگی تھیں۔ ہم نے وہ آج کے دن کیلئے بچا کے رکھی ہوئی تھیں۔ تو وہ آرزو کرے گا۔ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوتی۔

(آیت نمبر ۱۹۴) وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں وہ بھی عطا فرما جس کا تو نے ہمارے ساتھ اپنے پیغمبروں کے وسیلہ سے وعدہ فرمایا۔ یعنی ان کی زبانوں سے ثواب و کرامت کا جو وعدہ فرمایا وہ بھی دے اور ہمیں بروز قیامت رسوا ہونے سے بھی بچا لے۔ اور جس بات کا وعدہ فرمایا اس وعدے کو پورا فرما۔ بے شک تو اپنے کئے ہوئے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ (یعنی جو ہم نے وعدہ کیا کہ ہم تیری عبادت کریں گے۔ اس میں ہماری مدد فرما کہ ہم صحیح عبادت کر سکیں اور جو تو نے بخشش کا وعدہ کیا وہ بھی کرم فرما۔)

حکایت :ایک عورت سردیوں کے ایام میں پرندوں کو دانے ڈالتی۔ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ کر فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ دشمن کی کوئی نیکی قبول نہیں کرتا۔ تو کچھ عرصہ بعد کعبہ شریف میں دیکھا کہ وہ مسلمان ہوگئی۔ وہ کہنے لگی۔ کہ اے ذوالنون۔ پرندوں کو دانے ڈالنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی دولت عطا فرمائی۔

(بقیہ) مدعا یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے ایمان پر ثابت قدمی کی طلب اور خشوع خضوع کا اظہار کرتا ہے۔

ف: ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے گمان میں اپنے آپ کو حق پر سمجھے اور اعمال صالحہ سمجھتا رہے اور قیامت کو معاملہ الٹ نکلے اور اسے وہاں شرمساری ہو اور کف افسوس ملتا رہے۔ لہذا حق پر ثابت قدمی کی طلب جاری رکھے۔

ف: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے پانچ دعائیں مانگیں۔ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار چیزوں کو چار چیزوں میں پایا:

۱۔ اللہ کی رضا کو اس کی اطاعت میں۔ ۲۔ رزق کی وسعت چاشت کے نوافل میں۔

۳۔ دین کی سلامتی زبان کی حفاظت میں۔ ۴۔ قبر کی روشنی رات کی نماز میں۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ

تو قبول کی ان کی ان کے رب نے کہ بے شک نہیں ضائع کرتا محنت کام والے کی تم سے خواہ مرد ہو

اَوْ اُنْثٰی ج بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ج فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا

یا عورت تم میں بعض بعض سے ہیں تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے

مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے میں ضرور دور کرونگا ان سے

سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج ثَوَابًا

ان کے گناہ اور ضرور انہیں داخل کروں گا باغات میں کہ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ثواب ہے

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

اللہ کی طرف سے اور اللہ کے پاس ہے اچھا بدلہ

(آیت نمبر ۱۹۵) **شانِ نزول** : حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مردوں کے ساتھ عورتوں نے بھی ہجرت کی مگر کیا وجہ ہے۔ ہجرت کے متعلق مردوں کا ذکر تو ہے مگر عورتوں کا کہیں ذکر نہیں کہیں عورتوں کے عمل ضائع تو نہیں ہو گئے۔ تو اس پر ارشاد خداوندی ہوا کہ (قبول کر لی بات ان کی ان کے رب نے) کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا خواہ وہ عمل کرنے والا مرد ہے یا عورت ہے۔

مسئلہ : آیت کا عموم ظاہر کرتا ہے کہ اعمال کی قبولیت اور ثواب میں مرد و عورت برابر ہیں۔ یعنی پوری توجہ سے اطاعت کو لازم کرنا اور دین کے معاملے میں جزائے اعمال دونوں کیلئے برابر ہے نہ کہ ہر بات میں اس لئے کہ مرد عورت سے افضل ہے۔ البتہ مرد و عورت آپس میں بعض بعض سے ہیں۔ یعنی آدم کی اولاد ہیں۔ یا مراد یہ ہے کہ بعض مرد (نیکی کے لحاظ سے) عورت سے افضل اور بعض عورتیں (نیکی کے لحاظ سے) بعض مردوں سے افضل ہیں۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ ہجرت کرنے والوں کی اور اس پر ان کو ملنے والے ثواب کی مدح اور عظمت بیان فرماتے ہیں کہ جنہوں نے ہجرت کی اس حال میں کہ انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا اور وہ دار فتنہ سے نکل کر دار السلام میں آ گئے یعنی جنہیں کفار مکہ نے مکہ میں رہنے نہیں دیا اور وہ مدینہ طیبہ کو چلے گئے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۭ ﴿۱۹۶﴾

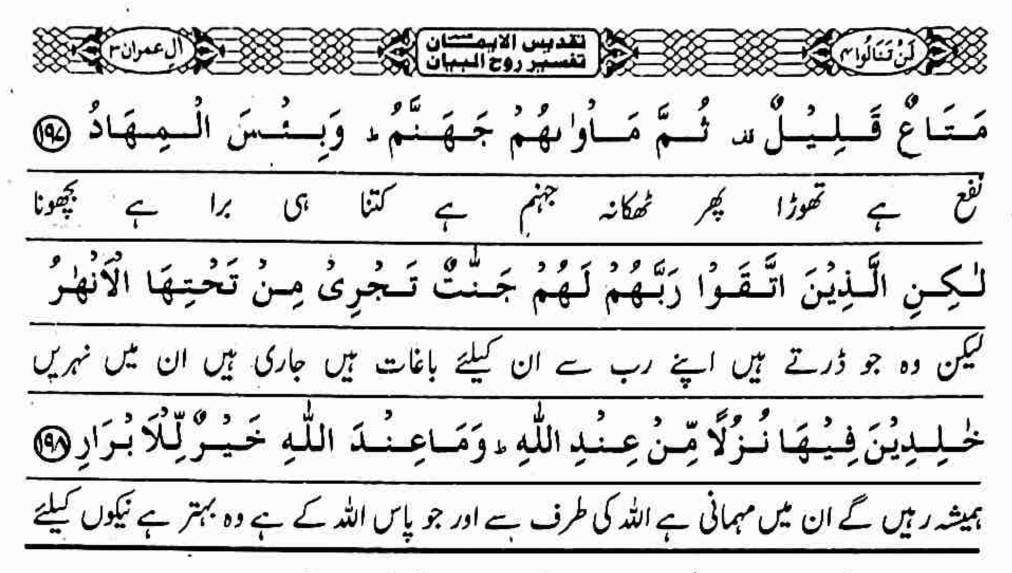
نہ دھوکہ دے تجھے پھرنا ان کا جو کافر ہیں شہروں میں

(بقیہ آیت نمبر ۱۹۵) **فائدہ** : یہاں اصل میں دو گروہوں کا ذکر ہے۔ایک وہ لوگ کہ جنہوں نے حضور ﷺ کی محبت میں آپ کی خدمت اقدس میں رہنے کی وجہ سے ہجرت کی۔دوسرے وہ جنہیں زبردستی مکہ شریف سے نکالا گیا۔اس میں شک نہیں کہ پہلا گروہ دوسروں سے افضل ہے۔اس لئے کہ انہوں نے اپنے اختیار سے ہجرت کی اور صرف حضور ﷺ کی معیت میں رہنے کو پسند کیا اور انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور دین حق پر قائم رہنے کی وجہ سے تکالیف دی گئیں۔آگے فرمایا کہ وہ اللہ کی راہ میں کفار سے لڑے اور جنگ میں شہید ہو۔۔ہم ان کے تمام گناہ معاف کریں گے۔گویا یہ بات قسم کے ساتھ کہی جارہی ہے اور فرمایا۔میں انہیں ضرور ایسے باغات میں داخل فرماؤنگا کہ جن میں نہریں جاری ہونگی یہ ثواب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔یعنی یہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ انہیں دیا جائیگا۔

ثواب اور عطا میں فرق: نیک عمل کے بدلے میں ملنے والے اجر کو ثواب اور بلاعوض ملنے والی چیز کو عطا کہتے ہیں اور ثواب کو عنداللہ کے ساتھ متعلق کر کے اس کی عظمت کو اور بڑھا دیا اور اللہ تعالیٰ کے پاس تو اس سے بھی کئی گناہ بہتر اجر و ثواب ہے یعنی جنت کی نعمتیں جو ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہیں۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی کوئی چیز قطرہ بھی ہو تو وہ کئی سمندروں سے زیادہ ہے۔

مسئلہ: یادرہے یہ بڑا اجر و ثواب انہیں ملے گا۔جنہوں نے مذکورہ تین کام کیے:(۱) ہجرت کر کے وطن عزیز کو چھوڑا۔(۲) اسلام کی خاطر کفار و مشرکین کی اذیتیں برداشت کیں۔(۳) کفار کو انہوں نے مارا اور پھر لڑتے لڑتے خود بھی انہوں نے درجہ شہادت پایا۔ان کے درجات بہت ہی بلند ہیں۔

(آیت نمبر ۱۹۶) **شان نزول** : مروی ہے کفار کی عیش وعشرت اور دنیا کی ساز و سامانی کو دیکھ کر کچھ کمزور ایمان والے مسلمانوں کے دل میں آیا کہ دشمنان خدا تو دنیا کے مال سے بھرپور ہیں اور ہم بھوکے مر رہے ہیں۔تو اللہ کریم نے فرمایا کہ کافروں کا مال و دولت لیکر ادھر ادھر شہروں میں پھرنا کہیں تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔یعنی ان کے پاس رزق کی فراوانی اور مال دنیا پر کامیابی اور ان کے حالات ظاہری کو دیکھ کر کہیں دھوکہ نہ کھا جانا ان کی یہ ٹھاٹھ باٹھ چندروزہ ہے۔**حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے کوئی دریا میں انگلی ڈالے۔پھر دیکھے کہ انگلی کے ساتھ کتنی تری لگی ہے۔(ریاض الصالحین باب الزہد)



(آیت نمبر ۱۹۷) ان کا مال و دولت آخرت کے مقابلے میں کچھ نہیں بہت تھوڑا ہے۔ اور ان کا آخری ٹھکانہ جہاں مرنے کے بعد جائیں گے وہ جہنم ہے یہ دنیا کی نعمتیں ہی ان کے لئے جہنم میں جانے کا سبب بن گئیں اور وہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ بلکہ بہت برا بچھونا ہے جو انہوں نے اپنے لئے خود ہی بچھایا ہے۔

(آیت نمبر ۱۹۸) لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ یعنی اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے۔ ان کیلئے وہ باغات ہیں جن میں نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ **ف**: معلوم ہوا دنیا کی عیش و عشرت موجب ہلاکت بھی ہو سکتی ہے جو دنیا میں ناز و طرب سے رہا اور اپنے خدا سے غافل رہا۔ وہ جہنمی ہے (خواہ مومن ہی کیوں نہ کہلائے) کافر تو ہر حال میں جہنمی ہے۔

البتہ متقی شخص ہو تو اس کے پاس جتنا بھی مال و دولت آجائے۔ اسے کوئی نقصان نہیں دے۔ اسے راہ خدا میں خرچ کرنے سے اجر و ثواب ملے گا۔ بلکہ یہ جنت اور اس کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مہمانی ہوگی اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ نیک لوگوں کیلئے بہتر و برتر ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ کفار کے پاس ہے وہ کچھ وقت کیلئے ہے اور بہت قلیل ہے جو جلد ہی ختم ہونے والا ہے۔

حدیث شریف: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ موت سب کیلئے اچھی ہے۔ مومن کیلئے اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اعلیٰ مہمانی ہے وہ جلد جا کر حاصل کرے گا۔ کافر و فاسق کیلئے اس لئے کہ وہ گناہ جتنے کم کرے گا اتنی سزا بھی کم پائے گا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ و تفسیر در منثور)۔ **حدیث شریف**: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آپ چٹائی پر آرام فرما رہے تھے۔ جس کے نشانات جسم اقدس پر نمایاں تھے تو انہوں نے رو کر عرض کی یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ تو عیش و طرب ناز و نخرہ میں زندگی گذاریں اور آپ اللہ کے رسول ہو کر یوں خالی چٹائی پر لیٹیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے عمر تمہیں یہ پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے صرف دنیا بنائی۔ اور ہمارے لئے آخرت بنائی۔ (مسند احمد بن حنبل ۲۱۸۸ والبزار)

سبق: جب کسی کا دنیوی کاروبار چمک جائے۔ تو وہ اس سے دھوکا نہ کھائے بلکہ اس پر اللہ کا شکر کرے۔ کہ اس پر اللہ کا بڑا فضل ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ زمانے کے مختلف حالات ہیں۔ کبھی زخمی کرتا ہے کبھی نمک پاشی کرتا ہے۔ کبھی رلاتا ہے پھر کبھی آنسو صاف کرتا ہے ان تمام امور کا مالک رب قدیر ہے۔ حدیث شریف: حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ تشریف لائے اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم میں کوئی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اندھا کردے۔ (احیاء العلوم) جو بندہ دنیا سے جتنی محبت کرتا ہے اور دنیوی آرزو کو بڑھاتا ہے اسی قدر اس کا دل اندھا ہو جاتا ہے اور جتنا دنیا سے دور اور آرزو کم کرتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ اسے پڑھے بغیر علم عطا فرماتا ہے اور بغیر کسی ہادی کے ہدایت فرماتا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے۔ جن کے نیک اعمال تہامہ پہاڑ کے برابر ہونگے لیکن حکم ہوگا کہ ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے۔ اس کے باوجود کہ وہ نمازی اور روزے دار بھی ہونگے بلکہ راتوں کو جاگنے والے ہوں گے۔ لیکن دنیا کے ایسے عاشق ہونگے کہ جہاں اسے دیکھتے اس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ (ابن ماجہ)

دنیا کی شکل: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بروز قیامت دنیا کو بوڑھی نہایت کمزور اور ٹیڑھی آنکھوں والی بنا کر لایا جائیگا۔ جس کے دانت بڑے اور باہر نکلے ہوں گے۔ سب لوگ دیکھ کر خوف زدہ ہونگے اور پناہ مانگیں گے تو فرمایا جائے گا۔ یہ تمہاری محبوب دنیا ہے۔ جس پر بڑا فخر کیا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس دنیا کے ساتھ اس کے عاشقوں کو بھی جہنم بھیج دیا جائے۔ (احیاء العلوم)

سبق: عقلمند آدمی ہمیشہ دنیا اور دنیا داروں سے دور رہتا ہے اور آخرت اور جنت کی رغبت رکھتا ہے۔ بلکہ مزید ترقی کر کے وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ **ف**: بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسا بندہ بھی ہے۔ اسے اگر تمام جنتیں اپنی زیب و زینت کے ساتھ دی جائیں۔ تب بھی وہ ان سے ایسے بھاگے گا۔ جیسے دوزخی دوزخ کو دیکھ کر بھاگے گا۔ کیونکہ اس پر محبت الٰہی کا غلبہ ہے۔ اس لئے وہ کسی اور طرف نہیں دیکھے گا۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ

اور بے شک کچھ کتاب والے جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اترا تمہاری طرف اور جو

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

اترا ان کی طرف جھکنے والے ہیں اللہ کیلئے نہیں خریدتے بدلے اللہ کی آیتوں کے قیمت تھوڑی سے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

وہی ہیں کہ ان کیلئے اجر ان کا ان کے رب کے پاس بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے

(آیت نمبر۱۹۹) بے شک اہل کتاب میں بعض وہ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

شان نزول : یہ آیت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ بعض نے کہا کہ یہ حضرت نجاشی بادشاہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جن کی موت کی اطلاع جبریل امین نے آ کر دی تو حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔ آؤ اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے راستے کے تمام پردے ہٹا دیئے تو آپ نے نجاشی کو دیکھ کر اس کی نماز جنازہ چار تکبیروں سے پڑھی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ غائبانہ نماز جنازہ نہ تھی اس لئے کہ میت حضور کو نظر آ رہی تھی۔ منافقین نے کہا کہ انہوں نے ایک نصرانی کی نماز جنازہ پڑھی۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ وہ اللہ پر بھی ایمان لائے اور جو تمہاری طرف نازل ہوا یعنی قرآن پر بھی ایمان لائے اس کا مطلب ہے کہ وہ پکا مسلمان بادشاہ تھا قرآن پر بھی اس کا ایمان تھا اور توراۃ اور انجیل تینوں کتابوں پر ایمان لائے اور وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور ثواب کی امید پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سر جھکاتے ہیں اور نہیں خریدتے یعنی نہیں لیتے اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے میں دنیا کا مال۔

ف : ہوسکتا ہے آیات سے مراد حضور کی ذات ہو جو دنیا والوں کیلئے نعمت ہے جس کا ذکر توراۃ وانجیل میں بھی تھا۔ ثمن قلیل سے مراد دنیا کا معمولی سامان۔ ایسے لوگوں کے متعلق دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ انہیں ڈبل اجر دیا جائیگا۔ اور وہ اجر ان کو ان کا رب کریم عطا فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی عمل کرنے والے کے عمل کو بھی جانتا ہے اور اجر کا علم بھی رکھتا ہے کہ کون کتنے اجر کا مستحق ہے۔ اور ان سے جو وعدہ کیا گیا ہے وہ انہیں جلد تر نصیب ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ بھی چاہیں گے کہ ان نیکوں کو جلدی سے ان کا اجر دیا جائے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟

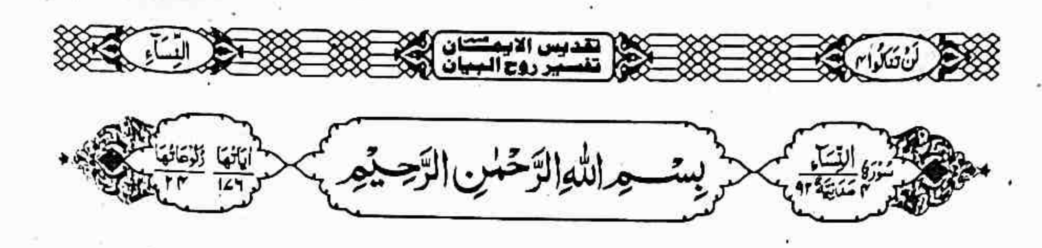
اے اہل ایمان صبر کرو دشمن کے سامنے ڈٹے رہو اور سرحد کی نگہبانی کرو اور ڈرو

ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۰﴾

اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو

(بقیہ آیت نمبر۱۹۹) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جیسے زندگی گذارو گے ایسے ہی موت آئیگی اور جس حال میں موت آئی۔ اسی حال میں قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے (رواہ الذہبی)۔ **حدیث شریف:** ایک مرتبہ جبریل امین اس حال میں حاضر ہوئے کہ آپ سخت غمگین تھے جبریل امین نے کہا کہ حضور اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور پوچھتے ہیں کہ آپ غمزدہ کیوں ہیں تو فرمایا مجھے امت کی فکر ہے۔ جبریل امین حضور کو اپنے ساتھ لے کر قبرستان میں گئے اور ایک قبر پر پَر مار کر کہا۔ قم باذن اللہ تو قبر سے ایک سفید شکل آدمی نکلا اور کلمہ شریف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ رہا تھا تو جبریل نے کہا واپس جاؤ تو وہ پھر قبر میں چلا گیا۔ دوسری قبر پر ایسے کیا تو اس سے ایک سیاہ شکل آدمی نکلا کہہ رہا تھا ہائے افسوس ہائے پشیمانی تو فرمایا واپس چلا جا تو کہا کہ جس طرح یہ دنیا میں رہیں گے۔ اسی حال میں بروز قیامت اٹھیں گے۔

(آیت نمبر۲۰۰) اے ایمان والو صبر کرو یعنی عبادات کی تکالیف اور دیگر سختیاں جو انسان پر آتی ہیں۔ مرض، فقر و فاقہ، خوف وغیرہ میں صبر کرو اور دشمن کے مقابلے میں سخت جنگ کے وقت یا نفسانی خواہشات کے مقابلے میں صبر کر کے نفس پر غلبہ پاؤ۔ اور اپنے آپ کو اور اپنے گھوڑوں کو اسلامی سرحدوں کی حفاظت کیلئے مضبوط بناؤ یا اپنے نفوس کو اطاعت پر خوب جما لو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو ایک دن رات اسلامی سرحد کی حفاظت کرتا ہے تو اس کو ایک ماہ کے روزوں کے برابر اجر و ثواب ملتا ہے اور ایک ماہ کی شب بیداری کا ثواب ملتا ہے جس میں صرف نفل پڑھے ہوں اور سوائے حاجات ضروریہ کے اور کوئی کام نہ کیا ہو۔ (مستدرک علی الصحیحین)۔ **فائدہ:** اس عظیم المرتبت سورۃ کی اس آخری آیت میں کیا خوبصورت، مختصر اور جامع ارشادات فرمائے۔ کہ ان چار باتوں میں دنیوی اور اخروی فلاح و کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ صبر، مصابرہ، رباط اور تقویٰ۔ صبر کا معنی ہے مشکل حالات میں بھی نیک اعمال کرنا اور برے اعمال سے بچنا۔ مصابرہ کا معنی ہے۔ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا۔ رباط کا معنی ہے۔ نفس کو نیت حسنہ اور جسم کو عبادات کا پابند بنانا۔ اور اس کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کیلئے کمربستہ رہے۔ تقویٰ کی تفسیر کئی جگہ گذر چکی ہے۔



يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ

اے لوگوں ڈرو اپنے رب سے وہ جس نے پیدا کیا تم کو ایک ہی جان سے اور پیدا کیا

مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ

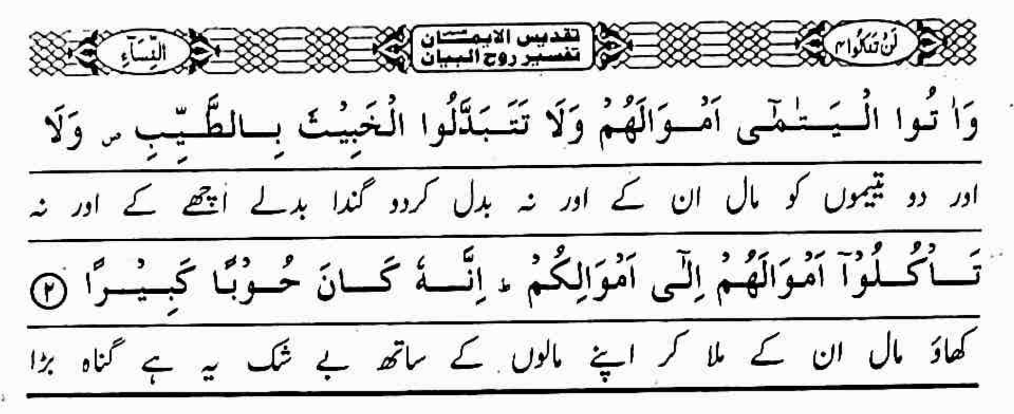
اس سے اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے وہ کہ

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

مانگتے ہو اس کے نام سے اور رشتے داریوں کو قائم رکھو بے شک اللہ ہے تم پر نگاہ بان

(آیت نمبر۱) اے لوگو اپنے رب سے ڈرو آپس کے حقوق کی ادائیگی کرنے اور جن امور کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان کی حفاظت کرو۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ مختلف شکلوں اور مختلف رنگوں میں بنایا ایک نفس یعنی آدم علیہ السلام سے بنایا۔ یعنی تمہارا خالق اللہ ہے۔ لہذا اس کی نافرمانی ہرگز نہ کرو۔ **نکتہ**: تمہارا باپ ایک ہونے کا معنی یہ ہے کہ تم سب آپس میں ایک ہی خاندان ہو لہذا قطع رحمی ٹھیک نہیں ہے۔ اس بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اسی جان (آدم) سے اس کی بیوی بنائی۔ یعنی حضرت حوا جو جناب آدم کی پسلی سے پیدا ہوئیں۔

اماں حوا کی پیدائش: حضرت آدم علیہ السلام جب جنت میں تھے۔ ایک دن ان کو نیند کا غلبہ ہوا اور آپ کی آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوئے دیکھا تو حضرت حوا ان کے پاس موجود تھیں۔ ان سے محبت ہوگئی چونکہ ان کے جسم کا جزء تھی۔ آگے فرمایا۔ ان دونوں یعنی آدم وحوا سے زمین پر بے شمار مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور تمہارے آپس میں ایک دوسرے کے ایک دوسرے پر حقوق بھی رکھے۔ تا کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں کیونکہ ان کے حقوق کی حفاظت از حد ضروری ہے ان سے غفلت نہ کرنا۔ اس لئے دوبارہ پھر فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔



وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا

اور دو یتیموں کو مال ان کے اور نہ بدل کردو گندا بدلے اچھے کے اور نہ

تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ﴿۲﴾

کھاؤ مال ان کے ملا کر اپنے مالوں کے ساتھ بے شک یہ ہے گناہ بڑا

(بقیہ آیت نمبرا) کیوں کہ تمہارا رب بھی ایک اور ماں باپ بھی ایک۔ گویا اس آیت میں اتفاق اور صلہ رحمی کا حکم دیا گیا۔ اور قطع رحمی سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ آگے فرمایا کہ اسی ذات کے نام سے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو مثلاً ایک کہتا ہے کہ میں اللہ کیلئے تجھ سے سوال کرتا ہوں اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہو۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ رحم عرش الٰہی کے ساتھ ملحق ہے اور کہتی ہے کہ یا اللہ جو مجھ کو ملا کر رکھے تو اسے اپنے ساتھ ملا اور جو مجھ سے تعلق توڑے تو بھی اس سے تعلق توڑ دے۔ (مسلم شریف) **حدیث:** صلہ رحمی سے بڑھ کر کوئی اچھا عمل نہیں ہے اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی برا عمل نہیں آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگاہ بان ہے جو ہر مخفی شیء کو جانتا ہے۔ کاش اگر اس کا یقین آجائے تو آدمی کبھی گناہ کے نزدیک بھی نہ جائے۔

ف: تقویٰ ہی تمام اعمال میں اصل ہے۔ اور تمام کرامات کا سبب ہے۔ تمام مراتب اسی سے بلند ہوتے ہیں۔ شرع میں تقویٰ یہ ہے کہ جو چیزیں آخرت میں نقصان دینے والی ہیں۔ ان سے اپنے آپ کو بچانا اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) شرک سے بچنا۔ (۲) ہر گناہ سے کنارہ کرنا۔ (۳) ہر وہ چیز جو اللہ سے غافل اور دور کرے اس سے بچنا۔

(آیت نمبر۲) یتیموں کے مال ان کے حوالے کرو۔ **فائدہ:** یعنی یتیموں کے مالوں کو خرد برد کرنے سے اپنے ہاتھ روک لو اور ان کے مال کی حفاظت کرو۔ جب تک کہ وہ اس قابل نہیں ہوتے۔ کہ وہ اپنے مال کو صحیح جگہ خرچ کریں۔ جب بالغ ہو جائیں تو ان کا مال ان کے حوالے کردو۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے یتیموں کے سرپرستو اور کفیلو، یتیموں کے اموال کی پوری طرح حفاظت کرو اور نقصان کے درپے نہ ہو اور ان کے بالغ ہونے پر ان کے مال صحیح و سالم ان کو لوٹا دو اور اچھے مال کو خراب مال کے ساتھ بھی نہ بدلو۔ یعنی یتیموں کے اچھے مال کو اپنے اپنے پاس رکھ لو اور خراب مال انہیں دے دو اور نہ ہی ان کے مال خود کھا جاؤ۔ یہاں کھانے سے مراد اپنی ذات پر خرچ کرنا ہے۔ جیسے یتیم کا مال کھانا حرام ہے۔ اسی طرح اس میں کسی قسم کا تصرّف بھی حرام ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

اوراگرڈروتم کہ نہیں انصاف قائم رکھ سکو گے یتیم لڑکیوں میں تو نکاح میں لاؤ جواچھی لگے تمہیں عورتوں میں سے

مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْمَا مَلَکَتْ

دو دو تین تین اور چار چار پھر اگر تم ڈرو اس سے کہ نہیں برابری کر سکو گے تو ایک ہی کرو یا جو ملکیت میں

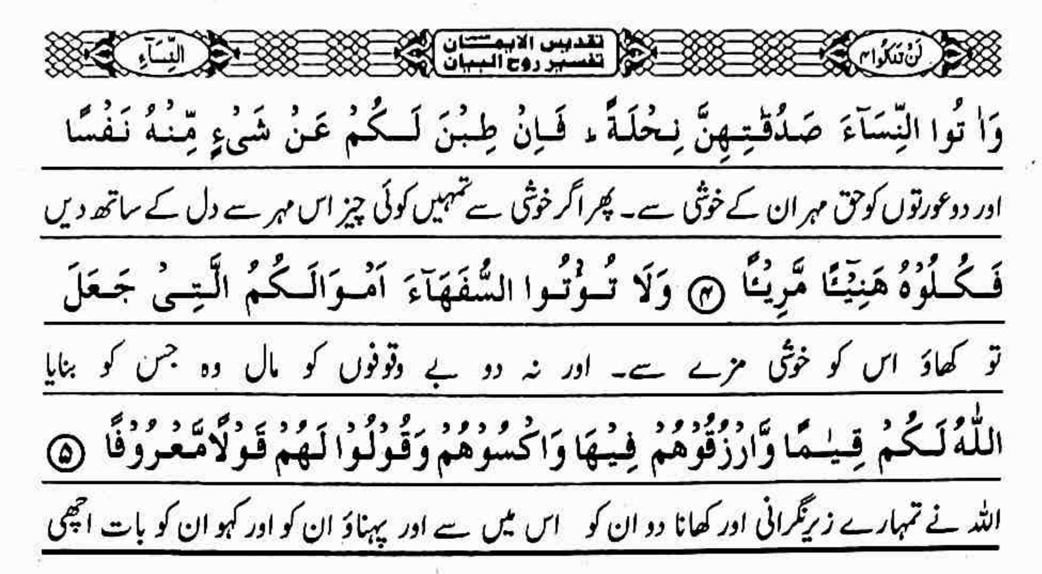
اَیْمَانُکُمْ ط ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ط ﴿۳﴾

تمہاری کنیزیں یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ نہ کرو تم زیادتی

(بقیہ آیت نمبر۲) **مسئلہ**: اس آیت کے عموم میں ایک صورت خاص ہے۔ جو اس حکم سے خارج ہے۔ وہ یہ کہ اگر یتیم کا متولی فقیر اور محتاج ہے تو یتیم کے مال سے اس کی خدمت کے عوض صرف دو وقت کا کھانا کھانا جائز ہے لیکن اگر اس کے پاس اپنا اتنا مال ہے۔ کہ صبح وشام کا کھانا کھا سکتا ہے تو پھر یتیم کا مال کھانا قبیح ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک یتیم کا مال کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔

(آیت نمبر۳) اور اگر تمہیں یتیموں کے مال میں انصاف نہ کرنے کا ڈر ہو۔

شان نزول: جاہلیت کے دور میں یتیموں کی ماؤں سے نکاح کر لیتے لیکن یتیموں کی پرورش کیلئے نہیں بلکہ مال کی ملکیت کے لالچ میں ایسا کرتے تھے۔ پھر ان عورتوں کو ذلیل وخوار کرتے تاکہ تنگ ہو کر نکل جائیں یا مر جائیں۔ تاکہ ان کی وراثت بٹور لیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ان کے متعلق ہے جو یتیم بچیوں کو مال کی لالچ میں نکاح میں لے آتے خواہ عمر کا بہت فرق ہوتا تو انہیں کہا گیا کہ ان کے ساتھ نکاح کی ممانعت تو نہیں۔ لیکن ان سے انصاف کرو۔ اور ان کا حق مہر ادا کرو۔ اور اچھے طریقے سے اگر رکھ سکو۔ تو پھر جو بھی تمہیں اچھی لگیں دو یا تین یا چار بیویوں تک بھی نکاح میں لے آؤ۔ لیکن اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم ان میں انصاف نہیں کر سکو گے۔ تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو زیادہ کا ارادہ ترک کر دو۔ یا پھر جو تمہارے قبضے میں لونڈیاں ہیں۔ ان سے خدمتگاری لے لو۔ نہ ان پر خرچہ زیادہ آئے نہ ان میں تعداد کی شرط ہے۔ نہ حق مہر وغیرہ کا تم پر بوجھ ہے۔ یہ بات زیادہ قریب ہے۔ اس کے کہ تم کسی عورت پر زیادتی کرو۔


وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا

اور دو عورتوں کو حق مہر ان کے خوشی سے۔ پھر اگر خوشی سے تمہیں کوئی چیز اس مہر سے دل کے ساتھ دیں

فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ﴿۴﴾ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ

تو کھاؤ اس کو خوشی مزے سے۔ اور نہ دو بے وقوفوں کو مال وہ جس کو بنایا

اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

اللہ نے تمہارے زیرنگرانی اور کھانا دو ان کو اس میں سے اور پہناؤ ان کو اور کہو ان کو بات اچھی

(آیت نمبر۴) جن عورتوں کے ساتھ تمہیں نکاح کی اجازت دی گئی ان کے حق مہر یعنی وہ عطیہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر فرض ہے۔ ان کو دے دو اور بطیب خاطر یعنی ہبہ کر کے دو۔ خوشی اور رضا سے دو اگر وہ عورتیں خوش ہو کر اس حق مہر میں سے تمہیں کچھ دیں۔ نفسانیت سے خالی ہو کر نہ کہ مجبور ہو کر تو تم اسے کھاؤ یا تصرّف میں لاؤ رچتا پچتا۔

(آیت نمبر۵) بے وقوفوں کو مال نہ دو۔

شان نزول: اہل عرب عورتوں کو دیئے ہوئے مہر میں سے کچھ واپس لینے کو گناہ سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ حکم دیا گیا۔ کہ اگر وہ خوشی سے دیں تو لینے میں حرج نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ عورت کا جہاد ہی یہ ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ اچھے سلوک سے رہے۔ اور اپنے بال بچوں کی پرورش کا خیال رکھے۔ (المستدرک و بحار الانوار)

اور نہ دو بے وقوفوں کو مال۔ وہ بے وقوف جو مال ضائع کرنے والے۔ یہ سرپرستوں کو حکم دیا گیا کہ یتیموں کا وہ مال جو تمہارے پاس ہے۔ ان یتیموں کو اس مال میں سے کھلاؤ اور کپڑے پہناؤ اور ان کے اموال کو اپنا مال سمجھ کر تجارت پر لگاؤ اور خوب بڑھاؤ اور ان سے اچھی اور نرم گفتگو کرو۔

مسئلہ: حضرت قفال فرماتے ہیں کہ متولی یتیم کے مال کو یوں سمجھے کہ مال تو یتیم کا ہے اور میں اس کا خزانچی ہوں اور جب وہ سمجھدار ہو جائے تو اس کا مال بلا کم و کاست اس کے حوالے کر دو۔ **مسئلہ**: یتیم سن رشد کو پہنچ کر اگر سرپرست سے اپنا مال طلب کرے اور وہ اسے ادا نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ یتیم کا مال خطرناک شئی بھی ہے بچ کر رہو۔ کہیں بروز قیامت گلے کا پھندہ بن کر جہنم میں نہ لے جائے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا

اور آزماتے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ جب قابل ہو جائیں نکاح کے تو اگر تم محسوس کر وان میں سمجھ داری

فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ

تو دے دو ان کو مال ان کے اور نہ کھاؤ اس کو زیادتی اور جلدی سے کہ بڑے نہ ہو جائیں اور جو ہے

كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا

مالدار وہ بچے (یتیم کا مال کھانے سے) اور جو ہے محتاج تو وہ کھائے مناسب (طریقے سے) پھر جب

دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿٦﴾

دو تم ان کو مال ان کے تو گواہ بنا لو ان پر اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا

(آیت نمبر ٦) اور یتیموں کو آزماؤ۔ یعنی اے سرپرستو یتیموں کو جانچ کر ان کی صلاحیت معلوم کرو کہ وہ مال سمھالنے یا اس کو اچھی جگہ خرچ کرنے کی ان میں لیاقت ہے یا نہیں۔ اگر وہ سمھالنے اور تجارت وغیرہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تو ان کے مال انہیں دے دو اور جب کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ یعنی بالغ ہو جائیں۔ تم ان میں محسوس کرتے ہو کہ وہ کام کی صلاحیت رکھتے ہیں یا اخراجات کی پوری مہارت رکھتے ہیں یعنی کسی قسم کی بے وقوفی یا فضول خرچی کرنے کی ان میں عادت نہیں ہے تو پھر ان کے مال بغیر دیر کئے ان کے حوالے کر دو۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ اگر یتیم لڑکا بالغ ہونے کے باوجود بے وقوف ہے یا فضول خرچ ہے۔ یا مال ضائع کرنے کا عادی ہے تو پھر اس کو مال نہ دیا جائے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رشد کی عمر ۲۵ سال ہے۔ اس عمر میں اگر اس میں سمجھداری محسوس ہوتی ہے تو اس کا مال اسے دے دینا چاہئے۔ اور یتیموں کا مال زیادتی کر کے نہ کھاؤ یعنی جلدی جلدی کھا کر ختم کرنے والا کام نہ کرو۔ اس خوف سے کہ یہ بڑے ہو گئے تو پھر چھین لیں گے اور ہمیں ان کا مال ان کو دینا پڑے گا اور جو سرپرست دولتمند ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ یتیم کا مال کھانے سے پرہیز کرے جو اللہ نے اسے اپنا مال دیا ہے۔ اس کو کھائے اور جو سرپرست فقیر اور محتاج ہے تو شریعت کے مطابق جتنی اجازت دی گئی ہے یا جتنا وہ یتیم کے معاملات میں کوشش کرتا ہے۔ اس کی خدمت وغیرہ کرتا ہے اتنا کھا سکتا ہے۔ (یعنی صرف دو وقت کا کھانا)۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ سرپرست کا یتیم کے مال میں حق صرف اس کی خدمت کی وجہ سے ہے اور مذکورہ شرائط پوری کرنے کے بعد جب ان کے مال انہیں دو تو اس وقت گواہ بنالو کہ تم نے مال ان کے سپرد کر دیا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ

واسطے مردوں کے حصہ ہے اس میں جو چھوڑا ان کے ماں باپ اور رشتہ داروں نے اور عورتوں کیلئے بھی حصہ ہے

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ﴿٧﴾

اس میں جو چھوڑا ماں باپ اور قریبیوں نے اس میں جو تھوڑا تھا یا زیادہ حصہ ہے مقرر

(بقیہ آیت نمبر ۶) اور انہوں نے اپنے مال پر قبضہ کر لیا۔ تو اس وقت تم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔

فائدہ: گواہ بنانے کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ تم تہمت سے بچ جاؤ گے اور بعد میں جھگڑا بھی نہیں ہوگا۔ اور امانت کی ادائیگی کا صحیح طریقہ بھی یہی ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حساب لینے والا ہے۔ لہٰذا اے بندگان خدا تم اللہ کے احکام کی مخالفت نہ کرو اور جو حد مقرر کی گئی اس سے تجاوز بھی نہ کرو۔

مسئلہ: یتیم کا حق کھانا گناہ کبیرہ سے ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس کا کسی پر حق ہو خواہ وہ معمولی سے معمولی چیز ہو۔ اسے اس وقت سے پہلے بخشوالو۔ جس وقت نہ درہم ہوں گے نہ دینار اور پھر اس کے نیک اعمال ہی صاحب حق کو دے دیئے جائیں گے۔ اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو صاحب حق کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے۔ (بخاری شریف)

مسئلہ: ظالم پر لازم ہے کہ جلد توبہ کر کے مظلوم سے معافی مانگ لے ورنہ قیامت کے دن خائب و خاسر ہوگا۔

(آیت نمبر ۷) واسطے مردوں کے حصہ ہے۔ ماں باپ کے ترکہ سے۔

شان نزول: (آیت نمبر ۷) جاہلیت کے دور میں عورتوں اور ان کی اولاد کو وراثت میں شریک نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وراثت کا حق دار وہ ہے جو جنگ میں شریک ہو اور گھر کی حفاظت کر سکے۔ اسی ضابطے کے تحت جب اوس بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کی بیوی ام کحہ اور تین بچیاں رہ گئیں جنہیں وراثت سے محروم کر دیا گیا تو ام کحہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی شکایت پیش کی حضور ﷺ اس وقت مسجد میں رونق افروز تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی اس بارے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں آیا جب کوئی حکم آئیگا تو پھر تیرا فیصلہ کر دونگا۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ اتری کہ جو کچھ ماں باپ یا دیگر رشتے دار مرنے کے بعد چھوڑیں اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا حصہ بھی ہے تو آپ نے اوس کے چچا زاد بھائیوں کو بلا کر یہ حکم خداوندی سنایا لیکن اس میں تفصیلات نہیں تھیں کہ کتنا حصہ دیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر پوری تفصیل اگلی آیات میں آئی جس میں بیوی اور بچوں کے تمام حصے واضح کر دیئے گئے۔ اس لئے فرمایا کہ ماں باپ یا قریبی جو مال چھوڑ کر فوت ہوئے۔ اس میں مردوں اور عورتوں سب کا حق ہے۔ مال خواہ زیادہ ہو یا تھوڑا۔ مراد یہ ہے کہ ہر ایک کا حصہ مقرر ہے جو دینا واجب ہے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ

اور جب آ جائیں تقسیم کے وقت رشتے دار اور یتیم اور مسکین تو دو ان کو بھی اس میں سے

وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ

اور کہو ان سے بات اچھی۔ اور چاہئے کہ ڈریں وہ کہ اگر وہ چھوڑتے اپنے پیچھے

ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨

اولاد کمزور تو کتنا خطرہ ہوتا انہیں ان پر تو انہیں بھی چاہئے کہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی

(آیت نمبر۸) اور جب تقسیم ترکہ کے وقت وہ رشتہ دار جن کا حصہ نہیں بنتا وہ بھی حاضر ہوں۔ یا یتیم اور مسکین آ جائیں تو انہیں بھی اس ترکہ سے کچھ دے دو یہ ان پر احسان ہے۔ اور میت کیلئے باعث ثواب ہے۔

مسئلہ: یہ حکم مستحب ہے کہ جب اس میں سے غرباء کو بھی دیا گیا تو ان کا بھی دل خوش ہو جائیگا۔ اور صدقہ سے میت کو بھی ثواب مل جائیگا۔ **مسئلہ**: گویا یہ حکم محض حصول ثواب کیلئے ہے۔ اور ان کو کچھ دیتے وقت اچھی بات کہو یا کوئی دعائیہ جملہ ان کو کہہ دو۔ نہ کہ ان کو جھڑک کر نکال دو۔ **حدیث شریف**: ہر نیکی کی بات صدقہ ہے۔ (ریاض الصالحین)۔ **سبق**: نیک باتیں کرنے کی عادت بنایئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضائع نہیں فرماتا۔ خواہ جس سے نیکی کی وہ اس کے ساتھ برائی کردے۔ **حدیث شریف**: مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: (۱) بیمار کی بیمار پرسی کرنا۔ (۲)۔ مسلمان کے جنازے میں شرکت کرنا۔ (۳) مسلمان کا دل خوش کرنا۔ (۴) حاجت مند کی ضرورت پوری کرنا۔ (۵) میٹھی گفتگو کرنا۔ (۶) کسی کے آگے اس کی اچھی سفارش کرنا۔ (ریاض الصالحین)

(آیت نمبر۹) اور چاہئے کہ ڈریں اس بات سے کہ اگر وہ چھوڑیں۔ موت کے وقت یا اپنے مرنے کے بعد اولاد کمزور یعنی عاجز بچے چھوڑ جائیں۔ کہ نہ ان کے پاس مکان ہو نہ سامان ہو نہ مال و دولت تو ضرور تمہیں ان کے ضائع ہونے کا ڈر ہوگا کہ اب ان کا کیا بنے گا۔ کون ان کا کفیل بنے گا۔ اور کون سرپرست ہوگا۔ ان کی تنگی مال اور عسرت معاش کا خطرہ بھی دامن گیر ہو (یعنی تم جو وراثت پر قبضہ جما کر دوسروں کو محروم کرتے ہو۔ تم یہ سوچو کہ تم مرتے اور تمہاری اولاد پیچھے رہتی۔ ان کو کوئی محروم کرتا تو تم کیا سوچتے) لہٰذا یتیموں کے متعلق بھی تم ایسی ہی بات سوچو۔ جیسے تمہیں اپنی اولاد پیاری ہے۔ ان کے بارے میں بہتری سوچتے ہو۔ اسی طرح دوسروں کی اولاد کے بارے میں بھی اچھی سوچ رکھو اور ان کے ساتھ بھی برتاؤ ایسا ہی کرو۔ جیسا تم اپنی اولاد کے متعلق سوچتے ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ

بے شک وہ جو کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق سوائے اس کے نہیں وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں

نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ع ⑩

آگ اور عنقریب داخل ہونگے بھڑکتی آگ میں

(بقیہ آیت نمبر۹) خلاصہ یہ ہے کہ انہیں کسی قسم کا دکھ اور تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اوران کے ساتھ ہر طرح سے مدد کرو اور ان سے اچھی اچھی باتیں کرو۔ تاکہ ان کا دل خوش ہو جائے۔

سبق: یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے (کہ یتیموں کے ساتھ اچھی اور میٹھی باتیں کرو اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دو)۔ تو پھر جو لوگ یتیموں کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔ وہ سوچ لیں ان کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا۔

عرش بھی کانپ جاتا ہے: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جب کوئی یتیم کو مارے تو عرش بھی کانپ جاتا ہے۔ جب یتیم روئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس یتیم کو کس نے رلایا اور جو یتیم کو خوش رکھے اللہ فرماتا ہے میں اسے قبر میں خوش رکھوں گا۔ (الترغیب والترھیب)

(آیت نمبر۱۰) بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں۔

نوٹ: ظلم کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ بعض حضرات کیلئے ان کا مال کھانا جائز ہے۔ مثلاً حاکم وقت نے ایک سرپرست مقرر کیا۔ اور وہ اس کے تمام کاروبار کو چلاتا ہے۔ تو اسے اس کے مال میں سے کھانے کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے جائز نہیں۔ جو یتیم کا مال بلاوجہ کھائے گا تو سوائے اس کے نہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہا ہے۔ چونکہ وہ شخص جہنم میں جائے گا۔ جہاں اس کا پیٹ آگ سے بھرا جائے گا۔ اور نار سعیر وہ آگ جو سخت جلانے والی ہولناک اور ڈرانے والی اور بھڑکائی ہوئی۔ **حدیث شریف:** یتیم کا مال کھانے والا جب قیامت کے دن اٹھایا جائیگا۔ تو قبر سے نکلتے وقت اس کے منہ اور ناک کان سے دھواں نکل رہا ہوگا۔ جس سے لوگ سمجھ جائیں گے کہ یہ ہے جو دنیا میں یتیموں کا مال کھاتا تھا۔ (تفسیر کشاف)

معراج کی رات: حضور ﷺ نے ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹ کی طرح ایک اوپر ناک سے چمٹا ہوا۔ اور دوسرا پیٹ تک لٹکا ہوا تھا۔ اور فرشتے ان کے منہ میں آگ کے انگار بھر رہے تھے تو جبریل امین نے بتایا کہ یہ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ

حکم دیتا ہے تمہیں اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر اگر ہوں

نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا

عورتیں اوپر دو کے تو ان کیلئے دو تہایاں اس میں جو چھوڑا اور اگر ایک ہے تو اس کیلئے

النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ

آدھا اور ماں باپ کے لئے ہر ایک کو ان میں سے چھٹا حصہ اس سے جو چھوڑا جبکہ ہے اس کی

وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ

اولاد اگر نہیں ہے اس کی اولاد اور وارث اس کے ماں باپ ہیں تو ماں کو ایک تہائی پھر اگر ہیں

كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

اس کے بھائی بھی تو ماں کیلئے چھٹا حصہ بعد وصیت کے جو کر گیا اس کی یا قرضہ ہے

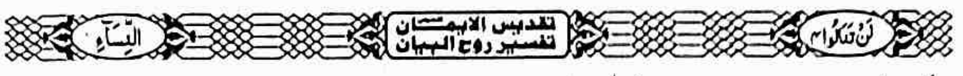
اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً

باپ تمہارے اور بیٹے تمہارے ہیں نہیں تمہیں معلوم کون ان میں زیادہ تمہارے لئے نفع مند ہے حصہ مقرر ہے

مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

اللہ کی طرف سے بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

(آیت نمبر ۱۱) اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم فرماتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ یعنی تقسیم وراثت کے وقت ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دیا جائیگا۔ یعنی جہاں مرد بھی ہوں اور عورتیں بھی ہوں تو مرد کو عورت سے ڈبل دیا جائیگا۔ لیکن اگر کسی مرد کی وارث صرف عورتیں ہوں۔ ان کے ساتھ کوئی مرد یا لڑکا نہ ہو اور ہوں بھی دو سے اوپر تو ان عورتوں کیلئے اس مرد کے ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ہوگا۔ یعنی کل مال کے تین حصے کئے



جائیں گے۔ اس میں دو حصے ان عورتوں کو ملیں گے۔

7/7

نوٹ: دوہوں یا دو سے زیادہ حکم ایک ہی ہے اور اگر میت کی وارث ایک ہی لڑکی ہے اور اس کے ساتھ کوئی بھائی بہن وغیرہ نہیں ہے تو اس ایک لڑکی کو میت کے ترکہ سے نصف ملے گا اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو الگ الگ چھٹا حصہ ملے گا جو بھی میت نے پیچھے چھوڑا۔ اگر ہو میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد نرینہ ہو۔

مسئلہ: اگر میت کی اولاد میں نرینہ اولاد نہ ہو بلکہ لڑکیاں ہی ہوں تو باپ اپنا چھٹا حصہ لے گا بوجہ ذی الفروض ہونے کے اور تقسیم کے بعد بچے ہوئے مال کا بھی وہ مالک ہوگا بوجہ عصبہ ہونے کے۔

نوٹ: ذوالفروض وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے شریعت میں مقرر ہیں اسی آیت کے تحت اور عصبہ وہ وارث ہیں جو ذوی الفروض کی موجودگی میں میت کے بچے ہوئے مال کے حق دار ہوں اور ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں سارے مال کے حقدار بنیں۔ پھر اگر میت کی اولاد نہ ہو۔ اور نہ اس کے پوتے ہوں اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہوں تو اس کے ترکہ میں سے ایک تہائی اس کی ماں کو ملے گا اور باقی سارا باپ کو ملے گا۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب میت مرد ہے اور اگر میت عورت ہے اور اس کا خاوند نہ ہو باقی ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو ان کا حصہ نکال کر پھر ماں کو باقی مال میں سے ایک تہائی ملے گا نہ کہ کل مال میں سے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ پھر اگر میت کے وارث صرف بھائی ہی ہوں دو یا تین یا زیادہ، حقیقی ہوں یا مادری ہوں یا پدری فقط بھائی ہی ہوں یا بہنیں یا بھائی بھی اور بہنیں بھی ہوں۔ وہ ترکہ کے حق دار ہوں یا باپ کے پہلے فوت ہو جانے کی وجہ سے محروم ہو چکے ہوں۔ بہر حال اس مال میں ان کا حصہ چھٹا ہی ہے۔ **نوٹ**: اس کے بعد جو بچا ہے وہ سارا باپ کا ہے۔

مسئلہ: البتہ اگر باپ نہ ہو تو پھر بھائی حق دار ہیں یہی جمہور کا مذہب ہے اور یہ تقسیم میراث میت کا قرضہ دینے اور وصیت پوری کرنے کے بعد ہے۔ اگر اس نے کوئی وصیت کی ہے۔ جیسے پہلے گذر چکا۔ یعنی جتنے حصے پیچھے بیان ہوئے۔ ان میں پہلے دیکھا جائے گا۔ کہ اگر میت نے مرتے وقت کوئی وصیت کی تھی۔ تو میت کے تیسرے حصے مال سے وہ پوری کرنے کے بعد باقی حصے تقسیم ہوں گے۔

جلد-2

نکتہ: وصیت کو "یوصیٰ بہا" کے ساتھ اس لئے موصوف کیا کہ مرنے والا وصیت کر سکتا ہے اور یا میت کے ذمہ اگر قرض ہے۔ میت نے اس قرضے کا خود اقرار کیا تھا۔ یا اس قرضے کا کسی نے دعویٰ کیا اور اس پر گواہ گذر گئے

ہوں۔ بہرصورت میت کی وصیت ہو۔ یا اس کا کسی سے لین دین کا قرضہ دونوں کی ادائیگی واجب ہے۔اوران دونوں کا تقسیم وراثت سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے۔ آگے فرمایا کہ تمہاری اولاد یاباپ دادایا دیگر وارث ہیں۔لیکن تمہیں تو معلوم نہیں کہ کون تمہارے لئے زیادہ مفید ہے۔مثلاً ایک وہ ہیں کہ میت کے مال سے جو حصہ ملا اس میں سے کچھ صدقہ کردیا۔اس لحاظ سے اس نے تمہیں آخرت کے ثواب کا مستحق بنادیا۔ یہ تمہیں نفع دیا اور دوسرا وہ ہے کہ اس نے وراثت کو خود ہی ہڑپ کرلیا کوئی صدقہ نہیں کیا۔ کہ اس وجہ سے کوئی فائدہ میت کو پہنچتا کیونکہ صدقہ نہ دے تو ثواب نہیں ہے۔اگر انصاف سے دیکھا جائے تو زیادہ مفید وہ شخص ہے کہ جس نے مال صدقہ کر کے ثواب میت کو پہنچایا اور تمہیں اس کی وصیت کو جاری کرنے کا ثواب نصیب ہوگیا۔ پھر اس ثواب کے حصول سے نفع بھی بے حد ملے گا۔اور دوسرا اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان اتنی زیادہ مدت بھی نہیں گذری۔یعنی دنیا میں اتنا زیادہ رہنے کا موقع بھی نصیب نہیں ہوتا اور ثواب دونوں کو مل جاتا ہے۔ دنیوی فائدہ جو مال سے حاصل ہوا۔ وہ تو چند روزہ ہے۔ جو بہت جلد ختم ہونے والا ہے۔ بلکہ کچھ ہی دنوں میں وہ ختم ہوجائے گا۔لیکن جو اخروی فائدہ ہے وہ تو کبھی بھی ختم ہونے والانہیں ہے۔لہذا میت کے حق میں نفع مند وہی ہوتا ہے۔جو اس کے لئے صدقہ جاریہ کر کے اسے ثواب پہنچاتا ہے۔

اب آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ فریضہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔یعنی یہ تقسیم وراثت کے تمام مسائل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔لہذا یہ فرض ہیں۔بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی مصلحتوں کو جانتا ہے۔اور بڑی حکمتوں والا ہے جو بھی وہ فیصلہ فرمائے اور جس طرح کی تدبیر بیان فرمائے۔وہ اس کی حکمت بالغہ کے تحت ہے۔

سبق: بندے کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند رہے۔جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کا پابند رہتا ہے اور اس کے تمام احکام اور فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے وہی دونوں جہانوں میں کامیاب ہے۔اور یہ بھی اسے یقین ہے کہ وہ اپنی شان کریمی اور حکمت کی مصلحت کے تحت ہر ایک شیء کو اس کے مناسب مقام پر رکھتا ہے۔لہذا بندوں پر لازم ہے کہ وہ بھی عدل وانصاف سے کام لیں اور قریبیوں کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔اوران کے حقوق کو صحیح طور پر ادا کریں اور وراثت کے مال کو جس طرح کہا گیا ہے۔اسی طرح تقسیم کیا جائے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ

اور تمہارے لئے آدھا ہے جو چھوڑا تمہاری بیویوں نے اگر نہیں ہے ان کی اولاد پس اگر ہے ان کی

وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

اولاد تو تمہارے لئے چوتھائی اس سے جو چھوڑا انہوں نے بعد وصیت کے جو وہ کر گئیں یا قرضہ ہے

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ

اور ان کے لئے چوتھا اس سے جو چھوڑا تم نے اگر نہیں ہے تمہاری اولاد اگر ہے تمہاری اولاد

فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ

تو پھر ان کا آٹھواں حصہ ہے اس سے جو تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم کرتے ہو یا قرضہ نکال کر اور اگر ہے

رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

مرد وراثت والا جس کا ولد والد نہ ہو یا ایسی عورت ہو اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کیلئے ان سے

السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

چھٹا حصہ پس اگر ہیں زیادہ اس سے تو وہ سب شریک ہوں گے تہائی میں بعد وصیت کے

يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

جو کی گئی میت کی طرف سے یا قرضہ نکال کر بغیر نقصان دیئے حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم والا بردبار

(آیت نمبر ۱۲) اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے نصف حصہ ہے۔ یعنی ان کے مرنے کے بعد ان کے ترکہ میں آدھا تمہارا ہے۔ بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔ یعنی ان کی صلبی اولاد یا پوتے یا اس سے نیچے تک۔ نر یا مادہ کوئی بھی نہ ہو یعنی اس عورت (تمہاری بیوی) کے پیٹ سے کوئی نہ ہو۔

مسئلہ: آدھا مال خاوند کو ملنے کے بعد بقایا آدھا مال اس کے دیگر رشتہ داروں کو ملے گا۔ خواہ اس کے ذوی

الفروض سے ہوں یا عصبہ میں سے اگر کوئی بھی وارث نہیں ہے تو پھر یہ مال بیت المال میں جمع ہو جائے گا۔لیکن تمہاری مرنے والی بیوی کی اگر اولاد ہو جیسے تفصیل گذر گئی۔تو پھر اے خاوندو۔ان کے ترکہ میں سے تمہیں چوتھا حصہ ملے گا۔ بقایا دوسرے وارثوں کو۔لیکن یہ بھی ان کی وصیت (جو انہوں نے مرتے وقت کی اس) کو پورا کرنے یا ان پر قرضہ ہے۔تو وہ ادا کرنے کے بعد۔خواہ وہ قرضہ ان کے اقرار سے ہے یا گواہوں کی گواہی سے۔

اور اگر تم مرے اور تم نے مرتے وقت کچھ مال چھوڑا۔تو تمہاری بیویوں کو اس میں سے چوتھا حصہ ملیگا۔بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو۔نہ اس سے نہ کسی اور بیوی سے۔اور اگر تمہاری اولاد میں کوئی ہوا خواہ مذکر یا مونث۔تو پھر تمہاری بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔باقی ترکہ دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔

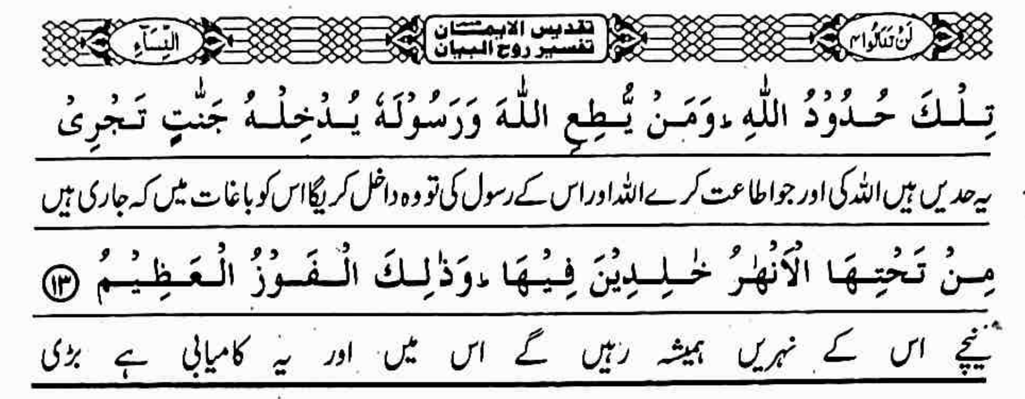
یہ بھی وصیت کے بعد جو تم نے مرتے وقت وصیت کی تھی۔یا بعد ادائیگی قرض کے یعنی تقسیم وراثت سے پہلے وصیت کو پورا کیا جائے گا اور قرضہ ہے تو وہ پہلے ادا کیا جائے گا۔اس کے بعد جائیداد یا ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔

مسئلہ: وراثت تقسیم اس وقت ہوگی۔جب کوئی تقسیم وراثت میں باعث رکاوٹ کوئی چیز نہ ہو۔چار چیزیں وراثت کو تقسیم ہونے سے روک سکتی ہیں۔۱۔قتل۔۲۔اختلاف مذہب۔۳۔غلام ہونا۔۴۔اور دار السلام اور دار کفر کا فرق۔

آگے فرمایا کہ مرنے والا کلالہ ہے۔کلالہ اسے کہا جاتا ہے جس کی نہ اولاد ہو۔نہ اس کا والد زندہ ہو۔الکلالہ عرب میں اسے کہتے ہیں جس کے بولنے میں نقص ہو یعنی صاف نہ بول سکتا ہو اور بطور استعارہ کے اس شخص پر بولا جاتا ہے۔جس کی نہ اولاد ہو نہ باپ زندہ موجود ہو۔مناسبت اس میں یہ ہے کہ وہ قرابت کے لحاظ سے دونوں جانب سے ناقص ہے تو کلالہ مرد یا عورت کے بھائی یا بہن میں سے کوئی زندہ موجود ہو۔وہ بہن یا بھائی مادری ہوں۔یہ مسئلہ اجماعی ہے۔تو اس بہن بھائی کو جو موجود ہوں ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔(اگر وہ مادری لحاظ سے بہن بھائی نہیں ہیں۔تو اس کے متعلق اس سورۃ کے آخر میں تفصیلی بیان آرہا ہے)

مسئلہ: اس صورت میں دونوں برابر ہیں۔یہاں مرد کو عورت پر فضیلت نہیں ہے یعنی وہ بہن اور بھائی چھٹے حصے میں برابر کے شریک ہیں۔اس لئے کہ یہاں میت کی طرف قرابت کی نسبت عورت یعنی ماں کی وجہ سے ہے اور اگر وہ مادری اولاد اس سے زیادہ ہو۔یعنی ایک بھائی یا ایک بہن سے زیادہ ہوں۔

تو وہ سب کے سب تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔اس تہائی مال کو آپس میں برابر برابر تقسیم کرلیں۔ اس کے بعد باقی ترکہ ذوالفروض اور عصبات کو ملے گا۔لیکن یہ بھی وصیت کے بعد جو مرتے وقت وصیت کی گئی۔ یا ادائیگی قرض کے بعد اور اس میں کسی کو نقصان نہ دیا جائے۔یعنی مرنے والا اس بات کی وصیت کرکے مرجائے۔یا اس نے جو بھی کسی کا قرضہ دینا ہو۔ان تمام صورتوں میں ورثاء کو کسی قسم کا نقصان نہ دیا جائے۔

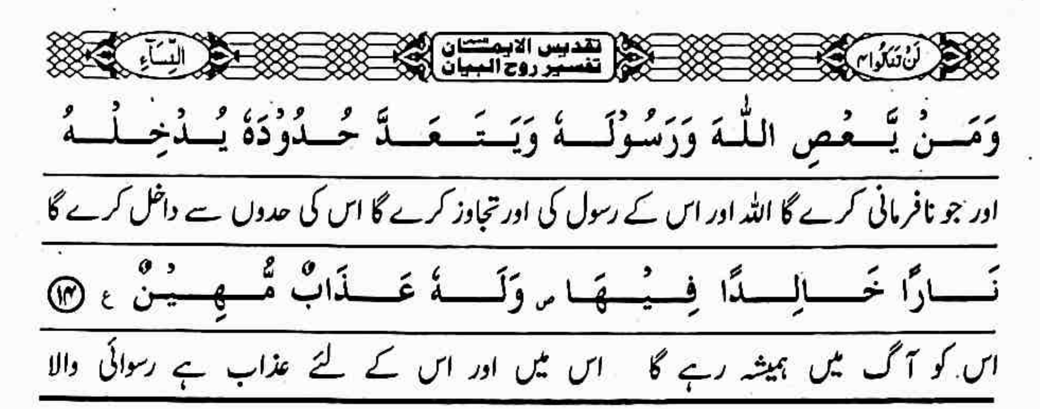


(بقیہ آیت نمبر۱۳) مثلاً وصیت تہائی سے زیادہ وصول کی جائے۔ یا وارثوں کو نقصان دینے کیلئے اپنی طرف سے وصیت تیار کر لی جائے۔ یا میت خواہ مخواہ وصیت کر کے مرے تا کہ وارثوں کو جائیداد میں نقصان ہو۔ یا کسی جعلی قرضہ کا اقرار کر کے مرے۔ ان میں سے کوئی بات نہ ہو۔ اس بات کی اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت فرماتا ہے۔ اور اس حکم الٰہی میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ میراث کو کاٹتا ہے۔ یعنی ورثہ کا حصہ کم کر لے۔ تو قیامت کے دن اللہ بہشت میں اس کا اتنا حصہ کم کر دے گا۔ (ابن ماجہ) اور اللہ تعالیٰ نقصان دینے اور نہ دینے والوں کو جانتا ہے۔ اور بڑے حوصلے والا ہے کہ کسی کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

(آیت نمبر۱۴) یہ احکام جو یتیموں کے متعلق بیان ہوئے اور وراثت اور وصیتوں کے متعلق ذکر کئے گئے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ شریعت کی حدیں ہیں۔ ان سے تجاوز کرنا بالکل ناجائز ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے ان تمام حکموں اور مناہی میں جو پیچھے بیان ہوئے وہ اطاعت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغات میں داخل فرمائیں گے جن میں نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ **فائدہ** :ان دونوں آیات میں نظام وراثت کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اور اس پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی۔ اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کی توفیق بخشے۔

نوٹ: اطاعت الٰہی دنیوی اور اخروی فوائد حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اطاعت کا سبق حاصل کرنے کیلئے اصحاب کہف کے کتے کا قصہ ہی کافی ہے کہ ان اولیاء اللہ نے اطاعت الٰہی کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک کتے کو ان کی خدمت پر مامور کر دیا اور کتا ان کی صحبت پانے کی وجہ سے جنت کا حقدار بن گیا۔ یعنی ان اولیاء کرام کے ساتھ انسانی لباس کے ساتھ جنت میں جائے گا۔ تو پھر جو انسان ہو کر اولیاء کرام کی اطاعت بجالائے تو ان کی کیا شان ہوگی۔



(بقیہ آیت نمبر ۱۳) **اطاعت کا صلہ:** حضرت حاتم اصم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں مالک و مولیٰ کی اطاعت بجالانی چاہئے۔ پھر دیکھئے دنیا تمہارے کیسے قدم چومے گی اور جنت تمہاری طالب ہوگی۔ حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات میں ہے کہ جو شخص تین چیزوں کے بغیر تین قسم کے دعوے کرتا ہے وہ جھوٹا ہے:

۱۔ جو جنت کا طالب ہو اور اللہ کی راہ میں مال نہیں لٹاتا وہ بھی جھوٹا ہے۔

۲۔ اور جو نبی کریم ﷺ کی محبت کا دم بھرتا ہے لیکن آپ کی اطاعت نہیں کرتا وہ بھی جھوٹا ہے۔

۳۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرتا ہے لیکن حرام سے نہیں بچتا وہ بھی جھوٹا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں جتنا بڑھتا جاتا ہے۔ اتنا ہی اسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے کس عمل کے ذریعے اطاعت الٰہی پر توفیق دیئے جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب ان کے دلوں سے دنیا کی محبت نکل جائے۔ تو پھر توفیق ملتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوا تو ان کا ایک سجدہ بھی قبول نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۴) جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے خواہ کچھ احکام اور مناہی میں اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل فرمائے گا۔ جو آگ کا بہت بڑا عذاب ہے۔ جس کا کوئی اندازا نہیں لگا سکتا۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس کیلئے انتہائی رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ یعنی اس جلانے والے جسمانی عذاب کے علاوہ بھی کئی قسم کا اور بھی عذاب ہوگا۔ جس کی حقیقت کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ جیسا کہ لفظ ''مھین'' سے معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نافرمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین

نکتہ :جنتیوں کیلئے جمع کا صیغہ ''خالدین فیہا'' اور اہل نار کیلئے واحد کا صیغہ ''خالدا فیہا'' میں یہ اشارہ ہے کہ جہنم کے ایک ہی عذاب میں کئی دکھ ہوں گے۔ اس کا اندازا لگالیں ایک عذاب کا یہ حال ہے تو باقی کا کیا حال ہوگا۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً

اور وہ جو کریں بدکاری تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ بنالو ان پر چار مرد

مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ

اپنوں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کردو ان کو گھروں میں یہاں تک کہ مر جائیں

اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾

یا نکالے اللہ ان کیلئے کوئی راہ

(آیت نمبر۱۵) وہ عورتیں جو بہت بڑا قبیح فعل یعنی زنا کرتی ہیں تمہاری عورتوں میں سے۔ تو تم ان پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔ یعنی ان کے اس فعل بد پر گواہی دینے کے لئے کم از کم چار مسلمان آزاد مرد گواہ ہوں۔ جب وہ چار مردان پر زنا کی گواہی دے دیں۔ تو پھر ان عورتوں کو اپنے گھروں میں مقید کر کے بند کردو۔ یہاں تک کہ انہیں موت آجائے اور وہ اسی قید میں مرجائیں۔ اس سنگین سزا کا نفاذ یک دم نہیں کیا۔ بلکہ دو تین مرحلوں میں اس کو نافذ فرمایا۔

نکتہ: اس جملہ میں موت سے ڈرانا مقصود ہے۔ وہ ایک سخت معاملہ ہے۔ (جس کا صحیح اندازہ تو مرتے وقت ہی ہوگا)۔ فرمایا کہ یا اللہ تعالیٰ ان کیلئے کوئی اور راستہ نکال دے کہ وہ اس گھر والی قید سے نکل جائیں کہ انہیں نکاح کی اجازت ہوجائے۔ اس لئے کہ نکاح سے زنا کی عادت ختم ہوسکتی ہے۔ اور وہ دونوں جب یہ زنا کا کرتوت کریں۔ اور جرم ثابت ہوجائے۔ (چونکہ اس جرم کا تعلق بھی عزت وآبرو سے ہے)۔ اس لئے اس کے ثابت کرنے کے لئے دو گواہوں سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ چار گواہ ہوں۔ اور مسلمان ہوں۔ مرد ہوں۔ عاقل بالغ ہوں اور آزاد ہوں۔ اور وہ چار گواہ بھی اپنی آنکھوں سے زنا ہوتے ہوئے دیکھیں۔ اگر ایک بھی ان میں سے کہہ دے کہ میں نے دیکھا نہیں سنا ہے تو تینوں کی گواہی غیر معتبر ہوگی۔

نوٹ: حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے غیر شادی شدہ مرد وعورت مراد ہیں۔ جیسا کہ ان کی سزا سے معلوم ہورہا ہے کہ ان کی سزا مذکورہ سزا سے کم ہے کہ جسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قید رکھنے کا حکم ہے۔



وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ

اور جو کریں یہ (برا کام) تم سے تو ان کو ایذاء پہنچاؤ پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور نیک ہو جائیں تو چھوڑ دو پیچھا ان کا

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

بے شک اللہ ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان

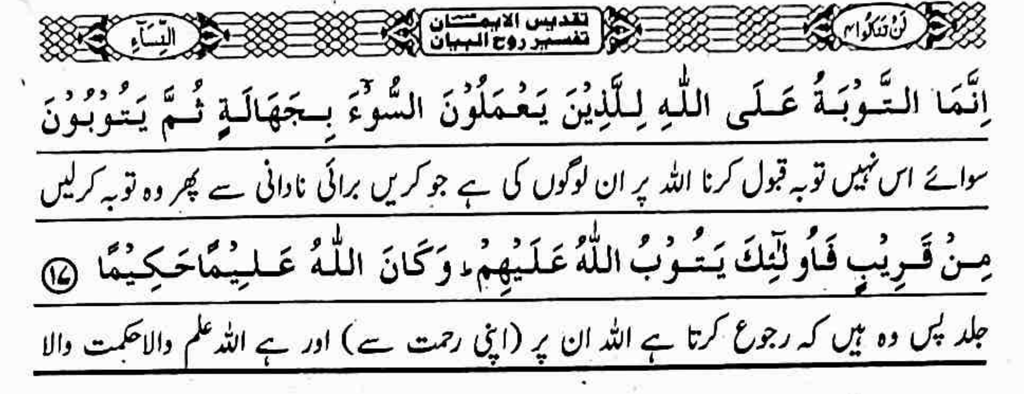
(آیت نمبر ۱۶) اور وہ دونوں جب یہ برا کام کریں۔ تو انہیں تکلیف دو۔ یعنی انہیں خوب ذلیل و رسوا کرو۔ انہیں شرم عار دلاؤ۔ (یہ زنا کی سزا کے احکام میں پہلا حکم تھا۔)

اگر وہ اپنے کئے پر توبہ کرلیں یا تمہاری زجر توبیخ سے وہ نادم ہو کر آئندہ کیلئے ایسا فعل نہ کرنے کا اعتماد دلا دیں اور اپنا غلط رویہ تبدیل کر کے نیک ہو جائیں۔ تو تم ان سے اعراض کرو یعنی درگذر کرو اور اب انہیں مزید کوئی اذیت وغیرہ نہ پہنچاؤ کہ اب توبہ کے بعد ملامت کے مستحق نہیں رہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ توبہ والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے (ابن ماجہ)۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ **مسئلہ:** زانی مرد و عورت اگر شادی شدہ ہیں تو سزا سنگسار کرنا ہے اور اگر غیر شادی شدہ ہیں تو دونوں کو سو سو کوڑے مارنے ہیں اور اگر ایک شادی شدہ اور دوسرا کنوارا ہے تو شادی شدہ کو سنگسار اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے کی سزا دینی ہوگی۔ **نوٹ:** مذکورہ دونوں آیات میں تکرار نہیں بلکہ الگ الگ گناہوں کی سزا ہے۔

ف: پہلے صرف ایذا دینے کا حکم ہوا۔ پھر دائمی قید کے حکم سے ایذاء کا حکم منسوخ ہو گیا۔ پھر عبادہ بن صامت والی حدیث سے دائمی قید والا حکم منسوخ ہو گیا۔ پھر قرآن میں زانی مرد و عورت کو اگر غیر شادی شدہ ہیں تو دونوں کو سو سو کوڑے مارنے کا حکم آ گیا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ غیر شادی شدہ زنا کریں۔ تو ان کو سو سو کوڑے مارو اگر وقت حاکم دیکھتا ہے کہ یہ پھر ایسا کر سکتے ہیں تو ایک سال تک شہر بدر کر دے اور اگر شادی شدہ زنا کریں تو انہیں سنگسار کرو۔ (مسلم شریف کتاب الحدود)

سبق: اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ اس برائی سے توبہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس برائی سے روکیں۔ ورنہ زنا کی برائی سے طاعون کی وباء آ سکتی ہے۔ جس میں پورا علاقہ مبتلا ہو جاتا ہے۔ یا فقر و فاقہ انہیں گھیر لیتا ہے۔



(آیت نمبر ۱۷) سوائے اس کے نہیں بندوں کی توبہ کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہے کہ وہ توبہ قبول فرمالیتا ہے۔لیکن ان لوگوں کی جو برا عمل کرتے ہیں۔خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ جہالت سے یا بے وقوفی سے کرتے ہیں کیونکہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔وہ جاہل بے وقوف ہے یعنی گناہ کرتے وقت غفلت اور لاپرواہی اور انجام سے بے فکری کر جاتا ہے۔پھر وہ جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔یعنی موت سے پہلے پہلے یا سکرات موت طاری ہونے سے پہلے زندگی کے جس لمحہ میں توبہ کرے گا۔اس کی توبہ قبول ہوگی تو ان ہی لوگوں کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔اوران توبہ کرنے والوں کو سزا نہیں دیتا۔اس لئے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ مرنے سے پہلے اپنی تمام غلطیوں سے توبہ استغفار کرے بلکہ روزانہ کثرت سے توبہ کرتا رہے۔اور مرنے سے پہلے ہی اپنے مالک کو راضی کرنے کی جدوجہد کرے۔

نوٹ: توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔جب تک کہ روح نکالنے والا فرشتہ نظر نہیں آتا جب موت کا فرشتہ نظر آجائے۔وہی وقت سکرات موت کا ہے۔جب یہ حالت ہو پھر توبہ قبول نہیں ہوتی۔اس سے پہلے جو توبہ کرلے۔قبول ہو جاتی ہے۔

توبہ کی شرطیں: ۱۔دل سے نادم ہونا۔۲۔فی الفور گناہ سے باز آجانا۔۳۔پھر اس گناہ کے قریب بھی نہ جانے کا پکا ارادہ کرنا۔۴۔دل کے ساتھ اللہ سے شرم وحیا اور اس کا خوف رکھنا۔۵۔اور اپنی اصلاح کر لینا۔یعنی اس کے بعد نیک کاموں میں لگ جانا۔

اللہ کا کرم: مروی ہے کہ بسا اوقات فرشتے بندے کی بداعمالیاں لے کر آسمانوں پر جاتے ہیں۔لوح محفوظ پر جا کر دیکھتے ہیں کہ وہاں اس کی جگہ اس کی نیکیاں لکھی ہوتی ہیں تو فرشتے سجدے میں گر کر کہتے ہیں۔ہم نے تو وہی لکھا تھا جو اس نے کیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔تم بھی ٹھیک کہتے ہو لیکن میرا بندہ اپنے گناہوں پر پشیمان ہوا اور اس کے آنسوؤں نے سفارش کی تو میں نے اسے بخش دیا۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ

اور نہیں توبہ (قبول) ان کی جو کرتے رہتے ہیں برائیاں یہاں تک کہ جب آئے

اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ

کسی کو ان میں موت تو پھر کہتا ہے بے شک میں نے توبہ کی اب اور نہ ان کی جو مر جائیں بحالت

كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

کفر وہ ہیں کہ تیار کیا ہم نے ان کے لئے عذاب دردناک

(آیت نمبر ۱۸) ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہے جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت انہیں گھیر لے یعنی نزع کے وقت اور عزرائیل علیہ السلام کو دیکھ کر توبہ کرتا ہے۔ تو پھر اس کی توبہ قبول نہیں۔

مسئلہ: عزرائیل علیہ السلام کے نظر آنے سے پہلے خواہ موت کے آثار نظر آجائیں۔ اس وقت توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن جب فرشتہ نظر آجائے۔ اس وقت کہے میں اب توبہ کرتا ہوں۔ تو اس حالت کی توبہ قبول نہیں اس لئے کہ اب اس کی اضطراری توبہ ہے۔ اختیاری نہیں ہے۔ اور فرمایا کہ ان لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں کہ جو برائیاں کرتے رہیں اور کفر پر ہی ان کو موت آئے۔ یا عذاب آخرت کو دیکھ کر قیامت کے دن توبہ کرے۔ تو اس کی توبہ بھی قبول نہیں۔ ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جو ہمیشہ ہمیشہ تکلیف میں اضافہ ہی کرتا رہے گا۔

فائدہ: جس نے ساری زندگی گناہوں میں گذاری۔ زندگی میں کبھی توبہ کی توفیق نہ ملی۔ اب جب موت نے آگھیرا اور فرشتہ نظر آگیا۔ تو پھر کافر کی اور اس کی کیفیت تو برابر ہوگئی۔ لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ صبح و شام اپنے گناہوں سے توبہ کرتا رہے جب بھی گناہ ہو جائے توبہ کرنے میں دیر نہ کرے۔

دانائی کی بات:

ابوبکر واسطی فرماتے ہیں: تین کاموں میں ہرگز دیر نہیں کرنی چاہئے: ۱۔ نماز کا جب وقت ہو جائے تو جلدی نماز ادا کرے۔ ۲۔ میت کو دفن کرنے میں یعنی کوئی عذر نہ ہو۔ تو جلد غسل و کفن کر کے نماز جنازہ ادا کی جائے۔ جنازہ و دعا کے بعد جلد دفن کر دیا جائے۔ ۳۔ گناہ کے بعد توبہ کرنے میں۔ ۴۔ اور ایک بزرگ نے فرمایا کہ بچی جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرنے میں بھی دیر نہیں کرنی چاہئے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ

اے ایمان والو نہیں حلال تمہیں یہ کہ تم بن جاؤ وارث عورتوں کے زبردستی

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ

اور نہ روکو ان کو کہ تم لے لو کچھ اس میں جو مہر تم نے دیا ان کو مگر یہ کہ کریں

بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

بے حیائی کا کام کھلے طور پر اور برتاؤ کرو ان سے اچھا پھر اگر ناپسند سمجھو تم ان کو

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾

تو ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند سمجھو ایک چیز اور رکھی ہو اللہ نے اس میں بھلائی بہت

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) **حضور ﷺ کے طفیل ذلت سے بچ گئے:** پہلی امتوں میں جب گناہ ہوجاتا ہے تو گناہ گار کے دروازے پر لکھ دیا جاتا تھا کہ اس سے فلاں گناہ ہوا۔ یا بعض قوموں میں گناہ ماتھے پر لکھا جاتا تھا یہ تو صدقہ ہے کملی والے کا امت پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے صدقے گناہ گار کو رسوا نہیں کیا۔ بلکہ جوں ہی توبہ کرتا ہے اللہ پاک اس کی توبہ جلد قبول فرمالیتا ہے۔ اس کے دروازے پر لکھ کر اسے ذلیل نہیں کیا جاتا۔ نہ اس کے ماتھے پر گناہ لکھا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ قیامت کے دن بھی کرم ہوگا کہ بندہ دو کریموں کے درمیان ہوگا۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کو قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا۔ اور ان کی عزت افزائی یوں ہوگی کہ ان کے آگے پیچھے نور ہی نور ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۹) اے ایمان والو تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی۔

شانِ نزول: جاہلیت کے دور میں کوئی قریبی رشتہ دار فوت ہوجاتا تو جو اپنا کپڑا اس میت کی عورت کے سر پر یا ان کے خیمہ پر ڈال کر کہتا کہ اب میں اس کا وارث ہوں۔ مال کی طرح وہ عورت بھی اس کے ورثے میں آجاتی۔ پھر اس کی مرضی ہوتی کہ اسے ذلیل بنا کر گھر میں رکھے۔ یا وہ عورت چند ٹکے دے کر جان چھڑاتی۔ تاکہ وہ وراثت کا مطالبہ ہی نہ کرے البتہ اگر کپڑا ڈالنے سے پہلے ہی گھر سے نکل جاتی۔ تو پھر وہ اپنی جان کی خود مالک ہوتی۔ تو

اس بری رسم کوختم کرنے کیلئے فرمایا کہ تم عورتوں کو وراثت کا مال سمجھ کران پر قبضہ نہ کرو۔یعنی جن کے خاوند فوت ہو گئے انہیں تنگ مت کرو۔اور نہ روکوان کو کہ تم ان سے کچھ مال چھین لو جو تم نے انہیں حق مہر وغیرہ دیا ہے وہ واپس لے لو۔ ہاں اگر وہ کسی واضح برائی کا ارتکاب کریں۔اور اس برائی پر گواہ ہوں۔

یعنی خاوند کی نافرمانی کرے لوگوں سے بد خلقی یا خاوند کے گھر والوں کو تکلیف دے یا ان سے بدکلامی کرے۔تو پھر نکالنے میں کوئی حرج نہیں۔یاد رہے فاحشہ عورت کو زنا کی علت وغیرہ کی وجہ سے تنگ کرنا یا گھر سے نکالنا جائز ہے۔ غلط رویے کی وجہ سے گھر سے نکل گئی۔پھر تو ٹھیک ہے اور اگر رویہ درست کرلیا ہو۔تو پھر تم ان کے ساتھ اچھی طرح زندگی گذارو۔آگے خطاب ان خاوندوں سے ہے۔جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھی زندگی نہیں گذارتے۔انہیں کہا گیا ہے کہ انہیں خرچ دو۔اور اچھے لہجے میں ان سے گفتگو کرو اور اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو۔یعنی ان کے ساتھ گذارا نہیں کر سکتے کہ تم طبعاً ان سے کراہت کرتے ہو۔محض اپنی طبعی کراہت سے انہیں جدا نہ کرو۔ہوسکتا ہے کہ جس چیز سے تم کراہت کرتے ہو۔اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لئے کوئی بڑی بھلائی رکھی ہو۔یعنی ہوسکتا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ تمہیں اچھی اولاد دے جس کی وجہ سے تمہاری نیک نامی ہو۔اس لئے تم کراہت طبعی کے باوجود ان سے صبر کے ساتھ گزارا کرو۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس سے تم نفرت کررہے ہو۔اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر وبرکت رکھی ہو اور یہ کئی بار تجربہ ہوا ہے۔کہ انسان ایک چیز سے کراہت کرتا ہے۔حالانکہ اس شیء میں کئی بھلائیاں ہوتی ہیں۔جن میں اس کیلئے خیر ہی خیر ہوتی ہے۔لیکن اگر مرد غیرت مند ہے اور عورت بے غیرت ہے۔اس وجہ سے نفرت کرتا ہے تو پھر اسے جدا کرنا واجب ہے۔اس لئے کہ مرد کا غیور ہونا تو اخلاق الٰہیہ میں سے ہے۔

حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا۔تمہیں سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت پر تعجب ہوتا ہے۔میں تو ان سے بھی زیادہ غیرت مند ہوں۔اور اللہ تعالیٰ تو مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے۔(بخاری ومسلم)

نکتہ:اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بندوں پر ظاہری وباطنی فواحش کو حرام فرمایا۔

فائدہ :جان لو۔عورتوں کا معاملہ مردوں کے معاملے سے زیادہ مشکل ہے۔اس لئے کہ وہ دینی اعتبار سے بھی کم درجہ میں ہیں (کہ ہر ماہ میں ان کی نمازیں کم ہوجاتی ہیں) عقل کے لحاظ سے بھی وہ کمزور ہیں اسی وجہ سے مرد کے مقابلے اس کی گواہی آدھی رکھی۔اور ان میں اخلاقی کمزوری بھی پائی جاتی ہے۔لہذا جو ان سے اچھی زندگی گذارے اور ان کی خطاؤں پر صبر کرے اسے مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ثواب ملتا ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

اور اگر تمہارا ارادہ ہو بدلنے کا ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی اور دے چکے تم ان میں کسی کو ڈھیروں مال تو نہ

تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ

لو تم اس مال سے کچھ کیا تم (اپنے سر) لوگے جھوٹ باندھا اور گناہ کھلا اور کیسے

تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

واپس لوگے اسے حالانکہ تحقیق بے پردہ ہو چکے ایک طرف دوسرے کے اور لے چکے تم آپس میں معاہدہ پکا

(آیت نمبر ۲۰) اور اگر تم عورت کو تبدیل کرنے کا ارادہ کرو۔ یعنی دوسری عورت سے نکاح کرنے کا پروگرام ہو۔ پہلی بیوی کو طلاق دے کر فارغ کرنا چاہتے ہو۔ اگرچہ تم نے اس کو بہت سارا مال دیا تھا۔ تو اب تم اس مال میں سے کچھ بھی یعنی معمولی چیز بھی نہیں لے سکتے۔ کیا تم وہ معمولی چیز لیکر اپنے سر بہتان لینا چاہتے ہو۔ یا اس پر بہتان لگا کر اپنے سر پر ظلم لینا چاہتے ہو۔

شان نزول : دور جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ پہلی عورت پر بہتان لگا کر اتنا تنگ کرتے کہ وہ بیچاری تنگ ہو کر اپنا حق مہر بھی انہیں دے کر کے طلاق لے لیتی۔ پھر جس عورت سے رغبت ہوتی اس سے نکاح کر لیتے تو اللہ تعالیٰ نے اس بری خصلت سے بھی منع فرمادیا کہ یہ بہتان تراشی بہت بڑا ظلم ہے اور گناہ بھی واضح ہے اور تم ان سے حق مہر کیسے لے سکتے ہو۔ حالانکہ تحقیق تم ایک دوسرے کے ساتھ خلوت کر چکے ہو۔ جسکی وجہ سے حق مہر پورا دینا تم اپنے اوپر لازم کر چکے ہو اور وہ بیویاں تم سے بہت سخت اور پختہ وعدہ لے چکی ہیں۔ وعدہ۔ ا۔ حق صحبت۔ ۲۔ مل جل کر زندگی گذارنا۔ ۳۔ نیک سلوک سے پیش آنا۔ یہ وعدہ تو تم ان سے کر چکے ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ کہ تم سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ پختہ لے لیا کہ اگر تم نے بیوی کو رکھنا ہے تو اچھے طریقے سے اور اگر تم نے انہیں رخصت کرنا ہے تو بھی اچھے طریقے سے۔ **سبق**: ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ حقوق العباد میں انصاف رکھے۔ خاص کر رشتہ داروں اور بالخصوص بیویوں کے حقوق کا بہت خیال رکھے۔ اس لئے کہ قیامت کے دن اس کی جواب دہی کرنا ہوگی۔

مسئلہ: مرد پر ضروری ہے کہ نکاح کے بعد حق مہر جلد ادا کر دے۔ البتہ اگر عورت خود مہلت دے تو پھر حرج نہیں۔ (سبحان اللہ جن عورتوں کو جاہلیت میں ہر قسم کی خیر سے محروم رکھا جاتا تھا۔ انہیں اسلام نے کتنی بڑی عزت دی دنیا کے کسی قانون نے عورت کو نہ اتنی عزت دی۔ نہ اتنے حقوق دلوائے۔ جتنے اسلام نے انہیں حقوق دلوائے۔)

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ

اور نہ تم نکاح کرو جس سے نکاح کیا تمہارے باپ دادا نے عورتوں سے مگر جو تحقیق ہو چکا

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

بے شک وہ ہے بے حیائی اور غضب کا کام اور برا ہے راستہ

(بقیہ آیت نمبر۲۱) فقہ میں ہے کہ جس شخص نے نکاح ہی اس ارادے سے کیا کہ حق مہر نہیں دے گا تو وہ قیامت کے دن زانیوں کے زمرے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئے گا۔

مسئلہ: شادی کے بعد مرد پر لازم ہے کہ وہ عورت کو حلال اور حرام پاکی پلیدی اور حیض و نفاس کے تمام مسائل سے آگاہ کرے۔ اسی طرح عقائد صحیحہ بھی اس کو بتائے اور برے عقائد کی بھی نشان دہی کرے۔ خود نہیں جانتا تو کسی معتبر عالم دین سے پوچھ کر بتائے یا مسائل کی کتاب اسے مہیا کر دے۔ **حدیث**: سب سے سخت عذاب اس شخص کو ہوگا۔ جس نے اہل وعیال کو دینی علوم مہیا کرنے سے محروم رکھا۔ (یہ حدیث نہیں ملی)

(آیت نمبر۲۲) نہ نکاح کرو جن عورتوں سی تمہاری آباء (باپ دادا) میں سے کسی نے نکاح کر لیا۔

شان نزول: زمانہ جاہلیت میں باپ یا دادا کی نکاحی ہوئی عورت سے بھی نکاح کر لیا کرتے۔ اس کو وہ کوئی عیب شمار نہیں کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس برے کام سے منع فرمایا کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا میں سے کسی نے بھی نکاح کیا۔ تم ان کے ساتھ نکاح نہ کرو۔ (خواہ ان کی اس عورت سے خلوت ہوئی یا نہیں ہوئی صرف ان سے اگر نکاح کا ثبوت ہو گیا تو تم ان سے نکاح نہ کرو) مگر جو گذر گیا یعنی اس حرمت سے پہلے جو قصور ہو گیا اس کی پکڑ نہیں۔ لیکن اب سختی سے منع کیا گیا ہے۔ بے شک باپ دادا میں سے کسی کی نکاحی ہوئی عورت سے نکاح کرنا بہت برا قبیح فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ اس بات کی سابقہ امتوں میں بھی کسی امت کو کوئی اجازت نہیں دی گئی اور "مقتا" سے مراد یہ ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو برا ہے ہی اہل مروّت کے نزدیک بھی یہ عمل بہت مبغوض ہے اور یہ بہت برا راستہ ہے یعنی ہر سمجھدار آدمی کے ہاں یہ بہت برا عمل ہے۔ اور کوئی بھی ذی شعور اس پر عمل کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اس لئے کہ یہ عمل آدمی کو سیدھا جہنم میں لے جانے والا ہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ قبح کے تین مراتب ہیں: ۱۔ قبح عقلی: اس کو فاحشۃ میں بیان کیا۔ ۲۔ قبحہ شرعی: اس کو مقتا میں بیان کیا۔ ۳۔ قبحہ عادی: اس کا ساء سبیلا میں اشارہ کر دیا۔ یہ تینوں اکٹھے ہوں تو یہ قبح (برائی) کا آخری درجہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام برائیوں سے ہمیں محفوظ فرمائے۔ اور نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ

حرام ہوگئیں تم پر مائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور بہنیں تمہاری

الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ

دودھ شریک اور مائیں تمہاری بیویوں کی اور پروردہ بیٹیاں وہ جو تمہاری گود میں ہیں ان عورتوں سے

الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ

جن سے تم نے صحبت کر لی اگر نہیں کی تم نے صحبت ان سے تو نہیں کوئی گناہ

عَلَيْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ

تم پر اور بیویاں تمہارے بیٹوں کی وہ بیٹے جو تمہاری اپنی نسل سے ہیں اور یہ کہ تم اکٹھی ایک وقت

الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا لا ﴿۲۳﴾

دو بہنیں (نکاح میں لاؤ) مگر جو تحقیق پہلے ہوگیا بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان

(آیت نمبر۲۳) تمہارے لئے تمہاری مائیں حرام ہیں یعنی ان سے نکاح کرنا ہی حرام ہے۔ کسی چیز کے حرام ہونے کا مطلب اس کی مقصودی چیز حرام ہے جیسے کہا جائے کہ شراب حرام ہے تو اس سے مراد شراب کا پینا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماؤں کے حرام ہونے کا مطلب ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔

مسئلہ: امہات میں جدات بھی آتی ہیں۔ یعنی نانیاں دادیاں سب سے نکاح حرام ہے۔ اور بیٹیاں بھی حرام ہیں یعنی جو تمہاری اپنی صلبی بیٹیاں ہیں۔ اسی طرح بیٹی کی بھی صلبی بیٹیاں سب تم پر حرام ہیں اگرچہ نیچے جہاں تک یہ سلسلہ چلا جائے اور تمہاری بہنیں خواہ سگی بہنیں ہوں یا علاتی یعنی باپ کی طرف سے خواہ خیافی یعنی ماں کی طرف سے بہنیں ہوں۔ اس لحاظ سے اخوات کا لفظ تمام مذکورہ بہنوں کو شامل ہے۔

مسئلہ: ماؤں اور بیٹیوں سے نکاح تو آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک کس زمانہ اور کس مذہب اور دین میں جائز نہیں رہا۔اور نہ اس کا کوئی کہیں ثبوت ملتا ہے کہ کسی نبی کے وقت میں اس کی اجازت ہوئی ہو۔

البتہ بہنوں کے ساتھ نکاح کا جواز بعض مذاہب میں ملتا ہے جیسے آدم علیہ السلام کے زمانہ میں۔لیکن وہ بھی بوجہ ایک خاص ضرورت کے تھا۔بعد میں اگلی نسل کے اندر وہ بھی منع کر دیا گیا تھا۔

نکتہ: مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح کی حرمت کی اصل وجہ یہ ہے کہ وطی ایک ذلیل اور ذو اہانت فعل ہے اس لئے انسان طبعی طور پر بھی اس کے ذکر کرنے سے شرم وحیاء محسوس کرتا ہے۔اسی لئے مرد وعورت جماع کا ارتکاب وہاں کرتے ہیں۔جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔اس بناء پر ان مذکورہ رشتوں سے نکاح وغیرہ کو حرمت میں لایا گیا ہے اور خاص کر ماؤں کو اس لئے کہ ماؤں کے اولاد پر بے حد احسانات ہیں۔اور ماؤں کی عزت وحرمت اولاد پر لازم ہے۔اس لئے ماؤں کو اس ذلت آمیز سلوک اور رسوا کن کام سے دور رکھنا واجب ہے۔اور لڑکی انسان کا جزو ہے۔اور اس کے جسم کا ٹکڑا ہے۔اس لئے اسے بھی ان ذلتوں اور رسوائیوں سے بچایا جائے۔اسی پر باقی محرمات کو بھی قیاس کر لیا جائے۔اور تمہاری پھوپھیاں یعنی والد کی بہنیں اور تمہاری خالائیں یعنی ماں کی بہنیں یا نانی کی بہنیں یا اوپر تک جتنے رشتے حرام ہوئے۔اس میں اصل وجہ یہی ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی چودہ قسمیں یہاں بیان فرمائی ہیں۔جن سے نکاح حرام ہے۔سات نسبی اور سات غیر نسبی۔نسبی کا بیان ہو چکا۔اب غیر نسبی بیان ہونگی۔امہات میں وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اسی طرح تمہارے ساتھ ایک عورت کا دودھ پینے والی بہن یعنی رضاعی مائیں اور بہنیں بھی اللہ نے ایسے ہی حرام کیں۔جیسے نسبی مائیں اور بہنیں حرام ہیں۔گویا اللہ تعالیٰ نے رضاعت کو نسب کی طرح قرار دیا ہے۔یہاں تک کہ دودھ پلانے والی ماں ہوئی اور جس کے ساتھ دودھ پیا وہ بہن بن گئی۔اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کا شوہر باپ اور اس کے باپ دادا کو بھی نسبی رشتہ داروں کی طرح بلائیں گے۔

حدیث شریف: ہر وہ رشتہ جو نسب کے لحاظ سے حرام ہے۔وہ دودھ کے لحاظ بھی حرام ہے۔

مسئلہ: پدری لحاظ سے جو ماں ہے۔اس سے نکاح حرام ہے۔اس لئے کہ اس میں حرمت مصاہرت پائی گئی۔باپ کی موطوءَ ہے۔اسی طرح مادری بھائی کی بہن سے بھی نکاح حرام ہے۔اور فرمایا کہ تمہاری بیویوں کی ماں جسے ساس کہا جاتا ہے۔خواہ بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو یہی مذہب جمہور ہے اور تمہاری وہ پروردہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں۔یعنی تمہاری بیوی کے پہلے خاوند سے لڑکی جو اب تمہارے پاس ہے۔جو تمہارے گھر میں پرورش پا رہی ہے۔اس سے بھی تمہارا نکاح حرام ہے۔اسے ربیب اس لئے کہا گیا کہ اب یہ خاوند اسے پال رہا ہے۔اپنی اولاد کی

طرح پالتا ہے۔ حجورکم سے مراد تمہاری تربیت ہے۔ زیر تربیت کو گود سے اس لئے تعبیر کیا کہ عموماً وہ اسے اپنی گود میں بٹھلاتے ہیں۔

حرمت مصاہرہ میں تربیت شرط نہیں۔ یہی جمہور کا مذہب ہے پروردہ لڑکی سے نکاح تب حرام ہے کہ جب تم نے اس کی ماں سے نکاح کے بعد دخول بھی کیا۔ دخول میں ہاتھ لگانا وغیرہ دیگر چیزیں بھی اس میں شامل ہیں لیکن اگر تم نے ربیبہ کی ماں سے نکاح کیا اور جماع نہیں کیا۔ یا جماع سے پہلے اسے طلاق دے دی یا وہ مرگئی۔ تو خالی نکاح اس کی حرمت کا باعث نہیں بن سکتا۔ اسی طرح تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں یعنی بہو سے بھی تمہارا نکاح حرام ہے۔

مسئلہ: جس طرح لڑکے کی بیوی حرام ہے۔ اسی طرح جس لڑکی سے اس کے لڑکے نے زنا کیا۔ یا شہوت سے بوسہ وغیرہ دیا۔ اس کا بھی یہی حکم ہے۔ "اصلابکم" اس لئے کہا کہ منہ بولے بیٹے کا یہ مسئلہ نہیں ہے۔

مسئلہ: پوتے اور پڑپوتے کیلئے بھی یہی حکم ہے۔ یعنی ان کی عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ اسی طرح رضاعی لڑکوں کا بھی یہی حکم ہے۔ **مسئلہ**: البتہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے منہ بولے بیٹے حضرت زید کی بیوی، حضرت زینب بنت جحش سے اس وقت نکاح کیا۔ جب حضرت زید نے انہیں طلاق دے دی۔ حضرت زینب حضور ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ حضرت زید غلام تو نہ تھے۔ کسی نے پکڑ کر ان کو غلام بنا کر بیچ دیا تھا۔ وہ بکتے بکاتے آخر حضور ﷺ کے پاس آ گئے مقدر بہت اچھے تھے۔ حضور ﷺ نے خود ان کی تربیت فرمائی اور انہیں بیٹا کہا۔ اور لوگوں میں بھی زید بن محمد مشہور تھے۔ حضور نے ہی انکا نکاح حضرت زینب سے کر دیا لیکن دونوں کا نباہ نہ ہو سکا۔ اور حضرت زید نے ان کو طلاق دے دی۔ تو اللہ کے حکم سے حضور ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح کر لیا۔ جس پر مشرکین نے بڑا شور مچایا کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ چونکہ مشرکین کے نزدیک یہ حرام تھا۔ اس لئے کہ وہ منہ بولے بیٹے کو صلبی ہی کی طرح سمجھتے تھے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری اور فرمایا کہ محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹوں کی طرح تو نہیں بنایا۔ یعنی دونوں کا حکم الگ الگ ہے آگے فرمایا کہ تم دونوں بہنوں کو ایک نکاح میں اکٹھا کرو تو یہ بھی تمہارے لئے حرام ہے۔

نوٹ: اور یہ بات بھی یاد رہے کہ جس طرح دو بہنیں اکٹھی ایک نکاح میں اور ایک ہی وقت میں رکھنی حرام ہیں۔ اسی طرح مذکورہ رشتوں میں سے کوئی بھی دو رشتے اکٹھے ایک نکاح میں رکھنا جائز نہیں۔ یعنی وہ دو رشتے جن میں ایک کو مرد اور ایک کو عورت سمجھا جائے۔ ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں۔ ان دونوں کو ایک نکاح میں رکھنا بھی حرام ہے۔ آگے فرمایا۔ مگر جو تم سے پہلے لاعلمی میں ہو گیا۔ وہ معاف ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ

اور نکاح والی عورتیں بھی (حرام ہیں) سوائے ان کے جو ملکیت میں تمہارے آجائیں یہ نوشتہ

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

الٰہی ہے تم پر اور حلال کی گئیں تمہارے لئے جو علاوہ اس کے کہ تم تلاش کرو بدلے مالوں اپنے کے

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ

گھر میں رکھنے والے نہ شہوت نکالنے والے تو جن سے تم نفع اٹھاؤ نکاح کے ساتھ ان میں تو دو ان کو

اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ

حق مہر ان کے مقرر اور نہیں حرج تم پر اس میں جس پر تم رضامند ہوئے

بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

بعد مقرر کر لینے کے بے شک اللہ ہے علم والا حکمت والا

(آیت نمبر ۲۴) اور شادی شدہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں۔ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شادی شدہ کے ساتھ نکاح اس لئے حرام ہے کہ اس وجہ سے بچوں کی صحیح تربیت اور نسب کی صحت اور مردوں کی عزت بحال نہیں رہتی۔ آگے فرمایا کہ البتہ جن کے تم مالک ہو گئے یعنی لونڈیاں حلال ہیں۔ کہ ان کے کافر شوہروں پر تم نے غلبہ پالیا ہے۔ اس لئے اب انہیں اشتراک کے پنجہ سے نکال لو۔ اور نسب کے فساد اور نطفہ کے اختلاط سے بھی انہیں بچالو۔ اور یہ تم پر لکھ کر گویا فرض کر دیا۔ اس کے علاوہ تمام عورتیں تم پر حلال کی گئیں اور مذکورہ عورتوں کی حلت وحرمت کو بیان کر دیا کہ تم اپنے مال لگا کر خوب چھان بین کر کے دیکھو، اگر وہ حلال ہیں تو پھر انہیں نکاح میں لاؤ۔ اگر آزاد ہے تو حق مہر دیکر اور اگر لونڈی ہے۔ تو خرید کر صحیح نکاح میں لاؤ۔ صرف بدکاری کیلئے نہ لاؤ کہ منی خارج کر کے انہیں فارغ کر دو۔

خلاصہ: یہ ہے کہ زنا سے اپنا مال اور دین ودنیا تباہ نہ کرو بلکہ شرعی طریقہ سے نکاح میں لاؤ۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

یاد رہے۔ اس آیت سے روافض نے جو متع پر استدلال کیا ہے۔ وہ سراسر باطل ہے۔ کیونکہ آخر میں جو فرمایا "محصنین غیر مسافحین" ان الفاظ سے اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ نیز حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر

متعہ کو ہمیشہ کیلئے حرام کر دیا تھا۔ اگر کسی صحابی سے بعد میں یہ عمل ہوا۔ تو اسے حضور ﷺ کا یہ فرمان نہ پہنچا ہوگا۔ آگے فرمایا کہ پھر جو تم نے ان عورتوں سے نفع اٹھایا۔ یعنی نکاح کے بعد جماع وغیرہ کرلیا۔ یا ان کو بوسہ دے دیا۔ یا ان سے خلوت صحیحہ ہوگئی۔ تو تم ان کے حق مہر بھی ادا کرو۔ اس لئے کہ نفع پانے کا یہ عوض ہو جائے گا۔

نوٹ ضروری: رافضیوں نے اس آیت سے ثابت کیا کہ متع جائز ہے اور صرف جواز پر ہی نہیں ٹھہرے بلکہ انہوں نے اسے ثواب لکھا کہ جو متع کرے اسے حضور ﷺ کا درجہ مل جاتا ہے۔ ان کی کتاب برہان المتعہ ص ۵۱ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ متعہ انہوں نے حرام کیا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔

یاد رہے۔ صرف دو مواقع پر وہ بھی خاص ضرورت کی بناء پر متعہ کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے اسے حرام کر دیا گیا۔ متعہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ کسی عورت سے خواہ وہ نکاحی ہے۔ یا بے نکاحی کچھ وقت کیلئے حق مہر دیکر اس سے نکاح کرلینا۔

آگے فرمایا کہ نکاح کے بعد حق مہر تم پر فرض کیا گیا ہے۔ اسے فوراً ادا کرو۔ اور جتنے میں بھی تم آپس میں راضی ہوگئے تم پر کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ مرد اپنی بیوی کو مقررہ حق مہر سے زیادہ اپنی مرضی سے دے دے تو بھی کوئی حرج نہیں اور اگر عورت اپنی خوشی سے مرد کو حق مہر میں کمی کر دے ہے۔ یا سارا ہی معاف کر دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر چہ اس نے مقرر ہونے کے بعد یہ کمی کی یا معاف کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا اور احکام شرع کی حکمتوں کو بھی وہی جانتا ہے۔ **مسائل فقیہہ:** مذکورہ جن رشتوں کو حرام فرمایا ہے۔ وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہیں۔ علاوہ ازیں رضاعت اور مصاہرت سے بھی نکاح حرام ہو جاتے ہیں۔

مصاہرت: کا مطلب یہ ہے کہ جس عورت سے جماع یا زنا کیا یا ان کی شرمگاہ بنظر شہوت دیکھ لی تو اس کی لڑکیاں اور بہنیں بھی اس پر حرام ہوگئیں اور اس کی ماں سے بھی نکاح حرام ہوگیا۔ نیز اس زانی کے باپ اور بیٹے کے ساتھ بھی ان کا نکاح جائز نہیں۔ یعنی جو رشتے نکاح سے حرام ہوتے ہیں۔ وہ زنا سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ: رضاعت سے جو رشتے ثابت ہوئے۔ ان کے ساتھ سفر جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی جن سے مصاہرت کا رشتہ ہوگیا۔ ان کے ساتھ بھی اکیلئے سفر جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ تنہائی میں ہونا بھی جائز نہیں ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

اور جو نہیں طاقت رکھتا تم سے مال نہ ہونے کی وجہ سے کہ نکاح کرے آزاد مومنہ عورتوں سے

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ

تو ان کے جو ملکیت میں ہیں تمہارے کنیزیں مومنہ اور اللہ

اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ

خوب جانتا ہے ایمان تمہارے۔تم آپس میں ایک دوسرے سے ہو تو نکاح کرو ان سے ساتھ اجازت ان کے مالکوں سے

وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ

اور دو ان کو ان کے حق مہر دستور کے مطابق گھر میں پابند رہنے والیاں نہ بے حیائی کرانے والیاں

وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

اور نہ بنانے والیاں چھپے یار۔ پس جب گھر میں آجائیں تو اگر کریں بے حیائی تو ان پر

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ

آدھی ہے جو اوپر آزاد عورت کی سزا میں سے۔ یہ اس کیلئے جسے ڈر ہے زنا کا تم میں سے

مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۚ ﴿۲۵﴾

اور یہ کہ تم صبر کر لو تو بہتر ہے تمہارے لئے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(آیت نمبر ۲۵) جو تم میں سے نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ کہ وہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے تو پھر وہ لونڈی کے ساتھ شادی کرے کہ جس پر تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں۔یعنی وہ خریدی ہوئی عورت سے نکاح کرے۔مومنہ ہونا شرط ہے۔اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔اور یہ بھی جانتا ہے کہ تمہیں ان کے ساتھ نکاح کرنے میں انس ہے یا نفرت ہے۔اللہ تعالیٰ اچھی طرح سب باتوں کو جانتا ہے۔

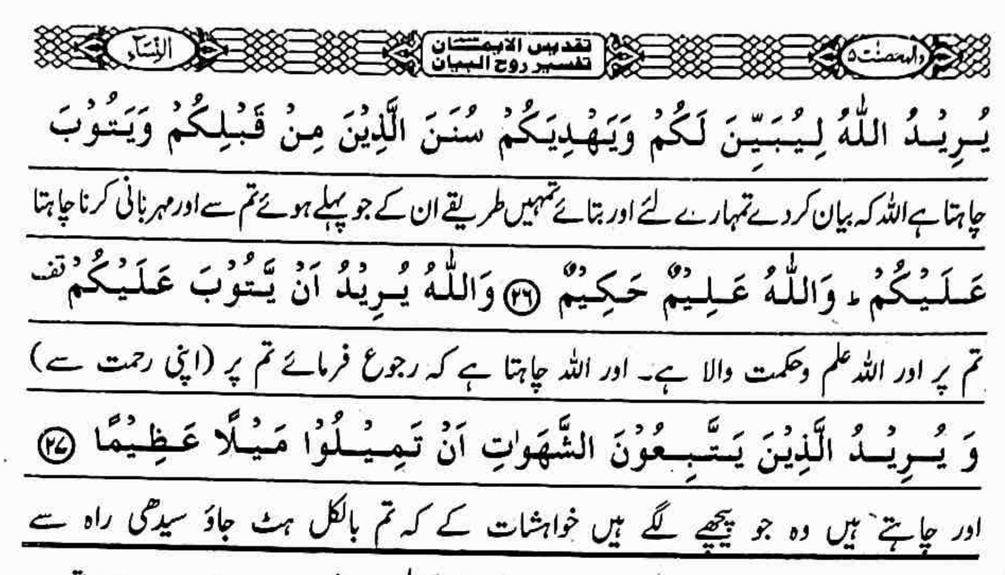
نکتہ: بعض لونڈیاں اسلامی معاملات کو آزاد عورتوں سے زیادہ بہتر سمجھتی ہیں۔

سبق: مسلمان کو چاہئے کہ نکاح کے معاملے میں مال و جمال کا ہی متلاشی نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور دیندار اور خوش اخلاق عورتوں کو ترجیح دے۔ آگے فرمایا کہ تم سب بعض بعض سے ہو۔ یعنی سب آدم کی اولاد سے ہو۔ کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر کوئی فضیلت ایک دوسرے پر ہے۔ تو اسلام اور نیکی اور تقوے کی بناء پر ہے۔ آگے فرمایا کہ اگر لونڈیوں کے ساتھ نکاح کا پروگرام بن گیا ہے تو پھر ان کے مالکوں کی اجازت لیکر نکاح کرو۔ اور ان کے حق مہر بھی جلد ان کو ادا کرو۔ جو شرع کے مطابق ہو اور جن سے نکاح کرو۔ وہ پاک دامن ہوں نہ کہ وہ حرام بدکاری کرانے والی ہوں۔ اور نہ چھپے یار تلاش کرنے والیاں ہوں۔ جن سے پوشیدہ تعلقات رکھے ہوں۔ **ف**: چونکہ یہ کام جاہلیت میں عام تھے (جیسے آج یورپ میں بھی ہے) کہ کسی عورت کو کچھ لالچ دے کر بدکاری کر لیتے ہیں اور فرینڈ شپ تو عام مسئلہ ہے اس میں جو مرضی ہے کرلو اس لئے فرمایا۔ کہ نہ تو اعلانیہ بدکاری کرانے والی ہو۔ نہ پوشیدہ طور پر۔ آگے فرمایا کہ جب وہ نکاح میں آ جائیں۔ پھر اگر وہ بے حیائی کریں۔ یعنی زنا کا ارتکاب کریں تو ان پر آدھی سزا ہے آزاد عورت کے مقابلے میں۔ یعنی آزاد عورت کی سزا اس جرم کی اگر سو درہ ہے۔ تو لونڈی یا غلام غیر شادی شدہ کی پچاس درے ہیں۔ **مسئلہ**: بعض علماء کا خیال ہے کہ لونڈی اگر یہ برائی کرے تو اسے آدھی سزا ہے۔ خواہ وہ شادی شدہ ہو یا نہ ہو۔ **مسئلہ**: لونڈی کو سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ سنگ ساری کا نصف ہے ہی کوئی نہیں۔

یاد رہے: ''الاحصان'' شرع میں عاقل، بالغ، مسلمان کو کہا جاتا ہے۔ جن کا نکاح شرع کے مطابق ہوا ہو۔ آگے فرمایا کہ یہ رخصت ان لوگوں کیلئے ہے کہ جو لونڈیوں سے نکاح کریں۔ جنہیں گناہ (زنا) کا خطرہ ہے جب کہ وہ آزاد عورت سے شادی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور اسے ڈر ہے کہ اگر شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہو جائے گا۔ اور اگر تم صبر کرلو یعنی نکاح کے بغیر بھی تم پاک دامن رہ سکو۔ تو تمہارے لئے اور بھی بہتر ہے۔ اس لئے کہ لونڈیوں سے جو بچے پیدا ہونگے۔ ان کے لئے مملوکیت عار ہوگی۔ پھر مالک جہاں چاہے لے جائے یا اسے بیچ ڈالے۔ تم دیکھتے ہی رہ جاؤ۔ پھر آگے اولاد کے معاملے میں بھی کئی مشکلات پیدا ہونگی۔ اس لئے اگر صبر کرو تو زیادہ بہتر ہے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے کہ اپنے بندوں کو آسانی کا حکم دیتا ہے۔ مشکل میں نہیں ڈالتا۔

مسئلہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لونڈی سے نکاح منع ہے۔ جب آزاد مل سکتی ہو۔ احناف کے نزدیک ہر حال جائز ہے۔ بشرطیکہ مومنہ ہو اور کتابیہ سے بھی نکاح جائز ہے۔ (لیکن بچ جائے تو زیادہ اچھا ہے)۔

ف: اسلام دین فطرت ہے۔ اس میں جاہ و ثروت کے مراتب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ بلکہ انسانی فطری کمزوریوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ جہاں پھسلنے کے امکانات زیادہ اور بچنے کے وسائل کم ہوں۔ اس وقت باندیوں سے شادی کرنے کی اجازت دی گئی۔ اور غلط کام ہو جائے تو سزا میں بھی تخفیف کر دی گئی۔ اس کے بقیہ مسائل سورۂ نور میں آئیں گے۔



يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ

چاہتا ہے اللہ کہ بیان کردے تمہارے لئے اور بتائے تمہیں طریقے ان کے جو پہلے ہوئے تم سے اور مہربانی کرنا چاہتا

عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ

تم پر اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ رجوع فرمائے تم پر (اپنی رحمت سے)

وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

اور چاہتے ہیں وہ جو پیچھے لگے ہیں خواہشات کے کہ تم بالکل ہٹ جاؤ سیدھی راہ سے

(آیت نمبر ۲۶) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے تمہاری مصلحتیں واضح طور پر بیان فرمادے۔ جن کا تمہیں پہلے کوئی علم نہیں ہے۔ نکاح کرنا اس پر واجب ہے جس پر شہوت کا غلبہ ہو اور اس کیلئے مستحب ہے جس کی طبیعت معتدل ہو۔ مکروہ ہے اس کے لئے جسے جماع پر قدرت نہیں ہے۔ بروز قیامت اللہ تعالیٰ صابر کو شاکر سے دگنا اجر عطا کرے گا۔ لیکن یہ بات عام آدمی کے علم میں نہیں ہیں۔ اس لئے آگے فرمایا کہ اللہ تمہیں ان طریقوں کی راہنمائی فرماتا ہے۔ جو تم سے پہلے ہو گئیں۔ (یعنی سابقہ انبیاء کی سنت اور اولیاء کرام کا طریقہ) حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نیک عورت دنیا کا ہی نہیں بلکہ آخرت کا بھی سرمایہ ہے جو انسان کو امور آخرت میں مدد دیتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تم انبیاء واولیاء کی اقتداء کرو۔ تاکہ تمہاری توبہ قبول کر کے تمہارے گناہ معاف فرمائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں سے تمہیں ہٹا کر نیکی کی راہ دکھاتا ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے تمام معاملات کو بھی اور ان کی حکمتوں کو بھی۔

(آیت نمبر ۲۷) اللہ تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ وہ تمہاری توبہ قبول کر کے تمہارے گناہوں کو ختم کرے۔ لیکن جو لوگ شہوت پرست ہیں۔ یعنی فاسق وفاجر لوگ جو ہر وقت خواہشات نفسانی پوری کرنے پر ہی لگے رہتے ہیں۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم بھی خواہشات پر چلو پوری طرح۔ یعنی ہر وقت اپنی خواہشات ہی پوری کرنے میں لگے رہو۔

شانِ نزول : جب اللہ تعالیٰ نے مذکورہ رشتے حرام فرمادیئے۔ اور حکم دیا کہ خالہ اور پھوپھی کو نکاح میں لانا حرام ہے۔ البتہ ان کی اولاد سے تمہاری اولاد نکاح کر سکتی ہے۔ تو کچھ لوگوں نے کہا کہ جب اولاد سے نکاح جائز ہے تو ان کی ماؤں سے کیوں جائز نہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم شہوت پرست بن کر محرمات کو حلال جان کر ان کی طرف جھک نہ جاؤ۔ یعنی حق سے ہٹ کر زانی نہ بن جاؤ۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

چاہتا ہے اللہ — کہ تخفیف فرمائے — تم پر — اور پیدا ہوا — انسان — کمزور

(آیت نمبر ۲۸) بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہاری مشقت اور تکلیف کو دور کر کے تمہارے بوجھ کو ہلکا کرے۔ تا کہ تمہارے لئے شریعت کا راستہ واضح اور آسان ہو جائے جیسے لونڈیوں اور کتابیوں سے نکاح جائز کر دیا۔ اور انسان تو کمزور پیدا ہوا کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی کی مخالفت سے عاجز ہے کہ وہ صبر نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی شہوات اور ان کے محرکات سے مقابلہ کی طاقت رکھتا ہے۔ **ف:** امام کلبی فرماتے ہیں کہ یہاں شہوات سے مراد عورتیں ہیں۔ آدمی ان کیلئے بے صبر ہو جاتا ہے۔

حکایت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اکثر دعا کرتے۔ کہ یا اللہ زنا اور چوری سے بچانا۔ عرض کی گئی کہ آپ تو بوڑھے ہیں اور صحبت رسول بھی تمہیں حاصل ہے۔ کیا پھر بھی آپ زنا اور چوری سے ڈرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ شیطان جب تک زندہ ہے مجھے نفس پر کیسے اطمینان ہو سکتا ہے۔

فائدہ: علیم وحکیم خدا کو جو تمہاری صلاحیتوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اسے تمہاری فطری کمزوریوں کا خوب علم ہے۔ اس لئے احکام شرعیہ میں ایسی سختی نہیں رکھی۔ جس کو تم برداشت ہی نہ کر سکو اس لئے احکام میں تخفیف رکھی گئی۔ سعید بن مسیتب فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کو گمراہ کرنے سے مایوس نہیں ہوتا۔ وہ عورتوں کی طرف سے زیادہ آتا ہے۔ مجھے سب سے زیادہ ڈر اپنی ذات پر عورتوں کے فتنہ سے ہے۔

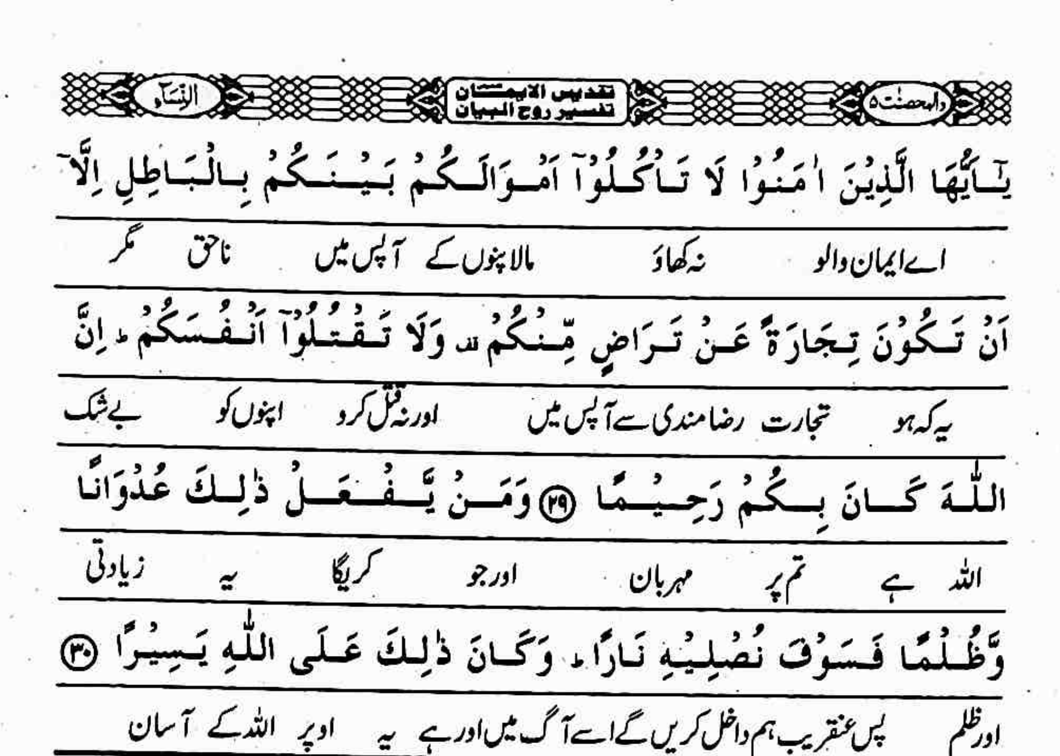
سبق: مسلمان کو چاہئے کہ وہ سنت کا پابند ہو اور حضور ﷺ کی پیروی کے ذریعے مراتب اور درجات حاصل کرے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمارا مذہب کتاب وسنت سے لیا گیا ہے۔

قول علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے حضور ﷺ کی پیروی۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

یعنی اے سعدی صفائی کا راستہ بغیر حضور کی پیروی کے ملنا مشکل ہے۔ لہذا مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے پیارے نبی ﷺ کے طریقے پر چلے۔ تا کہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ

اے ایمان والو — نہ کھاؤ — مالا اپنوں کے — آپس میں — ناحق — مگر

اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۗ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۗ اِنَّ

یہ کہ ہو — تجارت — رضامندی سے آپس میں — اور نہ قتل کرو — اپنوں کو — بے شک

اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا

اللہ — ہے — تم پر — مہربان — اور جو — کریگا — یہ — زیادتی

وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۗ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾

اور ظلم — پس عنقریب ہم داخل کریں گے اسے آگ میں اور ہے — یہ — اوپر — اللہ کے — آسان

(آیت نمبر۲۹) اے ایمان والو نہ کھاؤ مال اپنوں کا آپس میں باطل (ناجائز) طریقے سے۔یعنی غصب، چوری، خیانت، جوئے، سود یا رشوت سے۔البتہ اگر تجارت کرتے ہو تو آپس میں ایک دوسرے کی رضا سے اس میں سے کھا سکتے ہو۔تاکہ ایک دوسرے پر شک نہ کرے)۔(یعنی آپس میں دونوں کو اس کا علم ہو۔)

مسئلہ: تراضی سے مراد دونوں عقد کرنے والوں کا راضی خوش ہونا مراد ہے۔یعنی جب وہ خرید وفروخت کریں تو ایجاب وقبول میں دونوں خوش باش ہوں۔آگے فرمایا کہ اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔یعنی خودکشی نہ کرو۔یا ایسا کام نہ کرو کہ تمہیں قتل کیا جائے۔یا کسی مسلمان بھائی کو قتل کرنا گویا اپنے آپ کو قتل کرنا ہے کہ سب مسلمان نفس واحدہ کی طرح ہیں۔بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت ہی مہربان ہے۔یعنی اس کے احکام میں تمہارے لئے ہزار ہارحمتیں پنہاں ہیں۔

(آیت نمبر۳۰) اور جو بھی تم میں سے یہ کام کرے گا۔یعنی بلاوجہ کسی کو قتل کرتا ہے۔یا مذکورہ حرام کاموں کا ارتکاب کرتا ہے۔حد سے بڑھ کر یا ظلم سے ایسا کرتا ہے۔یعنی کسی پر ظلم کرکے اپنے لئے عذاب مول لے لیتا ہے تو عنقریب ہم اسے جہنم کی آگ میں داخل کریں گے۔اس سے مراد مخصوص جہنم کی آگ ہے۔جو سخت عذاب سے بھری ہوئی ہے اور یہ جہنم میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے کہ اس کے اسباب واقع ہیں۔اور کسی قسم کی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب ممکنات ومشکلات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے برابر ہیں۔بلکہ اللہ تعالیٰ کیلئے تو ہر معاملہ آسان سے آسان تر ہے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ معنی کیا ہے کہ ایسے مذموم اور ذلیل کام نہ کرو جو تمہیں لوگوں کی نگاہ میں ذلیل ورسوا کردیں۔اس لئے کہ ذلت ورسوائی میں انسان کی ہلاکت ہے۔

سبق: لہذا عقل مند کے لئے لازم ہے کہ وہ ہلاکت کی جگہوں سے اجتناب کرے اور حقوق پورے طور پر ادا کرنے میں پوری کوشش کرے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے جان ومال کی حفاظت کی تاکید شدید فرمائی ہے۔ اس لئے یہ دونوں کام کمالات کے حاصل ہونے اور فضائل پانے کا بہت بڑا وسیلہ ہیں۔لہذا اگر مال ودولت مل جائے تو اللہ کا شکر بجالاؤ ورنہ مال کی خاطر اپنی جان کو ضائع نہ کرو۔اور نہ اپنی جانوں کو ہلاکت کا نشانہ بناؤ۔(جیسے آج کل لوگ بھوک سے تنگ آ کر خودکشی کرلیتے ہیں)۔ **حدیث شریف**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سابقہ زمانے میں ایک شخص نے زخم کی تکلیف کی وجہ سے چھری سے اپنے آپ کو قتل کرڈالا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے میرا مقابلہ کیا۔لہذا میں نے اس پر جنت حرام کی۔(احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام)

مسئلہ: یہ حکم ہر اس شخص کیلئے ہے جو اپنے آپ کو فقر وفاقہ یا دیگر اسباب کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے۔

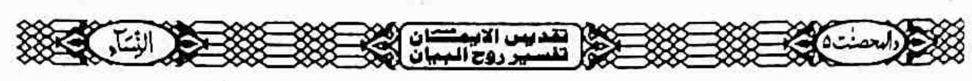
مسئلہ: اس آیت کریمہ سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ دوسروں کا مال کھانا اسی طرح حرام ہے۔جس طرح دوسروں کو قتل کرنا حرام ہے۔**حدیث شریف**: میں ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوسروں کا مال غصب کرنا حرام ہے۔البتہ اگر وہ خوشی سے دے تو اس کو کھانا حلال ہے (اخرجہ احمد ۱۳۱۷۷، مسلم شریف ۲۵۶۴، بیہقی ۱۱۲۷۶)۔
مسئلہ: ظلم شرعاً بھی حرام ہے اور عقلاً بھی حرام ہے۔

سبق: لہذا عقل مند پر لازم ہے کہ وہ حرام کھانے پینے سے بچے اور حلال کھانے کی عادت بنائے۔اور ہر کسی پر ظلم وزیادتی کرنے سے بھی بچے۔اس لئے کہ ظلم ناقابل معافی جرم ہے۔

حکایت: ایک درزی نے اللہ والے سے پوچھا کہ میں ظالموں کے کپڑے بھی سلائی کرتا ہوں تو میں ان میں تو شمار نہیں کیا جاؤنگا۔تو اس بزرگ نے فرمایا کہ نہ صرف یہ کہ تجھ سے اس کے متعلق پوچھ ہوگی بلکہ اس لوہار سے بھی بازپرس ہوگی جس نے ظالم کے لئے سوئی بنائی ہوگی۔کہ جس سے تو ظالموں کے کپڑے سلائی کرتا ہے۔

سبق: الغرض حرام سے بچنا ہر حال میں ضروری ہے اور حلال کمائی کی ہر حال میں کوشش کی جائے ورنہ آگے معاملہ بہت سخت ہے۔**فائدہ**: حلال مال کمانے پر قرآن پاک میں بہت زیادہ زور دیا گیا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔کہ دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔بلکہ فرمایا۔اپنے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔اس میں یہ حقیقت واضح فرمائی۔کہ امت کے کسی فرد کا مال پرایا نہیں ہے۔لیکن اس میں ناجائز تصرف کرنا۔دھوکے اور فریب سے اس کو ہڑپ کرنا ناجائز ہے۔جس کی آخرت میں سخت سزا ہے۔



اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اگر تم بچتے رہے بڑے گناہوں سے جن سے تم روکے گئے تو ہم مٹادیں گے تم سے تمہارے گناہ

وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اور ہم داخل کریں گے تم کو عزت کی جگہ میں

(آیت نمبر ۳۱) اگر تم دور رہوان بڑے بڑے گناہوں سے کہ جن سے تمہیں روکا گیا۔ یعنی جن گناہوں سے تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم نے روکا ہے۔ ان سے بچتے رہو۔ تو ہم دور کر دیں گے یعنی معاف فرمادیں گے۔ تکفیر کا معنی مستحق عذاب سے عذاب کو دور کر کے اسے زیادہ سے زیادہ ثواب عطا فرمانا۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ خود ہی معاف کر دیں گے اور تمہیں تمہاری پسندیدہ جگہ میں یعنی جنت میں داخل کریں گے۔ اور عزت واحترام کی جگہ میں داخل کریں گے۔ جہاں تمہاری خوب عزت افزائی ہوگی۔

مسئلہ: علماء فرماتے ہیں کہ کبیرہ وہ گناہ ہیں کہ جن پر شرع نے حد مقرر کر دی ہے اور اس پر سخت وعید قرآن وحدیث میں آئی ہے۔ **حدیث شریف:** حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آج تم بہت سارے گناہوں کو معمولی (صغیرہ) سمجھتے ہو۔ حالانکہ ہم حضور ﷺ کے زمانے میں ان کو کبیرہ گناہوں میں شمار کرتے تھے۔ (ریاض الصالحین، باب المراقبہ) **مسئلہ:** معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنے سے صغیرہ گناہ خود ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ اور جو شخص صغیرہ کبیرہ دونوں سے بچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مدخل کریم میں داخل فرمائے گا۔ جو بارگاہ رب العزت کے ہاں اعلیٰ مقام ہے۔

کبیرہ گناہوں کی فہرست تو لمبی ہے۔ البتہ ان میں کچھ یہ ہیں:

۱۔ شرک کرنا ۲۔ ناحق قتل کرنا ۳۔ خود کو قتل کرنا ۴۔ ظلم

۵۔ چوری ۶۔ غصب ۷۔ سود کھانا ۸۔ ریاءکاری

۹۔ یتیم کا مال کھانا ۱۰۔ پاکدامن پر تہمت لگانا ۱۱۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنا

۱۲۔ جھوٹی گواہی دینا ۱۳۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا ۱۴۔ حرام کو حلال جاننا

۱۵۔ وعدہ خلافی کرنا ۱۶۔ جھوٹ بولنا ۱۷۔ دھوکا دینا ۱۸۔ فریب وغیرہ کرنا

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ

اور نہ تمنا کرو اس کی جو بڑھائی دی اللہ نے بعض تم کو اوپر بعض کے واسطے مردوں کے حصہ ہے

مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ

اس سے جو انہوں نے کمایا اور واسطے عورتوں کے حصہ ہے اس میں جو انہوں نے کمایا اور مانگو اللہ سے

فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اس کا فضل بے شک اللہ ہے ہر ایک چیز کو جاننے والا

(بقیہ آیت نمبر ۳۱) **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے (ترمذی شریف) اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے بڑا گناہ دنیا کی محبت ہے۔ کہ اسی سے آگے ہزاروں گناہ ہوتے ہیں۔ **سبق**: عقل مند کیلئے ضروری ہے کہ وہ غیر خدا کی محبت سے دور رہے۔ پھر انوار ربانی اور تجلیات الٰہی کے میدان میں جہاں چاہے جائے۔

(آیت نمبر ۳۲) اور نہ تمنا کرو۔ اس کی جو اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ یعنی کسی کو مال منال زیادہ دیا۔ یا وہ چیزیں عطا فرمائیں جن کی تمہیں بہت زیادہ رغبت ہے۔ تو پھر تم اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض شروع کر دو یا آرزو کرو کہ وہ ہماری قسمت میں کیوں نہیں۔ لہذا یہ یقین کر لو۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے کہ جو اس نے اپنے بندوں کے احوال کے مطابق لائق تدبیر کے ساتھ ہی فرمادی لہذا بندے کو چاہیئے کہ وہ راضی بہ رضا رہے۔ نہ تو کسی پر حسد کرے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بھید ہیں۔ جنہیں صرف وہی جانتا ہے۔

شان نزول: آیت میراث جب نازل ہوئی۔ جس میں عورتوں کی نسبت مردوں کا ڈبل حصہ رکھا گیا تو عورتوں نے کہا کہ یہ کیسی تقسیم ہے حالانکہ ہم زیادہ محتاج ہیں۔ ہمیں ڈبل حصہ ملنا چاہئے تھا۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا کہ تم اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو اور دوسروں کا جو حصہ خاص کیا گیا۔ اس کی آرزو مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ تمہیں بھی ان میں سے عطا کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یعنی انسان جن چیزوں کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے۔ لہذا فضل الٰہی کا ملنا اس کے علم و حکمت پر مبنی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ لوگ اس وقت تک بھلائی میں رہیں گے جب تک وہ مختلف الحال رہیں گے جب برابر ہو گئے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ

اور واسطے ہر ایک کے بنائے مستحق اس کے جو چھوڑا ماں باپ اور رشتہ داروں نے اور وہ جن سے بندھ گیا

اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

حلف تمہارا تو دو تم انہیں حصہ ان کا بے شک اللہ ہے اوپر ہر ایک چیز کے گواہ

(بقیہ آیت نمبر ۳۲) **فائدہ**: معلوم ہوا کہ دولت کمانے کا حق جس طرح مرد کو ہے۔ اگر چہ عورت کو بھی کمانے سے منع نہیں کیا گیا، لیکن شرع کی حد کے اندر رہ کر یعنی اپنے پردہ میں رہ کر حلال روزی کما سکتی ہے۔

سبق: عقل مند کیلئے لازم ہے کہ وہ تقدیر الٰہی کے سامنے جھکا رہے۔ اور وہ خالق کائنات اور مدبر عالم کی کسی تقسیم پر اعتراض نہ کرے۔ **حدیث قدسی**: حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے فرمایا۔ کہ جو شخص میری تقدیر کے سامنے جھکا رہتا ہے اور میری آزمائش پر صبر کرتا ہے اور میری نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے۔ تو میں اسے صدیقوں میں لکھ دونگا۔ اور بروز قیامت ان کے ساتھ ہی اٹھاؤنگا۔ (مشہور کتب میں نہیں)

مسئلہ: اگر کسی سے زوال نعمت کی تمنا نہ ہو بلکہ تمنا یہ ہو کہ اے اللہ اس جیسی نعمت مجھے بھی عطا کر۔ تو اسے علماء نے جائز تمنا کہا ہے۔ اس کو غبطہ کہتے ہیں۔ لہذا دل سے حسد کو ختم کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ وہ تمہاری بھی جھولی بھر دے گا۔

(آیت نمبر ۳۳) اور ہر ترکہ کیلئے ہم نے وارث مقرر کر دیئے کہ جو اپنے اپنے حصے حقوق کے مطابق حاصل کرتے ہیں۔ جو ان کے والدین یا رشتہ دار چھوڑ کر مرے۔ ان کے لئے حصے مقرر کر دیئے۔ جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور وہ لوگ بھی حصہ دار ہیں۔ جن سے تم نے عقد کیا۔ جسے مولی الموالات کہا جاتا تھا۔ اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ ایک حلیف دوسرے حلیف کو آپس میں چند شرائط کے ساتھ وراثت میں اپنے مال کے چھٹے حصے کا مالک بناتا تھا۔ پھر یہ حکم "اولو الارحام بعضھم اولیٰ ببعض" سے منسوخ ہو گیا۔ **مسئلہ**: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اور یہ شرط لگائے کہ میرے مرنے کے بعد تو میرے مال کا مالک ہوگا۔ اور مجھ سے کوئی قصور ہوا۔ تو اس کا تاوان بھی تو ہی دے گا۔ تو یہ شرعاً درست ہے اس پر تاوان ہوگا۔ اس کے نقصان کی صورت میں اور مرنے کے بعد اس کے مال کا وہی مالک ہوگا۔ بشرطیکہ اس کا اور کوئی وارث نہ ہو۔ آگے فرمایا کہ ان کو ان کا حصہ دو۔ یعنی جو میراث کے طور پر ان کا حصہ بنتا ہے۔ وہ انہیں دو۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے بہ سبب اس کے جو فضیلت دی اللہ نے ان میں بعض کو اوپر بعض کے

وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ

اور بہ سبب اس کے جو خرچ کیا مردوں نے اپنا مال۔ تو نیک فرمانبردار حفاظت کرنے والیاں خاوند کی

لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ

عدم موجودگی میں جس کی حفاظت کا حکم اللہ نے دیا اور وہ کہ تم ڈرتے ہو ان کی نافرمانی سے

فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ

تو تم سمجھاؤ ان کو اور الگ رہو ان سے سوتے وقت اور مارو انہیں پس اگر مان لیں تمہارا کہنا

فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾

تو نہ چاہو ان پر زیادتی کی راہ۔ بے شک اللہ ہے بلند بڑا

(بقیہ آیت نمبر ۳۳) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی۔ کہ اب وراثت کے حقدار صرف وہی لوگ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام میں وارث بنایا ہے۔

(آیت نمبر ۳۴) مرد عورتوں کے ضروری امور کے منتظم ہیں۔ جیسے حاکم رعیت کے امور کا انتظام کرتے ہیں۔ ان کو حد اعتدال پر رکھنے کیلئے ان پر مسلط ہوئے۔ آگے وجہ بیان فرمائی کہ جو اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ یعنی مردوں کو جزم و عزم، قوت و مروّت اور حصول رزق کے اسباب مہیا کرنا اور شجاعت و سخاوت وغیرہ یہ وہ ضروری اسباب ہیں۔ جن کی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ جو مرد اپنے مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں اور ان کو مہر دے کر نکاح میں لاتے ہیں۔ (معلوم ہوا کہ عورتوں کا خرچہ مردوں پر واجب ہے)۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار ہیں۔ اور غیب میں یعنی خاوندوں کی عدم موجودگی میں اپنی شرمگاہوں اور خاوندوں کے مال و اسباب کی حفاظت کرنے والی ہیں۔ جس کی اللہ نے حفاظت کی اور جن عورتوں کی

نافرمانی کا تمہیں ڈر ہے کہ وہ سرکشی کریں گی تو تم انہیں ترغیب وترہیب سے نصیحت کرو۔

پھر بھی باز نہ آئیں۔ تو ان کے بستر الگ کردو۔ تاکہ تمہارا غصہ اور رنج انہیں معلوم ہو پھر بھی باز نہ آئیں تو مارو۔ لیکن اتنا نہیں کہ ان کی ہڈی پسلی توڑ دو یا مار مار کر زخمی کردو۔ بلکہ معمولی سی سزا دو۔ اگر وہ تمہارے کہنے میں آجائیں جو مقصود اصلی ہے تو پھر تم بھی ان پر کوئی اور راستہ تلاش نہ کرو۔ یعنی اس کے بعد پھر انہیں اور کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ یعنی نہ طلاق دو نہ گھر سے نکالو۔ بلکہ ان سے ایسا سلوک کرو۔ پتہ چلے کہ ان سے کوئی خطا ہوئی ہی نہیں۔

بے شک اللہ بلند ہے بطور قدرت کے اور بہت بڑا ہے۔ بہ لحاظ حکم احکام نافذ کرنے کے۔ لہذا اے لوگو۔ اس ذات سے ڈرو۔ جب تمہاری بیویاں اپنی سرکشی سے باز آجائیں۔ تو پھر تم ان کے ساتھ زیادتی نہ کرو۔ جب تم اللہ سے معافی مانگو تو وہ تمہیں معاف کرتا ہے تو تم بھی معافی مانگنے والے کو معاف کردو۔

مسئلہ: عورت غلطی کرے تو اسے معاف کردو اور بڑا گناہ کرنے سے باوجود سمجھانے کے باز نہ آئے۔ تو طلاق دے دو لیکن اگر اس کی لغزشوں کے باوجود صبر کر کے اس کے ساتھ گذارا کرو۔ تو یہ تمہاری لئے اچھا ہے۔

سبق: مردوں کو چاہے کہ وہ عورتوں کی تکالیف پر صبر کریں۔ لیکن اتنا بھی صبر نہ کریں کہ وہ فاحشہ اور بے حیا بن جائیں۔ ایسے مرد کو دیوث اور بے غیرت کہتے ہیں۔ **حدیث شریف:** تم میں ہر ایک حاکم ہے اور ہر حاکم سے اس کی رعیت کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا (ریاض الصالحین)۔ **حدیث:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اس حال میں فوت ہو کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو وہ جنت میں جائے گی (رواہ الترمذی)۔ یعنی جس عورت نے خاوند کی خدمت کر کے اسے خوش کرلیا۔

نافرمان اور میت پر بین کرنے والی عورت کی سزا:

حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جو عورت خاوند کو گالی دے کر رنج پہنچائے۔ اس کی زبان بروز قیامت ستر گز لمبی کر کے اس کی گردن کے ساتھ باندھ دی جائیگی۔ پھر فرمایا کہ اے عائشہ جو عورت کسی میت پر نوحہ (بین) کرے تو قیامت کے دن اس کی زبان بھی کھینچ کر گلے سے باندھی جائیگی۔ اور گسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ اور اے عائشہ جو عورت صدمہ کے وقت منہ پر طمانچے مارے یا کپڑے پھاڑے وہ کافرہ عورتوں کے ساتھ اٹھے گی اور اس کی کوئی سفارش کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ اور اے عائشہ جو عورت قبرستان میں جائے گی۔ اس پر اللہ لعنت کرتا ہے جب تک وہ گھر نہ لوٹے۔ (اپنے محرم کی قبر پر جانے کی اسے اجازت ہے)۔ مگر وہ ایسے طریقے سے کہ راستے میں اور کوئی قبر وغیرہ نہ ہو۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ

اور اگر تم کو ڈر ہو جدائی کا ان میں تو بھیجو ایک پنچ مرد والے کی طرف سے ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اگر چاہیں دونوں صلح کرنی تو میل پیدا کرے گا اللہ ان میں بے شک اللہ ہے علم والا خبردار

(آیت نمبر ۳۵) اور اگر تمہیں ڈر ہو ان کے آپس میں جدا ہونے کا کہ نوبت جدائی کی آ جائے تو یہ حیلہ کرو کہ تم ان کیلئے حکم مقرر کر دو یہ اس وقت ہے کہ جب تمہیں ان کے اختلاف کے ختم ہونے کی امید ہو۔ تو بھیجو ایک مرد حکم بنا کر (جو عادل ہو اور فیصلے اور اصلاح کرنے کی واقفیت بھی رکھتا ہو)۔ خاوند کی جانب سے اور دوسرا حکم ان ہی اوصاف والا عورت کی جانب سے۔ تا کہ وہ دونوں کو راضی کریں۔ اگر وہ ان کے قریبی ہوں تو زیادہ اچھا ہے کہ وہ اندرونی معاملات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور وہ ان کی اصلاح کے خواہشمند ہوں اور ان کے خیر خواہ بھی ہوں۔ اور بیوی خاوند بھی آپس میں اصلاح چاہتے ہوں۔ تا کہ ان کا اختلاف ختم ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ان بیوی خاوند میں موافقت کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اور ان میں الفت پیدا فرما دے گا۔ **ف:** جب بندہ اخلاص سے کوئی کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس خلوص میں برکت پیدا فرما دیتا ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا خبردار ہے۔ یعنی وہ ظاہر و باطن سب جانتا ہے کہ اختلاف کیسے ختم ہوگا اور موافقت کیسے پیدا ہوگی۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو نماز روزہ اور صدقہ سے افضل ہو۔ عرض کی گئی۔ ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا۔ وہ آپس میں صلح صفائی ہے۔

فائدہ: لوگوں میں صلح کرانے والے مخلوق خدا میں سب سے بہتر ہیں۔ اور لوگوں میں شر پھیلانے والے مخلوق خدا میں سب سے بدتر لوگ ہیں جو زمین میں فساد مچاتے اور فتنہ پھیلاتے ہیں۔

مسئلہ: دو مسلمانوں کو آپس میں لڑانا یا بیوی خاوند میں جدائی کرا کر خوش ہونا یہ سب سے بڑا فتنہ فساد ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ خبردار دین خیر خواہی کا نام ہے۔ یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔ کس کیلئے تو فرمایا اللہ اور اس کے رسول اور تمام مومنوں کیلئے (رواہ مسلم فی صحیحہ)۔ اللہ تعالیٰ کیلئے نصیحت یہ کہ اس پر ایمان لائے۔ اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہو۔ اور جس کام سے اس نے منع کیا اس سے باز رہے اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دے اور رسول کے لئے نصیحت یہ ہے کہ رسول کی سنتوں پر عمل کرے اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دے اور عام مومنوں کیلئے نصیحت یہ ہے کہ ان کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ ان کی آپس صلح کرائے اور ان کی اصلاح کرے اور صلح والے سب سے بہتر لوگ ہیں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى

اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک کرو اس کے ساتھ کسی کو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں سے

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ

اور محتاجوں اور ہمسایہ قریبی سے اور ہمسایہ دور سے اور ساتھی قریب والا

وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ۝۳۶

اور مسافر اور جو ملکیت میں لونڈی غلام ہیں بے شک اللہ نہیں پسند کرتا جو ہو اترانے والا شیخی مارنے والا

(آیت نمبر ۳۶) اور اللہ کی عبادت کرو۔ (اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا عبادت ہے) اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ خواہ وہ بت ہوں یا کوئی اور چیز اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اللہ کی عبادت اس لئے کرو کہ اس نے پیدا کیا۔ ماں باپ پر احسان اس لئے۔ کہ وہ تمہارے دنیا میں آنے کا وسیلہ بنے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اس طرح سے خدمت بجالاؤ کہ وہ خوش ہوں ہر ممکن طور پر ان کی ضروریات پوری کرو۔ اور قریبی رشتے داروں سے بھی حسن سلوک کرو۔ صلہ رحمی کے طور پر۔ اور یتیموں اور مسکینوں کو خیرات وصدقات دے کر ان پر احسان کرو۔ اور وہ رشتے دار جو پڑوس میں رہتے ہوں۔ ان کے ساتھ بھی احسان کرو یعنی ان کی ہر ممکن مدد کرو۔

حضور ﷺ نے پڑوسیوں کے حقوق پر بہت زیادہ زور دیا کہ انہیں قرض چاہئے تو قرض دو۔ بیمار ہو تو بیمار پرسی کرو۔ مرجائے تو جنازے میں شریک ہو وغیرہ۔ اور اس دوست پر بھی احسان کرو جو پڑوس میں رہتا ہے۔ یا کام کاج کا ساتھی ہے۔ یا سفر کا ساتھی ہے یہ بھی صحبت کی حیثیت سے احسان کرنے کے حق دار ہیں۔ انہیں بھی حق ہمسائیگی حاصل ہوگیا۔ اور وہ مسافر بھی احسان کا حق دار ہے۔ جو اپنے ملک وشہر سے دور ہے۔ اس کے ساتھ بھی جو احسان مروت ہوگا۔ وہ صدقہ کے برابر شمار ہوگا۔ اور فرمایا کہ جو غلام اور لونڈیاں تمہاری ملکیت میں ہیں۔ ان پر احسان یہ کہ انہیں آداب سکھائے۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لے۔ بے شک اللہ نہیں پسند کرتا اسے جو متکبر ہے۔ یعنی جو مذکورہ افراد سے نفرت کرتا ہے اور ہر ایک پر فخر اور شیخی مارتا ہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ فخور وہ ہے جو اللہ کی نعمتوں پر شکر نہیں کرتا اور مصیبت پر صبر نہیں کرتا۔ اور اس کی عطا پر قناعت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ اے موسیٰ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہذا میری ہی عبادت کر۔ میں وحدہ لاشریک ہوں۔ جو میرے فیصلے پر راضی نہیں۔ اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کرتا۔ اور میری آزمائش پر صبر نہیں کرتا۔ اور میری عطا پر قناعت نہیں کرتا۔ پھر اسے چاہئے کوئی اور ہی رب تلاش کرلے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ

جو خود بخل کرتے ہیں اور کہتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کے متعلق اور چھپاتے ہیں جو دیا ان کو اللہ نے

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ ﴿۳۷﴾

اپنے فضل سے اور تیار کیا ہم نے کافروں کیلئے عذاب رسوا کرنے والا

(آیت نمبر ۳۷) وہ لوگ جو اللہ کے دیئے ہوئے مال میں بخل کرتے ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو ان کو مال دیا ہے۔ اس کو چھپاتے ہیں۔

مسئلہ: جو بندہ خود بھی بخیل ہو اور دوسروں کو بھی بخل کرنے کا حکم دے۔ اسے ڈبل گناہ ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ ہر زمانے میں ہوئے ہیں۔ کہ جو خود بھی صدقہ نہیں دیتے۔ اور دوسروں کو بھی صدقہ دینے سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ اگر انہیں طاقت ہو تو صدقہ دینے والے کا ہاتھ روک لیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ بخیل ایسا بدبخت ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص خیرات کا کچھ ارادہ کر ہی لے تو بجائے خوش ہونے کے برا مناتا ہے۔ یہ محض ان کی بدبختی اور ان کی کوتاہ نظری ہے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بخیل کو دیکھنے سے دل زنگ آلود ہوتا ہے۔ لہٰذا عقلمند کو چاہئے کہ بخیل کی صحبت سے دور ہی رہے۔ اور اس کے پاس بیٹھنے کو زہر قاتل سمجھے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

آگے فرمایا کہ ہم نے کفار کیلئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کفر کرتا ہے۔ وہ اسی لائق ہے کہ اسے ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ چونکہ وہ بخل کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتا ہے۔ اور ان پر شکر ادا نہیں کرتا۔ لہٰذا اس کی یہی سزا ہے۔

شان نزول: اس آیت کا یہ ہے۔ کہ یہودی خود بھی اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اگر دے دو گے تو ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ تم خود محتاج ہو جاؤ گے۔ لہٰذا کسی غریب مسکین کو مال مت دو۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ

اور وہ جوخرچ کرتے ہیں اپنے مال دکھانے کے لئے لوگوں کواور وہ نہیں ایمان لائے اللہ پر اور نہ دن

الْاٰخِرِ ط وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَا ذَا

آخرت پر اور جو ہو ایسا کہ شیطان اس کا ساتھی ہو تو کتنا برا ہے ساتھی اور کیا ہو جاتا

عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ط

انہیں اگر ایمان لاتے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور خرچ کرتے اس میں سے جو دیا ان کو اللہ نے

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

اور ہے اللہ ان کو جانتا

(آیت نمبر ۳۸) وہ لوگ جو اپنے مال دوسروں کو دکھاوے کیلئے دیتے ہیں۔ یعنی فخر کے طور پر خرچ کرتے ہیں۔ تا کہ لوگ ہمیں بہت بڑا سخی کہیں۔ یعنی اس سے مقصد رضاء الٰہی نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں کو خوش کرنا ہے۔ مذکورہ دونوں آیات میں بخل اور ریا کاری کی مذمت کی گئی۔ لیکن ریا کاری بخل سے بھی زیادہ بری چیز ہے۔ اس لئے کہ ریا کار نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ قیامت پر وہ صرف لوگوں کو دکھانے کیلئے مال خرچ کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اللہ بھی راضی ہو اور قیامت کے دن ثواب بھی مل جائے۔

شانِ نزول : یہ آیت اہل مکہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جو اسلام اور بانی اسلام کی عداوت میں مال خرچ کرتے تھے۔ اور ان سے یہ کام شیطان کرواتا تھا۔ اس لئے آگے فرمایا کہ جس کا ساتھی شیطان ہو جائے۔ تو وہ کتنا ہی برا ساتھی ہے جو ہمیشہ برائی کی ہی رغبت دیتا رہتا ہے۔ اور بڑے ہی ٹیکنیکل طریقے سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ جسے عام آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یعنی بڑے طریقے سے اچھی جگہ مال بھی خرچ کرتا ہے۔ اور ضائع بھی کرا دیتا ہے۔ اور پتہ بھی نہیں چلنے دیتا۔

(آیت نمبر ۳۹) اور کیا ہو جاتا انہیں اگر وہ اللہ اور قیامت پر ایمان لے آتے۔ اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے اس میں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خرچ کر دیتے۔ اس لئے کہ اللہ اور قیامت پر ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے۔ کہ جو بھی خرچ ہو وہ رضا الٰہی کیلئے ہو۔ اور اس سے مقصود اصلی ثواب کا حصول ہو۔ نہ دکھلاوہ کرے اور نہ دے کر احسان جتلائے اور نہ تکلیف پہنچائے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ

بے شک اللہ نہیں ظلم کرتا ذرہ برابر بھی اور اگر کوئی ہوئی نیکی تو دونی کرتا ہے اس کو اور دیتا ہے

مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

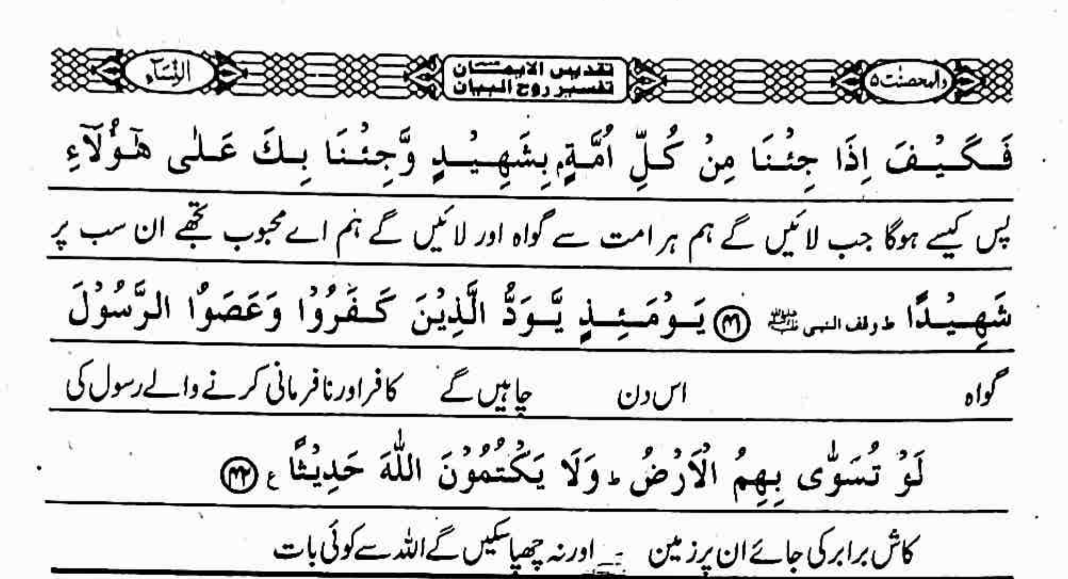
اپنی طرف سے اجر بہت بڑا

(بقیہ آیت نمبر ۳۹) **فائدہ:** یہاں اصل میں ان لوگوں کو زجر و توبیخ کی گئی کہ جو لوگ مال کے اچھے مصرف سے بے خبر اور جاہل ہیں۔ حالانکہ وہ اپنی نیت اور اعتقاد کو درست کر کے بڑے فوائد و فضائل حاصل کر سکتے تھے۔ اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی گئی۔ کہ تم اس بھلائی کے حصول کے لئے پوری جدو جہد کر کے بے شمار منافع حاصل کر سکتے ہو۔ اور یہ بات بھی مدنظر رہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے مخفی حالات سے بھی باخبر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آخر میں ان بدبختوں پر واضح کر دیا۔ کہ تم لوگ اتنے کوتاہ نظر ہو۔ کہ تم اس کمینی دنیا کے حاصل کرنے میں ہی لگ گئے ہو جو بالکل ہی قلیل و ذلیل ہے اور آخرت کے بلند مراتب اور اعلیٰ مقامات کے حصول سے تم محروم ہو گئے ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم اللہ کی رضا اور طلب حق میں خرچ نہیں کرتے۔ اور بے جا خرچ کرنے پر تل گئے ہو۔ جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

سبق: عقل مند کو چاہئے کہ وہ ہر عمل میں ریاکاری سے بچے۔ اور سخاوت کی عادت بنائے۔ اور بخل سے بھاگے۔ اس لئے کہ مال کا شکر ہی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

(آیت نمبر ۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرا برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ یعنی کسی کے بھی اجر میں کمی نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اس میں اللہ تعالیٰ سے ظلم کی بالکلیہ نفی ہے۔ قلیل کی نفی سے کثیر کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے۔ آگے فرمایا کہ اگر ذرا برابر بھی نیکی ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا بڑھا کر دگنا بلکہ کئی گنا کر دے گا۔ مثلاً ایک نماز جماعت سے پڑھی تو کئی گنا ثواب بڑھ گیا اور یہ ثواب اور اجر اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے گا۔ جب یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ تو پھر اس کے عظیم ہونے کا اندازا کون لگا سکتا ہے۔ **حدیث شریف:** بروز قیامت جب سب لوگ جمع ہوں گے۔ تو اعلان عام ہوگا کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے۔ جس کسی کا اس نے کوئی حق دینا ہو۔ آ کر لے لے تو حقوق والے پہنچ جائیں گے اور اپنا اپنا حق مانگیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے۔ کہ ان کے حقوق ادا کر۔ وہ کہے گا کہ میں کیسے ادا کروں۔ یہاں تو درھم و دینار ہی نہیں (رواہ الطبرانی)۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے حقوق دنیا میں ہی پورے کر جائے۔ یا ان سے معافی مانگ لے کیونکہ آخرت میں وہ پھر کچھ نہیں کر سکے گا۔ اور لوگوں کے حقوق پورے نہ کر سکنے کی وجہ سے جہنم کی سزا کا مستحق ہو جائے گا۔



فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ

پس کیسے ہوگا جب لائیں گے ہم ہر امت سے گواہ اور لائیں گے ہم اے محبوب تجھے ان سب پر

شَهِيدًا ؕ وقف النبی ﷺ ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ

گواہ — اس دن — چاہیں گے — کافر اور نافرمانی کرنے والے رسول کی

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا ؏ ﴿۴۲﴾

کاش برابر کی جائے ان پر زمین — اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات

(بقیہ آیت نمبر۴۰) تو پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ اس کی نیکیاں حقوق والوں کو دے دی جائیں۔ جب وہ دے دی جائیں گی تو ایک ذرہ برابر اس کی نیکی بچ رہے گی۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے بڑھا کر اپنی مہربانی سے اسے جنت میں داخل فرمادیں گے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے بندوں کو جنت کی نعمتیں پیش کرو تو وہ اعلیٰ قسم کے کھانے اور لذیذ مشروبات پیش کریں گے۔ جن سے وہ بہت زیادہ لذت محسوس کریں گے۔ جس کی مثال دنیا میں نہیں ہے۔ پھر رب کریم فرمائے گا کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب مزید کوئی خواہش ہو تو بتاؤ تو وہ کہیں گے۔ ہم تو تیری رضا چاہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بلا حجاب انہیں اپنا دیدار کرائے گا اور بندے دیکھتے ہی سجدہ میں گر جائیں گے۔

(آیت نمبر۴۱) پھر وہ کیسا وقت ہوگا کہ جب ہم ہر امت پر گواہ لائیں گے۔ جو ان کے عقائد باطلہ اور اعمال بد پر گواہی دیں گے۔ یعنی ہر امت کا نبی اپنی ہی امت کے خلاف گواہی دینے آئیگا۔ تو امتیں اس کا انکار کر دیں گی۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب پھر ہم آپ کو ان نبیوں کی سچائی پر بطور گواہ لائیں گے۔ یا آپ ان کافروں کی تکذیب پر گواہی دیں گے۔ کہ یہ کافر جھوٹ بول رہے ہیں اور انبیاء کرام سچ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کو تبلیغ کی تھی۔

(آیت نمبر۴۲) پھر اس دن کافر اور نافرمان لوگ یہ آرزو کریں گے کہ کاش زمین پھٹے اور ہم اس میں چلے جائیں۔ اور اوپر سے زمین برابر ہو جائے۔ جیسے مُردوں پر مٹی ڈال دی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔ اس لئے کہ ان کے اعضاء بھی ان کے خلاف گواہیاں دیں گے۔ تو اس وقت کفار اور مشرکین اپنے کئے پر جھوٹ بول دیں گے کہ ہم نے کوئی شرک وغیرہ نہیں کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا

اے ایمان والو نہ قریب جاؤ نماز کے جب تم نشہ میں ہو۔ یہاں تک کہ تم جانو (ہوش کے ساتھ کہ)

مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ

تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ ناپاکی کی حالت میں مگر مسافری میں یہاں تک کہ تم نہالو۔ اور اگر ہو تم

مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

بیمار یا اوپر سفر کے یا آئے کوئی تم سے پاخانے سے یا چھوا تم نے

النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا

عورتوں کو پھر نہ پاؤ پانی تو تیمم کرلو مٹی پاک سے پس مسح کرو

بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں کا۔ بے شک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشش والا

(بقیہ آیت نمبر۴۲) **حدیث شریف** میں ہے کہ قیامت کے دن جانوروں اور پرندوں سے حساب لینے کے بعد انہیں مٹی کر دیا جائیگا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ حال دیکھ کر کافر بھی آرزو کرے گا کہ کاش وہ بھی مٹی میں مل جائے۔ (کشف العلوم)

(آیت نمبر۴۳) اے اہل ایمان جب تم نشہ میں ہو تو پھر نماز کے قریب تک بھی نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یعنی جب تم اچھی طرح ہوش میں آ جاؤ۔ تو پھر نماز پڑھو۔

شان نزول: ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عبدالرحمٰن بن عوف کے ہاں دعوت میں مدعو تھے۔ جس میں شراب نوشی کا بھی انتظام تھا۔ ادھر نماز مغرب کا وقت ہوگیا تھا۔ ابھی نشہ پورا نہیں اترا تھا کہ جماعت کھڑی ہوگئی تو امام نے قل یا ایھا الکافرون والی سورۃ پڑھی۔ تو اس میں لا کو حذف کر دیا۔ اور معنی الٹ ہوگیا اس

موقع پر یہ حکم نازل ہوا کہ جب تم نشہ کی حالت میں ہوتو اس وقت نماز نہ پڑھا کرو۔ یہاں تک کہ تم جان لو کہ تم کیا پڑھ رہے ہو۔ پھر بعد میں مکمل طور پر شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر جنبی حالت میں ہو تو مسجد کے قریب بھی مت جاؤ۔ البتہ اگر راستہ عبور کرنا ہو تو پہلے غسل کرو۔ ورنہ تیمم کر کے گذر جاؤ۔

یہاں بعض علماء نے آیت میں صلوٰۃ بمعنی مسجد کیا ہے۔ یعنی نشے کی حالت میں مسجد کے قریب بھی نہ جاؤ اور ضرور گذرنا ہو۔ تو تیمم کر کے مسجد سے گذر سکتے ہو۔

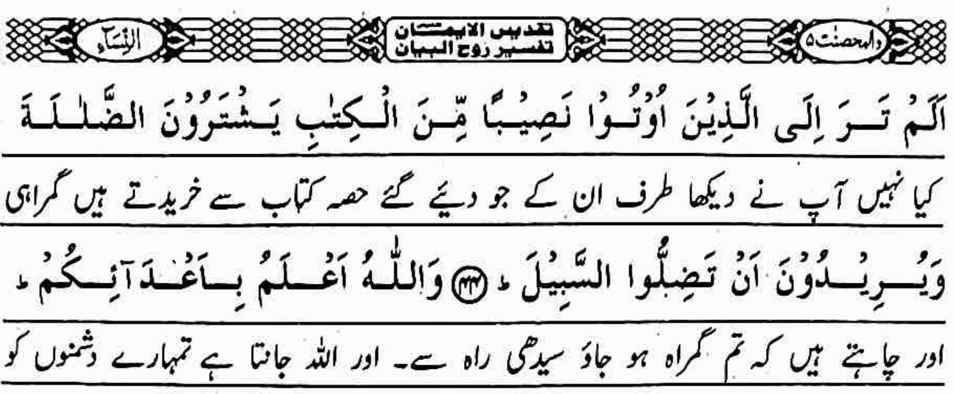
مسئلہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ ہر اس کام سے دور رہو۔ جو نماز سے غفلت کا باعث بنے۔ اور بندے کو چاہئے کہ اپنے نفس کو ان امور سے پاک وصاف رکھے جو اسے نقصان پہنچانے والے ہوں۔

آ گے فرمایا کہ اگر تم بیمار ہو کہ پانی کے استعمال کی وجہ سے موت کا خطرہ ہو یا بیماری زیادہ ہونے کا خدشہ ہو یا سفر درپیش ہو یا تم میں کوئی بیت الخلاء سے باہر آئے۔ یعنی قضاء حاجت سے فارغ ہو۔ اس سے مراد مطلق بے وضو ہونا ہے۔ یا عورتوں سے قربت یعنی جماع کیا اور غسل کی ضرورت ہوئی۔ پھر تم پانی نہ پاؤ یا پاؤ مگر استعمال پر قدرت نہیں۔ یا دور بہت زیادہ ہے یا نزدیک ہے۔ مگر کنویں میں ہے۔ نکالنے کا کوئی بندوبست نہیں۔ یا پانی اور نمازی کے درمیان کوئی دشمن حائل ہے کہ جو پانی تک نہیں پہنچنے دیتا تو ان تمام صورتوں میں تیمم کر لو انتہائی پاک مٹی سے۔

مسئلہ: پتھر پر مٹی نہ بھی ہو پھر بھی اس پر تیمم ہو سکتا ہے۔ یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔ تو ان تمام مذکورہ اعذار میں اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے کہ تم تیمم کرو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ غسل اور وضو کا تیمم ایک ہی ہے۔

آ گے فرمایا کہ تم مسح کرو اپنے موہوں کا اور ہاتھوں کا۔

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر منہ پر اس طرح پھیرو کہ جتنا حصہ دھونے میں آتا ہے۔ اس تمام حصہ پر ہاتھ پھر جائے۔ پھر مٹی پر ہاتھ مار کر پہلے دائیں ہاتھ پر بایاں ہاتھ مکمل طور پر پھیرے۔ پھر بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ پھیرے۔ آ گے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف فرمانے والا یعنی دنیا میں جتنی بھی تم سے غلطیاں ہوئیں انہیں بخش دینے والا ہے۔ البتہ ایک بات یاد رکھیں۔ کہ مٹی یا زمین کی جنس سے جو چیز بھی ملے۔ امام اعظم کے نزدیک اس پر تیمم کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ یقیناً پاک ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تیمم سے پہلے اس کی نیت ضروری ہے کہ میں کس مقصد کیلئے وضو کر رہا ہوں۔ یعنی نماز کیلئے یا تلاوت وغیرہ کیلئے۔



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

کیا نہیں آپ نے دیکھا طرف ان کے جو دیئے گئے حصہ کتاب سے خریدتے ہیں گمراہی

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ

اور چاہتے ہیں کہ تم گمراہ ہو جاؤ سیدھی راہ سے۔ اور اللہ جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اورکافی ہے اللہ کارساز اور کافی ہے اللہ مددگار

(آیت نمبر۴۴) کیا تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کی طرف جنہیں کتاب میں سے کچھ حصہ دیا گیا۔ چونکہ یہود ونصاریٰ کی غلط کاریاں اس قدر مشہور تھیں کہ گویا سب نے انہیں دیکھا ہوا تھا۔ لہذا یہاں کتاب سے مراد توراۃ اورالناس سے مراد یہودی ہیں اورانہیں دیکھنا تعجب کی بناء پر ہے۔ کہ کتاب پڑھنے کے باوجود گمراہ ہو گئے۔ اور وہ گمراہی انہوں نے گویا خود خریدی اپنے اختیار سے۔ بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں صراط مستقیم سے ہٹا دیں۔

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ ان یہود علماء کے حق میں نازل ہوئی جو عبداللہ بن ابی منافقوں کے سردار کے ساتھ مل کر لوگوں کو اسلام سے ہٹانے کی کوشش کرتے تھے اور وہ گمراہ کرنے والی چیزیں خریدتے تھے۔ حالانکہ انہیں تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور انہوں نے کتاب کو پس پشت کر کے گمراہی خرید لی اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ پر پردہ ڈال دیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ اور سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ۔ (جو راہ اللہ سے ملانے والی ہے)۔ اور وہ سب کو اپنے دین پر لا کر سیاہ سفید کے مالک بننا چاہتے ہیں۔ لیکن اے مسلمانو۔ یاد رکھو۔

(آیت نمبر۴۵) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی دشمنی سے تمہیں بھی خبردار کر رہا ہے۔ تا کہ تم ان کی حرکتوں سے بچ سکو اور ان سے ہرگز میل جول نہ رکھو۔ لہذا کافی ہے اللہ تعالیٰ یعنی تمہارے سب کاموں میں کفیل اور تمہارا مددگار کافی ہے۔ لہذا تم اسی پر بھروسہ کرو اور غیر اللہ جتنے بھی ہیں۔ ان کا دھیان بالکل چھوڑ دو۔ اس لئے کہ وہ تمہارے لئے فائدہ مند نہیں بلکہ وہ تمہارے نقصان میں خوش ہیں۔ اگرچہ بہ ظاہر تو تمہارے خیر خواہ اور دوست بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ تمہارے بدترین دشمن ہیں جو تمہیں راہ حق سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ لہذا ان سے ہوشیار رہو۔



مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا

ان سے جو یہودی ہیں پھیرتے ہیں کلاموں کو ان کی جگہ سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا

وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ط

اورنافرمانی کی اور سنیں نہ سنائے گئے اور لفظ راعنا موڑ کر اپنی زبانوں کو اور طعنہ مارتے دین میں

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور اگر بے شک وہ کہتے ہم نے سنا اور مان لیا اور ہماری سنیں اور نظر کرم کریں ہم پر تو ہوتی بہتر بات ان کے لئے

وَاَقْوَمَ لا وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

اور بہت درست لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے ان کے کفر کے سبب تو نہ ایمان لائے مگر تھوڑا

(بقیہ آیت نمبر ۴۵) **ف**: اس آیت میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔ **ف**: دنیا میں سب سے بدترین شخص وہ ہے۔ جو خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے اور ہر زمانے کے علماء سو میں یہ دونوں باتیں پائی گئیں۔ اس کی بنیاد ان کی طمع و لالچ ہے۔ سادہ لوح لوگ ان کی شکلیں دیکھ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔

سبق: اے گروہ علماء و اتقیاء جو نبیوں کے وارث ہو اور حق کے حاصل کرنے والو تم حق سے مت پھرو۔ و اگر چہ لوگ تم پر حسد کرتے ہیں اور تمہارے منکر ہیں۔ تمہیں وہ ملامت کرتے اور ایذاء دیتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خود ہی نمٹ لے گا۔ سالک کو چاہئے کہ اپنے نفس کو غلیظ اور رذیل عادات سے بالکل پاک وصاف کرلے۔

(آیت نمبر ۴۶) قوم یہود میں سے کچھ وہ لوگ تھے جو کلمات کو اصل مقامات سے تبدیل کرتے ہیں۔ یعنی اصل عبارت کو وہ تبدیل کر دیتے ہیں جیسے انہوں نے توراۃ کو تبدیل کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام کو اپنے مطلب کے مطابق کر ڈالا۔ چونکہ گستاخی و بے باکی سے کلام الٰہی میں اپنی مرضی کے مطابق کانٹ چھانٹ کی۔ یعنی احکام الٰہی میں من مانی تاویلیں کرنا یہود کی خصوصیات بن کر رہ گئیں۔ **فائدہ**: تحریف کے دو طریقے تھے:

۱۔ یہ کہ کلام تو وہی رہتی لیکن اس کا مفہوم وہ اپنی مرضی سے بیان کرتے جو اللہ و رسول کی منشا کے خلاف ہوتا (جیسے آج

کل کے علماء سو کر رہے ہیں کہ جو آیات بتوں کے حق میں نازل ہوئیں وہ انبیاء واولیاء پر تھوپ دیتے ہیں۔

۲۔ تحریف کا دوسرا طریقہ یہ۔ کہ وہ اصل کلام ہی نکال کر اپنی طرف سے مرضی کی کلام اس میں داخل کر دیتے۔ مثلاً جہاں نبی پاک ﷺ کی نعت اور صفت تھی۔ اس کو مٹا کر اپنی مرضی سے اس کے خلاف لکھ دیتے۔ اور جب وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں ہوتے تو حضور جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو وہ کہتے کہ ہم نے سن لیا۔ لیکن آہستہ بطور عناد کے کہتے کہ ہم نے نافرمانی کی۔ تا کہ پہلا کلمہ کہنے سے مسلمان بھی خوش ہوں۔ اور ہم بھی بچ جائیں اور دوسرے کلمے سے باقی یہودی برادری بھی خوش ہو جائے۔ کہ ہم نے انہیں جواب دے دیا۔ اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ آگے کہتے۔ سن نہ سنایا ہوا یہ کلمہ کہنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

(۱) یہ بطور مدح کے بھی ہے پھر معنی یہ ہوگا کہ سن اے مخاطب کہ تمہیں کوئی تکلیف دہ بات نہ سننی پڑے۔
(۲) اور اس جملہ میں مذمت کا پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ خدا کرے تم کسی کی بات نہ سن سکو بوجہ بہرہ پن کے۔ یعنی تمہارے لئے ہماری بددعا ہے کہ تمہیں کوئی بات نہ سنائی دے۔ گویا یہ الفاظ کہتے وقت ان کی یہ آرزو ہوتی۔ کہ کاش ان کی یہ آرزو پوری ہو جائے۔ یہ یہودیوں کا طریقہ تھا۔ کہ وہ نبی کریم ﷺ کو سنانے کیلئے ایسے کلمات کا اظہار کرتے تا کہ ظاہراً مدح ہو اور باطناً قدح ہو۔ جیسے وہ ایک کلمہ راعنا کا بولتے جس میں دو احتمال ہوتے۔ ظاہر معنی کے لحاظ سے اس کا مطلب ہوتا کہ ہم پر نظر کرم کر کے ہماری رعایت فرمایئے۔ تا کہ ہم اپنی معروضات پیش کر سکیں۔ لیکن اصل مقصد ان پلیدوں کا حضور کو برا بھلا کہنا تھا۔ بہ ظاہر حضور ﷺ کی تعظیم کا دم بھرتے اور اندرون خانہ حضور ﷺ کی بے ادبی کرتے تھے تو وہ راعنا کا لفظ کہتے وقت اپنے منہ اور زبان کو ٹیڑھا کر لیتے تا کہ لوگ سمجھیں کہ وہ اصل کتاب سے پڑھ رہے ہیں۔ لیکن وہ اصل میں اندرونی خباثت کی وجہ سے آپ کی تحقیر کرتے تھے اور دین میں طعنہ زنی کرتے تھے۔

تا کہ طعن و تشنیع کر کے تمسخر اڑائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ احکام الٰہی سن کر یوں کہتے کہ ہم نے سنا اور اطاعت بجالاتے ہیں اور اسمع کہتے اور غیر مسمع نہ کہتے اور راعنا کی جگہ انظرنا کہتے اور شر پھیلانے کیلئے کلمات میں ہیر پھیر نہ کرتے۔ تو یہ بات ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتی۔ اور نہایت سیدھی اور مضبوط بات ہوتی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اگر وہ اچھے کلمات ہی کہتے تو آج ان کو لعنت سے کون یاد کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی ہے۔ اب انہیں ایمان کی توفیق ملنا مشکل ہے۔ اس لئے وہ اپنی ضد پر قائم ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کو اپنی رحمت سے محروم رکھا۔ تھوڑے ہی ہیں ان میں جو لعنت سے بچ گئے۔ اس لئے فرمایا کہ نہیں ایمان لائے۔ مگر تھوڑے ہی لوگ جیسے عبد اللہ بن سلام اور کعب احبار جیسے لوگ جو بہت کم تعداد میں ہیں۔ بقایا سب لوگ اللہ کی رحمت سے محروم رہ گئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ

اے کتاب والوایمان لاؤ اس پر جو اتارا ہم نے تصدیق کرتا ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے قبل اس کے

اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا

کہ ہم بگاڑ دیں چہرے پھر پھیریں انہیں پیٹھ کی طرف یا لعنت کریں ان پر جیسا

لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

لعنت کی ہفتہ والوں پر اور ہے حکم اللہ کا کیا ہوا

(آیت نمبر ۴۷) اے لوگو جو کتاب (توراۃ) دیئے گئے ہو۔ ایمان لاؤ اس کتاب پر جو ہم نے نازل کی یعنی قرآن پر اس لئے کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے۔ اس کی جو تمہارے پاس ہے۔ یعنی یہ قرآن توراۃ کی تصدیق کرتا ہے۔ کہ توراۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ توراۃ میں تھا۔ وہی قرآن میں ہے۔ یعنی توحید و رسالت اور سابقہ انبیاء کے قصے اور وعدو وعید ہیں۔ نیکی کی طرف دعوت برائی سے ممانعت ہے۔

فائدہ: اگرچہ چند احکام میں تبدیلی امتوں کے حالات کے پیش نظر کی گئی اور اس میں بھی کئی حکمتیں پنہاں ہیں۔ آگے فرمایا اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم بگاڑ دیں تمہارے چہروں کو۔ یعنی آنکھ اور ناک بلکہ پورا منہ بگاڑ دیں۔ پھر انہیں پھیر کر تمہاری پشتوں کی طرف کر دیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس کا یہی معنی مراد لیتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ ہم ان پر لعنت کر دیں کہ ان کو ذلیل و رسوا کر دیں۔ جیسے کہ ہم نے لعنت کر کے ہفتے کے دن شکار کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کیا تھا کہ انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے بغاوت کی۔ **فائدہ:** سزا سے بچنے کا ذریعہ صرف ایمان ہے۔ ورنہ لعنت اور ذلت لازمی ہوگی۔ سابقہ تمام امتوں کے حالات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ آخرت کی رسوائی سے بچاؤ کا ذریعہ صرف اور صرف ایمان ہے آگے فرمایا۔ کہ اللہ کا فیصلہ طے شدہ ہے۔ یہ وعید شدید مزید ہے۔ جو امت محمدیہ کو ڈر سنایا گیا کہ اگر تم نے بھی ایمان کو چھوڑا تو یہ معاملہ تمہارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اور اس میں ردوبدل نہیں ہو سکتا۔

حکایت: روضۃ العلماء میں ہے۔ حضرت علقمہ فرماتے ہیں۔ ہم ایک قافلہ کے ساتھ سفر میں تھے۔ اور ہم نے ایک شخص کو اپنے قافلے کا امیر بنایا لیکن وہ بدبخت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو گالیاں بک رہا تھا۔ ہم نے اسے بہت سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانا۔ اگلی صبح ہم نے اٹھ کر دیکھا۔ اس کی شکل جانور کی طرح تھی اور پاؤں خنزیر کے تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ

بے شک اللہ نہیں بخشتا کہ شریک کیا جائے ساتھ اس کے اور بخش دے گا جو علاوہ اس کے جسے چاہے

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

اور جو شریک ٹھہرائے اللہ کا تو تحقیق گھڑا اس نے گناہ بہت بڑا

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) اور پھر وہ خنزیر کی طرح آوازیں نکالنے لگا۔ دن کے وقت اس کی شکل بالکل خنزیر کی طرح تھی۔ اور وہ ان ہی کے ساتھ جا کر مل گیا۔ اور پھر پہچان بھی نہ ہو سکی۔ کہ خلفاء کو گالیاں بکنے والا ان میں سے کون ہے۔ (اس طرح کے سینکڑوں واقعات تاریخ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں)۔

(آیت نمبر ۴۸) بے شک اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا اگر وہ توبہ کے بغیر مر جائے۔ اس لئے کہ موت کے وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مشرک کے سوا جسے چاہے گا۔ بخش دیگا۔ یعنی گناہ صغیرہ یا کبیرہ محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا۔ لیکن یہ حکم سب کے لئے نہیں۔ صرف جس کے لئے وہ چاہے گا۔

فائدہ: حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس سے گناہ گار مومن مراد ہیں جو شرک جیسی لعنت سے بچے رہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے صغائر و کبائر گناہ معاف فرما دے گا۔ لیکن جو ظالم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا۔ اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا ہے جس کی کوئی انتہاء ہی نہیں۔ بلکہ تمام گناہ اسکے بالمقابل کچھ بھی نہیں۔ اس لئے اس کی بخشش کی کوئی امید نہیں ہے۔

فائدہ: (اس آیت میں جہاں مشرک کیلئے بخشش کی مایوسی ہے) وہاں اہل ایمان کیلئے بخشش کی خوشخبری بھی ہے۔

شان نزول: حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی نے حضور ﷺ کی طرف درخواست بھیجی کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن فرمان خداوندی میرے آڑے آتا ہے۔ (کہ جو اللہ کے سوا کسی کو نہیں پوجتے اور کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے۔ اور نہ زنا کرتے ہیں۔ ان کی بخشش ہوگی) یہ تینوں کام میں نے کئے ہوئے ہیں۔ لہذا مسلمان ہونے سے یہ آیت آڑے آ رہی ہے۔ اب میری توبہ کیسے قبول ہو سکتی۔ تو یہ آیت پاک نازل ہوئی۔ مگر جو توبہ کرے اور ایمان قبول کرے اور نیک عمل کرے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیاں نیکیوں سے بدل دیں گے۔ تو وہ مدینہ شریف میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور اس کا دامن شرک سے صاف ہو۔ تو وہ جنت میں جائیگا۔ (بخاری: ۱۲۳۸ و مسلم)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان کے جو پاک بناتے ہیں اپنے آپ کو بلکہ اللہ پاک بناتا ہے جسے چاہے اور نہیں ظلم کئے جائیں گے دھاگے برابر

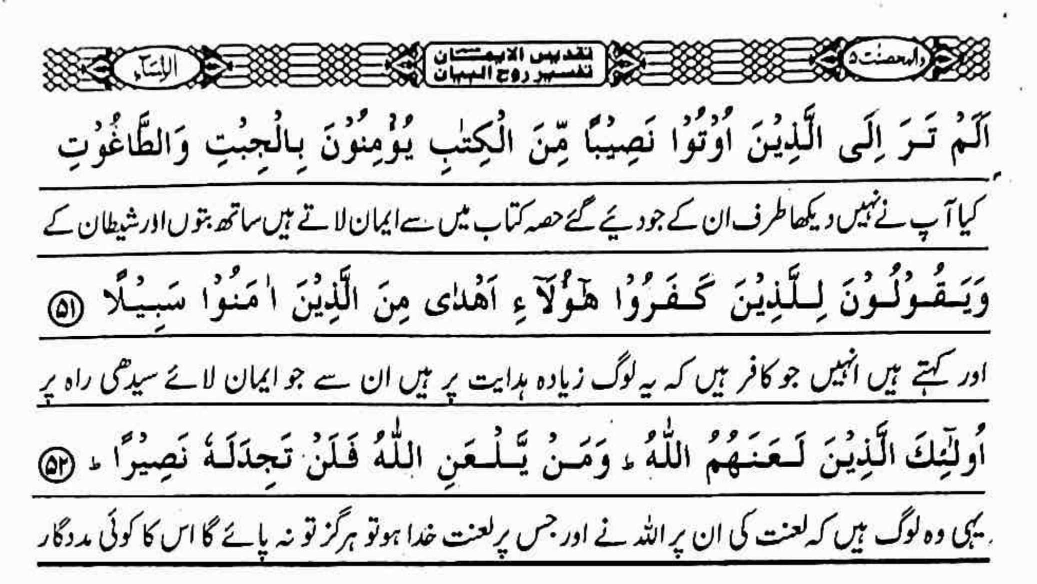
اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ع ﴿۵۰﴾

دیکھ کیسے گھڑتے ہیں اوپر اللہ کے جھوٹ اور کافی ہے اس کا گناہ واضح

(آیت نمبر ۴۹) کیا تم نے نہیں دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاک سمجھتے ہیں۔ یعنی یہودی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم تو معصوم بچوں کی طرح ہیں۔ کہ جیسے معصوم کوئی گناہ کر بھی لیں تو انہیں کوئی پکڑ نہیں۔ (یہی آج کل کے کچھ سیدوں کی بھی سوچ ہے کہ ہم کوئی غلطیاں کر بھی لیں تو ہمارا کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ تعجب اس پر ہے کہ کفر و شرک کے باوجود وہ اپنے آپ کو نیک اور پاک سمجھ رہے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ وہ جتنی بھی اپنی صفائی پیش کریں غلط ہے اس لئے کہ وہ مشرک ہیں اور مشرک پلید ہوتا ہے۔ **فائدہ** : اپنے آپ کو پاک نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی پاک بناتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اس لئے کہ وہی ہر آدمی کے ظاہری اور باطنی حالات کو جانتا ہے اور وہ بندے کی نیکی اور برائی کو بھی جانتا ہے۔ اور بروز قیامت ایک تاگے برابر بھی ظلم نہیں کئے جائیں گے۔ یعنی جو جس کا مستحق ہے۔ اسے ضرور ملے گا۔ اگر کوئی سزا کا مستحق نہ ہوا۔ تو زبردستی کسی کو سزا نہیں دی جائیگی۔ اور کسی کے ثواب میں کمی بھی نہیں کی جائیگی۔

(آیت نمبر ۵۰) اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو فرما رہا ہے کہ اے محبوب آپ دیکھیں تو یہ کیسے اللہ پر جھوٹ گھڑ رہے ہیں۔ یعنی ان کا اپنے آپ کو پاک بنانا اور اپنے کو خدا کا بیٹا اور خدا کا پیارا سمجھنا۔ یہ سب ان کا اللہ پر جھوٹ گھڑنا ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ کہتے تھے۔ کہ یہ مذکورہ باتیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تھوپنا ہی بہت بڑا گناہ ہے۔ گناہ تو اور بھی ان کے بے شمار تھے لیکن اللہ تعالیٰ پر افتراء سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔

سبق: مومن صادق کو چاہئے۔ کہ کبھی بھی وہ اپنی خودستائی نہ کرے۔ یعنی اپنے متعلق یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں الحمد للہ مومن ہوں مسلمان ہوں۔ لیکن یہ کہنا کہ میرے جیسا متقی اور پرہیزگار کوئی نہیں۔ یہ خودستائی ہے جو سخت منع ہے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں لیکن ساتھ ہی فوراً فرمایا کہ میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ **نکتہ**: یہ بھی ہے کہ اولاد آدم کی سرداری ملنا اگرچہ بہت بڑے فخر کی بات ہے لیکن آپ کا مقصد یہ ہے کہ یہ میرے لئے فخر کی بات نہیں بلکہ اولاد آدم کیلئے فخر کی بات ہے کہ انہیں میرے جیسا سردار ملا ہے۔



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ

کیا آپ نے نہیں دیکھا طرف ان کے جو دیئے گئے حصہ کتاب میں سے ایمان لاتے ہیں ساتھ بتوں اور شیطان کے

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾

اور کہتے ہیں انہیں جو کافر ہیں کہ یہ لوگ زیادہ ہدایت پر ہیں ان سے جو ایمان لائے سیدھی راہ پر

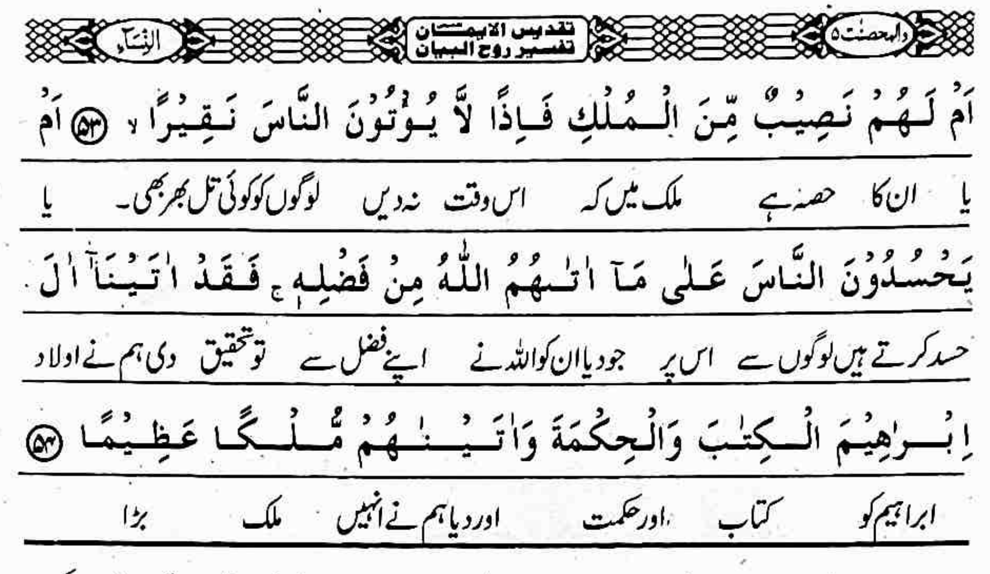
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ؕ ﴿٥٢﴾

یہی وہ لوگ ہیں کہ لعنت کی ان پر اللہ نے اور جس پر لعنت خدا ہو تو ہرگز تو نہ پائے گا اس کا کوئی مددگار

(آیت نمبر۵۱) کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو کتاب میں سے کچھ حصہ دیئے گئے۔اس سے مراد یہودی ہین۔جنہیں توراۃ کا کچھ علم دیا گیا۔کفار مکہ کے کہنے پر علم کے باوجود وہ بتوں پر بھی یمان لائے اور شیطان پر بھی ایمان لائے۔بتوں پر ایمان یوں کہ کہ کفار کے کہنے سے انہوں نے بتوں کو سجدہ کیا۔رحمٰن کے بجائے شیطان کو خوش کیا۔

شـــان نـــزول : جنگ احد کے بعد۔یہودیوں کے بڑے سرغنے حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف ستر یہودیوں سمیت مکہ شریف میں پہنچے اور اہل مکہ کو نبی کریم ﷺ کی مخالفت پر ابھارا۔کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کریں۔ انہوں نے کہا ہم تم پر یقین نہیں کر سکتے۔جب تک کہ تم ہمارے بتوں کے سامنے سجدہ نہ کرو۔تو یہودیوں نے ان کے کہنے پر ان کو خوش کرنے کیلئے بتوں کو سجدہ بھی کر لیا اور کہا کہ تم محمد ﷺ سے زیادہ ہدایت پر ہو۔یعنی کافروں کے متعلق کہا کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ سیدھی راہ پر ہیں۔کہ اپنے باپ دادا کے دین پر چل رہے ہیں۔(العیاذ باللہ)

(آیت نمبر۵۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں۔جن پر اللہ نے لعنت بھیجی یعنی ایسے جھوٹوں پر لعنت نہ ہو تو کیا ہو۔اور جس پر اللہ نے لعنت بھیجی پھر ہرگز اس کیلئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔یعنی کوئی بھی دنیوی یا اخروی عذاب میں ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔نہ ان کو عذاب سے بچا سکے گا اور۔نہ ان کی سفارش کرے گا کہ ان کو عذاب سے بچا لیا جائے۔اگر سفارش کی بھی تو قبول نہیں ہوگی۔ لہذا اب اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا کہ یہودیوں کا یہ مطالبہ بھی جو وہ اتنے دور سے قریش کے پاس لے کر گئے وہ بھی پورا نہ ہو سکا۔بلکہ بتوں کو سجدہ کر کے دونوں جہانوں میں رسوائی حاصل کر لی۔"خسر الدنیا والآخرۃ" کا مصداق بن گئے۔



اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ

یا ان کا حصہ ہے ملک میں کہ اس وقت نہ دیں لوگوں کو کوئی تل بھر بھی۔ یا

يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ

حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے تو تحقیق دی ہم نے اولاد

اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور دیا ہم نے انہیں ملک بڑا

(آیت نمبر۵۳) یا ان کا کوئی حصہ ہے ملک خدا میں۔ یعنی یہودیوں کا ملک میں کوئی حصہ نہیں۔ اگر خدانخواستہ کہیں پاؤں جمانے کا موقع مل جائے پھر تو وہ کسی کو گٹھلی کے چھلکے کے برابر کچھ بھی نہ دیں۔ (جیسے آج بھی غزہ اور شام میں مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں) یعنی اگر کسی جگہ کے بادشاہ ہو جائیں۔ تو کسی کو ایک تنکا بھی نہ دیں۔ غربت میں وہ کسی کو کیا دیں گے۔ بلکہ جو کچھ مسلمانوں کے پاس ہے۔ وہ بھی ان سے چھین رہے ہیں۔ (مذکورہ آیات سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہودیوں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی کنجوس دیوس اور بخیل نہیں۔)

(آیت نمبر۵۴) بلکہ یہ تو لوگوں (یعنی حضور ﷺ اور صحابہ کرام پر حسد کرتے ہیں) اس بناء پر کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کیوں نوازا۔ یعنی نبوت ورسالت اور کتاب اور روز افزوں نصرت وعزت اور ترقی کیوں مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کیوں حسد کرتے ہیں۔ کیا ہم نے اولاد ابراہیم اولاد اسحاق میں نبوت۔ کتاب حکمت اور وسیع سلطنت رکھی، اسی طرح اولاد اسماعیل میں حضور ﷺ بھیجے۔ جنہیں کتاب اور حکمت سے نوازا۔ حسد کی تعریف یہ ہے۔ کہ جو کسی نعمت کا مستحق ہو اسے وہ نعمت دی جائے تو حاسد اس سے زوال چاہتا ہو۔ اس بیماری سے یہود بھرے ہوئے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بھی بادشاہی رکھی اور انہیں بہت بڑے ملک سے نوازا۔ (جیسے سلیمان علیہ السلام جن کی بادشاہی کا کوئی اندازا نہیں لگا سکتا اور ان کے والد ماجد داؤد علیہ السلام ان سے پہلے جناب یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو مصر کی بادشاہی دی) تو پھر وہ حضور ﷺ کی نبوت کا کیوں انکار کرتے ہیں اور ان سے حسد کیوں کرتے ہیں۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں آل ابراہیم سے مراد یوسف علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام ہیں۔

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا ﴿۵۵﴾

پھر ان میں وہ ہیں جو ایمان لائے اس پر اور ان ہی میں ہیں جو رک گئے اس سے اور کافی ہے جہنم بھڑکنے والی

(آیت نمبر ۵۵) ان یہودیوں میں بعض وہ ہیں۔ جو حضور ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ اور ان میں سے وہ بھی ہیں۔ جو نہ صرف ایمان نہیں لاتے بلکہ اوروں کو بھی اس سے روکتے ہیں۔ لہذا کافی ہے۔ ان کو جہنم جلانے والی۔ مراد جہنم کی آگ ہے۔ جس سے ان کو عذاب دیا جائیگا۔ یعنی دنیا میں انہیں عذاب مانگنے کی جلدی کیا ہے۔ جب کہ ان کے لئے آخرت میں جہنم ہی کافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہودیوں میں دو بہت بڑی بیماریاں تھیں: ۱۔ حسد ۔۲۔ بخل۔ دونوں کی بنیاد ان کی جہالت تھی۔ حسد اور بخل ایک لحاظ سے ایک ہی ہیں۔ کہ ان دونوں بیماریوں والا چاہتا ہے کہ میرے سوا کسی کو کوئی نعمت نہ ملے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ تا کہ دل کی صفائی اور آخرت کی سعادت نصیب ہو۔ اور حاسد گویا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کر رہا ہے کہ اللہ اسے دینا چاہتا ہے اور حاسد چھیننا چاہتا ہے۔ اس لئے یہ انتہائی قبیح فعل ہے۔ اگر وہ یہ سمجھے کہ اسے جو کچھ ملا وہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان وکرم کیا ہے۔ حسد کے بجائے اگر وہ کہے اے اللہ مجھے بھی ایسی نعمتوں سے نواز دے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے بھی نواز دے۔

نکتہ: حاسد اور بخیل دنیوی جاہ وجلال اور بلند مراتب سے بھی محروم رہتے ہیں۔ چونکہ حسد اور بخل کا اصل سبب جہالت ہے۔ بخل دنیا کی ترغیب دیتا ہے اور سخاوت آخرت کی اور اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والی چیز جہالت ہے۔

نکتہ: بخیل اور حاسد کو کبھی مستقل حکومت نہیں ملتی۔ یہ ہزاروں سالہ تجربہ ہے۔ اس کی مثال یہودیت ہے۔ آج تک مستقل حکومت نہ بنا سکے۔ آج بھی وہ امریکہ کے زیرسایہ مختلف مقامات پر قابض ہیں۔ امریکہ آج سر سے ہاتھ اٹھالے۔ اور ایک دن انہیں علیحدہ کر دے۔ یہ پیشاب پر جھاگ کی طرح بہہ جائیں۔ معلوم ہوا بخل اور حکومت اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے۔

سبق: سخاوت دنیا وآخرت میں نجات دینے والی ہے۔ معراج کی رات حضور ﷺ نے حاتم طائی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں ہے۔ لیکن آگ اس کی سخاوت کی وجہ سے اس کے قریب بھی نہیں آ رہی تھی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ

بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا ہماری آیتوں سے عنقریب داخل کریں گے انہیں آگ میں جب بھی جل بھن جائیں گی

جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کھالیں ان کی بدل دیں گے ان کی کھالیں تاکہ چکھیں عذاب بے شک اللہ

كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۵۶﴾

ہے غالب حکمت والا

(آیت نمبر ۵۶) بے شک جو لوگ ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی قرآن کو نہیں مانتے۔ عنقریب ہم انہیں آگ میں داخل کریں گے۔ جب بھی ان کے چمڑے جل جائیں گے۔ ہم ان کے دوسرے چمڑے بدل دیں گے۔ یعنی ان کے جلے ہوئے چمڑے الگ کر کے نئے چمڑے دیں گے۔ جو پہلے چمڑے کا غیر ہونگے۔ لیکن صورۃ میں غیر ہوں گے مادہ ایک ہی ہوگا۔ یا ذات ایک ہی ہوگی نام الگ ہوگا۔ تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں اور ہمیشگی کا عذاب ان پر مسلط ہوگا۔ **ف**: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہنم کی آگ جہنمیوں کو روزانہ ستر بار عذاب پہنچائے گی۔ یعنی روزانہ ستر بار بھڑک کر تکلیف میں اضافہ کرے گی۔ جب اگلے چمڑے جلیں گے۔ پھر وہ اصلی حالت پر لوٹ آئیں گے۔ **حدیث شریف**: میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک کافر کا چمڑا چالیس گز کا اور داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی۔ نچلا ہونٹ لڑھک کر ناف تک پہنچے گا (مصنف ابن ابی شیبہ)۔ سانپ اونٹوں اور بچھو گدھوں کے برابر ہوں گے۔ جن کے ڈسنے سے انتہائی سخت تکلیف ہوگی۔ اور ایک معنی یہ ہے جوں ہی اگلے چمڑے جلیں گے۔ فوراً کہا جائے گا۔ لوٹ کر پھر نئے ہو جاؤ تو وہ پھر نئے ہو جائیں گے۔

نکتہ: چمڑے بدلنے میں حکمت یہ ہے کہ جہنم کی آگ کے جلانے اور ہر آن نئی تکلیف ہونے کا انہیں احساس ہوتا رہے۔ ورنہ چمڑا جلنے کے بعد احساس نہیں ہوتا آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ منکرین کو عذاب پہنچانے میں غالب ہے کہ کوئی اسے روک نہیں سکتا اور حکمت والا ہے۔ **سبق**: انسان پر لازم ہے وہ شریعت کے احکام پر گامزن رہے اور نفس و شیطان کے خلاف کمر بستہ رہے۔ تاکہ آخرت میں عذاب سے بچ کر رحمت خداوندی حاصل کرے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے عنقریب ہم انہیں داخل کریں گے باغات میں کہ جاری ہیں اندر ان کے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

ہمیشہ رہیں گے اس میں ان کے لئے اس میں بیویاں ہیں پاک اور ہم داخل کریں گے ان کو گھنے سائے میں

(بقیہ آیت نمبر ۵۶) **اہل ایمان کی سزا:** جو مسلمان گناہ کر کے جہنم میں جائیں گے:

۱۔ بعض کو آگ قدموں تک لگے گی۔ ۲۔ بعض کو گھٹنوں تک۔

۳۔ بعض کو کمر تک۔ ۴۔ بعض کو گردن تک۔

اسی طرح:

۱۔ بعض جہنم میں چند ساعت۔ ۲۔ بعض ایک ماہ۔

۳۔ بعض ایک سال۔ ۴۔ اور زیادہ سے زیادہ دنیا کی عمر تک رہیں گے۔

ایک روایت میں ہے: کہ جو مسلمان کبیرہ گناہ کر کے بغیر توبہ کئے مر گئے۔ وہ جہنم کے صدر دروازہ کے پاس سزا بھگتیں گے۔ نہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں۔ نہ ان کے چہرے بگڑیں گے۔ نہ انہیں بیڑیاں ڈالی جائیں گی۔ نہ جہنم کی آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۵۷) اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر اور قرآن پر اور وہ نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ تو عنقریب ہم انہیں داخل کریں گے۔ ایسے باغات میں کہ جن میں نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ ان باغات میں ہی رہیں گے کہ کبھی بھی وہ وہاں سے نہ نکالے جائیں گے۔ نہ ان پر موت آئے گی۔ ان کے لئے اس میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ جو دنیوی عورتوں سے زیادہ پاک وصاف ہوں گی۔ دنیوی رذائل یعنی کینہ حسد بغض سے بھی پاک ہوں گی۔ اور جسم کی لو اور بیماری وغیرہ سے بھی پاک ہوں گی۔ کہ جس سے طبیعت کو نفرت ہو جیسے حیض ونفاس وغیرہ اور ہم انہیں گھنے سائیوں میں داخل کریں گے۔ ایسے خوش گوار ماحول میں ہوں گے۔ کہ جہاں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ گویا کہ وہاں موسم بہار کا خوش گوار موسم رہے گا۔ جہاں نہ سردی ہوگی اور نہ گرمی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ

بے شک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ پہنچاؤ امانتیں ان کے مالکوں تک اور جب فیصلہ کرنے لگو تم لوگوں میں

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تو فیصلہ کرو ساتھ انصاف کے بے شک اللہ تعالیٰ کتنی اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو اس کی بے شک اللہ

كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

ہے سننے والا دیکھنے والا

(بقیہ آیت نمبر ۵۷) خلاصہ کلام

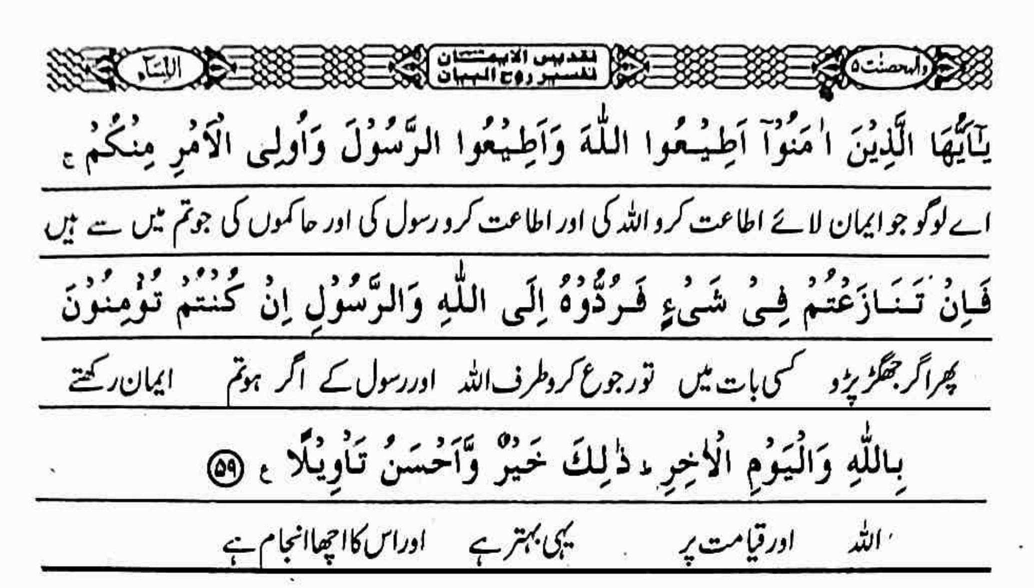
یہ ہے۔ کہ جنت میں ہر وہ نعمت ہوگی۔ جو جنتی چاہے گا۔ چونکہ ڈائریکٹ بات عربوں سے ہو رہی ہے اور وہ ان چیزوں کے خواہاں زیادہ تھے۔ اس لئے گھنے سائیوں کا ذکر خصوصیت سے کیا۔ ورنہ جنت میں تو سب کچھ ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی انسان کو معلوم نہیں کہ ان کی آنکھوں کی کیسی ٹھنڈک جنت میں موجود ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جنت میں ایک ایسا درخت ہوگا۔ جس کے سائے میں اگر کوئی سوار سو سال تک چلتا رہے۔ تو بھی اس کی انتہاء تک نہ پہنچ سکے (ریاض الصالحین)۔ درختوں کے سائے سے مراد آرام وراحت اور فرحت وسکون ہے۔ کہ جہاں کسی قسم کا حزن وملال نہیں ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنتی لوگ سفید رنگ سبز لباس خوبصورت قد ہوں گے۔ جو چاہیں گے۔ وہاں حاضر کر دیا جائیگا۔ جنت کے پرندے کھانے کیلئے خود اپنے آپ کو پیش کریں گے۔ ہر قسم کے پھل فروٹ سامنے پڑے ہوں گے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ وہاں پہننے کیلئے پوشاکیں ہوں گی۔ (رواہ احمد والترمذی)

(آیت نمبر ۵۸) بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم پہنچاؤ امانتوں کو ان کے مالکوں تک۔

شانِ نزول: یہ آیت عثمان بن عبدالدار کے حق میں نازل ہوئی۔ جب مکہ شریف فتح ہوا۔ تو حضور نے عثمان سے چابی مانگی کہ خانہ کعبہ کو کھول دیا جائے۔ تو اس نے نہ صرف چابی دینے سے انکار کیا۔ بلکہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا اور کہا کہ میں جب آپ کو نبی ہی نہیں مانتا تو چابی کیوں دوں۔ تو جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس کا ہاتھ مروڑ کر اس سے چابی چھین لی۔ اور کعبہ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو کر نفل شروع کر دیئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ خانہ کعبہ کی چابی میرے حوالے کی جائے۔ لیکن رحمۃ للعالمین نے کتنا عظیم فیصلہ فرمایا۔



(بقیہ آیت نمبر ۵۸) تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چابی عثمان کے حوالے کر دی جائے۔ اور اس سے معذرت بھی کریں تو عثمان نے حضرت علی سے کہا۔ آپ بھی عجیب لوگ ہیں۔ زبردستی چھین بھی لی اور نرمی کے ساتھ واپس بھی کر دی۔ تو آپ نے فرمایا کہ بندہ خدا اسی کے متعلق تو قرآن میں حکم نازل ہوا کہ امانت ادا کرو تو عثمان نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر اس کی اولاد میں وہ چابی آتی رہی۔

دوسرا یہ فرمایا کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کتنی ہی اچھی تمہیں نصیحت فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔ یعنی مالداروں کی بات سنتا اور امانت ادا کرنے والوں کو دیکھتا ہے۔ لہٰذا تمام اعمال حکم الٰہی اور اس کی وعظ ونصیحت کے مطابق کرو۔ ورنہ سزا کے مستحق ہو گے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص امانت کی پاسداری نہیں کرتا۔ اس کا ایمان ہی مکمل نہیں ہے۔ اور اس کا دین بھی ناقص ہے۔ جو عہد و پیمان کو پورا نہیں کرتا۔ (رواہ احمد فی مسندہ)

فائدہ: جسے اللہ تعالیٰ حکومت عطا کرے۔ وہ عدل وانصاف سے کام لے اور امانتوں کو مستحق لوگوں تک پہنچائے۔ **نوٹ:** امانت دو قسم ہے ایک کا تعلق بندوں سے دوسری کا تعلق رب سے ہے۔ تو بندے کو دونوں امانتیں ادا کرنی چاہئیں۔

(آیت نمبر ۵۹) اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ اور صاحب اختیار لوگوں

کی بھی اطاعت کرو۔ یہاں اولی الامر سے مراد عادل بادشاہ یا خلفاء راشدین ہیں۔ یا ان کے صحیح اقتداء کرنے والے علماء کرام۔ بعض بزرگوں نے اس سے فقہاء امت مراد لئے ہیں۔ (قرآن وحدیث کے بعد زیادہ قرین قیاس یہی ہے)

فائدہ: ظالم جابر ڈکٹیٹر قسم کے لوگ اس بات کے مستحق نہیں ہیں۔ آگے فرمایا کہ جب تمہارا دینی معاملات میں اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ یعنی قرآن وحدیث سے اس کا حل نکالو۔

اعتراض: اہل ظاہر خصوصاً غیر مقلدین کہتے ہیں۔ کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نت نئے مسائل اور اختلافات میں قرآن وحدیث کافی ہے۔ تم فقہ اور اماموں کو درمیان میں کیوں گھسیڑتے ہو۔

جواب: اہل ظواہر اور غیر مقلدین کی یہ اپنی سوچ ہے کہ شاید فقہ قرآن وحدیث کے علاوہ کسی تیسری چیز کا نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجتہدین حضرات نے تمام مشکل اور اختلافی مسائل میں ہر مسئلے کا حل قرآن وحدیث سے نکالا ہے۔ گویا فقہ قرآن وحدیث کی تشریح کا نام ہے۔ وہ قرآن وحدیث سے الگ نہیں ہے۔ تیسری چیز یعنی فقہ کا ثبوت بھی اسی آیت میں موجود ہے۔ وہ ہے: اولوالامر۔ یعنی اللہ رسول کے بعد اولوالامر سے جھگڑے کا فیصلہ کرالو۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جس میں حضور ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یمن میں تم کس طرح فیصلے کرو گے تو انہوں نے عرض کی۔ اللہ کی کتاب کے مطابق فرمایا۔ اگر اس میں نہ پاؤ تو عرض کیا آپ کی سنت کے مطابق۔ فرمایا اگر سنت میں بھی نہ ملے تو پھر۔ تو عرض کی کہ پھر اپنی رائے پر عمل کرونگا تو حضور ﷺ اس پر خوش ہو گئے۔ اب یہ تیسری بات بھی حدیث سے ثابت ہوگئی۔ ورنہ ان کی رائے کو حضور ﷺ رد فرما دیتے کہ قرآن وحدیث کے باہر کہاں جاتے ہو۔

(میں نے اس کی وضاحت پوری تفصیل سے اپنی تصنیف صلوٰۃ الاحناف میں کردی ہے۔ قاضی) آگے فرمایا کہ اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یعنی اللہ اور قیامت پر ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ تم قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرو۔ تا کہ آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔ یہ رجوع الی اللہ والرسول ہی سب سے بہتر چیز اور نہایت احسن تفسیر ہے اور نتیجہ کے لحاظ سے اس کا انجام بخیر ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نیک اور عادل بادشاہ کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو میری اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور جو میری نافرمانی کرتا ہے۔ وہ اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ **فائدہ:** رسول کا ہر حکم اٹل ہے۔ اور واجب التسلیم ہے۔ اس لئے کہ وہ معصوم ہے۔ خلیفہ کا اگر چہ معصوم ہونا ضروری نہیں۔ اس سے غلطی کا بھی احتمال ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت مشروط ہے۔ اور نبی معصوم ہوتا ہے اور اس کی ہر بات وحی الٰہی ہوتی ہے۔ اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہوتا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ

کیا نہیں تو نے دیکھا طرف ان کے جو دعوی کرتے ہیں کہ بے شک وہ ایمان لائے اس کے ساتھ جو اترا تمہاری طرف اور جو

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا

اترا آپ سے پہلے چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے جائیں طرف شیطان کے حالانکہ تحقیق وہ حکم دیئے گئے کہ

اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۶۰﴾

نہ مانیں اس کو اور چاہتا ہے شیطان کہ گمراہ کرے ان کو گمراہ بہت بڑا

(آیت نمبر ۶۰) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف نازل شدہ کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور آپ سے پہلے کی نازل شدہ کتابوں (توراۃ وغیرہ) پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جائیں یعنی شیطانوں سے فیصلے کرائیں۔

شانِ نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک منافق اور یہودی کا جھگڑا ہوا تو یہودی نے کہا کہ فیصلہ حضور نبی کریم ﷺ سے کروا لیتے ہیں۔ لیکن منافق نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم کعب بن اشرف یہودیوں کے سردار سے فیصلہ کروائیں گے۔ اس لئے کہ منافق جانتا تھا کہ حضور کے ہاں نہ رشوت چلے گی نہ سفارش وہ تو حکم خدا سے ہر فیصلہ صحیح کرتے ہیں اور کعب بن اشرف تو رشوت وغیرہ لے کر میرے حق میں فیصلہ کر دے گا۔ چونکہ یہودی حق پر تھا۔ وہ منافق کو مجبور کر کے حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے ہی آیا۔ حضور ﷺ نے دونوں کا بیان سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ تو واپسی پر منافق نے یہودی سے کہا کہ عمر سے بھی فیصلہ کروا لینا چاہئے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ حضرت عمر میرے کلمہ پڑھنے کا خیال کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات پر یہودی نے پوری تفصیل بتائی کہ اس منافق کو حضور کے فیصلے پر شک ہے۔ حضرت عمر اندر سے تلوار لے کر آئے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور فرمایا کہ جسے حضور ﷺ کا فیصلہ منظور نہیں اس کا فیصلہ عمر کی تلوار کرے گی۔ تو جبریل امین نے آ کر کہا۔ جناب عمر نے حق و باطل میں فرق کر دیا۔ اسی دن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام عمر فاروق پڑ گیا۔

اس پر جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ تو یہاں طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے۔ اس لئے کہ وہ گمراہی میں شیطان سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ آگے فرمایا کہ انہیں تو یہ حکم دیا گیا تھا۔ کہ وہ طاغوت سے دور رہیں۔ لیکن شیطان چاہتا تھا۔ کہ وہ انہیں بہت بڑی گمراہی میں دھکیل دے کہ جہاں سے ہدایت کی کوئی امید نہ رہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ

اور جب کہا گیا انہیں آ ؤ طرف اس کے جو اتارا اللہ نے طرف رسول کے تو تو دیکھے گا منافقوں کو کہ وہ منہ پھیر کر

عَنْكَ صُدُوْدًا ج ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

تجھ سے پھر جاتے ہیں۔ پھر کیسے ہو جب آئے انہیں مصیبت بہ سبب اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے تو

ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ق صلے بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾

پھر (محبوب) تیرے ہی پاس آئیں گے قسمیں کھاتے اللہ کی کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی اور میل جول کا

(آیت نمبر ٦١) اور جب بھی ان منافقین سے کہا گیا کہ آ ؤ اس کی طرف جو اللہ نے اتارا۔ یعنی اللہ کی کتاب پر ایمان لاؤ۔ اور آ ؤ رسول ﷺ کی طرف یعنی رسول کے حکم سنو اور ان کو مانو تو منافقوں کو دیکھو گے۔ کہ وہ منہ پھیرتے ہیں اور لوگوں کو بھی در رسول پر آنے سے منع کرتے ہیں۔ (معلوم ہوا کہ در رسول کی حاضری سے روکنا منافقوں کا کام ہے۔)

فائدہ: ان آیات میں منافقین کی گندی عادات کی مذمت بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ انہیں منافق کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کی گندی عادات میں یہ ہے کہ وہ لوگوں کو صراط مستقیم پر آنے سے روکتے ہیں۔

مسئلہ: ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے سرتابی کرے۔ یا اللہ رسول کے فیصلے میں شک کرے تو وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (پھر اس کے کلمے نماز وغیرہ کو نہیں دیکھا جائے گا۔ نہ اس کی داڑی اور جبے کو دیکھا جائے گا) جیسے دور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں کچھ لوگوں نے اللہ کے حکم (زکوٰۃ) سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا ان مانعین زکوٰۃ کو قتل کیا جائے اور ان کی اولاد کو قیدی بنایا جائے۔ حالانکہ وہ زکوٰۃ کے علاوہ تمام مسائل میں متفق تھے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم کی مخالفت سارے دین کی مخالفت ہے۔

(آیت نمبر ٦٢) تو پھر کیسا حال ہوگا۔ کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ اور وہ انتہائی عاجز ہو کر آپ کی بارگاہ میں آتے ہیں اس وقت جب ان کی منافقت ظاہر ہوتی ہے اور وہ رسوا ہو جاتے ہیں۔ اپنی بداعمالیوں کے سبب یعنی جو جو ان سے گناہ سرزد ہوئے۔ چونکہ پہلے وہ فیصلے طاغوتوں کے پاس لے جاتے ہیں۔ پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ تاکہ اپنے غلط کاموں کی معذرت کریں درآں حال کہ وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو کوئی برا نہ تھا۔ ہم تو احسان اور مروّۃ کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے پاس گئے۔ تاکہ مخالفین کو بتائیں کہ ہم لوگ اتنے متعصب نہیں ہیں۔ ہم تو صلح کلی والے ہیں۔ یعنی سب سے صلح رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ

وہی ہیں جانتا ہے اللہ جو دلوں میں ہے ان کے آپ منہ پھیر لیں ان سے اور سمجھاؤ

وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾

اور کہو انہیں ان کے معاملہ میں بات پہنچی ہوئی

(بقیہ) ہم ہرگز آپ کی مخالفت کر کے وہاں نہیں گئے اور نہ ہی ہمیں کوئی آپ کے فیصلے کے ساتھ نفرت تھی۔ لہٰذا حضور ہم سے اس کوتاہی پر کوئی مواخذہ نہ کیجئے۔ **فائدہ**: اس میں منافقین کو وعید سنائی گئی کہ جو تم نے کیا وہ بھی غلط تھا۔ اور جو کچھ اب کہہ رہے ہو۔ یہ بھی غلط اور جھوٹ ہے۔ جس کا خمیازہ تمہیں ضرور بھگتنا ہوگا۔ سچی توبہ نہ کی تو زبانی یہ عذر معذرت اور شرمساری تمہیں کوئی نفع نہیں دے گی۔

(آیت نمبر ۶۳) آگے فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ ان منافقوں کے دلی اسرار کو بھی جانتا ہے کہ وہ کتنے بڑے منافق ہیں اس لئے انہیں منافقت پر پردہ ڈالنا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اور نہ ان کی یہ جھوٹی قسمیں انہیں قیامت کے عذاب سے بچا سکیں گی۔ اے میرے محبوب ان سے منہ پھیر لیجئے۔ ہرگز ان کے کسی عذر کو قبول نہ کریں۔ البتہ انہیں آئندہ کیلئے نصیحت فرمائیں۔ ان کے جو نفس خبیث ہیں اور ان کے دل شر و فساد سے بھرے ہوئے ہیں۔ انہیں خوب سمجھا کر نصیحت کریں۔ اور ان سے ایسی بات کریں جو ان کے دلوں پر اثر کرے۔

فائدہ: قول بلیغ یہ ہے کہ سامعین سے کہا جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا تم کب تک منافقت کو چھپاؤ گے۔ اب ضروری ہے کہ تم اپنی اصلاح کرلو اور اپنے دلوں کو پاک اور صاف کرلو اور اپنی منافقت کی بیماری کا علاج کرالو۔ ورنہ تم پر وہ عذاب اترے گا جو کفار و مشرکین پر اترا پھر پچھتاؤ گے اور کفار و مشرکین سے زیادہ ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ اور اے میرے محبوب انہیں پورے طور پر سمجھائیں تاکہ آپ کی نصیحت ان پر اثر انداز ہو۔ **فائدہ**: اگرچہ حضور ﷺ پر یہ فرض نہیں کہ وہ انہیں بار بار سمجھائیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بندوں پر مہربانی کرنے کا ایک انداز ہے۔ کہ لوگ کفر و شرک اور منافقت سے باز آجائیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اطاعت کیا جائے ساتھ حکم اللہ کے اور اگر بے شک وہ جب ظلم کر لیں

اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ

اپنی جانوں پر پھر آئیں تیرے پاس پھر بخشش مانگیں اللہ سے اور سفارش کرے ان کی رسول تو ضرور پائیں گے اللہ کو

تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

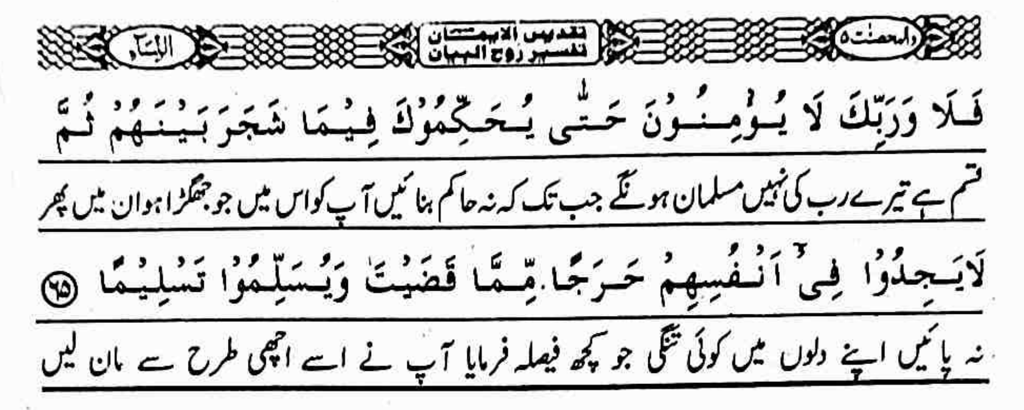
بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان

(آیت نمبر ۶۴) اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر صرف اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ یعنی رسول کے ہر حکم کو ماننا ضروری اور اس کی اطاعت فرض ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ لہذا رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ آگے فرمایا اور اگر بے شک وہ اپنی جانوں پر جب ظلم کر لیں۔ یعنی آپ کی اطاعت چھوڑ دیں۔ اور طاغوت سے فیصلے کرانے چلے جائیں۔ تو اس طرح انہوں نے اللہ کے عذاب کو دعوت دے کر اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہو۔ تو پھر وہ توبہ استغفار کرنے در رسول پر آ کر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں اور اللہ کے رسول ﷺ بھی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بخشش کی سفارش کریں۔

سوال: اگر سچے دل سے توبہ کر لی۔ تو پھر رسول کی سفارش کا کیا فائدہ؟

جواب: چونکہ انہوں نے طاغوت کے پاس جا کر دل رسول کو غمزدہ کیا۔ اس لئے در رسول پر ان کی حاضری لازم ہے۔ **نکتہ** :اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے۔ اسی نے گناہوں کی بخشش کا طریقہ بتایا کہ گناہ بخشوانے ہیں تو در رسول پر آ جاؤ تو تمہیں معافی مل جائے گی جیسے آدم علیہ السلام نے تین سو سال رونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور ﷺ کا نام لیکر وسیلہ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے خطا معاف فرما دی۔ (فضائل ذکر مولانا زکریا صاحب)

فائدہ : چھوٹے گناہوں پر تو صرف استغفار کافی ہے۔ اور بڑے گناہ خصوصاً منافقت اور نبی کے حکم کی مخالفت جو بہت بڑے گناہ ہیں۔ جنہیں ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کیلئے اپنی استغفار کے ساتھ ساتھ نبی کی بارگاہ میں حاضری اور سفارش بھی چاہئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے یعنی مخلوق پر بہت ہی رحم کرنے والا۔ **فائدہ**: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو معاف کرنے اور توبہ قبول ہونے کا طریقہ بھی بتا دیا۔



(آیت نمبر ۶۵) قسم ہے تیرے رب کی کہ وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنا حاکم تسلیم کر کے اپنے تمام معاملات کے فیصلے آپ سے نہ کرائیں۔ یعنی منافقین کا اپنے آپ کو مومن کہنا کافی نہیں۔ بلکہ مومن ہونے کیلئے رسول اللہ ﷺ کے تمام فیصلوں کو سر تسلیم خم ماننا ہوگا۔ اسی کا نام ایمان ہے۔ آپس کے تمام معاملات اور اختلافات میں حاکم حضور ﷺ کو ہی تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اور پھر جو بھی حضور نے فیصلہ فرمادیا ہے اس پر دل میں کوئی تنگی بھی نہ لائیں۔ یعنی اس فیصلے پر بہ دل و جان راضی ہو جائیں۔ کسی قسم کا اس فیصلے سے دل پر بوجھ بھی محسوس نہ کریں۔ اور پھر پورے طور پر اسے تسلیم بھی کریں۔ کہ حضور ﷺ کا فیصلہ انہیں منظور ہے۔

شان نزول : اس سے مراد وہ فیصلہ ہے۔ جو حضور ﷺ نے حضرت زبیر اور ایک انصاری کے درمیان کیا تھا۔ جس پر انصاری نے اعتراض کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور بتادیا کہ صرف ظاہری انقیاد و تسلیم کافی نہیں۔ بلکہ مومن وہی ہوگا۔ جو دل کی گہرائی میں بھی حکم رسول کے خلاف کوئی گرانی اور گھٹن محسوس نہیں کرے گا۔

ف: رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے انسان ایمان و اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا۔ گویا اس نے میری سنت کو ضائع کر دیا۔ اور جس نے میری سنت کو ضائع کیا۔ وہ میری شفاعت سے محروم ہوگا (رواہ الترمذی)۔ اور جو میری سنت پر قائم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے چار چیزیں عطا فرمائے گا: ۱۔ نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ۔۲۔ گناہ گاروں کے دلوں میں ہیبت ۔۳۔ رزق میں کشادگی ۔۴۔ دین پر پختگی۔ **نکتہ**: حضور ﷺ کی اتباع فرض عین میں فرض عین۔ فرض کفایہ میں فرض کفایہ اور واجبات میں واجب اور سنتوں میں سنت ہے۔

سبق: مومن کیلئے ضروری ہے کہ سنت پر چلے اور بری بدعات سے اجتناب کرے اور ظاہر و باطن کو شریعت و طریقت سے استوار کرے۔ تاکہ بروز قیامت شفاعت سے بہرہ ور ہو اور جنت میں حضور کی سنگت نصیب ہو۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ

اوراگر بے شک ہم فرض کر دیتے ان پر کہ قتل کر دو اپنے آپ کو یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو نہ کر سکتے یہ

اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا

مگر تھوڑے ہی ان میں سے اوراگر بے شک وہ کر لیتے جو نصیحت کئے جاتے ہیں اس کی تو ضرور یہ بہتر ہوتا

لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ ﴿۶۷﴾

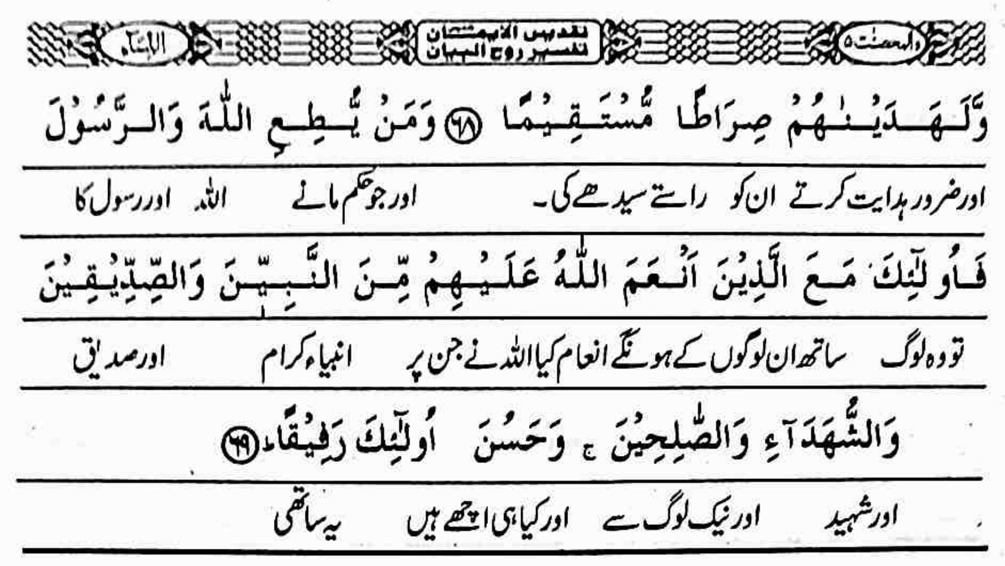
ان کیلئے اور پختہ ثابت قدمی ایمان پر۔ اور اس وقت ضرور ہم انہیں دیتے اپنی طرف سے ثواب بہت بڑا

(آیت نمبر٦٦) اور اگر ہم ان پر لازم اور فرض کر دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو۔ یا اپنے کو گھروں سے نکال دو۔ جیسے بنی اسرائیل سے ہم نے کہا تو وہ یہ کام نہ کر سکتے۔ مگر چند ایک ان میں سے جو ان میں مخلص تھے۔ اور اگر وہ یہ کام کر گذرتے کہ جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی۔ یعنی حضور ﷺ کی اطاعت کر لیتے اور حضور کی رائے پر پابند ہو جاتے۔ تو یہ ان کیلئے بہت ہی بہتر ہوتا یعنی ان کا انجام بخیر ہوتا اور دارین میں کامیاب وکامران ہوتے۔ بلکہ دین وایمان پر اور زیادہ پختگی ہو جاتی اور ان مواعظ پر عمل کرنے سے ان کا ایمان متزلزل ہونے سے بچ جاتا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو جتنا پڑھے پھر اس پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسے (باطنی) علم سے نوازتا ہے۔ کہ جن باتوں کو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔ (اخرج ابن المقری فی معجمہ)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس برے غلام کی طرح نہ ہو جو کسی سے ڈر کر کام کرتا ہے (رواہ ابونعیم فی الحلیہ) اور نہ اس مزدور کی طرح ہو جسے کام نہ ملے تو ہاتھ اٹھالے دعا کیلئے۔

سبق: مرید صادق پر لازم ہے کہ وہ اوراد اور وظائف پر التزام کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ملکوت کے انوار مختلف قسم کی عبادات میں رکھ دیئے ہیں۔ طاعات وعبادات کی سستی سے ان انوار سے محروم ہونے کا خدشہ ہے۔

(آیت نمبر٦٧) اگر یہ منافقین بھی اللہ تعالیٰ کے احکام اور مواعظ پر عمل کر لیتے تو ان کو یہ فائدہ پہنچتا کہ ہم انہیں خاص اپنی جناب سے بہت بڑے عظیم الشان اجر سے نوازتے۔ یعنی بروز قیامت اتنے بڑے اجر وثواب اسے دیتے کہ جس کے ختم ہونے کا وہم وگمان بھی نہ ہو۔



(آیت نمبر ٦٨) بلکہ۔۔۔۔ہم ان کو سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرتے کہ جس پر چل کر وہ عالم قدس تک پہنچ جاتے اور عالم غیب کے بھی ان کے لئے دروازے کھول دیتے۔

حکایت: ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں لبنان کے پہاڑ کی طرف گیا تو وہاں دیکھا کہ ایک نوجوان کھڑا کہہ رہا ہے کہ اے وہ ذات جس کی طرف میں انتہاء درجے کا شوق رکھتا ہوں اور اس کا دل وجان سے عاشق ہوں۔ تیرے ارادے اور مشیت میں بالکل فنا ہو چکا ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اے عزیز کیا محبت الٰہی کی کوئی علامت بھی ہے۔ اس نے کہا ہاں وہ یہ ہے کہ بندے کو اس کے دیدار کی خواہش بہت تیز ہو جائے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس کے مشتاق ہونے کی نشانی کیا ہے۔ تو اس نے کہا کہ اسے رات دن میں نہ سکون ہو نہ قرار۔ ہمہ وقت وہ رب کے شوق دیدار میں رہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ فنا فی اللہ کیا ہوتا ہے۔ تو اس نے کہا فنا فی اللہ یہ ہوتا ہے کہ بندے کو اپنے اور پرائے کی تمیز نہ رہے نہ یہ پتہ چلے کہ شیء کڑوی ہے یا میٹھی ہے اور وہ جسم و نفس کی قید سے نکل گیا ہو۔

(آیت نمبر ٦٩) اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ یعنی اطاعت یوں کرتا ہے کہ تمام قسم کے اوامر و نواہی میں پوری پوری اتباع کرتا ہے۔

شان نزول : حضرت ثوبان ایک دن حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ان کے چہرے پر غم کے آثار تھے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ تم کیوں مغموم نظر آتے ہو عرض کی حضور مجھے اور کوئی بھی غم و تکلیف نہیں ہے۔ البتہ یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ دنیا میں تو جب چاہتے ہیں فوراً حاضر ہو کر دیدار کر لیتے ہیں۔ لیکن آخرت میں اور خصوصاً جنت میں آپ اتنے بلند مقامات پر ہوں گے اور معلوم نہیں ہم کہاں ہوں گے۔ تو پھر آپ کا دیدار کیسے ہوگا۔ اور اگر آپ کا دیدار ہی نہ ہوا تو ہمارا حال کیا ہوگا تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

یہی ہے فضل الٰہی اور کافی ہے اللہ علم والا

(بقیہ آیت نمبر۶۹) اللہ کریم نے فرمایا کہ طاعت گذار بندے ان لوگوں کے ساتھ ہونگے کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یعنی ان پر اپنی نعمت مکمل فرمائی وہ انعام یافتہ تمام انبیاء کرام جو کامل طور پر علم وعمل کے لحاظ سے مراتب کی انتہاء پر پہنچے ہوں گے۔ اس کے بعد وہ صدیق لوگ جو اپنے اقوال وافعال میں صادق ہوں اور اخلاص ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔ اور تصفیہ اور تزکیہ اور ریاضات ومجاہدات میں عرفان کی آخری منزل کو چھوتے ہوں اور ان کے لئے عطاء الٰہی خاص ہوگی۔ تیسرے نمبر پر شہید لوگ جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جان کی بازی لگانے والے اور چوتھے نمبر وہ نیک بخت جن کی زندگی عبادت ونیکی میں گذری ہوگی اور جان ومال اللہ کی رضا میں خرچ کیے ہوں گے۔ **فائدہ**: معیت سے مراد درجات کی برابری نہیں ہے۔ درجات میں تو بہت بڑا فرق ہوگا۔ یہاں معیت سے مراد ان کو خاص قرب حاصل ہوگا۔ جب چاہیں گے دیدار کرسکیں گے۔

(آیت نمبر۷۰) آگے فرمایا کہ یہ کتنی اعلیٰ سنگت ہے۔ تعجب کا صیغہ ہے (یعنی بُعد مراتب کے باوجود معیت کا ہونا عجیب امر ہے) لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ سنگت عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے ساتھ اللہ کیلئے محبت کی وجہ سے یہ محض فضل الٰہی ہوگا اور ان معاملات کو جاننے اور ان درجات کو پانے کیلئے اللہ ہی کافی ہے۔ **ف**: معلوم ہوا کہ جو مومن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ وہ بہت بلند مرتبے پائے گا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو جس سے محبت کرے گا۔ قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا۔ (مسلم شریف۔ ترمذی وابوداؤد)

یاد رہے۔ اعمال صالحہ پر اجر عظیم کا جو وعدہ فرمایا گیا ہے۔ وہ تو یقیناً پورا ہوگا۔ حور وقصور کے علاوہ بے شمار انعام واکرام اعمال صالحہ کا بدلہ ہونگے۔ لیکن محبوب بندوں کی معیت خصوصاً حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں شرف یابی کی سعادت بطور اجر وثواب نہیں۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور جود وعطا کی جلوہ گری ہوگی۔ لیکن ان لطافتوں سے وہی بہرہ ور ہوسکتے ہیں۔ جن کو درد محبت اور سوز عشق کے انعام سے نوازا گیا۔

نکتہ: فضل الٰہی سے معلوم ہوا کہ اس میں عموم ہے کہ جو بھی مسلمان اللہ ورسول کی اطاعت کرے گا۔ وہ ان درجات ومقامات کو حاصل کرے گا سوا درجہ نبوت کے۔ اس لئے کہ یہ دروازہ اب بندہ ہوچکا۔ اب کوئی بھی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اب جو بھی نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ وہ کافر ہوگا۔ جو اسے مانے گا وہ بھی کافر ہوگا۔ اور جو شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾

اے ایمان والوہوشیار رکھو اپنے آپ کو پھر نکلو دشمن کی طرف تھوڑے یا نکلو اکٹھے

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ

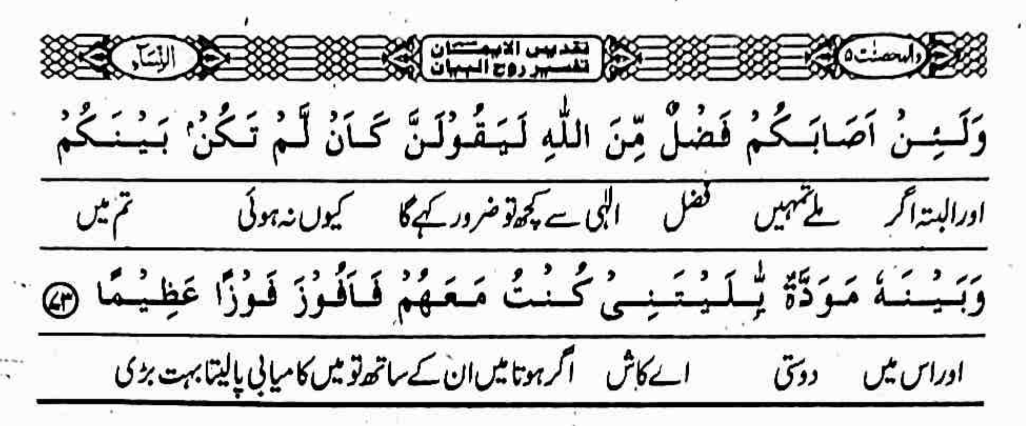
اور بے شک تم میں سے وہ ہے جو ضرور دیر کرے گا پھر اگر پڑی تم پر کوئی افتاد تو کہے گا تحقیق احسان کیا

اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾

اللہ نے مجھ پر جبکہ نہ تھا میں ساتھ ان کے حاضر

(آیت نمبرا۷) پہلے مسلمانوں کو اطاعت خدا اور اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا گیا۔ اور اب دین کی سربلندی کیلئے جہاد میں نکلنے کی تلقین کی جارہی ہے۔ اور پوری طرح تیاری کرنے اور دشمن کی عیارانہ چالوں سے چوکنا رہنے کی ہدایت دی جارہی ہے۔ کہ اے ایمان والو اپنے دشمن سے ہوشیار رہو۔ اور دشمن کے مقابلہ کے وقت خواہ الگ الگ ہو کر نکلو یا اکٹھے ہو کر نکلو۔ دونوں طرح سے نکل کر دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرو۔

(آیت نمبر۷۲) بے شک تمہارے اندر وہ بھی ہے۔ جو جنگ کی طرف جانے سے گریز کرے گا۔ اور پیچھے رہنے کی کوشش کرے گا اور دوسروں کو بھی روکنے اور جنگ سے کترانے کی تلقین کرے گا۔ جیسے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کی عادت تھی خصوصاً جنگ احد میں انہوں نے یہی کردار ادا کیا کہ کافروں کو دیکھتے ہی دم دبا کر وہاں سے بھاگ گئے۔ آگے فرمایا اگر تمہیں کوئی جنگ میں دکھ یا مصیبت آئی تو وہ منافق خوشی سے کہتا ہے کہ مجھ پر تو اللہ کا انعام ہوا۔ کہ میں جنگ میں نہ جانے کی وجہ سے بچ گیا یعنی میں ان کے ساتھ ہوتا تو مارا جاتا نہ جا کر بچ نکلا۔ دیکھ لیں منافق کا حال۔ کہ جنگ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر واپس بھاگنے پر خوش ہوئے ہیں۔ اور اس کو فضل خدا شمار کر رہے ہیں۔ حالانکہ جنگ سے بھاگنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے۔ اور جنگ میں شریک ہونا سعادت ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ تین آدمی آئے۔ ایک حضور ﷺ کے بالکل قریب بیٹھا۔ دوسرا اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اور تیسرا پیٹھ پھیر کر واپس چلا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ ایک نے اللہ تعالیٰ کے ہاں جگہ مانگی اللہ تعالیٰ نے جگہ دے دی۔ دوسرے نے شرم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے شرم کیا۔ تیسرا واپس ہوا اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ (مسلم شریف)



(آیت نمبر ۷۳) اگر تمہیں اللہ کے فضل سے کوئی فتح ونصرت یا مال غنیمت مل جائے تو پھر جنگ پر نہ جانے اور مسلمانوں کا ساتھ نہ دینے پر اور دنیوی نفع نہ ملنے پر وہ حسرت وندامت ظاہر کرے ضرور کہے گا۔ کاش کیوں نہ ہوئی تمہارے اور ان کے درمیان محبت اور دوستی۔ یعنی میں مسلمانوں سی الگ نہ ہوتا۔ جنگ میں ساتھ جاتا۔ اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بہت بڑا کامیاب ہوتا یعنی مال غنیمت کا بہت سارا مال لے کر گھر واپس آتا۔

نکتہ: منافقین کا مطمع نظر دنیوی جاہ، مال اور دنیوی اسباب ہوتا ہے۔ اگر وہ جہاد پر بھی جائیں گے تو ان کی نظر مال غنیمت پر ہی ہوگی۔ اسلام یا مسلمانوں کی مدد کرنا لوان کے منشور میں ہی نہیں تھا۔ لہذا یہاں جو لفظ مودۃ لایا گیا ہے یہ اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہے۔ بلکہ یہ مجازاً بطریق تحکم یہ جملہ لایا گیا ہے۔ ورنہ وہ تو جہاد سے از حد ڈرتے تھے اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے تھے۔ وہ تو صرف مال غنیمت کی حرص میں مسلمانوں کے ساتھ جاتے۔ جہاں انہیں مار پٹتی نظر آتی ہے۔ وہاں سے تو دم دبا کر بھاگ جاتے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے تمام لوگ جنت میں جائیں گے سوا اس کے جس نے میرا انکار کیا۔ عرض کی گئی کہ انکار کرنے والے کون لوگ ہیں۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو میری اطاعت کرے گا۔ وہ جنت میں جائے گا۔ اور جو میری نافرمانی کرے گا۔ اس نے گویا میرا انکار کیا ہے اور جس نے میرا انکار کیا۔ وہ جنت میں نہیں جائیگا۔ بلکہ جہنم میں جائیگا۔ (صحیح بخاری)

فائدہ: مذکورہ آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مومن کا مطمع نظر اعلاء کلمۃ اللہ اور فتحمندی اور دشمن پر غلبہ کا حصول ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصود ومطلوب نہیں ہوتا لیکن منافق دنیا کا از حد لالچی، اوپر سے مسلمانوں کے ساتھ اندر سے کفار کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے تمام پول پارۂ اول کی ابتداء میں کھول دیئے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ

تو چاہئے کہ لڑیں راہ خدا میں وہ جنہوں نے بیچ دیا زندگانی دنیا کو بدلے آخرت کے اور جو

يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

بھی لڑے گا راہ خدا میں پھر مارا جائے یا غالب آئے تو عنقریب ہم دیں گے اس کو ثواب بہت بڑا

(آیت نمبر ۷۴) پس چاہئے کہ لڑیں راہ خدا میں وہ لوگ جو خریدتے ہیں دنیا کی زندگی کے بدلے آخرت کے۔ یہاں مومنین کو بتایا جا رہا ہے کہ منافقین نے تو دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا ہے۔ اس لئے وہ جنگ سے پاؤں پیچھے کھینچتے ہیں۔ اور مسلمان جو آخرت کے طلبگار ہیں۔ یعنی آخرت کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پھر شہید یا غازی کا درجہ حاصل کرتے ہیں۔ ہم انہیں اتنے بڑے اجر و ثواب سے نوازیں گے۔ جس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا اور نہ کسی کو اس کا علم ہے۔ اگر شہید ہو جائے تو روح نکلتے ہی سیدھا جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

فائدہ: ان آیات میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ مومن کے لئے دونوں جہانوں میں مزے ہیں۔ اگر وہ دنیا میں رہیں تو فتح مندی غلبہ کے ساتھ اور اگر شہید ہوئے تو آخرت میں اس سے بھی بڑے درجے اور اجر و ثواب پائیں گے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص جہاد کیلئے صرف اس نیت کے ساتھ جاتا ہے کہ نام خدا بلند ہو۔ اور اس کے دین کا بول بالا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت لازم کر دے گا (بخاری ۲۹۵۵)۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کسی جہاد پہ جانے والے کی مدد کرتا ہے اس کو جہاد کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے (بخاری و مسلم)۔ گویا وہ جہاد میں شریک ہوا۔ اور جو غازی کے گھر کی اس کی عدم موجودگی میں نگرانی کرتا ہے اس کو بھی جہاد کا ثواب ملتا ہے۔ یعنی اس کے بچوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔ **فائدہ**: جہاد کے فضائل اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ جہاد دو قسم ہے: (۱) جہاد بالکفار۔ (۲) اور جہاد بالشیطان والنفس۔ کفار سے جہاد تیر و تلوار سے اور شیطان کے ساتھ جہاد ذکر و اذکار سے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کوئی قوم بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے بیٹھتی ہے تو فرشتے ان پر پر بچھا دیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فخر سے فرشتوں میں فرماتا ہے۔ (مسلم شریف، مشکوۃ کتاب الدعوات)

11

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

اور کیا ہوا تمہیں کہ نہیں لڑ رہے راہ خدا میں اور کمزور مرد اور عورتیں

وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج

اور بچے جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب نکال ہمیں اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس میں رہنے والے

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا جلا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ط ﴿۷۵﴾

اور بنا ہمارا اپنی طرف سے کوئی حمایتی اور بنا ہمارا اپنی طرف سے کوئی مددگار

(آیت نمبر ۷۵) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں کیوں نہیں لڑتے۔ حالانکہ تمہیں کوئی عذر بھی نہیں ہے۔ یہ استفہام توبیخی ہے یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب کسی سے کام میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہو۔ تو سختی سے اس کام کا حکم دیا جائے اور تنبیہ کی جائے۔ کہ تم نے کیوں یہ کام نہیں کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کو فرمایا کہ تم جہاد کیلئے کیوں نہیں نکلتے۔ حالانکہ وہ مسلمان کمزور جنہیں کفار نے ہجرت نہیں کرنے دی اور باندھ دیا اور انہیں نہایت ذلیل وخوار کرتے ہیں اور انہیں طرح طرح کی تکالیف دیتے ہیں اور ان میں مرد بھی عورتیں بھی ہیں اور بچے بھی ہیں اور کفار کی درندگی کا یہ عالم ہے کہ وہ معصوم بچوں پر بھی ظلم وستم کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ وہ اسلام سے پھر جائیں۔ حالانکہ وہ تو بے چارے غیر مکلف ہیں لیکن کفار کے ظلم وستم سے بچے بھی نہ بچ سکے۔ ان کی مسلمانوں سے عداوت اور بغض کا یہ حال ہے کہ وہ ان کو بھی قتل کرنے کے درپے رہتے تھے۔ (جیسے آج کل انڈیا یا برما میں ہو رہا ہے)۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جب مسلمان کفار کے ہاں قید میں ہوں تو ان کو قید سے رہا کرانا مسلمانوں پر واجب ہے خواہ مال دیکر یا جنگ کے ذریعے سے۔ آگے فرمایا کہ وہ کمزور مرد عورتیں اور بچے جن کا اللہ کے بغیر کوئی سہارا نہیں۔ وہ ہر وقت ہاتھ اٹھا اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب اس بستی (مکہ) سے نکال۔ جہاں کے رہنے والے ظالم یعنی مشرک ہیں۔ اور مسلمانوں کو اذیتیں اور تکالیف دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہوگا۔ یعنی وہ ہر قسم کا ظلم کرتے تھے اور مسلمان دعا میں عرض کرتے کہ یا اللہ ہمارا کوئی حامی بنا جو ہمیں ان کے پنجہ استبداد سے نکالے۔ اور اے اللہ ہمارا کوئی مددگار بھیج جو دشمنوں سے ہمیں نجات دلائے۔ **فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ صلح حدیبیہ کے بعد حالات بدل گئے چونکہ اس صلح میں یہ بھی تھا۔ کہ اب تم کسی مسلمان کو نہیں مارو گے۔ لہذا فتح مکہ سے پہلے ہی سب مسلمان پُرسکون ہو گئے۔ کچھ مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر گئے۔

جلد 2

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ج وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

وہ جوایمان لائے لڑتے ہیں راہ خدا میں اور جو کافر ہیں وہ لڑتے ہیں راہ

الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ج اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ع ﴿۷۶﴾

شیطان میں تو تم لڑو دوستان شیطان سے بے شک مکر شیطان کا ہے کمزور

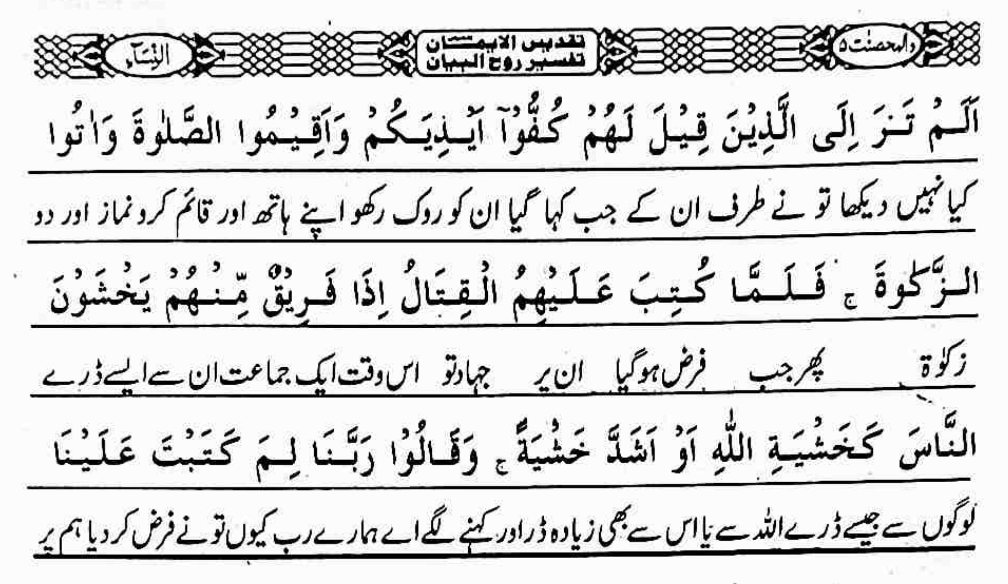
(آیت نمبر ۷۶) مومن اللہ کی راہ میں یعنی دین حق کی برتری اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے لڑتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہر میدان میں ان کی مدد فرماتا ہے اور کافر شیطان کی مدد کیلئے لڑتے ہیں۔ تاکہ وہ خوش ہو۔ لہذا فرمان الٰہی ہوا کہ اے مسلمانو تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ (اور ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے) کیونکہ بے شک شیطان کا مکر بہت کمزور ہے۔

فائدہ: (شیطان ویسے تو بڑا مکار عیاش ہے) لیکن اللہ والوں کے ساتھ اس کے تمام مکر (اللہ کی مدد کے ساتھ) فیل ہو جاتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کا مددگار اللہ ہے اور کافر کا مددگار شیطان ہے۔ لہذا اس کا مکر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔

نکتہ: حقیقت یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جیسی عظیم ذات اپنے دوستوں کی مدد کرتی رہتی ہے۔ تو شیطان کا ہر مکر ہر حیلہ اس کے مقابلے میں بہت کمزور ہوتا ہے اور جلوۂ نورانی کے سامنے مکر شیطانی وظلمانی کہاں ٹھہر سکتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب جس کوچہ سے تیرا گذر ہوتا ہے۔ شیطان بھاگ کر دوسرے کوچہ میں نکل جاتا ہے (بخاری ۳۲۹۴، مسلم ۲۳۹۶)۔ قرآن پاک میں ہے۔ شیطان نے خود کہا۔ کہ میں سب کو گمراہ کروں گا۔ مگر اے اللہ تیرے خالص بندوں کے قریب بھی نہیں جاؤنگا۔ اس سے معلوم ہوا۔ شیطان اللہ والوں کے قریب نہیں جاتا ہے۔ اسی لئے جہاں اللہ والے رہتے ہیں۔ اس جگہ کو شریف کہا جاتا ہے۔ جیسے مدینہ شریف، بغداد شریف، اجمیر شریف اور شیطان ہمیشہ اسی کو گمراہ کرتا ہے۔ جو اس کے قریب ہوتا ہے اور اس کے کہنے پر چلتا ہے۔

شیطان کے جال: ۱۔ بخل۔ ۲۔ تیزی۔ ۳۔ نشہ۔ ان تین چیزوں سے وہ انسان کو پھنسالیتا ہے۔ اس خبیث کے جال سے اللہ ہی نکالے تو نکال سکتا ہے ورنہ بہت مشکل ہے۔ مسلمان اگر شیطانی حملے سے بچنا چاہتا ہے۔ تو اسے چاہئے کہ وہ کثرت سے ذکر الٰہی کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ مسلمان جب ذکر کرتا ہے۔ تو شیطان وہاں سے کئی میل دور بھاگ جاتا ہے۔ اسی طرح تلاوت قرآن سے بھاگتا ہے۔ روزہ داروں سے دور بھاگتا ہے۔ (بخاری)



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

کیا نہیں دیکھا تو نے طرف ان کے جب کہا گیا ان کو روک رکھو اپنے ہاتھ اور قائم کرو نماز اور دو

الزَّكٰوةَ ج فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ

زکوٰۃ پھر جب فرض ہوگیا ان پر جہاد تو اس وقت ایک جماعت ان سے ایسے ڈرے

النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ج وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا

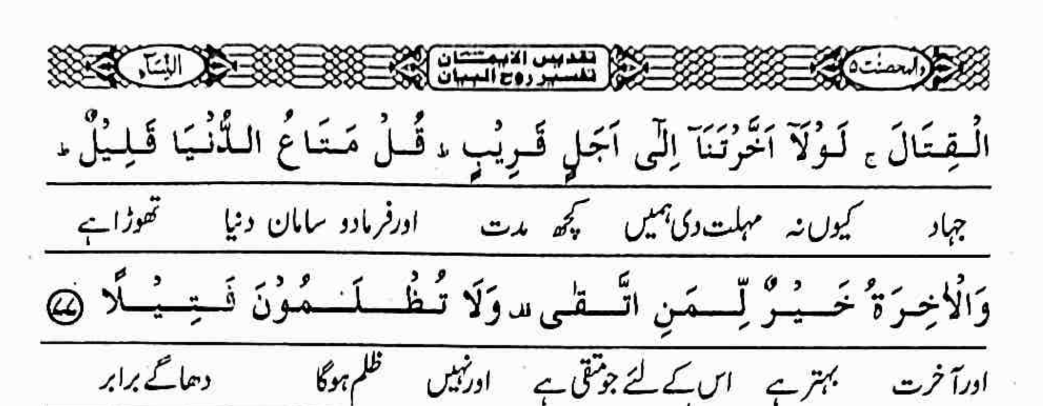
لوگوں سے جیسے ڈرے اللہ سے یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے ہمارے رب کیوں تو نے فرض کردیا ہم پر

(آیت نمبر ۷۷) کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا کہ جنہیں کہا گیا۔ کہ اپنے ہاتھ روک رکھو۔

شان نزول: ہجرت سے پہلے کچھ مسلمانوں نے حضور ﷺ سے عرض کی۔ یارسول اللہ مشرکین نے ہمیں از حد ستایا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہم ان سے لڑیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابھی رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی جو حکم آئے ہیں ان پر عمل کرو یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو بس اسی پر قائم رہو۔ مشرکین کے قتل کرنے کا ابھی حکم نہیں آیا۔ پھر جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں پہنچے۔ تو وہاں پر جہاد کا حکم نازل ہوا۔ تو کچھ لوگ اس میں پس وپیش کرنے لگے۔ موت سے ڈر کر جنگ سے بہت گھبرائے۔ فطرۃ انسانی کا تقاضا بھی ہے کہ زندگی سے ہر ایک کو پیار ہے اور موت کے اسباب سے ڈرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ان پر جہاد فرض ہوگیا تو ایک جماعت ان میں ایسی تھی۔ جو لوگوں سے ایسے ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرتے ہیں۔ یا یہ معنی کہ کفار سے ایسے ڈرنے لگے جیسے مسلمان اللہ سے ڈرتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف زدہ ہونے لگے۔ کہ جہاد پر جانا تو موت کے منہ میں جانا ہے۔

فائدہ: یہاں کلمہ او تنویع کیلئے ہے۔ اب معنی یوں ہوگا کہ ان میں بعض کفار سے یا موت سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے اہل خشیۃ اللہ سے ڈرتے ہیں اور بعض ان میں اس سے بھی زیادہ خوف زدہ رہتے ہیں۔

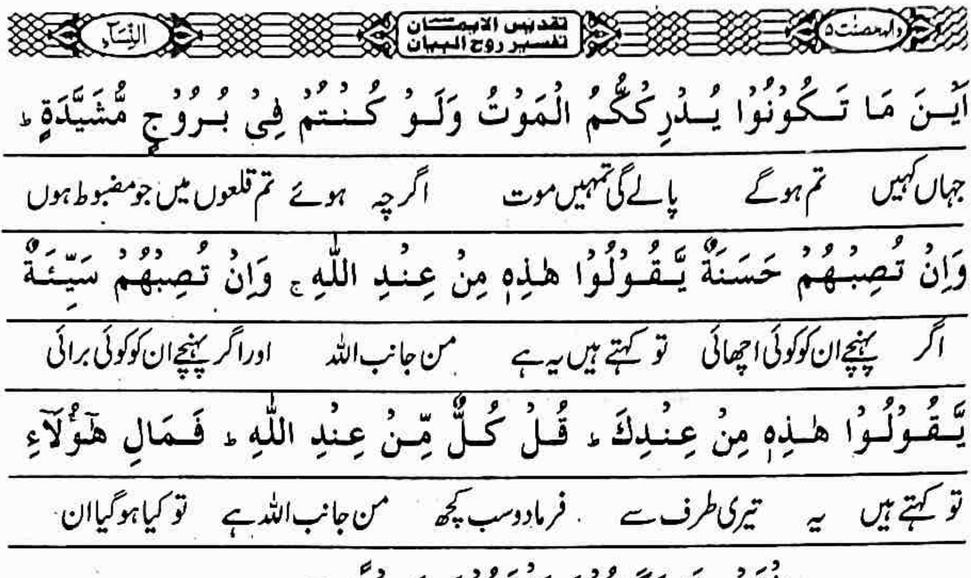
فائدہ: لیکن یاد رہے کفار سے ڈرنے والے اکثر منافقین تھے۔ یا نئے نئے مسلمان یا کمزور ایمان والے۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑے تو بڑے بچوں میں بھی جہاد کا اس قدر شوق تھا کہ وہ جہاد میں شریک ہونے اور جان دینے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے اور کئی کئی حیلے بہانے کر کے جہاد میں جانے کی حضور سے اجازت طلب کر لیا کرتے تھے۔ حضرت معاذ اور معوذ کا قصہ سیرت کی کتابوں میں مشہور ہے۔ لہذا جہاد سے وہی بھاگتا ہے۔ جس کا ایمان کمزور ہے۔



جہاد کی فرضیت کے بعد کچھ لوگ گھبرا کر کہنے لگے۔ اے ہمارے رب تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر دی۔ یعنی ان کی خواہش یہ تھی کہ کیوں نہ کچھ مدت تک لیٹ کی گئی۔ کہ ہمیں کچھ اور مہلت مل جاتی۔ یعنی ا... وقع ملتا کہ ہم گھروں میں ہی مرتے۔ جیسا کہ انسانی طبیعت کا تقاضا ہے کہ وہ موت سے بھاگتا ہے تا کہ دنیا کی کچھ بہار اور بھی دیکھ لے۔

آگے فرمایا اے پیارے محبوب آپ ان کو کہہ دیں کہ گھر میں فانی زندگی ہے۔ اور جنگ میں جانے سے دائمی زندگی ملے گی اور دنیا کا ساز وسامان بہت تھوڑا ہے۔ بالآخر ختم ہو جائیگا۔ اور آخرت کا ثواب اس دنیا کے ساز وسامان سے سوگنا بہتر بھی ہے۔ اور باقی بھی ہے۔ کیونکہ وہاں پر ثواب بے حساب اور نہ ختم ہونے والا اور کسی قسم کی اس میں خرابی بھی نہیں ہوگی۔ لیکن یہ بھلائی اس خوش نصیب کے لئے ہے کہ جس نے تقویٰ اختیار کیا۔ یعنی تمام امور شرعیہ کی ادائیگی احسن طریقے سے کی۔ اور فرمایا کہ تمہارے ساتھ دھاگے برابر بھی کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ یعنی تمہیں پورا پورا اجر وثواب دیا جائیگا بلکہ عمل سے کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا۔

دنیا اور آخرت کی نعمتوں میں فرق: دنیا کی نعمتیں تھوڑی اور آخرت کی نعمتیں بے حساب۔ دنیا کی نعمتیں جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ یا نعمتیں استعمال کرنے والا ختم ہو جائے گا لیکن آخرت کی نہ نعمتیں ختم ہوں نہ نعمتیں کھانے والا ختم ہو۔ ۳۔ دنیا کی نعمتوں کے ساتھ غم والم اور دکھ اور پریشانیاں ہیں اور آخرت کی نعمتوں کے ساتھ ایسی کوئی چیز نہیں۔ ۴۔ دنیا کی نعمتیں مشکوک اور برے انجام کا ہمہ وقت خطرہ ہے۔ کہ چھن نہ جائے مگر آخرت کی نعمتوں کے متعلق ایسا کوئی خطرہ نہیں۔ **حکایت:** ایک شخص نے مکان خریدا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اس کی تحریر لکھ دیں۔ آپ نے لکھا۔ کہ ایک مغرور نے دوسرے مغرور سے گھر خریدا۔ جو غافلوں کی گلی میں ہے۔ جس کی پہلی انتہاء موت دوسری قبر تیسری حشر اس کے بعد جنت یا جہنم۔ والسلام۔ **سبق:** لہذا عقل مند کو چاہئے کہ وہ اس ناپائیدار زندگی اور اس کی فناپذیر آسائشوں کیلئے ابدی زندگی اور اس کے لازوال انعامات کو نظر انداز نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری اس دنیا کے ساتھ ایسی مثال ہے۔ کہ کوئی مسافر سوار راستے میں کسی درخت کے نیچے کچھ دیر آرام کرے۔ اور پھر آگے چل دے۔ راستے میں ساز وسامان اکٹھا کر کے بیٹھ رہنے والے مسافر کو بے وقوف کہا جائیگا۔



أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ ط

جہاں کہیں تم ہوگے پالے گی تمہیں موت اگرچہ ہوئے تم قلعوں میں جو مضبوط ہوں

وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ج وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

اگر پہنچے ان کو کوئی اچھائی تو کہتے ہیں یہ ہے من جانب اللہ اور اگر پہنچے ان کو کوئی برائی

يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ط قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ط فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ

تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے فرمادو سب کچھ من جانب اللہ ہے تو کیا ہوگیا ان

الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾

لوگوں کو کہ نہیں قریب کہ وہ سمجھیں کوئی بات

(آیت نمبر۷۸) تم جہاں بھی ہوگے موت تمہیں پالے گی۔ یعنی بندہ موت سے بھاگتا ہے۔ مگر موت اس کے پیچھے دوڑتی جارہی ہے۔ لہذا تم موت سے بچ نہیں سکتے۔ خواہ تم مضبوط قلعوں میں چھپ جاؤ۔ (جن میں ہوا بھی نہ جاسکے) موت بہر حال وہاں بھی پہنچ جائے گی۔ لہذا موت سے بھاگنے کے بجائے موت کے بعد کا سامان کیا جائے۔ **مسئلہ** :امت کا اس بات پراجماع ہے کہ موت کی نہ کسی کو سن معلوم ہے۔ نہ اسے یہ علم ہے کہ کس حادثے سے موت واقع ہوگی۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ لذتوں کو مٹانے والی چیز (موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو (رواہ الترمذی والنسائی)۔ حضور کے اس ارشاد میں بہت بڑی جامعیت ہے۔ جس میں وعظ ونصیحت اور تذکیر و تبلیغ سب چیزیں آ گئیں۔ اس لئے کہ موت کے ذکر سے سب آرزوئیں ملیا میٹ ہو جاتی ہیں۔ آگے فرمایا کہ اگر ان کو کوئی بھلائی ملے۔ یعنی پھل وغیرہ کی کثرت ہو یا مال ودولت کی فراوانی ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ جملہ بھی عادتاً کہتے ہیں حقیقتاً نہیں۔ اور اگر انہیں کوئی برائی (قحط وغیرہ) آجائے تو پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ تیری وجہ سے ہے۔ یعنی وہ اسے نحوست سمجھ کر حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیتے (معاذ اللہ) جیسے یہودیوں نے کہا تھا کہ جب سے مسلمان مدینے میں آئے تو درختوں کے پھلوں میں کمی اور چیزیں مہنگی ہوگئی ہیں تو اللہ پاک نے فرمایا کہ اے میرے محبوب آپ کہہ دیں کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ رزق کا بڑھانا گھٹانا اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ تو پھر ان (یہودیوں) کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ نہیں سمجھتے یعنی ان میں جب اتنی لیاقت بھی نہیں کہ وہ کوئی بات سمجھ سکیں۔ پھر تو عقل وفہم میں وہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ انہیں پتہ ہونا چاہئے کہ اچھائی اور برائی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط

جو بھی پہنچی تجھے کوئی اچھائی تو وہ اللہ کی طرف سے اور جو پہنچے تجھے کوئی برائی تو وہ تیری اپنی طرف سے

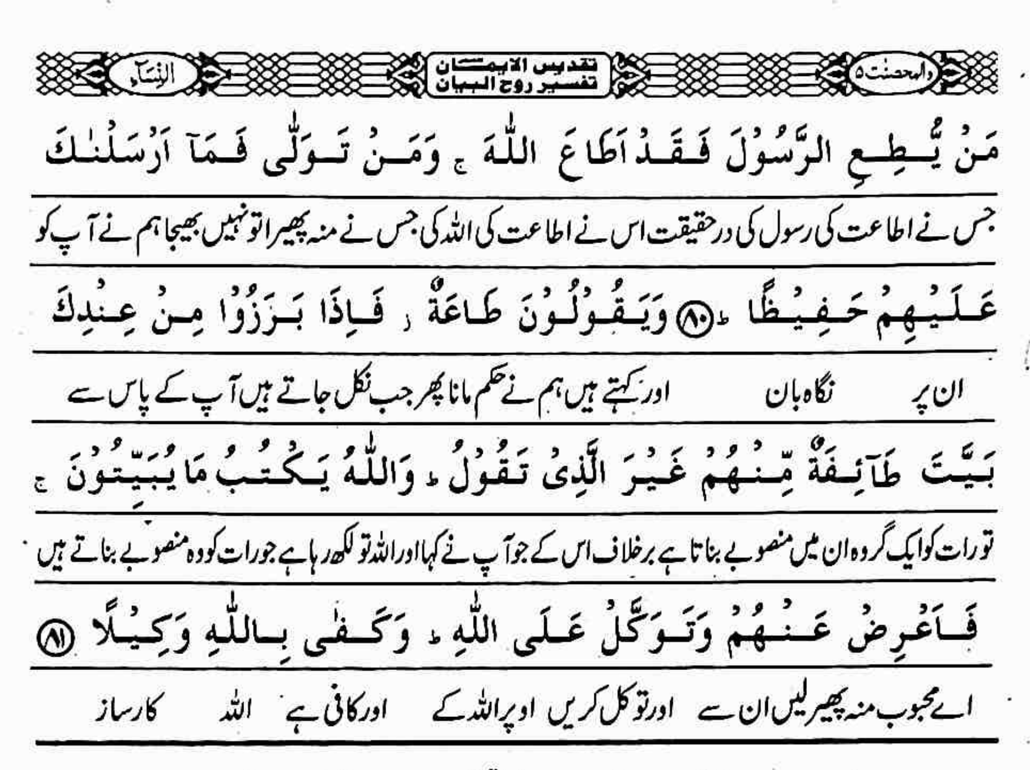
وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

اور ہم نے بھیجا آپ کو لوگوں کیلئے رسول بنا کر اور کافی ہے اللہ کی گواہی

(آیت نمبر ۷۹) جو بھی تمہیں بھلائی اور نعمت ملے تو سمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے کہ اس نے اپنے خاص فضل و کرم سے عطا فرمائی۔ اللہ کے انعام اور نعمتوں کا شکریہ کوئی انسان کما حقہ ادا نہیں کر سکتا۔ خواہ کتنی ہی عبادات وطاعات بجالائے۔ ایک **حدیث** میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر آدمی جنت میں صرف اللہ کی رحمت سے جائے گا۔ نہ کہ اعمال کے بھروسہ پر۔ یہاں تک کہ میں بھی اس کی رحمت سے جاؤں گا (بخاری کتاب الرقاق)۔ آگے فرمایا کہ اور جو تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ تمہارے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ کیونکہ نفس اگر برائی نہ کراتا تو یہ سزا بھی نہ ملتی۔ یاد رہے بعض کاموں کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ جیسے: (۱) تقدیر۔ (۲) اور پیدائش وغیرہ اور بعض کا تعلق بندے سے ہے۔ جیسے کسب اور عمل۔ یعنی بندہ نہ مجبور ہے نہ مختار ہے۔

نکتہ: اس ایک آیت میں دو باتیں فرمائیں پہلے فرمایا۔ سب اللہ کی طرف سے ہے پھر فرمایا کہ برائی اس کے نفس کی وجہ سے آتی ہے۔ تو اس میں تعارض نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اچھائی برائی پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ لیکن انسان غلط کام کرے۔ تو اس کا بدلہ سزا کے طور پر اسے دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے جیسے **حدیث شریف** میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کو جو دکھ تکلیف آتی ہے یہاں تک کہ جو کانٹا چبھتا ہے یا تسمہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ اس کے شامت اعمال یعنی گناہ کا نتیجہ ہے (صحیح بخاری کتاب المرضی)۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ معاف فرما دے وہ الگ بات ہے۔ **ف**: معلوم ہوا کہ بندہ کو ہر رنج و راحت اللہ کی طرف سے سمجھنی چاہئے۔ کسی چیز کو اپنا کمال نہ سمجھے۔

حکایت: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سات سال تک دانت کے درد میں مبتلا رہے۔ لیکن کسی کو مطلع نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کو جبریل نے بتایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی داڑھ میں درد ہے۔ تو حضور ﷺ نے پوچھا یار تم نے بتایا بھی نہیں کہ اتنے عرصے سے تمہاری داڑھ میں درد ہے۔ عرض کی کہ حضور یہ درد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ تھا۔ اللہ کے سوا کسی کو درد بتانا محبوب حقیقی کی شکایت بنتی تھی۔ اس لئے میں نے یہ آپ کو بھی نہیں بتایا۔



مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

جس نے اطاعت کی رسول کی درحقیقت اس نے اطاعت کی اللہ کی جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ

ان پر نگاہ بان اور کہتے ہیں ہم نے حکم مانا پھر جب نکل جاتے ہیں آپ کے پاس سے

بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ

تورات کو ایک گروہ ان میں منصوبے بناتا ہے برخلاف اس کے جو آپ نے کہا اور اللہ تو لکھ رہا ہے جو رات کو وہ منصوبے بناتے ہیں

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

اے محبوب منہ پھیر لیں ان سے اور توکل کریں اوپر اللہ کے اور کافی ہے اللہ کارساز

(آیت نمبر ۸۰) جو رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ سے محبت کرتا ہے۔ اور جو میری اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ بات سن کر منافقین کہنے لگے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی کی محبت اللہ کی محبت۔ یہ تو شرک ہے یہ تو اب خدا بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ یہ باتیں یہود و نصاریٰ کہہ رہے ہیں تو ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اس بات سے روگردانی کرے گا تو اے محبوب ہم نے آپ کو ان پر نگاہ بان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کے ہر ہر قول و فعل پر نگرانی کرتے رہیں۔ آپ کا کام ان تک ہماری بات پہنچانا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے کتنا واضح طور پر بتا دیا کہ میرا مطیع وہی ہے۔ جو میرے رسول کا مطیع ہے۔ اب کوئی لاکھ دعویٰ کرے۔ کہ اطاعت الٰہی اور اتباع قرآن کافی ہے اور کسی کی اطاعت نہیں۔ وہ جھوٹا ہے، اللہ کا قرآن سچا ہے۔

(آیت نمبر ۸۱) اور آپ جب کوئی حکم الٰہی سناتے ہیں تو منافق کہتے ہیں کہ ہم نے اطاعت کی۔ یعنی آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن پھر جب آپ کی مجلس سے نکل کر باہر جاتے ہیں۔ تو ایک گروہ ان میں سے یوں رات گذارتا ہے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہوتا۔ وہ اس کے الٹ کرتا ہے۔ یعنی آپ سے کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ جو کچھ رات میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ (کے فرشتے) ان کے نامہ اعمال میں اس کو لکھ رہے ہیں۔ اور اس پر ان کے لئے جزا و سزا کے احکام ثبت ہوں گے۔ اے میرے محبوب ان سے منہ پھیر لیجئے یا اُن کو درگذر کریں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا

تو کیا نہیں غور کرتے قرآن میں اور اگر ہوتا غیر خدا کی طرف سے تو ضرور پاتے

فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

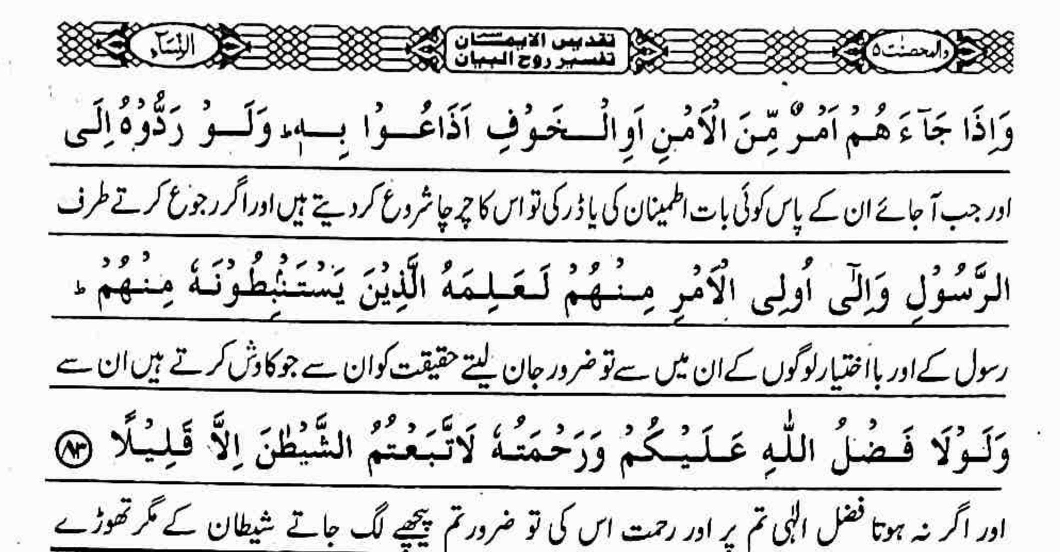
اس میں اختلاف بہت زیادہ

(بقیہ آیت نمبر۸۱) اوران کی پرواہ مت کریں۔صرف اللہ پر بھروسہ کریں۔اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز یعنی اللہ تعالیٰ ہی آپ کوان منافقین کے شر سے بچائے گا۔اور وہ دن آنے والا ہے۔جب اسلام کو پورے طور پر غلبہ نصیب ہوگا۔وکیل اس ذات کو کہا جاتا ہے کہ جس کے سپرد سب کام اور امور ہوں۔اور اسی کی تدبیر سے کام بنتا ہو۔

(آیت نمبر۸۲) کیا انہوں نے قرآن میں غور وفکر نہیں کیا۔اس لئے کہ اس میں وہ اسرار ورموز پوشیدہ ہیں جو غور اور تامل سے حاصل ہو سکتے ہیں۔اور یادرکھو اگر یہ قرآن اللہ کے بغیر کسی اور انسان وغیرہ کا کلام ہوتا۔جیسے کفار کا خیال ہے تو اس میں بے حساب اختلاف ہوتا۔کہیں الفاظ میں اختلاف تو کہیں معانی میں تناقض ہوتا۔اور اس میں کچھ خبریں صحیح اور کچھ غلط ہوتیں۔اسی طرح کچھ احکام عقل کے موافق اور کچھ مخالف ہوتے۔اس لئے کہ قوی بشریہ میں نقصان پایا جاتا ہے۔لیکن قرآن مجید اس کے باوجود کہ تیئس سال کے عرصہ دراز میں نازل ہوا۔مگر اس میں اختلاف کی بو تک نہیں۔اگر قرآن پاک میں کسی جگہ ایسی بات نظر آئے۔تو اصل میں وہاں پر ایک بات ایک انداز سے بیان فرمائی اور دوسری جگہ اس سے زیادہ وضاحت سے بیان کی گئی۔لیکن یادرہے۔کلام الٰہی میں جو بات بھی بیان ہوئی۔اگر غور وفکر کیا جائے تو ہر بات اپنے موقع پر صحیح اور بلیغ ہے۔

فائدہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جواہر القرآن میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے کسی حصے کو اعلیٰ اور کسی حصے کو ادنیٰ کہنا صحیح نہیں ہے۔ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں سورت یا فلاں آیت کو پڑھنے سے زیادہ ثواب اور زیادہ اجر ملتا ہے۔ورنہ کلام الٰہی فضیلت ومرتبہ کے لحاظ سے برابر ہے۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ابدی ہے۔قدیم ہے۔ہر قسم کی کمی وغیرہ سے پاک وصاف ہے۔تفضیل وترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔قرآن پاک کے الفاظ فصاحت وبلاغت کی انتہائی منزل پر ہیں۔یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے کہ جس میں کفار کے پورا زور لگا لینے کے باوجود ایک زبر زیر کو بھی تبدیل نہ کر سکے۔اس کے خوبصورت سیاق وسباق کا یہ حال ہے کہ اول سے آخر تک جیسے کڑی سے کڑی ملتی جارہی ہے۔پورے قرآن میں کہیں بھی اختلاف نہیں۔



وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی

اور جب آ جائے ان کے پاس کوئی بات اطمینان کی یا ڈر کی تو اس کا چرچا شروع کر دیتے ہیں اور اگر رجوع کرتے طرف

الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ

رسول کے اور با اختیار لوگوں کے ان میں سے تو ضرور جان لیتے حقیقت کو ان سے جو کاوش کرتے ہیں ان سے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾

اور اگر نہ ہوتا فضل الٰہی تم پر اور رحمت اس کی تو ضرور تم پیچھے لگ جاتے شیطان کے مگر تھوڑے

(بقیہ آیت نمبر ۸۲) ربط آیات اور ربط سور کا ایک انتہائی خوبصورت سلسلہ ہے اور اس قرآن مجید میں ان گنت اسرار و حقائق پوشیدہ ہیں۔ امراض قلوب کا اس میں بہترین علاج ہے۔ ہر قسم کی بیماری کیلئے شفا ہے۔ اس کے عجائبات غیر منقطع ہیں۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا سچا اور سُچا کلام ہے۔ اگر کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا۔

(آیت نمبر ۸۳) اور جب ان کے پاس کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے یعنی جہاد کیلئے گئے ہوئے مسلمانوں کے فتح و نصرت یا شکست و تکلیف کی کوئی خبر ملتی ہے۔ تو یہ کمزور درجہ کے مسلمان اسے پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بات کسی کو بتانی بھی ہے یا نہیں اور نہ انہیں یہ معلوم ہے کہ ایسے امور کو پھیلانے سے فتنہ بھی اٹھ سکتا ہے۔ اس کے بجائے اگر وہ وہی بات رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضور ﷺ کے مامور کردہ حضرات جو لشکروں پر امیر مقرر کیے گئے۔ یعنی وہ بڑے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاء راشدین سے بات کرتے تو وہ اس بات کی حقیقت سے انہیں آگاہ کر دیتے۔

فائدہ: یہ آیت قرآن و حدیث سے مسائل نکالنے کیلئے دلیل ہے۔ اسی کا نام اجتہاد ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے راز لوگوں پر افشاء کرنا ناجائز ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل و رحمت نہ ہوتا۔ یہاں فضل و رحمت سے مراد انبیاء کرام اور کلام الٰہی ہے۔ یعنی یہ اگر تمہیں نہ ملتے تو تم گمراہی میں پڑ کر شیطان کے پیروکار بن جاتے سوائے چند ایک لوگوں کے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطا کیا ہے۔ جیسے ورقہ بن نوفل جیسے حضرات جو سچے دین کی تلاش میں تھے۔ حضرت شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو حضور ﷺ کے اعلان نبوۃ سے پہلے ہی حق کے متلاشی تھے۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَی

تو لڑیئے راہ خدا میں نہیں تکلیف دی جائے گی مگر آپ کی جان کو اور آمادہ کریں مسلمانوں کو ہوسکتا ہے

اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾

اللہ روک دے سختی ان کی جو کافر ہیں اور اللہ بہت سخت ہے طاقت میں اور سخت ہے عذاب دینے میں

(بقیہ آیت نمبر ۸۳) **فضل ورحمت:**

قرآن میں اکثر فضل ورحمت سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا صفات لی گئی ہے۔

فائدہ: جب عام دنیوی اور سیاسی امور میں عوام کو ان چیزوں میں دخل اندازی اور خودسری کی اجازت نہیں دی گئی۔تو غور کریں کہ امور دینیہ میں یہ بدنظمی کب برداشت کی جاسکتی ہے۔کہ ہر کہہ ومہہ مفتی بنا پھرے۔اور قرآن وسنت میں اپنی رائے ٹھونستا پھرے۔مسلمانوں پر فرض ہے کہ دینی امور میں صرف ان علماء کے پاس جائیں۔جن کا علم وفضل زہد وتقویٰ اور دینی بصیرت مسلمہ ہو۔(جیسے ہمارے ائمہ اجتہاد وفقہائے کرام ہیں)۔

(آیت نمبر ۸۴) اے محبوب اگر منافق جہاد میں جانے سے کتراتے ہیں۔تو آپ اکیلے ہی میری راہ میں جہاد کریں۔اور اللہ کی راہ میں لڑیں۔نہیں تکلیف دی جارہی مگر صرف آپ کی ذات کو اور اس جہاد میں آپ اکیلے نہیں ہونگے۔بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے۔وہ ہی آپ کا مددگار ہے۔اور آپ اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیں جہاد کرنے کا ثواب انہیں بتائیں اور جہاد نہ کرنے والے کو ڈرسنائیں اور جہاد کے ذریعے فتح ونصرت حاصل ہونے اور مال غنیمت کی خوش خبری سنائیں۔صرف ترغیب دلائیں انہیں جہاد پر جانے کیلئے مجبور نہ کریں۔

شان نزول: غزوۂ احد سے بھاگتے وقت ابوسفیان نے کہا تھا کہ اگلے سال پھر بدر میں مقابلہ ہوگا تو حضور ﷺ نے ان شاء اللہ کہہ کے وعدہ فرمالیا تھا۔وہ تاریخ آئی تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا۔اس پر کچھ لوگ کترانے لگے تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔حضور ﷺ اپنے ساتھ ستر صحابہ کی جماعت لے کر بدر کی طرف روانہ ہوگئے۔(بعد میں باقی لوگ بھی پہنچ گئے) اور اللہ تعالیٰ نے خصوصی مدد فرمائی (کہ کفار نہ آئے اور مسلمانوں نے وہاں کاروبار کرکے بے حساب پیسہ کمایا) آگے فرمایا کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا خطرہ روک دے۔عسیٰ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے وجوب کا فائدہ ہوتا ہے۔یعنی لازماً وہ ہوگا اور یہی ہوا کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔اور وہ وہاں نہ آئے۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

جوسفارش کرے اچھی تو ہے اس کیلئے حصہ اس میں اور جوسفارش کرے

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾

بری ہوگا اس کیلئے بھی حصہ اس میں اور ہے اللہ اوپر ہر ایک چیز کے قادر

(بقیہ آیت نمبر۸۴) **فائدہ:** اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ کسی کارخیر میں اس کا کوئی معاون وغیرہ نہ بھی ہو۔ تو اسے اکیلے ہی وہ کام شروع کردینا چاہئے۔ آگے اللہ مددگار ہے۔

(آیت نمبر۸۵) جو کسی کی اچھی سفارش کرے تو اسے اس کا حصہ ملے گا۔ یعنی اجر وثواب پائے گا۔ اچھی سفارش یہ ہے۔ کہ اس سفارش کی وجہ سے دوسرے انسان کو فائدہ ہو یا وہ کسی شر اور نقصان سے بچ جائے۔ اور سفارش کرنے والے کا مقصد رشوت وغیرہ کا حصول نہ ہو بلکہ رضاء الٰہی ہو۔ اور وہ کام جائز ہو۔ اور اس سے نہ تو اللہ کی حدود سے تجاوز ہو۔ نہ کسی مسلمان کا حق ضائع ہو۔ آگے فرمایا کہ جو بری سفارش کرے گا۔ تو وہ اس برائی میں سفارش کرنے والا برابر کا شریک ہوگا۔ یعنی جتنا گناہ برائی کرنے والے کو ملے گا۔ اتنا ہی سفارش کرنے والے کو ملے گا۔

دو قسم کی سفارش بری ہے: (۱) حدود میں سفارش۔ (۲) سفارش کے بعد رشوت لینا۔

مسئلہ: حدود وہ سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے مقرر کردی ہیں۔ اس کے بعد کوئی حد مقرر نہیں کرسکتا۔ **تعذیر** سزا ہی کو کہتے ہیں۔ لیکن اس کی کوئی حد مقرر نہیں حاکم بھی لگا سکتا ہے۔ (حدود اور تعزیرات کے تمام مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں) الغرض یہ کہ حدود میں سفارش کی جائے تو نا قابل قبول ہے۔

حکایت: حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کی سفارش کی اس کے عوض اس نے ہدیۃً کوئی چیز دینا چاہی۔ تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا۔ تو میں تیری کبھی سفارش نہ کرتا۔ اور اب یاد رکھ میں تیری کبھی سفارش نہیں کرونگا۔ **حدیث شریف:** امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ زبان کے صدقہ سے کوئی چیز افضل نہیں ہے۔ پوچھا گیا۔ کہ زبان کا صدقہ کیا ہے تو فرمایا کہ ایسی سفارش جس سے کسی مسلمان کا خون بچ جائے یا وہ کسی نقصان سے محفوظ ہوجائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا۔ فلاں آدمی پر چوری کی حد لگ رہی ہے۔ سفارش کردیں۔ تو فرمایا کہ جو ایسی سفارش کرے اس پر بھی لعنت اور جو قبول کرے اس پر بھی لعنت۔ (احیاء العلوم)

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اور جب تم تحفہ دیے جاؤ سلام کے ساتھ تو تم جواب میں تحفہ دو زیادہ اچھا اس سے یا وہی کہہ دو بے شک اللہ ہے

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

اوپر ہر چیز کے حساب لینے والا۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۵) **سبق**: مسلمان پر لازم ہے کہ مسلمان بھائی کی جائز ضرورت پر اس کی سفارش کرے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ نے مرتبہ اور جاہ بخشا ہے۔ اور لوگوں کے ہاں مقبول ہے۔ وہ کسی غریب کی سفارش کرے تو اسے صدقہ کے برابر ثواب ملے گا اور اس کے پاس سفارش ہو۔ تو وہ قبول کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا زبان کے صدقہ سے بڑھ کر کوئی صدقہ افضل نہیں ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ وہ کیسے تو فرمایا کہ وہ سفارش کہ جس سے کسی کا خون بچ گیا اور دوسرے مسلمان کو نفع پہنچ گیا یا دوسرے کی تکلیف دور ہوگئی۔ (رواہ الطبرانی وامام غزالی)۔ سب سے اعلیٰ بات وہ ہے کہ جو کسی مسلمان کو نفع پہنچائے یا اس کو نقصان سے بچائے خواہ دنیا میں آخرت میں بشرطیکہ جائز کام میں ہو۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کیلئے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے۔ اس کی دعا قبول ہوتی ہے (مسلم شریف)۔ بشرطیکہ وہ دعا طمع وریاء سے پاک ہے۔ آگے فرمایا کہ ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ **سبق**: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ جو کسی دوسرے مسلمان بھائی کی بھلائی کرتا ہے۔ اسے خود بھی بھلائی نصیب ہوتی ہے۔ یہ بھلائی کا قاعدہ ہے کہ وہ جانبین کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ مقیت کا ایک معنی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ مخلوق کو کھانا پہنچانے والا اور ایک معنی ہے۔ دلوں کو منور کرنے والا۔ اور ایک معنی مطلع اور ایک معنی ہے۔ غلبہ پانے والا۔

(آیت نمبر ۸۶) جب تمہیں تحفہ (سلام کا) کوئی دے۔ تحیت اصل میں لمبی عمر کیلئے دعا کو کہتے ہیں۔ اگر چہ اب عام دعائیہ جملے کو تحیۃ کہا جانے لگا۔

شان نزول: اہل عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو حیاک اللہ کہتے تھے۔ یعنی اللہ تجھے ہمیشہ زندہ رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے لفظ السلام علیکم کہنے کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ کلمہ پسند آیا تو فرمایا کہ "تحیۃ من عند اللہ" یعنی ایک دوسرے کو السلام علیکم کہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے سلامتی کا تحفہ ہے۔

نکتہ: ملاقات کے وقت اہل عرب کا دعائیہ جملہ بھی اچھا تھا۔ مگر اس میں جامعیت نہیں تھی۔ مگر اسلامی سلام میں دینی اور دنیوی آفات و بلیات سے حفاظت و سلامتی کی دعا ہے۔ اور جب ایک مسلمان دوسرے کو السلام علیکم کہتا

ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میں اپنی طرف سے تجھے سلامتی کی ضمانت دیتا ہوں۔ اگلا وعلیکم السلام کہہ کے یہ کہتا ہے کہ تو بھی میری طرف سے مطمئن رہ میں بھی تجھے سلامتی کی ضمانت دیتا ہوں۔ یہ جامعیت دنیا کے کسی بھی جملے میں نہیں جو جملے بوقت ملاقات کہے جاتے ہیں۔ اس لئے اللہ کریم نے فرمایا کہ جب کوئی تمہیں سلام کا تحفہ دے تو تم بھی اس سے بہتر سلام کا تحفہ دو۔ یعنی اس نے السلام علیکم کہا تو تم ساتھ ورحمۃ اللہ بھی کہو۔ اگر اس نے سلام کے ساتھ ورحمۃ اللہ کہا تو تم ساتھ وبرکاتہ بھی کہو۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اسے بیس اور جو جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اسے تیس نیکیاں ملتی ہیں (مسند عبد بن حمید)۔ (دیگر احادیث میں اس سے زیادہ نیکیاں ملنے کا بھی ذکر ہے)۔ **مسئلہ:** سلام دینا سنت اور جواب دینا واجب ہے۔ اسی طرح کسی دوسرے کا سلام پہنچانا بھی واجب ہے۔ خواہ خط میں سلام لکھا ہو پھر بھی جواب دینا ضروری ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس سے بہتر تحفہ دو یا اس جیسا ہی لوٹا دو۔ کافر کو نہ سلام دینا نہ جواب اگر سلام دینا ہی پڑے تو یوں کہے السلام علی من اتبع الھدیٰ اور اگر کسی کافر نے سلام دے دیا تو جواب میں فقط وعلیکم کہے۔ یہاں علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ نے (۳۷) مسائل بیان کئے۔ سلام کے جواب، سلام کس کو دینا ہے۔ سلام کس کو نہیں دینا۔ کافر سلام دے تو کیا کہنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ قبرستان سے گذرتے وقت مسلمان مردوں کو بھی سلام دیا جائے جو کلمات حدیث میں آئے وہ کہے اور مردہ اس کے سلام کو سنتا ہے۔ اسے سلام کا جواب دیتا ہے اور اگر دنیا میں اسے جانتا تھا تو قبر میں بھی اسے پہچان لے گا۔ (ابن عساکر والدیلمی)

سماع موتی پر دلیل ہے: اگر عام مردہ بمطابق حدیث شریف سن سکتا ہے تو نبی کے بارے میں کیوں غلط فہمی ہے کہ وہ نہیں سن سکتے حالانکہ وہ ہمارے سلام کو سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں (اس مسئلہ پر اہل سنت کے پاس مضبوط دلائل ہیں الحمدللہ) یہ تو مشہور **حدیث** ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میری روح بدن میں لوٹا دی جاتی ہے یعنی میری توجہ اس طرف ہو جاتی ہے۔ اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں (رواہ ابوداؤد) یہ حدیث تو انتہائی مضبوط ہے۔ اب بتاؤ وہ کون سا وقت ہے کہ جب حضور ﷺ پر درود نہ پڑھا جا رہا ہو۔ معلوم ہوا حضور ﷺ کی روح ہمہ وقت جسم میں رہتی ہے۔ اور آپ بہ نفس نفیس قبر مبارک میں روح پاک کے ساتھ زندہ ہیں۔ پیچھے حدیث میں گذر چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ برزخ میں حس یعنی حیات کا شعور بولنے اور سننے کیلئے باقی رکھتا ہے۔ لہذا حس اور شعور کلی روح محمدی سے جدا نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کائنات کی روح ہیں۔ وہ مواقع جہاں سلام نہ دیا جائے: (۱) کھیل تماشے والے کو۔ (۲) گانے والے کو۔ (۳) تاش کھیلنے والے کو۔ (۴) ٹائلٹ والے کو۔ (۵) خطبہ کے وقت۔ (۶) نمازی کو۔ (۷) تلاوت کرنے والے کو۔ (۸) ذکر کرنے والے کو۔ (۹) درس و تدریس والے کو۔ (۱۰) اذان کے وقت۔ (۱۱) اقامت کے دوران۔ (۱۲) جج کے فیصلے کے وقت۔ (۱۳) سوئے ہوئے کو۔ (۱۴) وظائف پڑھنے والے کو۔ (۱۵) کسی کافر کو۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ

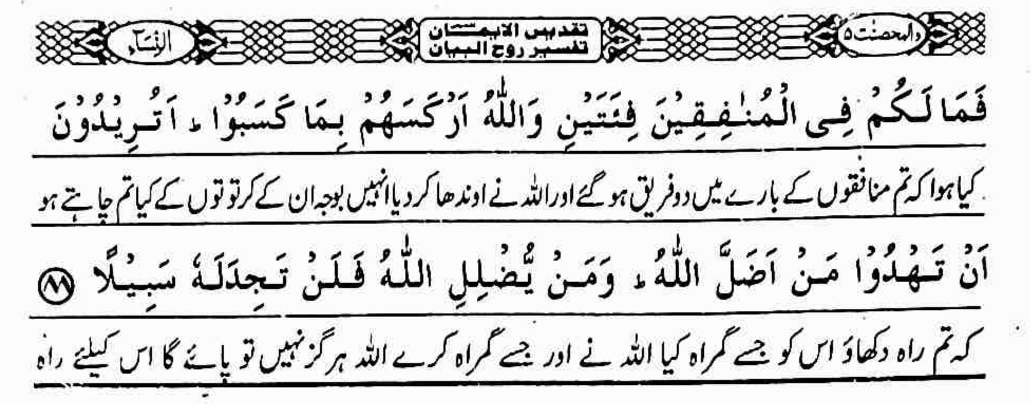
اللہ ہی ہے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے وہ ضرور اکٹھا کرے گا تمہیں دن قیامت میں کہ نہیں کوئی شک

فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

اس میں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں

(آیت نمبر ۸۷) اللہ وہ ذات ہے۔ جس کے سواء اور کوئی معبود نہیں۔ البتہ ضرور بہ ضرور بروز قیامت اللہ تمہیں قبروں سے نکال کر جمع فرمائے گا۔ جو انتہائی سخت اور ہولناک دن ہے۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ یہی اللہ کا حکم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچا ہے۔ یا اس سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام میں جھوٹ کا کوئی شائبہ تک بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ جھوٹ ایک عیب ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ (مسئلہ امکان کذب جو فتاوٰی رشیدیہ میں ہے۔ اس آیت میں اس کا رد ہے)۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بنی آدم نے مجھے جھٹلایا۔ جب کہ یہ بات اس کے لائق نہ تھی۔ (بخاری شریف) یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے اور ابن آدم نے مجھے گال دی۔ جبکہ اس کے لئے یہ مناسب نہ تھا۔ جھٹلایا اس طرح۔ کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ قبر سے نکال کر حشر میں نہیں لائے گا۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے زندہ کرنے پر یقین ہی نہیں رکھتا۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ سارے جہاں کو میں نے ہی پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ دوبارہ بنانا تو پہلی مرتبہ کے بنانے سے زیادہ آسان ہے۔ اور گال دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ اولاد کی طرف میری نسبت کرنا گویا مجھے گالی دینا ہے۔ اور میں بالکل اکیلا ہوں صفات کمال اور بقاء کے لحاظ سے اور ہر قسم کے عیب سے پاک ہونے کے لحاظ سے اور میں بے نیاز ہوں مجھے کسی کی حاجت نہیں سب میرے محتاج ہیں اور میں ہی وہ ذات ہوں۔ جس سے کوئی پیدا نہیں ہوا اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا اور نہ میرا کوئی ہمسر ہے۔ (شرح مشارق)۔ قیامت تین قسم ہے: (۱) قیامت صغریٰ: جو مرتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو مر جائے اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ (۲) قیامت وسطیٰ: جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائیگا اور سب مخلوق فنا ہو جائیگی۔ (۳) قیامت کبریٰ: دوسری مرتبہ جب صور میں پھونکا جائیگا اور سب مخلوق دوبارہ زندہ ہو جائیگی۔



فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ

کیا ہوا کہ تم منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو گئے اور اللہ نے اوندھا کر دیا انہیں بوجہ ان کے کرتوتوں کے کیا تم چاہتے ہو

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

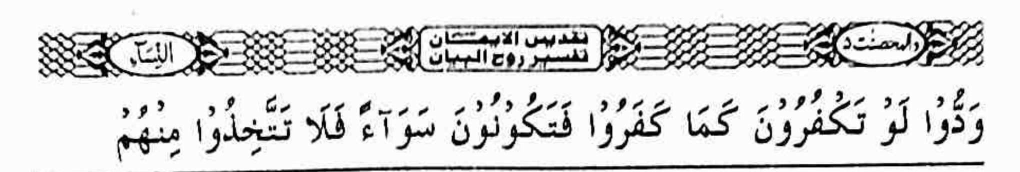
کہ تم راہ دکھاؤ اس کو جسے گمراہ کیا اللہ نے اور جسے گمراہ کرے اللہ ہرگز نہیں تو پائے گا اس کیلئے راہ

(آیت نمبر ۸۸) اے مومنو تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہو گئے ہو کچھ کو مسلمان اور بعض کو کافر کہتے ہو۔ وہ تو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جدھر سے آئے ادھر ہی لوٹ گئے۔ اس لئے وہ دوسرے کفار کی طرح ہو گئے فرق یہ ہے۔ باقی کھلے کافر ہیں۔ یہ چھپے ہوئے کافر ہیں۔ احکام میں دونوں برابر ہیں۔

شان نزول : بعض لوگ مسلمان تو ہو جاتے لیکن بال بچوں کی محبت مال و جائیداد سے پیار انہیں ہجرت نہ کرنے دیتے۔ اور پھر وہ کافروں کے ساتھ ہی میل جول رکھتے تو ان کے متعلق اختلاف رائے ہو گئی۔ کچھ مسلمان ان کو کافر کہتے اور کچھ مسلمان ان کے ظاہراً مسلمان ہونے کو دیکھ کر ان کو کافر کہنے سے گریز کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کفار مکہ سے جب جا ملے تو ان کے کفر میں کیا شک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط کردار کی وجہ سے مدینے میں آنے ہی نہیں دیا۔ تو اے ایمان والو اب تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جنہیں گمراہ کیا ہے۔ انہیں تم ہدایت یافتہ بنا لو۔ یہ جملہ ڈانٹ کا ہے یہ بات یاد رکھو جسے اللہ گمراہ کر دے پھر تم اس کے لئے کوئی بھی ہدایت کی راہ نہ پاؤ گے۔

گویا ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی دولت سے محروم کر دیا۔ ان کے لئے حکم یہی ہے کہ ذلیل ہوں یا قید کئے جائیں یا قتل کئے جائیں کیونکہ وہ مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملے اور حضور ﷺ سے دھوکا کیا۔ کیا اب بھی تم انہیں ہدایت یافتہ سمجھ رہے ہو۔ ایسے گمراہوں کو اللہ تعالیٰ کبھی ہدایت نہیں دیتا کیونکہ وہ اپنے اختیار سے ہدایت کو چھوڑ گئے ہیں۔

فائدہ : یہ خطاب ہر ایک مخاطب کو ہے۔ اس میں کوئی خاص شخص مخاطب نہیں کیونکہ یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا کہ جس سے کوئی خاص مخاطب معلوم ہو۔



وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ

وہ تو چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہیں تا کہ ہو جاؤ تم برابر تو نہ بناؤ ان میں سے

اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ

دوست یہاں تک وہ ہجرت کریں راہ خدا میں پھر اگر وہ منہ پھیرلیں تو تم پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو

حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۙ ﴿۸۹﴾

جہاں بھی تم پاؤ ان کو اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار

(آیت نمبر ۸۹) وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کاش تم بھی کفر کرو۔ تا کہ وہ اور تم کفر میں برابر ہو جاؤ۔ یعنی تم تو ان کے مسلمان ہونے کے بارے میں بحث کر رہے ہو۔ اور وہ تمہیں بھی دولت ایمان سے محروم کر کے اپنے ساتھ ملانے کی تدبیر سوچ رہے ہیں۔ کہ تم بھی معاذ اللہ کافر ہو جاؤ تا کہ سب معاملہ برابر ہو جائے۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ جو دوسرے کے کفر کو پسند کرتا ہے۔ درحقیقت وہ بھی اندر سے کافر ہی ہے۔ خواہ اوپر اوپر سے وہ لاکھ کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ **مشہور قاعدہ**: علماء کرام نے لکھا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہی ہے۔ اس لئے آگے فرمایا کہ ان میں سے کسی کو بھی ولی دوست نہ بناؤ۔ جب تک کہ وہ ہجرت کر کے مدینے میں نہ آ جائیں۔ یعنی وہ پکے مسلمان نہ ہو جائیں۔ اگر وہ مسلمان ہونے یا ہجرت کرنے سے روگردانی کریں۔ تو سمجھ لو کہ اندر سے پورے بے ایمان ہیں اس لئے انہیں پکڑ کر قتل کر دو۔ جہاں بھی تم انہیں پاؤ تم انہیں ہرگز اپنے کسی معاملے میں حمایتی اور مددگار نہ سمجھو۔ یعنی ان منافقوں سے کلی طور پر کنارہ کش رہو ان کی دوستی اور حمایت یا مدد کا مت سوچو۔ وہ تمہارے مخالف بلکہ دشمن ہیں۔ تم بھی انہیں اپنا دشمن ہی سمجھو۔ **فائدہ**: کفر سے محبت یا دوستی باطنی طور پر کفر کی ہی علامات میں سے ہے۔ اگر چہ وہ اسلام اسلام کی رٹ لگاتے رہیں۔ یہ ایک قاعدہ ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے۔ وہ اصل میں اسی کے مذہب پر ہوتا ہے۔ اس کا عقیدہ اور دین وہی ہوتا ہے جو اس کے محبوب کا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر بدعقیدہ سے خصوصاً مرزائیوں سے دور رہا جائے۔ **فائدہ**: اس میں یہ بھی اشارہ ملا کہ اللہ والوں کو دنیا چاہنے والوں سے محبت نہیں کرنی چاہئے اور نہ ان سے زیادہ میل جول رکھیں۔ ورنہ ان کے گندے جراثیم مسلمانوں میں سرایت کر جائیں گے۔ **حدیث شریف**: مردوں کے پاس بیٹھنے سے بچو۔ پوچھا گیا مردے کون ہیں۔ فرمایا۔ دنیادار۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ

مگر وہ جو ملتے ہیں ایسی قوم سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہے یا آئیں تمہارے پاس

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

اس حال میں کہ سکت نہ رہی ان کے دلوں میں کہ لڑسکیں تم سے یا لڑیں اپنی قوم سے۔ اور اگر چاہتا اللہ

لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ

تو ضرور قابو دیتا ان کو تم پر تو وہ ضرور تم سے لڑتے۔ تو اگر وہ کنارہ کرلیں تم سے پھر نہ لڑیں تم سے

وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩٠﴾

اور ڈالیں تمہاری طرف پیغام صلح تو نہیں بنائی اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ

(آیت نمبر ۹۰) جب یہ حکم ملا کہ ان غداروں کو قتل کرو۔ جہاں انہیں پاؤ۔ جنہوں نے تم سے دھوکہ کیا اور اسلام سے پھر گئے تو اب ان لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ مگر ان لوگوں کو کچھ نہ کہو جن کا تمہارے ساتھ کوئی امن کا معاہدہ ہے۔ کہ نہ وہ تم سے لڑیں گے نہ تم ان سے لڑو گے۔ اگر یہ منافق ان کے پاس چلے گئے جن سے تمہارا معاہدہ ہے تو پھر انہیں قتل نہ کرو کیونکہ انہوں نے ان سے پناہ لے لی ہے۔

شان نزول : اس سے قبیلہ اسلمی کے لوگ مراد ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ہلال بن عویمر اسلمی سے معاہدہ فرمایا کہ نہ ہم تمہارے دشمن کی مدد کریں۔ نہ تم ہمارے مخالف کی مدد کرو گے۔ اور جو بھی ہم سے بھاگ کر تمہاری پناہ لے گا۔ پھر ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ آگے فرمایا کہ یا وہ آئیں تمہارے پاس اس حال میں کہ ان کے سینے تنگ ہو چکے ہیں کہ اب وہ اپنی قوم کی مدد کیلئے تمہارے ساتھ لڑیں۔ یا وہ تمہاری مدد کرنے کیلئے اپنی ہی قوم سے لڑیں۔ اپنی قوم سے اس لئے بھی نہیں لڑ سکتے کہ وہ ان کے دین پر ہیں۔

فائدہ :اس سے قبیلہ بنو مدلج کے لوگ مراد ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ تا زیست تم سے نہیں لڑیں گے۔ اور اس کے بالمقابل انہوں نے قریش سے بھی معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ ان سے بھی جنگ نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ ان کے دل تنگ ہیں کہ وہ کسی سے لڑیں کیونکہ انہوں نے تم سے نہ لڑنے کا معاہدہ کر رکھا ہے اور

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں تمہارا رعب بھی ڈالا ہے۔

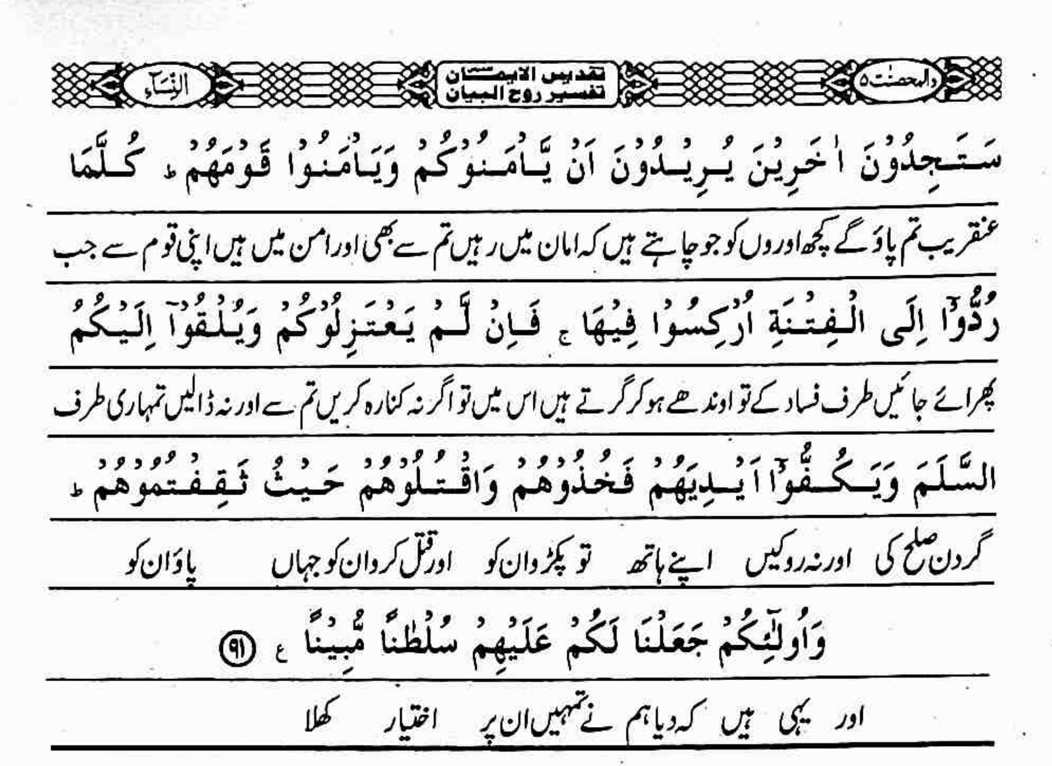
12/12

فائدہ: ان کا سینہ تنگ ہونے کا مطلب یہ ہے۔ وہ لڑائی سے بہت گھبراتے تھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا ایسا رعب ڈالا تھا کہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کیلئے کسی طرح تیار نہ تھے۔ اپنی قوم سے اس لئے کہ وہ ان کی برادری تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے روکا۔ اور جن سے معاہدہ ہو چکا ان کو قتل کرنے سے بھی روکا۔ کہ وعدہ خلافی نہ ہو جائے۔ آگے فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا۔ وہ اس طرح کہ ان کے دلوں سے تمہارا رعب نکال کر ان کے دلوں کو مضبوط کر دیتا۔

فائدہ: یہ بات بطور تمثیل کے کہی گئی۔ ورنہ کفار پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب ہمیشہ رکھا ہے (ہاں مسلمان خود کافروں کے آگے لمبے پڑ جائیں کہ آ ؤ اب ہمیں مارو جیسے آج کل ہو رہا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ پر کیا حرف ہے) کبھی کافروں کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر غلبہ پا گئے ہوں مسلمانوں پر تسلط پانے کا یہی مطلب ہے کہ تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے یا تمہارے آپس کے اختلافات کی وجہ سے کفار کو جرات دے دے۔

یا اگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے تمہارا رعب نکال دے تو وہ ضرور تم سے لڑیں اور تمہارے مقابلے میں انہیں کوئی گھبراہٹ بھی نہ ہوگی۔ آگے فرمایا کہ پھر اگر وہ تم سے الگ ہو جائیں۔ لڑائی نہ کریں اور تمہارے ساتھ صلح صفائی کر لیں۔ اور تمہارے آگے جھک جائیں۔ تو نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے تمہارا ان پر کوئی اور راستہ کہ انہیں قیدی بنایا جائے یا وہ قتل کئے جائیں پھر ان کا تم سے نہ لڑنا ہی تقاضا کرتا ہے۔ کہ تم بھی ان سے جنگ نہ کرو۔

فائدہ: بعض علماء نے اس آیت کو بھی قتال والی آیت سے منسوخ مانا ہے۔ بعض فرماتے ہیں منسوخ نہیں معاہدہ کا حکم ہمیشہ کیلئے ہے۔ امام حدادی فرماتے ہیں کہ ان سے جزیہ بھی لیا جائے۔ اور ان کی چالوں سے بھی ہوشیار رہیں۔ کافر کافر ہی ہوتا ہے کسی وقت بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ جیسے سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت بھی ڈنگ مار سکتا ہے۔



سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا

عنقریب تم پاؤ گے کچھ اوروں کو جو چاہتے ہیں کہ امان میں رہیں تم سے بھی اور امن میں ہیں اپنی قوم سے جب

رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ

پھرائے جائیں طرف فساد کے تو اوندھے ہو کر گرتے ہیں اس میں تو اگر نہ کنارہ کریں تم سے اور نہ ڈالیں تمہاری طرف

السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ

گردن صلح کی اور نہ روکیں اپنے ہاتھ تو پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں پاؤ ان کو

وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۧ (۹۱)

اور یہی ہیں کہ دیا ہم نے تمہیں ان پر اختیار کھلا

(آیت نمبر ۹۱) عنقریب تم ایسی قوم کو پاؤ گے کہ جو بظاہر کلمہ پڑھ کر تمہیں بھی مطمئن کرتے ہیں اور اپنی قوم کو بھی پرامن رکھنا چاہتے ہیں۔ اس سے قبیلہ بنی اسد اور غطفان مراد ہیں۔ جو مدینہ شریف میں آئے تو کلمہ پڑھ کر اسلام کے وفادار رہنے کا عہد کیا۔ پھر جب مکہ میں پہنچے تو عہد شکنی کر کے کفار سے مل گئے۔ ان کا مقصد یہ تھا۔ کہ غیر جانب داری کا بلند بانگ دعوی بھی رہے۔ اور مسلمانوں سے بھی ملے رہیں۔ اور جب موقع ملے تو کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ بھی کر لیں۔ ان کے متعلق فرمایا گیا کہ جب وہ فتنہ کی طرف بلائے جائیں۔ تو اوندھے ہو کر دوڑ پڑتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ بہت بڑے شرارتی ہیں۔

ان کے متعلق فرمایا کہ اگر تم سے جنگ کرنے سے اب نہ باز آئیں۔ اور تمہارے ساتھ صحیح طور پر صلح بھی نہ کریں اور تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے بھی باز نہ آئیں۔ تو انہیں پکڑو۔ اور جہاں بھی تمہارے ہتھے چڑھیں۔ انہیں قتل کر دو۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے متعلق ہم نے تمہارے لئے کھلی دلیل قائم کر دی۔ یعنی ان پر حجت قائم ہوگئی تا کہ تم انہیں قتل کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرو۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں سے دھوکہ کیا ہے۔ اور انہوں نے امن پسندی کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ کہ نہ تو جنگ کے وقت تم سے کنارہ کش ہوئے۔ اور نہ کوئی تم سے صلح کا پیغام تمہیں دیا۔ اور نہ تم پر دست درازی کرنے اور تم پر تعدی کرنے سے باز آئے۔ لہذا اے مسلمانو اب تم بھی ان کا کوئی لحاظ نہ کرو۔ جہاں بھی ملیں انہیں قتل کر دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کھلی اجازت دے دی گئی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا

اور نہیں ہے کسی مسلمان کیلئے کہ قتل کرے کسی مسلمان کو مگر غلطی سے اور جو قتل کرے کسی مسلمان کو غلطی سے

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ

اس پر آزاد کرنا غلام مومن کا ہے اور دیت جو سونپی جائے مقتول کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کردیں اور اگر

كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ

ہو اس قوم سے جو دشمن ہے تمہاری اور وہ مقتول مومن ہے تو آزاد کرنا ہے غلام مومن کا اور اگر

كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

ہے اس قوم سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے تو خون بہا دیا جائے اس کے گھر والوں کو

وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫

اور آزاد کرنا غلام کا جو مومن ہے پھر جو نہ پائے تو روزے رکھے دو ماہ لگاتار

تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

یہی اس کی توبہ ہے اللہ کی طرف سے اور ہے اللہ علم والا حکمت والا

(آیت نمبر۹۲) کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کسی مومن کو ناحق قتل کرے۔ مگر غلطی سے ہو جائے تو وہ معذور ہے کیونکہ انسان خطا کا پتلہ ہے۔ خطا اسے کہتے ہیں جس میں ارادے کو کوئی دخل نہ ہو۔ مثلاً ایک آدمی کافر کو تیر مار رہا تھا کہ درمیان میں مسلمان آ گیا وہ تیرے بجائے کافر کے مسلمان کو لگ گیا۔ اسے قتل خطاء کہتے ہیں۔

واقعہ: یہ ہے کہ عیاش بن ربیع مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں آ گئے۔ ان کی ماں نے بے قرار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیا۔ ابوجہل اور حارث بن زید لینے کیلئے آئے۔ دھوکے سے لے گئے۔ راستے میں بہت مارا اور پیٹا تو عیاش نے قسم کھائی کہ میں حارث کو قتل کرونگا۔ عیاش پھر مدینے میں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حارث کو بھی اسلام کی دولت نصیب کی اور مدینے شریف میں اتفاق سے وہ عیاش کے سامنے آئے تو انہوں نے حارث کو قتل کر دیا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ حارث مسلمان ہو کر آئے

ہیں۔ اس بات کا علم ہوا پھر تو انہوں نے بہت افسوس بھی کیا۔ تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ جو کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے۔ تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ غلام آزاد کرے اور غلام بھی وہ جو مسلمان ہو۔

مسئلہ: لونڈی آزاد کرنا بھی جائز ہے اور دوسری چیز فرمائی کہ ورثاء کو دیت بھی سپرد کرے۔ **مسئلہ**: اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو (تو بیت المال میں جمع کی جائے) آگے فرمایا کہ اگر مقتول کے وارث صدقہ کر دیں۔ یعنی اس کی دیت معاف کر دیں تو معاف ہو جائے گی۔ **مسئلہ**: دیت کے طور پر سونا ہو تو سو دینار اور اگر چاندی ہو تو دس ہزار درہم دینا لازم ہے۔ یا سو اونٹ ادا کرے۔

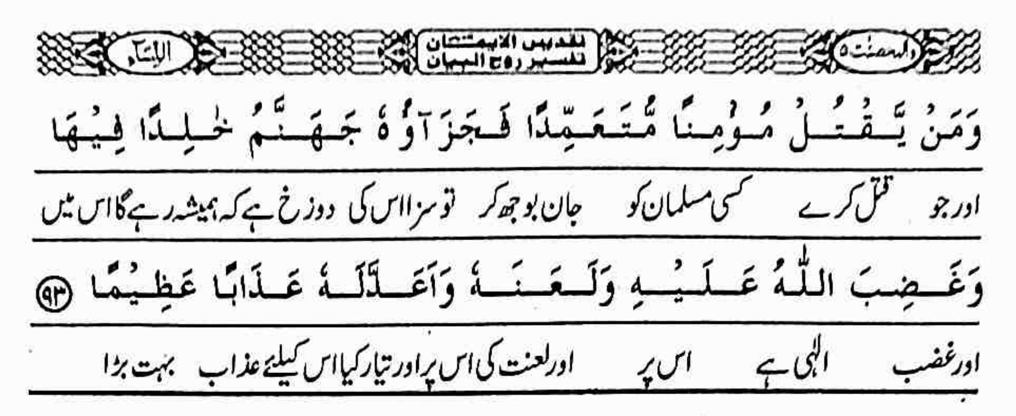
نکتہ: دیت کو صدقہ اس لئے کہا کیونکہ معاف کرنے والے کو صدقہ کے برابر ثواب ملے گا۔

مسئلہ: قاتل نہ دے سکے تو اس کے قریبی رشتہ دار بھائی بھتیجے چچا یا چچیرے بھائیوں سے رقم وصول کی جائے۔ اور اگر اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو پھر بیت المال سے ادا کی جائے۔ اور اگر بیت المال بھی نہ ہو تو قاتل کے تمام مال سے دی جائے۔ تا کہ قاتل آئندہ کے لئے محتاط ہو جائے کہ آئندہ ایسا کام کرتے وقت سوچ لے کہ میں نے پہلے یہ کام کیا تو اتنا نقصان ہوا۔ اب اگر مجھ سے غلطی ہوئی تو میں زندگی بھر کیلئے کنگال ہو جاؤں گا۔

پھر اگر مقتول اس قوم سے ہے جو تمہارے دشمن ہیں۔ اور مقتول مومن تھا اور قاتل کو علم ہی نہ تھا۔ قاتل نے دشمن قوم میں دیکھ کر کافر سمجھ کر قتل کر دیا۔ اس بے خبری کی وجہ سے بطور دیت ایک مومن غلام کو آزاد کرے۔ یہ صرف ایک مسلمان کو قتل کرنے کا کفارہ ہے۔ مگر اس پر یہ واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے دارالحرب میں رہنے کی وجہ سے مسلمانوں والے قوانین اس پر لاگو نہیں ہوتے۔ آگے فرمایا کہ اگر وہ مقتول اس قوم سے ہے کہ جن کافروں سے تمہارا امن معاہدہ ہے تو قاتل کو دیت دینی چاہئے جو مقتول کے وارثوں کے حوالے کی جائے بشرطیکہ وارث مسلمان ہوں تو ایک مومن غلام کو بھی آزاد کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ بھی دیگر کفارات کی طرح ہے اگر قاتل کے پاس غلام نہ ہو کہ وہ آزاد کرے۔ نہ اتنی رقم ہے کہ غلام خرید کر ہی آزاد کر سکے تو اس پر لازم ہے کہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے۔ یاد رہے اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی سب کی دیت برابر ہے۔

مسئلہ: غلام تب خرید سکتا ہے جب اس کے پاس اہل وعیال کا نان نفقہ ودیگر حوائج ضروریہ سے اتنا مال فالتو ہو کہ جس سے غلام خرید سکے۔ **مسئلہ**: دو ماہ لگاتار روزے رکھنے کا بھی مطلب یہ ہے کہ درمیان میں ایک روزہ بھی نہ چھوٹے ایک بھی چھوڑ دیا تو پھر شروع سے رکھے۔

آگے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی قبولیت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قاتل پر یہ کفارہ اس لئے واجب فرمایا کہ قاتل کو امید ہو کہ میری توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے گویا یہ اس کیلئے خوشخبری ہے کہ قتل جیسے عظیم گناہ والا مایوس نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی بھی توبہ قبول فرمالے گا۔



(بقیہ آیت نمبر۹۲) **یاد رہے** : قتل خطا اگر چہ گناہ نہیں لیکن لا پرواہی ضرور ہے۔اس لئے اس کو معاف کر دیا گیا اور فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا ہے قاتل کے حال سے اور حکمت والا ہے کہ اس کے ہر حکم میں کوئی نہ کوئی ضرور حکمت ہے۔

(آیت نمبر۹۳) اور جو کوئی کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا۔

شان نزول : مقیس بن سبابہ اور اس کا بھائی ہشام مسلمان ہوئے۔ کچھ دنوں بعد مقیس نے محلّہ بنی نجار میں بھائی ہشام کو مقتول پایا۔حضور ﷺ نے زبیر فہری کو مقیس کے ساتھ بھیجا کہ بنی نجار سے کہو کہ یا تو قاتل مقیس کے حوالے کریں۔تا کہ وہ قصاص لے سکے۔یا پھر وہ دیت ادا کریں۔انہوں نے کہا کہ قاتل کا تو ہمیں علم نہیں۔البتہ ہم دیت ادا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ قبیلہ والوں نے سو اونٹ دیئے واپسی پر مقیس کو شیطان نے پٹی پڑھائی کہ تو نے دیت لے کر انتہائی کمزوری دکھائی۔یہ تیرے لئے بڑی عار ہے۔اس بد بخت نے زبیر فہری رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اور سو اونٹ ہنکا کر مکہ میں پہنچ گیا ۔اور پکا کافر ہو گیا۔اسی کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ مقیس اگر کعبہ کے پردوں میں بھی ملے تو اسے قتل کر دیا جائے۔باقی سب کے لئے امان ہے۔آگے فرمایا کہ اس قاتل کی سزا جہنم ہے۔اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔اور اس پر لعنت بھی ہے۔یعنی رحمت کے بجائے دھتکار ہو گی اور اس کے لئے جہنم میں بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے کہ جس کا اندازا اللہ ہی جانتا ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ ساری دنیا کے فنا ہونے سے بھی بے گناہ مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک شدید ترین چیز ہے۔(ذکرہ البیہقی فی شعب الایمان)

مسئلہ : جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھ کر قتل کرے وہ دائمی جہنمی ہے۔(جیسے آج کل کے دہشت گرد مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرتے ہیں۔یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔اگر چہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں)۔حضور ﷺ نے فرمایا۔پانچ وہ کبیرہ گناہ ہیں جن کا کوئی کفارہ نہیں۔ان میں ایک ناحق قتل کرنا ہے۔ولی کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔قصاص،دیت یا معافی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا

اے ایمان والو جب چلوتم راہ خدا میں تو تحقیق کرلیا کرو اور نہ کہو

لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫

اس کو جو دے تمہیں سلام کہ نہیں ہے تو مسلمان تم چاہتے ہو سامان زندگانی دنیا کا

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ

تو نزدیک اللہ کے غنیمتیں ہیں بہت زیادہ ایسے ہی تھے تم بھی اس سے پہلے پھر احسان کیا اللہ نے

عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

تم پر تو تم تحقیق کرلیا کرو بے شک اللہ ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو خبردار ہے

(بقیہ آیت نمبر ۹۳) **مسئلہ:** قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے تو یہی اس کا کفارہ بن جاتا ہے۔ **حدیث شریف:** اللہ تعالیٰ کیلئے پوری دنیا ختم کرنا آسان ہے، بہ نسبت اس کے کہ کوئی کسی مسلمان کو قتل کرے (رواہ النسائی)۔ کوئی مشرق میں ناحق قتل ہو۔ اور اس پر کوئی مغرب میں راضی ہو تو اسے قاتل کے برابر گناہ ملے گا۔ **حدیث شریف:** قاتل کی مدد کرنے والے کے ماتھے پر بروز قیامت لکھا ہوگا۔ انس من رحمۃ اللہ کہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۶۲۰)۔ چونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی شاہکار عمارت ہے اور قاتل گویا اس عمارت کو گرانے والا ہے۔ **حدیث شریف:** قیامت کے دن سب سے پہلے حساب خون کا ہوگا۔ (بخاری)۔ یعنی ناحق قتل کرنے اور قتل ہونے والوں کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا۔

(آیت نمبر ۹۴) اے اہل ایمان جب تم جہاد کرنے اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کرلیا کر۔

شان نزول: یہ آیت مرداس بن نہیک کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اہل فدک میں سے تھے اور اپنے قبیلے میں صرف یہی مسلمان ہوئے تھے۔ اور بھیڑ بکریاں چرا کر گذارا کرتے تھے۔

واقعہ: حضور ﷺ نے ایک لشکر غالب بن فضالہ اللیثی کی زیر کمان بھیجا جب یہ فدک کے قریب پہنچے تو ایک قبیلہ والے اپنا گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے ان میں حضرت مرداس جو پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ اپنی بکریاں لے کر

پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔اس خوشی میں کہ مسلمان بھائیوں سے ملیں گے۔قریب آ کر انہوں نے کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" بھی پڑھا اور ان کو سلام بھی دیا۔اس کے باوجود حضرت اسامہ نے اسے قتل کر دیا۔اور بکریاں لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ گئے اور حضور کو تمام ماجرا سنا دیا۔حضور ﷺ یہ بات سن کر انتہائی غمگین ہوئے اور فرمایا کہ تم نے بکریوں کی لالچ میں آ کر ایک مسلمان کو شہید کر دیا۔انہوں نے کہا کہ اس نے خوف سے کلمہ پڑھا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو نے اس کا دل چیر کے دیکھا تھا۔کہ وہ کلمہ پڑھنے میں سچا ہے یا جھوٹا۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔حضرت اسامہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے استغفار کیجئے تو آپ نے فرمایا کہ بروز قیامت اس کے کلمہ پڑھنے کا جواب کیا ہوگا۔حضور بار بار اس بات کو دھراتے رہے۔اسامہ بھی از حد پریشان تھے۔پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کی بکریاں واپس کر دو اور ایک غلام آزاد کرو۔آگے فرمایا کہ کہ سفر کے دوران پوری تحقیق و تفتیش سے کام لو۔

سلام دینے والے کو مسلمان سمجھو: جلد بازی نہ کیا کرو اور بغیر سوچے سمجھے کوئی کام نہ کیا کرو اور اگر تمہیں کوئی السلام علیکم کہے تو پھر تم اسے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان ہی نہیں تو جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھ رہا ہے۔کیا تم دنیا کی زندگی کے اسباب چاہتے ہو یعنی اسے غیر مسلم تم نے اس لئے کہا کہ یہ کہہ کر تم اس کے مال کو لینا چاہتے ہو۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو بہت ہی زیادہ غنیمتیں ہیں۔یعنی دنیوی مال و دولت کی لالچ میں آ کر یوں کسی مسلمان کو قتل نہ کرو۔اور یاد رکھو اس سے کچھ عرصہ قبل تم بھی تو ایسے ہی تھے۔یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے تمہارا بھی تو یہی حال تھا۔پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہیں اس مرتبہ پر پہنچایا اب حکم الٰہی تاکیدی یہی ہے کہ آئندہ ہر معاملے میں پوری تحقیق کیا کرو۔بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری اور باطنی اعمال اور ان کے تمام کوائف سے خبردار ہے۔اس آیت میں دوبار فرمایا۔کہ قتل کے معاملے میں خوب تحقیق کرو۔

مسئلہ:معلوم ہوا کہ خطا اجتہادی قابل معافی ہے جیسے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے خطا ہوئی یہ خطا اجتہادی تھی جو معاف بھی ہو گئی۔**مسئلہ**: اس آیت سے یہ بھی معلوم کہ (مجتہد کبھی درست فیصلہ کرتا ہے۔اگر درست فیصلہ کرے تو اسے ڈبل ثواب ملتا ہے) اور کبھی خطا کر جاتا ہے۔خطا کرے تب بھی ثواب پاتا ہے۔ائمہ مجتہدین نے بھی قرآن و حدیث سے اجتہاد کر کے جو مسائل نکالے۔اس پر یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں بہت بڑے اجر و ثواب سے نوازے گا۔

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ

نہیں ہیں برابر گھر میں بیٹھے رہنے والے مسلمان سوائے عذر والوں کے اور جہاد کرنے والے

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ

راہ خدا میں مالوں اور جانوں کے ساتھ بڑا درجہ دیا اللہ نے ان کو جو جہاد کریں مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ

اور جانوں سے اوپر گھر میں بیٹھ رہنے والوں کے اور سب کے ساتھ وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ ﴿٩٥﴾

اور فضیلت دی اللہ نے مجاہدوں کو اوپر گھر میں بیٹھ رہنے والوں کے ثواب میں جو بہت بڑا ہے

(آیت نمبر ۹۵) نہیں برابر ہو سکتے جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے والے مومن یعنی جہاد پر نہ جانے والے مسلمان اسلام سے تو نہیں نکلتے۔ لیکن جہاد پر جانے والوں کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ البتہ جو لوگ کسی عذر کی بناء پر نہ جا سکے۔
ف: یہاں ضرر سے مراد عذر شرعی ہے۔ بیماری، اندھاپن، بڑھاپا، لنگڑاپن، چلنے پھرنے سے عاجز یا جنگی سامان نہ رکھتا ہو۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے معذور قرار دیا ہے۔ انہیں معافی ہے۔

شانِ نزول: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے نزدیک ہی بیٹھا ہوا تھا۔ کہ آپ پر (سکینہ) وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ آپ کی ران مبارک میری ران پر آ گئی اور مجھے بہت زیادہ بوجھ محسوس ہوا۔ فراغت کے بعد یعنی جب وحی کے آثار ختم ہوئے تو میں چونکہ کاتب تھا۔ تو میں نے آپ کے حکم سے وحی لکھی۔ جو یہی آیت تھی۔ کہ جہاد پر جانے اور نہ جانے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ تو نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم نے عرض کی کہ عبداللہ کیلئے کیا حکم ہے۔ جو نابینا ہونے کی وجہ سے جہاد میں نہیں جا سکتا۔ تو ان کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی کہ دوبارہ وحی شروع ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے غیر اولی الضرر کے الفاظ درمیان میں لکھوائے۔ یعنی حقیقی مجبوری والے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ **فائدہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ حکم بدر میں شریک ہونے اور نہ ہونے والوں کے متعلق اترا۔ پھر عام ہو گیا۔ کہ جن لوگوں کو کسی قسم کا عذر نہیں ہٹے کٹے ہیں۔ بلاوجہ گھر میں بیٹھنے والے وہ نیکیوں میں ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جو جہاد کرنے والے ہیں مالوں اور جانوں سے اجر وثواب میں دونوں کب برابر

ہو سکتے ہیں۔ یہاں اصل میں اس بات کی بھی تصریح کر دی ہے کہ وہ لوگ عبرۃ حاصل کریں کہ جو جنگ پر نہ جا کر اتنے بڑے مراتب اور درجات سے محروم ہوئے۔ اور معمولی بات کو عذر بنا کر اتنے بڑے ثواب سے محروم ہو گئے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی فضیلت عطا کی ان لوگوں کو جو جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔ لہذا جو لوگ جہاد پر نہیں گئے۔ اور جنہوں نے مال و جان سے جہاد کیا۔ دونوں کے مراتب اور فضیلت میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر چہ سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھائی کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ حسنی سے مراد جنت ہے اور یہ وعدہ ان کے اچھے عقیدے اور خلوص نیت کی بناء پر ہے۔ البتہ عمل کے حساب سے ثواب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یعنی جو جہاد میں شریک ہوئے یا نفس سے جہاد کیا ان کا مرتبہ زیادہ ہے۔ **فائدہ**: فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ ورنہ دونوں کو اللہ تعالیٰ بہشت کے وعدے سے نہ نوازتا۔ آگے پھر تاکید سے بات کو دھرایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو پیچھے بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت بخشی۔ بہت بڑے اجر کی شکل میں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان مجاہدوں پر خصوصی فضل و کرم ہے کہ انہیں بہت بڑے اجر و ثواب سے نوازا۔

فائدہ :بعض روایات کے مطابق دونوں میں ستر درجوں کا فرق ہوگا۔ اور ہر دو درجوں کے درمیان مسافت اتنی ہے کہ تیز رفتار گھوڑا ستر سال میں ایک درجے سے دوسرے درجے تک پہنچے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک سو درجے ایسے ہیں جو صرف مجاہدین فی سبیل اللہ کیلئے مختص ہیں۔ دو درجوں کے درمیان کی مسافت زمین و آسمان کے برابر ہے۔ آگے فرمایا کہ صرف فضیلت ہی نہیں۔ بلکہ ان کی مغفرت بھی ہوگی۔ اور ان پر خصوصی رحمت بھی ہوگی۔

نکتہ :اس ایک آیت میں دو دفعہ فرمایا کہ "فَضَّلَ اللهُ" یعنی اللہ نے فضیلت بخشی۔ پہلے فضل اللہ کے بعد فرمایا کہ درجہ دیا۔ دوسرے فضل اللہ کے بعد فرمایا کہ انہیں بہت بڑا اجر دیا۔

فائدہ : ظاہر ہے۔ کہ جو لوگ ہر وقت سر بکف اللہ اور اس کے رسول کے نام پر قربان ہونے کے لئے تیار ہوں۔ ان کا مقابلہ وہ لوگ کیسے کر سکتے ہیں۔ جو اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے ہوں۔

فائدہ : یاد رکھو جہاد سب اعمال سے اعلیٰ عمل ہے۔ اس لئے عقل مند آدمی کو یہ مناسب نہیں ہے کہ جہاد سے وہ جی چرائے۔ پس بے شک جو مرا اس حال میں کہ اس نے کبھی نہ مال سے نہ جان سے جہاد کیا اور اسے کبھی جہاد کا خیال بھی نہیں آیا تو وہ جہالت کی موت مرا۔ یعنی اس کے دل میں کبھی جہاد کی طلب بھی نہیں ہوئی۔ **حدیث شریف** :حضور ﷺ نے فرمایا دو نعمتیں قابل رشک ہیں۔ صحت اور فراغت (ریاض الصالحین)۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان دو نعمتوں سے نوازا۔ وہ خوش نصیب ہے۔ جسمانی صحت والا تو گویا صحت مندوں کا سرتاج ہے۔ وہ بیمار سے صحت کی قدر پوچھ لے کہ صحت کی کیا قدر و قیمت ہے۔ خصوصاً وہ صحت مند کہ جس نے زیادہ وقت نیک اعمال میں گذارا۔

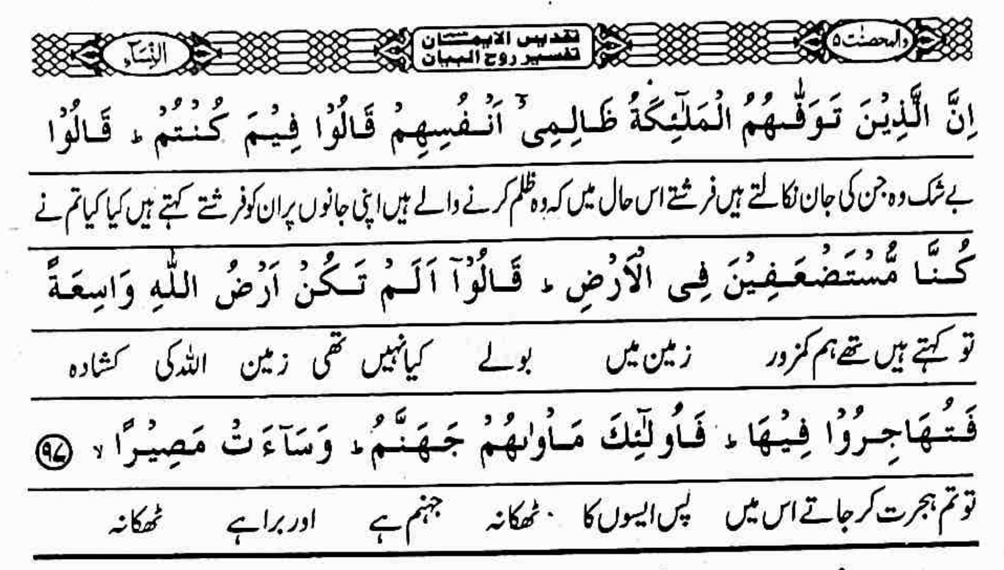
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۙ ﴿٩٦﴾

درجے ہیں اس کی طرف سے اور بخشش اور رحمت ہے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

آیت نمبر ۹۶) کہ ان کو درجات بخشے۔ اور درمیان میں یہ بھی فرمادیا کہ سب سے حسنیٰ کا وعدہ ہے۔ ممکن ہے درجہ سے مراد دنیوی طور پر مجاہدین کا درجہ بتایا گیا ہو کہ قاعدین کا وہ درجہ اور مقام نہیں جو مجاہدین کا ہے۔ رہی بات آخرت کی اس میں (جتنے جہادوں میں شرکت کی جتنے کافر مشرک مارے اور جتنی تکالیف اور مشکلات اٹھائیں۔ ان تمام کے درجات الگ الگ ہیں۔ جن کا کوئی انسان اندازا نہیں لگا سکتا)۔ دنیا میں درجہ یہ ملا کہ اسے مال غنیمت میں وافر حصہ ملا۔ فتح مندی اور شہرت حاصل ہوئی آخرت کے درجات کا چونکہ کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے صرف درجات کہہ کے بات ختم کردی۔ اور غیر مجاہدین کو بھی اپنی رحمت میں لے کر فرمایا کہ جنت میں جانے سے تو وہ بھی محروم نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ جہاد کے علاوہ نماز روزہ وغیرہ جیسے اعمال کی وجہ سے وہ جنت میں جائیں گے۔ حسنیٰ کا معنی جنت ہے۔ یعنی سب صحابہ جنت میں جائیں گے درجہ اپنا اپنا ہوگا۔

فائدہ: ہوسکتا ہے جنہیں درجہ ملا وہ کفار سے جہاد کرنے والے ہوں اور جنہیں کئی درجے ملے۔ وہ نفس سے جہاد کرنے والے ہوں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے کفار سے ہونے والے جہاد کو اصغر یعنی چھوٹا جہاد اور نفس کے جہاد کو اکبر یعنی بڑا جہاد فرمایا۔ (رواہ البیہقی)

آگے فرمایا کہ ہے اللہ تعالیٰ مجاہدین کو بخشنے والا اور سب مسلمانوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ یعنی جو لوگ جہاد میں کسی عذر کی وجہ سے نہ جاسکے۔ انہیں بھی رحمت سے محروم نہیں رکھا جائیگا۔ **حدیث شریف:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو تمہارے ساتھ ہر جگہ رہے۔ صحابہ نے عرض کی کہ وہ تو گھر سے بھی نہیں نکلے۔ ہمارے ساتھ کیسے۔ تو فرمایا کہ وہ عذر شرعی کی وجہ سے تمہارے ساتھ جہاد میں تو شریک نہ ہوسکے۔ لیکن ان کی نیت تمہارے ساتھ جہاد میں جانے کی تھی (رواہ البخاری)۔ **حدیث شریف** میں ہے مومن کی نیت عمل سے بہتر ہے۔ (رواہ الطبرانی)۔ **مسئلہ:** معلوم ہوا عذر شرعی جس عمل سے مانع ہو۔ نیت صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ ثواب سے محروم نہیں رکھتا۔ انے تندرست لوگوں یعنی جماعت اور جہاد میں شریک ہونے والوں کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے۔ **مسئلہ:** اسی طرح عذر کی وجہ سے نماز با جماعت میں شریک نہ ہوسکنے والے کو بھی با جماعت ثواب میں شریک رکھا جائے گا اور جو شخص بوڑھا ہو جائے اور مسجد میں نماز با جماعت کیلئے نہ جا سکتا ہو اور عذر سے پہلے نماز با جماعت پڑھتا تھا۔ اسے گھر میں نماز پڑھنے سے مسجد کی حاضری اور جماعت کے ساتھ شریک ہونے کے برابر ثواب ملے گا۔



اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا

بے شک وہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے ہیں اپنی جانوں پر ان کو فرشتے کہتے ہیں کیا کیا تم نے

كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً

تو کہتے ہیں تھے ہم کمزور زمین میں بولے کیا نہیں تھی زمین اللہ کی کشادہ

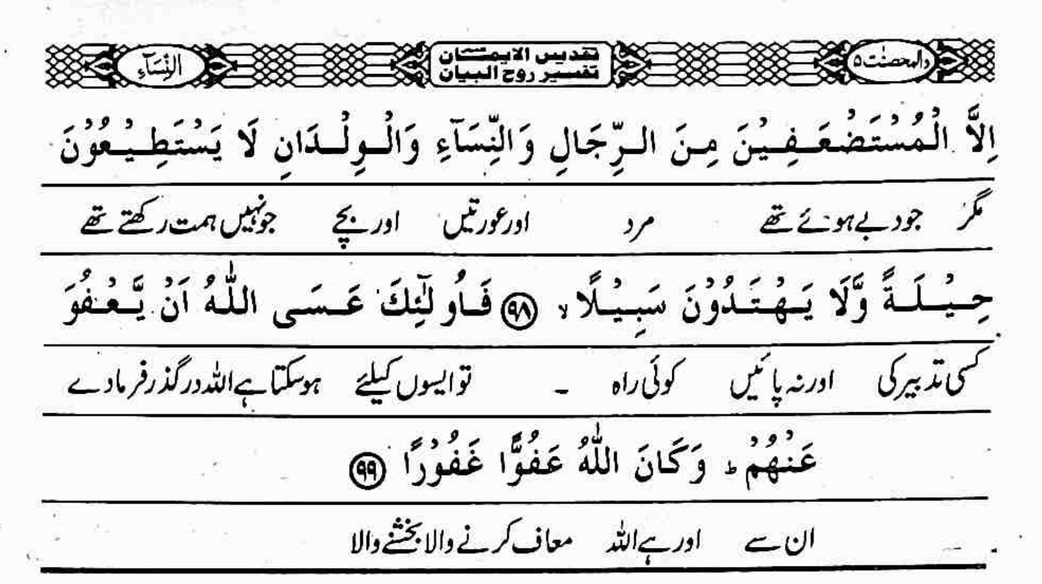
فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ ﴿۹۷﴾

تو تم ہجرت کر جاتے اس میں پس ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور برا ہے ٹھکانہ

(آیت نمبر ۹۷) بے شک وہ لوگ جن کی فرشتے جان نکالتے ہیں۔ جنہوں نے حضور کے حکم کو نہ مانا اور ہجرت بھی نہ کی۔ اور کافروں کے ساتھ رہنے کو پسند کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ کیونکہ مسلمان ہونے کے بعد ان کیلئے دوسرا فرض ہجرت تھا۔ کہ وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ شریف میں آ جاتے۔ (فتح مکہ کے بعد یہ فرض ختم ہو گیا)۔ تو فرشتے جان نکالتے ہوئے ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا کرتے رہے کہ تم نے دینی کام کوئی بھی نہیں کئے تو وہ اپنی مجبوری ظاہر کر کے کہتے ہیں کہ ہم تو زمین (مکہ مکرمہ) میں کمزور بنائے گئے۔ اس لئے ہم کوئی نیکی کا کام بھی نہ کر سکے تو فرشتے ان کو جھڑک کر کہتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم مکہ چھوڑ کر کسی اور علاقے میں ہجرت کر کے چلے جاتے کہ جہاں تم اپنے دینی امور آسانی سے سرانجام دیتے۔ اور آخرت کے عذاب سے بچ جاتے۔

شانِ نزول: بعض مفسرین اسکا شانِ نزول یہ بتاتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو مشرکین کے ساتھ مل کر بدر میں مسلمانوں سے لڑے۔ ان کو فرشتوں نے جان نکالنے کے بعد خوب پیٹا تو انہوں نے مذکورہ بات ان سے کہی۔ تو فرشتوں نے کہا کہ تم ان سے الگ ہو سکتے تھے۔ اس کے باوجود کیوں نہ ہوئے۔ آگے فرمایا۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہی ان کے برے عمل کا نتیجہ ہے۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ یعنی اوپر نیچے آگ ہی ہوگی۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ جہاں امورِ دینیہ ادا کرنے میں دقت ہو۔ وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہے تا کہ دینی امور صحیح ادا کر سکے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی دین وایمان کی خاطر ہجرت کرتا ہے۔ اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے (رواہ زمخشری)۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جہاں پر گناہ بے خوف وخطر ہوں۔ وہاں سے بھی ہجرت کر جانا لازمی ہے۔ **فائدہ**: گناہ گار لوگوں کے پاس رہنے سے گناہوں میں ملوث ہونے کا خطرہ بدستور رہتا ہے۔ لہٰذا وہاں سے کنارہ کرنا ہی بہتر ہے۔



اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

مگر جو دبے ہوئے تھے مرد اور عورتیں اور بچے جو نہیں ہمت رکھتے تھے

حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ

کسی تدبیر کی اور نہ پائیں کوئی راہ ۔ تو ایسوں کیلئے ہوسکتا ہے اللہ درگذر فرمادے

عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾

ان سے اور ہے اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا

(آیت نمبر ۹۸) البتہ کمزور مرد عورتیں اور بچے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کو معافی ملنا ممکن ہے۔ ہجرت نہ کرنے والوں کا قصور تھا کہ وہ ہمت کے باوجود ہجرت نہ کر سکے۔ اس لئے انہیں ظالم کہا گیا۔ لیکن یہ کمزور لوگ جو کفار کے زیردست تھے۔ جنہیں ہجرت کی ہمت نہ تھی فی الواقع یہ مجبور تھے کہ کفار کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔

مسئلہ :اگرچہ ان پر بھی ہجرت لازم تھی۔ مگر مجبوری سے ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے انہیں معافی ملنے کی امید ہے۔ اس لئے کہ یہ ان کافروں کے نرغے سے نکلنے کا کوئی حیلہ نہیں کر سکتے تھے۔ نہ وہ خود راستہ جانتے تھے۔ کہ کہاں ہجرت کر کے پہنچنا ہے۔ اس کا نہ خود ان کو علم تھا نہ کوئی انہیں بتانے والا تھا۔

(آیت نمبر ۹۹) پس ایسے معذور اور عذر معقول والوں کیلئے ہوسکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے۔ اس لئے عسیٰ لایا گیا۔ کہ وہ بے خوف بھی نہ ہو جائیں۔ کہ خیر ہے کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے وہ بھی امیدوار رہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے اور بخشنے والا ہے۔ ممکن ہے بخشش ہو جائے۔

مسئلہ :اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ امور دینیہ پر عمل کرنے میں سخت دشواری آتی ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہے۔ علامہ حدادی گذشتہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایسی جگہ سے اگر ہجرت نہ کی تو بروز قیامت آل واولاد اور مال واسباب یا دیگر عذر وغیرہ کے بہانے ہرگز نہیں سنے جائیں گے۔

فائدہ: ہجرت کے لازمی ہونے کے وجوہات میں سے ایک یہ وجہ بھی تھی۔ کہ مدینہ منورہ پر کفار ہر وقت اور ہر طرف سے حملہ آور ہو رہے تھے۔ اس لئے انتہائی ضروری تھا۔ کہ گرد ونواح کے تمام مسلمان اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ آکر ملیں۔ تاکہ ایسے مشکل اور نازک وقت میں ان کی تقویت کا باعث بنیں۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ط

اور جو بھی گھر بار چھوڑے گا راہ خدا میں پائے گا زمین میں جائے پناہ بہت اور کشادگی

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ

اور جو بھی نکلے گا اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے طرف اللہ اور اس کے رسول کے پھر پالیا اس کو

الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ط ﴿١٠٠﴾

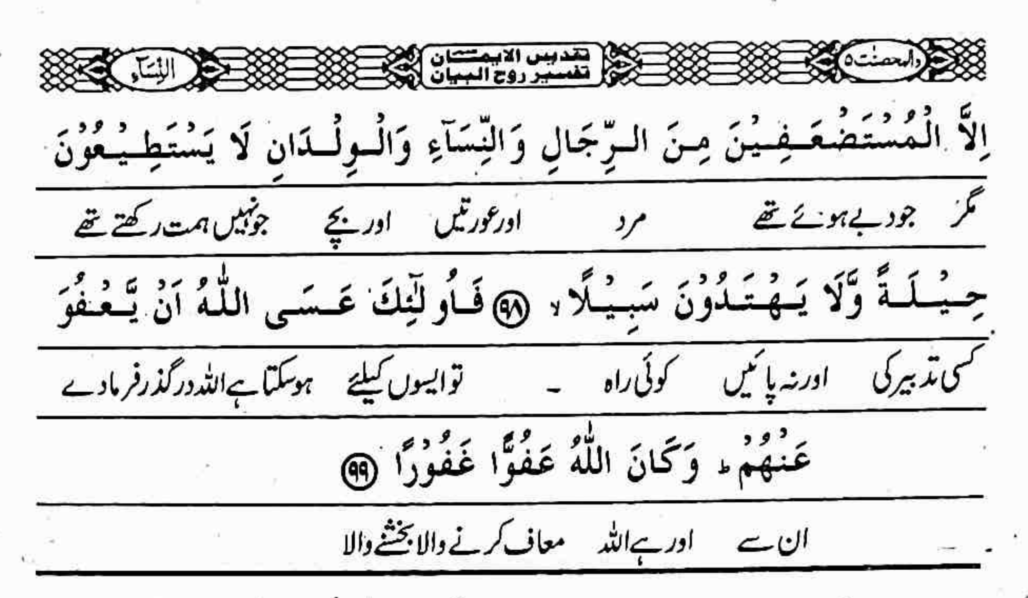
موت نے تو تحقیق پڑا اجر اس کا اوپر اللہ کے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

(آیت نمبر ۱۰۰) اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو شخص ہجرت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ سے مراد وہ جگہ جہاں جانے سے اللہ تعالیٰ خوش ہو۔ تو ہجرت کرنے والا دنیا میں ہی بہت زیادہ فائدے کی چیزیں پائے گا۔ مہاجر (گھبرائے نہیں کہ آگے کچھ ملے گا یا نہیں) ان شاء اللہ ہجرت کی برکت سے بے شمار خیرات و برکات پائے گا۔ اور بہت کشادگی حاصل کرے گا۔ رزق میں بھی برکت یا اظہار دین کیلئے جگہ میں بھی کشادگی۔ اور جو بھی اپنے گھر سے بال بچوں اور برادری وغیرہ کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی رضا کیلئے نکل کھڑا ہوا۔ اور اسے منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی موت آ گئی۔ خواہ گھر سے نکلا ہی تھا کہ موت آ گئی۔ تو اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ یعنی اسے اجر و ثواب ضرور ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ غلطیوں کو بخشنے والا بہت ہی مہربان ہے (یعنی وہ تو صرف نیت سے ہی اجر ثواب دے دیتا ہے)۔

شان نزول : یہ مذکورہ آیات مدینہ والوں نے مسلمانان مکہ کی طرف لکھ کر بھیجیں۔ تو حضرت جندب نے یہ آیات سنتے ہی بیٹوں سے کہا کہ اب مکہ میں ایک لمحہ کیلئے بھی رہنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ فوراً مجھے مدینہ کے راستہ پر لے چلو۔ میں بہ آسانی مدینہ شریف پہنچ جاؤں گا۔ صاحبزادوں نے چار پائی پر اٹھایا اور مدینہ طیبہ کی طرف لے چلے۔ تنعیم کے مقام پر (جہاں مسجد عائشہ ہے) پہنچے۔ تو حالت نزع طاری ہوگئی۔ تو اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کہا۔ یا اللہ میں تیرے رسول کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہوں۔ اتنا کہا اور فوت ہو گئے۔

مسئلہ: جو آدمی کسی نیک کام کا ارادہ کرے۔ تکمیل نہ بھی کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اسے ثواب پورا عطا فرماتا ہے۔

اللہ کے ذمہ کرم کا یہی مفہوم ہے۔ کہ بندے کا کام نیکی کا ارادہ کر کے چل پڑنا ہے۔ اگر منزل پر پہنچ گیا۔ پھر تو یقیناً اجر ہے۔ منزل پر نہ بھی پہنچے۔ اللہ تعالیٰ ثواب سے محروم نہیں فرماتا۔



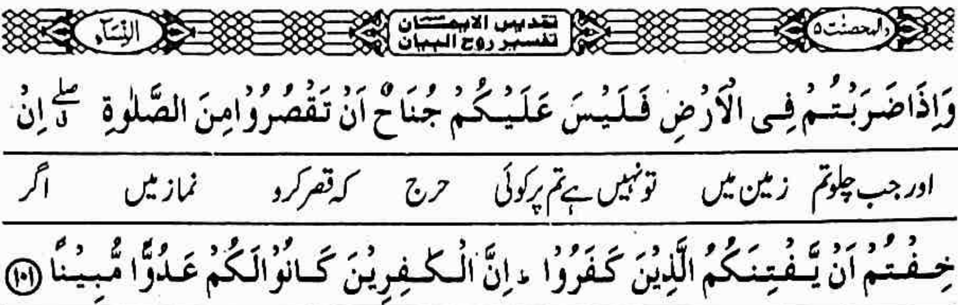
(آیت نمبر۹۸) البتہ کمزور مرد عورتیں اور بچے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کو معافی ملنا ممکن ہے۔ ہجرت نہ کرنے والوں کا قصور تھا کہ وہ ہمت کے باوجود ہجرت نہ کر سکے۔ اس لئے انہیں ظالم کہا گیا۔ لیکن یہ کمزور لوگ جو کفار کے زیردست تھے۔ جنہیں ہجرت کی ہمت نہ تھی فی الواقع یہ مجبور تھے کہ کفار کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔

مسئلہ :اگر چہ ان پر بھی ہجرت لازم تھی۔ مگر مجبوری سے ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے انہیں معافی ملنے کی امید ہے۔ اس لئے کہ یہ ان کافروں کے نرغے سے نکلنے کا کوئی حیلہ نہیں کر سکتے تھے۔ نہ وہ خود راستہ جانتے تھے۔ کہ کہاں ہجرت کر کے پہنچنا ہے۔ اس کا نہ خود ان کو علم تھا نہ کوئی انہیں بتانے والا تھا۔

(آیت نمبر۹۹) پس ایسے معذور اور عذر معقول والوں کیلئے ہوسکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کردے۔ اس لئے عسیٰ لایا گیا۔ کہ وہ بے خوف بھی نہ ہو جائیں۔ کہ خیر ہے کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے وہ بھی امیدوار رہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے اور بخشنے والا ہے۔ ممکن ہے بخشش ہو جائے۔

مسئلہ :اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ امور دینیہ پر عمل کرنے میں سخت دشواری آتی ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہے۔ علامہ حدادی گذشتہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایسی جگہ سے اگر ہجرت نہ کی تو بروز قیامت آل واولاد اور مال واسباب یا دیگر عذر وغیرہ کے بہانے ہرگز نہیں سنے جائیں گے۔

فائدہ: ہجرت کے لازمی ہونے کے وجوہات میں سے ایک یہ وجہ بھی تھی۔ کہ مدینہ منورہ پر کفار ہر وقت اور ہر طرف سے حملہ آور ہو رہے تھے۔ اس لئے انتہائی ضروری تھا۔ کہ گرد ونواح کے تمام مسلمان اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ آ کر ملیں۔ تاکہ ایسے مشکل اور نازک وقت میں ان کی تقویت کا باعث بنیں۔



(بقیہ آیت نمبر ۱۰۰) **مسئلہ**: شیخ افتادہ آفندی فرماتے ہیں کہ جو شخص دل میں مراد رکھے۔ لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی فوت ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی مراد ضرور پوری فرمائیں گے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے روایت پہنچی اگر کسی مسلمان کے دل میں ارادہ تھا کہ وہ حافظ قرآن بنے۔ لیکن مراد پوری ہونے سے پہلے موت آ گئی۔ تو اللہ تعالیٰ قبر میں اس کے لئے ایسے حفاظ مقرر فرمائے گا جو اسے قرآن یاد کرائیں گے۔ یعنی نیت کے مطابق مراد بھی پوری ہوگی۔ امام سیوطی نے اسے بیان کیا۔

(آیت نمبر ۱۰۱) اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم نماز قصر کر لو۔ خواہ عام سفر ہو یا حالت جنگ میں ہو تو چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کر کے پڑھنی چاہئے۔ اس حکم سے نماز مغرب اور فجر خارج ہو گئیں کیونکہ یہ آدھی نہیں ہو سکتیں۔

مسئلہ: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کو قصر کرنے کیلئے تین دن رات کی مسافت ہے اور سفر بھی پیدل یا اونٹ کی درمیانی رفتار سے ہو اور اس میں آرام بھی شامل ہے۔ اس کی تفصیل میری تصنیف صلوٰۃ الاحناف میں دیکھ لیں۔ **مسئلہ**: شرعی سفر کیلئے بہت تیز رفتاری یا سست روی کا کوئی اعتبار نہیں۔ مثلاً کوئی ایک ماہ کا سفر آدھے دن میں کرے (جیسے آج ہوتا ہے) یا ایک دن کا سفر ہفتے میں کرے۔ اس کا اعتبار نہیں۔ **مسئلہ**: نماز قصر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے۔ اس کو ہر حال میں قائم رکھنا چاہئے۔ یعنی سفر میں نماز قصر ہی پڑھنی ہوگی۔ اگر کسی نے جان بوجھ کر پوری نماز پڑھی۔ تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اگر خطا سے پڑھی۔ تو دو رکعت فرض دو نفل ہو گئے۔ **مسئلہ**: آیت میں اگرچہ قصر نماز خوف کے وقت ہے لیکن امن میں سفر کے دوران نماز قصر حدیث سے ثابت ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے اپنے تمام سفروں میں نماز قصر ادا فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ قصر تو خوف کی وجہ سے تھا۔ اب امن میں پوری کیوں نہ پڑھیں۔ تو فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے۔ اسے قبول کرو۔ آگے فرمایا کہ بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ یعنی ان کی تمہارے ساتھ دشمنی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے۔ وہ ہمیشہ تمہارے درپے آزار رہیں گے۔ یعنی وہ تمہیں کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا ضرور کریں گے۔

وَاِذَا کُنۡتَ فِیۡہِمۡ فَاَقَمۡتَ لَہُمُ الصَّلٰوۃَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ مَّعَکَ

اور جب آپ موجود ہوں ان میں تو امامت کریں ان کی نماز میں چاہئے کہ کھڑی ہو ایک جماعت ان سے آپ کے ساتھ

وَلۡیَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَہُمۡ ۟ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ ۪

اور لئے رہیں اپنے ہتھیار پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو ہو جائیں ہٹ کر تم سے پیچھے

وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَۃٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡا حِذۡرَہُمۡ

اور آجائے جماعتِ دوسری جو نہیں تھے نماز میں اب وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور لئے رہیں اپنی پناہ

وَاَسۡلِحَتَہُمۡ ۚ وَدَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِکُمۡ وَاَمۡتِعَتِکُمۡ

اور اپنے ہتھیار چاہتے ہیں کافر کہ کاش تم بے خبر ہو اپنے ہتھیار اور اپنے سامان سے

(آیت نمبر ۱۰۲) اے پیارے محبوب اگر آپ ان کے ساتھ ہوں اور انہیں آپ نماز کیلئے کھڑا کریں تو چاہئے کہ ان کے دو گروہ بنالیں۔ ایک گروہ ان میں سے آپ کے پیچھے نماز اس طرح ادا کریں۔

شانِ نزول : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر) مشرکین نے دیکھا۔ کہ مسلمانوں نے اکٹھے جماعت سے نماز ظہر ادا کی تو وہ پچھتائے۔ کہ کاش نماز کے دوران ہی ہم ان پر حملہ آور ہوتے۔ تو بڑے کامیاب ہوتے۔ کسی نے ان کو بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر میں وہ عصر کی نماز بھی اسی طرح پڑھیں گے۔ اور نماز میں وہ دنیا اور مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ہم ان پر حملہ کردیں گے اور کامیاب ہو جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبردار کردیا۔ کہ اب نماز کو یوں ادا کرو کہ آپ نمازیوں کو دو حصوں میں تقسیم کردو۔ ایک جماعت دشمن کے بالمقابل کھڑی ہو۔ اور دوسرا گروہ آپ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو جائیں اور نماز کے دوران بھی وہ ہتھیار بند رہیں اور چوکنے رہیں۔ نماز کے وقت ہتھیار الگ نہ رکھ دیں۔ یہ گروہ جب آپ کے ساتھ ایک رکعت سجدوں سمیت مکمل کرلیں۔ تو پھر یہ پیچھے ہو کر دشمن کے مقابل چلے جائیں۔ تاکہ دشمنوں سے حفاظت بھی رہے۔ نماز بھی ادا ہو جائے۔ **فائدہ**: آیت کریمہ میں دونوں گروہوں کی ایک ایک رکعت کو بیان کیا گیا۔ دوسری رکعت کے ادا کرنے کا بیان احادیث میں آ گیا ہے۔ **سبق**: جب ایسے موقع پر بھی نماز معاف نہیں۔ تو پھر کسی حال میں بھی نماز معاف نہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی تلواروں کے سائے میں نماز مشہور ہی ہے۔

فَيَمِيلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ

تو جھک پڑیں تم پر ایک ہی بار اور نہیں کوئی گناہ تم پر اگر ہے

بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ

تمہیں تکلیف بارش کی وجہ سے یا ہو تم بیمار تو تم کھول کر رکھ دو ہتھیار اپنے

وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

اور ہوشیار رہو بے شک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کیلئے عذاب رسوا کرنے والا

مسئلہ: حالت جنگ میں نماز کے دوران ہتھیار بند رہنے کا حکم اس لئے دیا کہ دشمن اس تاک میں تھے کہ جوں ہی وہ نماز شروع کریں گے۔ تو ہم ان پر حملہ کر دیں گے۔ ایسی صورت میں اگر یہ حضرات نماز میں ہتھیار سے بے نیاز ہوتے تو دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔ اگر یہ جوابی حملہ کیلئے نماز توڑ بھی دیتے تو ہتھیاروں کو سنبھالنے تک دشمن اپنا کام کر چکا ہوتا۔ اسلئے حکم دیا گیا کہ ہتھیار کے ساتھ ہی نماز ادا کریں اور دشمن سے ہوشیار رہیں۔

نکتہ: نماز کو ایک ایک رکعت کے ساتھ ادائیگی میں اور دشمن کے سامنے آنے جانے میں ایک حکمت یہ بھی تھی۔ کہ دشمن یہ سمجھے گا کہ ابھی یہ نماز نہیں پڑھ رہے۔ بلکہ یہ تو پریڈ کر رہے ہیں۔ اور اتنے میں نماز بھی ادا ہو جائیگی۔ حالت جنگ میں دونوں کام از حد ہوشیاری کے ساتھ کرنے ہوتے ہیں۔ نماز بھی ادا ہو اور دشمن بھی خوف زدہ رہے۔

آگے فرمایا کہ اور آ جائے دوسرا گروہ جو دشمن کے بالمقابل تھا۔ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی۔ وہ اگلی رکعت آپ کے ساتھ پڑھ لیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے نماز خوف یوں پڑھائی کہ ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائی اور وہ دشمن کے سامنے چلا گیا۔ پھر دوسرے گروہ نے آ کر دوسری رکعت ادا کی پھر یہ دشمن کے آگے چلا گیا۔ پھر پہلے گروہ نے آ کر ایک رکعت یوں ادا کی کہ اکیلے اکیلے ہی نماز پڑھی اور قیام میں کوئی قرات وغیرہ بھی نہ کی۔ گویا انہوں نے امام کے پیچھے نماز ادا کی۔ پہلا گروہ سلام پھیر کر دشمن کے بالمقابل ہوا۔ اور پھر دوسرا گروہ آیا اور اسی طریقے سے انہوں نے بقیہ نماز ادا کی۔ اس طرح دونوں گروہوں کی نماز بھی ہو گئی اور دشمن سے مقابلہ بھی قائم رہا۔

آگے فرمایا کہ کافروں نے چاہا تھا کہ جب (نماز کے دوران تم) اپنے ہتھیاروں اور دیگر اشیاء سے بے خبر ہو گے۔ تو وہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں گے۔ اس لئے نماز میں بھی ہتھیار اپنے ساتھ رکھنے کو ضروری قرار دیا۔ تاکہ کفار کا منصوبہ خاک میں مل جائے اور ذلیل و خوار ہوں۔

فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِكُمۡ ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ

پھر جب ادا کر چکو نماز تو ذکر الٰہی کرو کھڑے ہو یا بیٹھے اور خواہ اپنی کروٹ پر لیٹے پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ

فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتۡ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ كِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴿۱۰۳﴾

قائم کرو نماز (حسب دستور) بے شک نماز ہے اوپر ایمان والوں کے فرض وقت پر

(بقیہ آیت نمبر۱۰۲) **معجزہ** : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ بنو انمار سے فتح و نصرت کے ساتھ لوٹ رہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ اتفاق سے دشمن بھی وہیں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن ہم میں سے کسی نے ان کو نہ دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کیلئے دور ایک وادی میں چلے گئے۔ اور ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے اور اپنے ساتھ ہتھیار بھی لیکر نہ گئے۔ آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے تو دشمن فوج میں سے غوث بن حارث محاربی نے دیکھ لیا۔ اور دوستوں سے کہا کہ میں ابھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے آتا ہوں۔ وہ تلوار نیام سے نکال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا اب آپ کو میری تلوار سے کون بچائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ۔ اتنا کہنا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ تلوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا کر فرمایا اب بتاؤ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا۔ کہنے لگا کوئی نہیں۔ فرمایا کہ اب تم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہاری تلوار تمہیں دے دونگا۔ تو اس نے عرض کی کہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا نہ آپ سے لڑوں گا۔ نہ آپ کے دشمن کی مدد کرونگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تلوار دے دی۔ اس نے واپس آ کر اپنی قوم کو پورا واقعہ سنایا تو اس قوم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس آ کر صحابہ کرام کو یہ واقعہ سنایا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ہتھیار اپنے ساتھ رکھو۔ البتہ اس صورت میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم پر بارش یا بیماری کی تکلیف ہو تو تم ہتھیار اتار دو۔ لیکن پھر بھی دشمن سے ہوشیار رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کافروں کیلئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(آیت نمبر۱۰۳) پھر جب تم نماز مکمل کر لو۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کرو خواہ کھڑے ہو یا بیٹھے ہو۔ یا کروٹ پر لیٹے ہو۔ یعنی ہمہ وقت اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور اسی طرح مناجات اور دعاؤں میں لگے رہو۔ آگے فرمایا کہ پھر جب تم جنگ سے فارغ ہو کر مطمئن ہو جاؤ اور دشمن کا ڈر نہ رہے۔ یعنی جنگ سے بالکل فارغ ہو جاؤ۔ تو پھر نارمل حالات میں جمیع شرائط کے ساتھ نماز ادا کرو۔ (ذکر کے متعلق میں نے پوری تفصیل سے برکات ذکر میں لکھ دیا۔)

یاد رہے (موقوتا) کا معنی ہے۔ کہ نماز کیلئے اوقات مقرر ہیں۔ اس لئے ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا فرض ہے۔ یہ نہیں کہ جب جی چاہا دو دو یا تین تین نمازیں اکٹھی ہی پڑھ لیں۔ جیسے اہل سنت کے علاوہ دیگر مذاہب والے

کرر ہے ہیں۔ بعض نے ان کا نام ظہرین اور مغربین رکھ لیا۔ اور بعض نے جمع بین الصلوا تین نام رکھ لیا۔ وہ سب قرآن کی اس آیت کی مخالفت کرر ہے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ خدا سے ڈریں۔ اتنے اہم فریضہ کی ادائیگی میں اپنی مرضی اور منشاء سے کام لینا چھوڑ دیں۔ ورنہ ان کیلئے بروز قیامت پشیمانی کا باعث بنے گا۔ (اس مسئلے کو میں نے وضاحت کے ساتھ صلوٰۃ الاحناف میں لکھ دیا۔ (قاضی))

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر ذکر سے مراد یاد الٰہی ہے۔ تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ کو یاد کرو۔ قرآن مجید میں دوسرے کئی مقامات پر ذکر الٰہی (جنگ کے دوران) کرنے کی تاکید گئی ہے۔ جیسے ایک مقام پر فرمایا۔ کہ جب دشمن کے بالمقابل ہو۔ تو ثابت قدم بھی رہو۔ اور کثرت سے ذکر الٰہی کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو۔ اور اگر اس سے مراد نماز ہے۔ تو پھر مراد یہ ہے کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھو۔ اگر نہیں کھڑے ہو سکتے تو بیٹھ کر ادا کرو۔ اگر زیادہ تکلیف ہے۔ تو پھر لیٹ کر پڑھ لو۔ آگے فرمایا کہ بے شک نماز ایمان والوں پر وقت مقرر میں فرض کی گئی۔

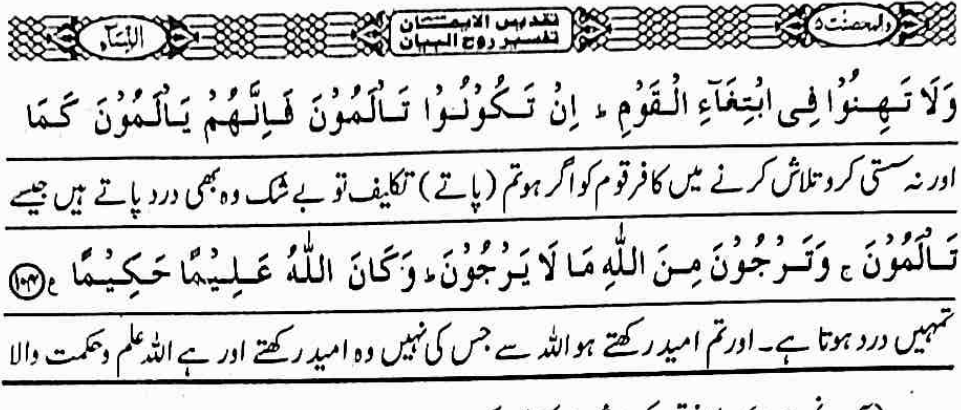
فائدہ: مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں کتاباً سے مراد فرض اور موقوتاً سے مراد وقت معین ہے۔

حکم عطائیہ میں ہے: کہ اللہ پاک کو معلوم تھا۔ کہ بندہ حرص و ہوا میں مبتلا ہے۔ لہذا پورے دن میں صرف پانچ نمازیں فرض کیں سال میں صرف ایک ماہ روزے فرض کئے اور حج ایک ہی بار عمر میں فرض کیا۔ زکوٰۃ بھی سال میں مال کا صرف چالیسواں حصہ رکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر خصوصی رحمت ہے۔ اور نماز وقت پر نہ فرض ہوتی تو ہر ایک کہتا خیر ہے بعد میں پڑھ لیں گے۔ پھر کس نے پڑھنی تھی۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے عبادات میں بھی وسعت رکھی۔ تاکہ آسانی کے ساتھ وقت کے اندر اندر ادا کر لی جائے۔

وسیلہ: معراج میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں (درمیان میں موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے پانچ رہ گئیں) پھر حضور ﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے پانچ پڑھنے سے ثواب پچاس کا عطا فرمایا۔

بے نمازی کی سزا: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جان بوجھ کر نماز ضائع کر دی۔ اسے جہنم کے عذاب میں ایک نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اسی (۸۰) حقب سزا دی جائے گی۔ ایک حقب ایک ہزار سال کا ہوتا ہے (تذکیر الواعظین)۔ گویا اسی ہزار سال جہنم میں جلے گا۔ (صرف ایک نماز چھوڑنے کی وجہ سے اسی ہزار سال کے بعد کہا جائے گا کہ یہ فلاں دن کے صبح کی نماز کا عذاب ہوا ہے۔ اب اگلی نماز نہ پڑھنے کا عذاب ہوگا۔ تو جس نے بالکل نہیں پڑھی اس کا کیا حال ہوگا۔) اور ایک حدیث شریف میں ہے۔ کہ جو جان بوجھ کر نماز ضائع کرتا ہے۔ اس کا حشر فرعون ہامان اور شداد اور امیہ جیسے بڑے بڑے کافروں کے ساتھ ہوگا۔



(آیت نمبر ۱۰۴) اور کافر قوم کی تلاش میں سستی نہ کرو۔

شان نزول: یہ آیت غزوۂ بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی۔ بدر کا علاقہ کنانہ۔ کے مارکیٹ لگانے کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ بازار آٹھ دن تک لگتا تھا۔ احد کی لڑائی سے بھاگتے ہوئے ابوسفیان نے کہا تھا۔ کہ اب ہمارا مقابلہ اگلے سال بدر میں ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان شاء اللہ لیکن سال پورا ہونے سے پہلے ہی۔ ابوسفیان کے دل میں خوف لاحق ہو۔ (کہ کہیں پچھلے بدر والا حال نہ ہو) تو نعیم بن مسعود کو اونٹوں کا لالچ دیکر مدینہ بھیجا۔ کہ کسی طرح مسلمانوں کو ڈراؤ۔ تاکہ وہ بدر میں نہ آسکیں اور ہماری عزت رہ جائے۔ اس نے مدینے شریف میں آکر دیکھا کہ مسلمان پوری طرح تیار ہیں۔ اس نے بہت ڈرایا۔ کہ مکہ والوں نے بڑی تیاری کی اور ایک بہت بڑا لشکر اسلحے سے لیس کر کے لا رہے ہیں۔ بہتر ہے تم نہ جاؤ۔ ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ حضور ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اکیلا بھی جانا پڑا تو میں ضرور جاؤں گا۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ کہ کفار کے لشکر سے ڈر کر کمزور دل نہ ہو جاؤ۔ اگر تمہیں احد کی جنگ میں تکلیف ہوئی۔ تو یہ بھی دیکھو کہ انہوں نے بھی بدر میں تم سے زیادہ تکلیف اٹھائی۔ اور تمہیں آخرت میں اجر و ثواب کی امید تو ہے وہ اجر و ثواب سے بھی محروم ہیں۔ اور مزید بھی تمہیں جو اللہ تعالیٰ سے امیدیں وابستہ ہیں۔ انہیں تو وہ بھی حاصل نہیں۔ وہ صبر کر گئے۔ (اور للکار رہے ہیں) اور تم کیوں بزدلی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ وہ دن دور نہیں جب تمہارا دین سب پر غالب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال و احوال کو جانتا ہے۔ اور حکمت پر مبنی باتوں کا تمہیں حکم دیتا ہے۔ **فائدہ**: آیت کریمہ میں مسلمانوں کو بہادری کا درس دیا گیا ہے۔ اور ان کو یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفار کے سامنے نرمی کے بجائے سختی دکھاؤ۔ **حدیث شریف**: حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ میں کفار کے سامنے جو اپنے پورے جوش و جذبہ کا مظاہرہ کرے۔ اس کے گناہ ایسے گر جاتے ہیں جیسے سخت آندھی کے وقت درخت کے پتے گر جاتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کی تلاش میں پوری کوشش کرو۔ اور جنگ میں اپنی پوری طاقت صرف کرو۔ تاکہ تمہارے ہاتھوں اللہ تعالیٰ ان کافروں کو دنیا میں عذاب دے اور آخرت کا عذاب تو بہر حال ان کافروں کا انتظار کر ہی رہا ہے۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰٮكَ

بے شک ہم نے اتاری آپ کی طرف کتاب سچی تا کہ آپ فیصلہ کریں درمیان لوگوں کے اس طرح جو دکھایا آپ کو

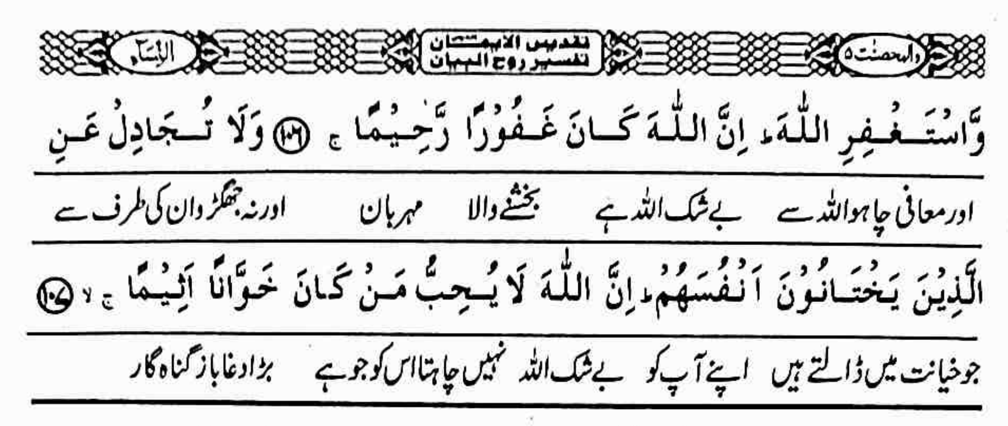
اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ ﴿۱۰۵﴾

اللہ نے اور نہ ہوں خیانت والوں کی طرف سے جھگڑنے والے

(آیت نمبر ۱۰۵) بے شک ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی۔ تا کہ آپ لوگوں میں اس طرح فیصلہ فرمائیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھا دیا۔

شان نزول : قبیلہ بنی ظفر کے ایک شخص نے اپنے پڑوسی قتادہ بن نعمان کی زرہ چوری کر کے آٹے کے توڑا میں رکھی۔ اور آٹے کی بوری زید بن سمین یہودی کے ہاں لے جا کر چھپا دی۔ چوری کا کھوج لگانے سے معلوم ہو گیا۔ کہ طعمہ نامی شخص نے یہ چوری کی ہے۔ چونکہ زرہ بوری میں تھی اور بوری پھٹی ہوئی تھی۔ رات کا وقت تھا جدھر جدھر بوری گئی آٹے کا نشان خود ہی چور کا پتہ دیتا رہا۔ اور یہودی نے بھی بتا دیا۔ کہ رات کو طعمہ آٹے کی بوری میرے گھر میں لایا۔ بوری کے متعلق تو راستے میں گرے ہوئے آٹے نے اور طعمہ کے متعلق یہودی نے بتا دیا۔ لیکن طعمہ کی برادری نے طعمہ کو اس رسوائی سے بچانے کیلئے پوری ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ طعمہ نے چوری نہیں کی اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں جھوٹی گواہی دینے سے بھی گریز نہ کیا۔ گواہوں کی کثرت سے حضور ﷺ کے دل میں بھی یہودی کے مقابلے میں طعمہ کی مدد کا خیال پیدا ہوا۔ تو اتنے میں وحی ربانی کا نزول ہوا۔ اور بتایا گیا کہ طعمہ چور ہے اور اس کے گواہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ اللہ کے دیئے ہوئے علم ودانش کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ اور ان خائنوں کے طرف دار بن کر جھگڑا کرنے والوں کا ساتھ نہ دیں۔

فائدہ : روایات میں آتا ہے کہ طعمہ کی برادری کو اس کی چوری کا علم تھا۔ چونکہ پہلے بھی وہ کئی چوریاں کر چکا تھا۔ اور برادری والے اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ چور ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ چوری یہودی کے سر تھوپ دی جائے۔ اور ہماری خاندانی عزت رہ جائے۔ اس وجہ سے انہوں نے بہت زور لگایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا سارا پول کھول دیا۔ اور انہیں خائن کا لقب دیا۔ اور اس کے برائے نام مسلمان ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بھی طعمہ کی طرف داری سے بھی منع کر دیا۔ کہ طعمہ کی طرفداری کر کے یہودی سے مخاصمت نہ کریں۔ یہ طرفداری اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوئی۔ بے شک وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ایسے مسلمان کی ضرورت نہیں جو اسلام کو بدنام کرے۔



وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ

اور معافی چاہو اللہ سے — بے شک اللہ ہے — بخشنے والا — مہربان — اور نہ جھگڑو ان کی طرف سے

الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ ﴿۱۰۷﴾

جو خیانت میں ڈالتے ہیں — اپنے آپ کو — بے شک اللہ — نہیں چاہتا اس کو جو ہے — بڑا دغاباز گناہ گار

(آیت نمبر ۱۰۶) اللہ سے بخشش مانگیں۔ یعنی جو آپ نے طعمہ کی برادری والوں کی جھوٹی شہادت پر طعمہ کے حق میں فیصلہ کرنے کا خیال کیا۔ اگرچہ آپ اس میں بے قصور ہیں۔ کیونکہ آپ نے اتنی شہادتیں گذرنے کی وجہ سے وہ پروگرام بنایا تھا۔ لہذا پھر بھی آپ استغفار کریں۔ **فائدہ:** ابن شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تو طرفداری نہ کی تھی۔ صرف ابھی ارادہ ہی کیا تھا۔ کہ مسلمان رسوا نہ ہو۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے استغفار کا حکم دیا۔ کیونکہ ابرار کی حسنات بھی مقربین کی سیئات ہوتی ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

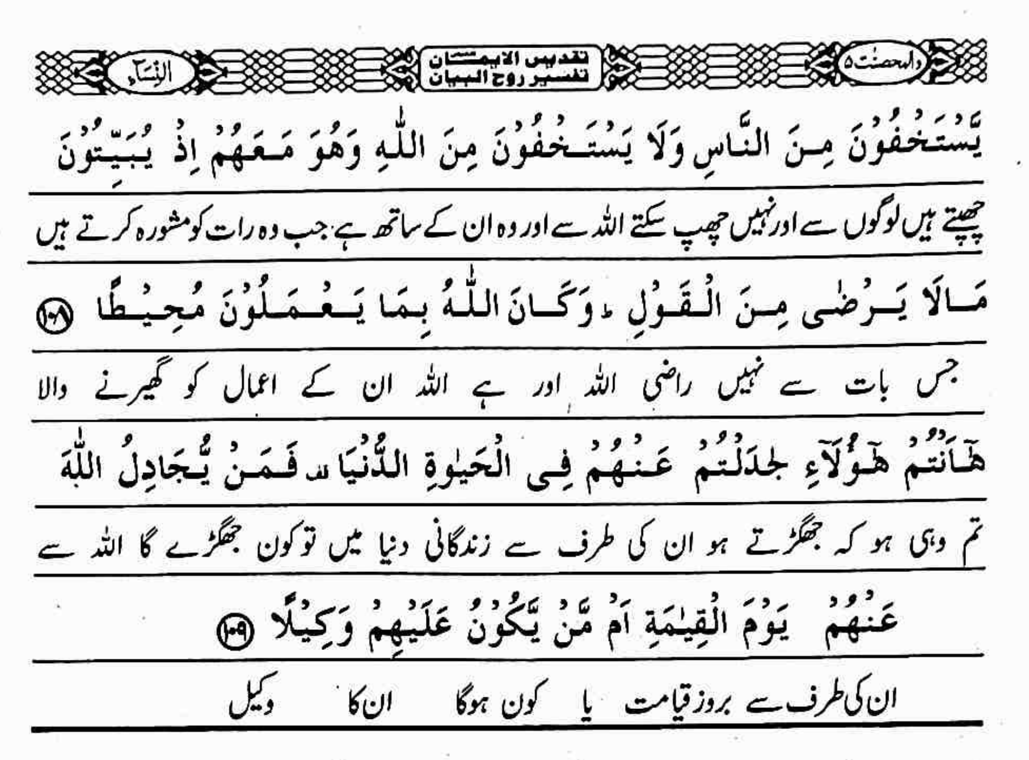
(آیت نمبر ۱۰۷) اور نہ جھگڑیں ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے دل میں۔

تنبیہ: کسی سے خیانت درحقیقت اپنے آپ کے ساتھ خیانت ہے۔ اس لئے کہ اس کی سزا وہ خود بھگتے گا۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑے خیانتی اور گناہ گار کو پسند نہیں فرماتا۔ جو ہر وقت گناہوں میں ہی لگا رہے۔ طعمہ کو بہت بڑا خیانتی اس لئے کہا کہ اس نے اس سے پہلے بھی بہت دفعہ خیانت کی۔ چوریاں کیں۔ اور لوگوں سے مال غصب کئے۔

خیانت کی سزا: طعمہ کی طبع ہی ایسی خبیث تھی۔ کہ وہ بے شمار خرابیوں اور اغلاط کا ایک مجموعہ تھا اور چوری اور خیانت کا تو ماسٹر تھا (ان گناہوں کی سزا یہ ملی) وہ مرتد ہو کر کفار مکہ سے جا ملا۔ وہاں بھی نہ رہ سکا۔ وہاں بھی اس نے ایک جگہ نقب لگائی۔ اندر گھس رہا تھا کہ اوپر سے دیوار گری۔ وہ نیچے آ کر مر گیا۔ (ع: نہ رب ہی ملا نہ وصال صنم۔۔۔۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے)

نکتہ: جب کسی گناہ میں ملوث آدمی گرفتار ہو جائے۔ تو جان لو اس سے پہلے کئی مرتبہ وہ گناہ کر چکا ہے۔

حکایت: جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ تو اس کی ماں روتی ہوئی آئی اور عرض کی کہ حضور اس میرے بچے سے پہلی بار غلطی ہوئی۔ اسے معاف کر دیجئے۔ تو آپ نے فرمایا یہ بات غلط ہے پہلی غلطی پر اللہ معاف کر دیتا ہے۔ اس نے یہ غلطی کئی بار کی۔ اس لئے یہ اس کی سزا اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی۔



يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ

چھپتے ہیں لوگوں سے اور نہیں چھپ سکتے اللہ سے اور وہ ان کے ساتھ ہے جب وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں

مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

جس بات سے نہیں راضی اللہ اور ہے اللہ ان کے اعمال کو گھیرنے والا

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ

تم وہی ہو کہ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے زندگانی دنیا میں تو کون جھگڑے گا اللہ سے

عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

ان کی طرف سے بروز قیامت یا کون ہوگا ان کا وکیل

(آیت نمبر ۱۰۸) یہ خیانت کرنے والے لوگوں سے تو چھپ سکتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ سے تو نہیں چھپ سکتے۔ لہٰذا انہیں اللہ تعالیٰ سے تو حیا کرنی چاہئے۔ اور ڈرنا چاہئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ان کے حالات کو وہ پوری طرح دیکھتا اور جانتا ہے۔ لہٰذا یہ اس سے چھپ کیسے سکتے ہیں۔ جب یہ طعمہ کی برادری والے پوری رات طعمہ کو سزا سے بچانے کے لئے آپس میں مل کر تدبیریں بناتے رہے۔ ان کی غلط باتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو خائن کا لقب دیا۔ کہ ان کا ایک بری الذمہ پر تہمت لگانا پھر اس پر جھوٹی گواہیاں دینا جبکہ وہ جانتے ہیں کہ طعمہ چور ہے۔ اور اسی نے چوری کی اور جھوٹی قسم بھی کھالی اور پھر اس کا عیب چھپانے کیلئے اس کی برادری کے لوگوں نے جھوٹی گواہی دیدی۔ تا کہ حضور ﷺ ہم پر اعتبار کریں کہ ہم پکے مسلمان ہیں اور یہودی چونکہ ہمارے دین پر نہیں۔ لہٰذا اس کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حق کو واضح کیا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر اور چھپے سب اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۱۰۹) تم تو وہی ہو۔ یہ خطاب طعمہ اور اس کی برادری کے ان افراد کو ہے۔ جو طعمہ کی طرف داری کر کے خاندانی وقار کو بچانا چاہتے تھے۔ فرمایا کہ تم دنیوی زندگی مین تو ان کی طرف سے جھگڑ سکتے ہو۔ جدال کا معنی ہے: پوری کوشش سے جھگڑا کرنا۔ معنی یہ ہے کہ دنیا میں تو تم نے طعمہ کے طرفدار بن کر جھگڑا کرلیا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ بروز قیامت ان کی طرفداری میں اللہ سے کون جھگڑا کرے گا۔ یا کون ان کا وکیل ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے بات کرے گا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ

اور جو کوئی عمل کرے گا برا یا ظلم کرے گا اپنی جان پر پھر بخشش چاہے اللہ سے تو پائے گا

اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

اللہ کو بخشنے والا مہربان

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۹) بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ:

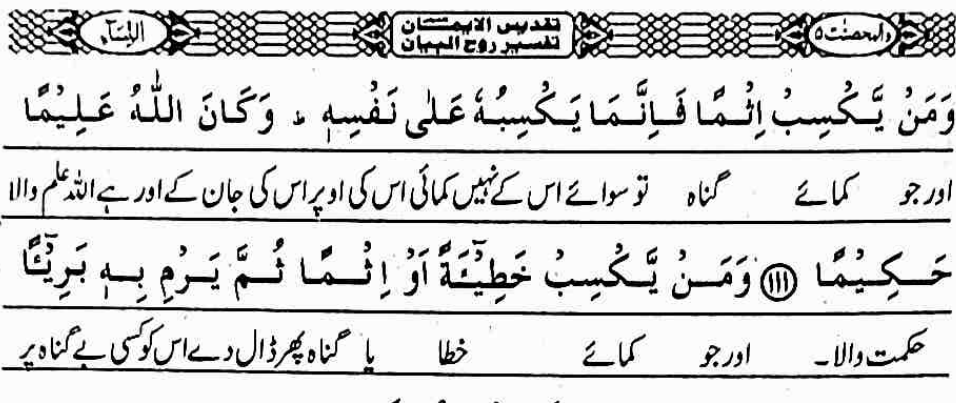
بجائے کہ دہشت خورد انبیاء ۔۔۔۔ تو عذر گناہ راچہ داری بیا

(یعنی جس جگہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی لرز رہے ہوں گے۔ تو وہاں اپنے گناہوں پر کیا عذر پیش کرے گا۔)

حدیث شریف میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بروز قیامت اللہ تعالیٰ ایک گروہ کیلئے جنت میں جانے کا حکم فرمائیں گے کہ انہیں باہر سے ہی ان کا جنت والا ٹھکانہ دکھانے کے بعد حکم ہوگا کہ انہیں واپس لے آؤ۔ جب واپس ہوں گے تو انہیں از حد حسرت و ندامت ہوگی۔ کہیں گے یا اللہ دیکھنے سے پہلے ہی جہنم بھیج دیتا۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم دنیا میں دنیاداروں کے طعنے سے ڈر کر نیکی نہیں کرتے تھے۔ اور لوگوں کے ہی ڈر سے گناہ نہیں کرتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم لوگوں کو بڑا سمجھتے تھے۔ مجھے اتنا بڑا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ شاید تم اللہ کو بھی دھوکہ دینا چاہتے تھے۔ جاؤ ہم نے تمہیں جنت جیسے عظیم الشان انعام سے آج محروم کردیا ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۰) اور جو کوئی برے عمل کر کے اپنی جان پر ظلم کرے گا۔ جیسے طعمہ نے چوری بھی کی۔ یہودی پر تہمت بھی لگائی اور جھوٹی قسم بھی کھالی اور کافروں کے ساتھ بھی جا کر مل گیا۔ ایسے شخص کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنی جان پر ظلم کرے۔ یا وہ ہر قسم کا گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ کرے اور اس کے بعد بھی اگر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے۔ تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ حدیث میں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا کہ جو شخص غلطی سے گناہ کرے۔ پھر توبہ کے ارادہ سے وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے بخش دیتا ہے۔ اس کے بعد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ **مسئلہ**: استغفار کے ساتھ گناہ سے توبہ بھی لازم ہے۔ اس لئے کہ گناہ کی معافی کیلئے توبہ شرط ہے۔ استغفار کا مطلب توبہ نہیں۔ توبہ کا مفہوم استغفار ہے یعنی استغفار کے ساتھ یہ کہنا بھی لازم ہے کہ میں توبہ کرتا ہوں۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اور دوسری شرط پشیمان ہونا ہے۔ کہ جو گناہ ہوئے۔ ان پر ندامت کا اظہار کیا جائے۔



وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

اور جو کمائے گناہ تو سوائے اس کے نہیں کمائی اس کی اوپر اس کی جان کے اور ہے اللہ علم والا

حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــًٔا

حکمت والا۔ اور جو کمائے خطا یا گناہ پھر ڈال دے اس کو کسی بے گناہ پر

فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ؏ ﴿۱۱۲﴾

پس تحقیق اٹھایا اس نے بہتان اور گناہ کھلا

(بقیہ آیت نمبر۱۱۰) اور تیسری چیز آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا عزم ہو۔ اور پھر مناسب یہ ہے۔ کہ اپنے گناہ کا اعتراف کر کے معافی مانگے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنے دامن رحمت میں پناہ دے دے گا۔ اور اس کے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔ **نتیجہ**: گناہ ہو جانا کوئی بعید بات نہیں۔ انسان اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر نادانی سے گناہ کر بیٹھتا ہے۔ اب اس کیلئے ہرگز روا نہیں کہ وہ اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرے۔ یا اس پر ڈٹ جائے۔ بلکہ مناسب یہ کہ اپنے غفور رحیم رب کی بارگاہ میں جلدی بخشش مانگ لے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دامن رحمت میں پناہ دے دے گا۔

(آیت نمبر۱۱۱) اور جو شخص کوئی گناہ کرے تو سوائے اس کے نہیں۔ اس کے اس گناہ کرنے کا وبال اس کی اپنی ذات پر ہے۔ اس لئے گناہ کرنے والے کو اس بات سے ڈرنا چاہئے۔ کہ اس عمل کی سزا کہیں سے دنیا میں ہی نہ پڑ جائے۔ اگر وہ سزا دنیا میں نہ ہوئی تو آخرت میں تو نہیں بچ سکے گا۔ لہٰذا اسے جلد از جلد توبہ استغفار کر لینی چاہئے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے۔ اور حکیم بھی۔ یعنی بندوں کے اعمال کو جانتا ہے۔ اور ہر کام حکمت سے کرتا ہے۔ دنیا میں سزا دیتا ہے۔ تو اس میں بھی حکمت ہوتی ہے۔

(آیت نمبر۱۱۲) جو غلطی کا ارتکاب کرے۔ یا بڑا گناہ کر لے پھر وہ گناہ کسی دوسرے بے گناہ کے سر تھوپ دے۔ اور اپنے آپ کو اس سے بری الذمہ ظاہر کرے۔ جیسے طعمہ نے چوری کر کے یہودی کے سر پر ڈال دی اور اپنے آپ کو اس سے بری ظاہر کیا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس نے بہتان جیسے عظیم گناہ کا اپنے سر پر بوجھ اٹھایا۔ اور گناہ فاحش کیا۔ جو سب کو معلوم ہو گیا۔ ایسا بدکار مجرم اپنی ہی ستیاناس کر رہا ہے۔ **فائدہ**: جو شخص گناہ کر کے دوسرے کے ذمہ لگا دے۔ تو وہ بہت دور تک پھیل جاتا ہے۔ اس لئے اسے گناہ فاحش کہا جاتا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ

اور اگر نہ ہوتا فضل الٰہی آپ پر اور اس کی رحمت تو ضرور چاہتی ایک جماعت ان میں سے یہ کہ دھوکا دیں تمہیں

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

اور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں وہ بگاڑیں گے تمہارا کچھ بھی اور اتاری اللہ نے آپ پر کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

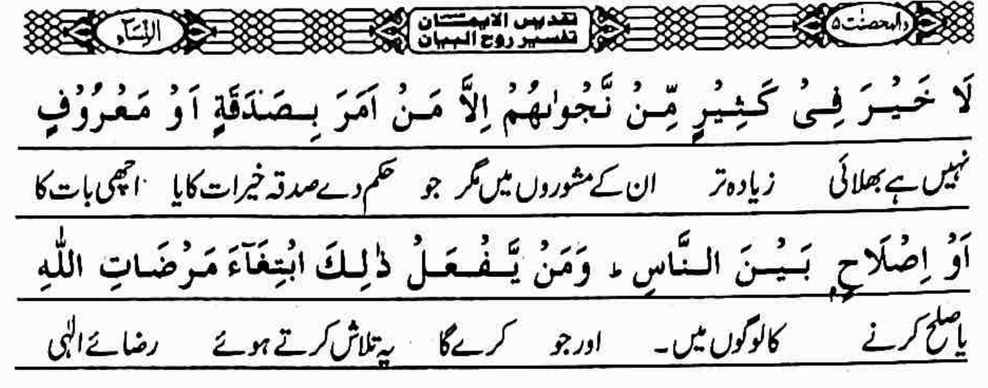
اور حکمت اور سکھا دیا جو نہیں تھے آپ جانتے اور ہے فضل الٰہی آپ پر بڑا

(بقیہ آیت نمبر۱۱۲) **نکتہ**: بہتان بہت سے بنا ہے۔ جس کا معنی ہے حیرانگی۔ یعنی جب کسی پر بہتان لگ جائے۔ اور اس نے وہ غلط کام نہ کیا ہو۔ خواہ مخواہ اس کے ذمہ لگا دیا جائے تو وہ حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسے بہتان کہا جاتا ہے۔ بہتان لگانے والا دوسرے کا نقصان کرے یا نہ کرے اپنی تباہی و بربادی کا سامان کر لیتا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں وہ بات کہے جو اگر اس کے منہ پر کہی جاتی تو وہ ناپسند کرتا۔ عرض کی گئی۔ اگر فی الواقع اس میں وہ بات ہو۔ تو پھر بھی وہ غیبت ہی ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسی کا نام تو غیبت ہے۔ اگر اس میں وہ عیب نہ ہو۔ اور اپنی طرف سے اس پر تھوپ دیا جائے۔ اس کا نام تو بہتان ہے جو اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ (مسلم شریف، کتاب البر والصلۃ)

(آیت نمبر۱۱۳) اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل رحمت نہ ہوتا۔ کہ اللہ نے آپ کو ہر غلطی اور خطا سے بچا رکھا ہے۔ تو طعمہ کی برادری والوں نے جو طعمہ کو چوری سے بری الذمہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس میں انہوں نے آپ کو بھی غلط ملط بیان دیکر الٹے راستے پر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اللہ کا فضل آپ کے شامل حال ہو گیا۔

نکتہ: یہاں گمراہی سے مراد ہدایت کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بتایا گیا کہ ان کی غلط پالیسی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔ کہ وہ آپ کو غلط راستے پر نہیں ڈال سکے۔ البتہ اس گمراہی میں وہ خود پڑے ہیں (جیسے طعمہ مرتد ہو گیا اور وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ خود آپ کا محافظ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب (قرآن مجید) نازل کی اور حکمت عطا کی جس میں تمام حلال و حرام کی تفصیلات موجود ہیں اور احکام ہیں۔ اور آپ کو علاوہ ازیں وہ پوشیدہ علم دیا جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا فضل و احسان ہے۔ اس سے بڑا کیا فضل ہوگا۔ کہ پوری کائنات کا نبی اور رسول بنا دیا۔ اور عظیم الشان کتاب دی۔ اور بہت بڑے علم سے نوازا۔



لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ

نہیں ہے بھلائی زیادہ تر ان کے مشوروں میں مگر جو حکم دے صدقہ خیرات کا یا اچھی بات کا

اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

یا صلح کرنے کا لوگوں میں۔ اور جو کرے گا یہ تلاش کرتے ہوئے رضائے الٰہی

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

تو عنقریب دیں گے اس کو اجر بہت بڑا

(بقیہ آیت نمبر۱۱۳) **فائدہ:** معلوم ہوا۔ کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان امور کا علم دیا جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے کیونکہ ماعام ہے۔ یعنی جو آپ نہیں جانتے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے بتادیا۔

مسئلہ: حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ فیصلہ کرتے وقت کسی کی طرف داری نہ کرے۔ خواہ مسلمان ہے یا کافر۔

فائدہ :چوری کا مال جس کے پاس پایا جائے۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ چور ہی ہو ممکن ہے چور نے اس کے پاس رکھا ہو۔ **فائدہ:** برائی کا وبال بالآخر برائی کرنے والے پر ہی آتا ہے۔ **فائدہ:** اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام فضیلتیں علم وحکمت سے حاصل ہوئی ہیں۔ اور علم وحکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔

نکتہ: انسان کتنے ہی بلند مراتب پر پہنچ جائے۔ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ یہ میرے رب کا مجھ پر فضل ہے۔

فائدہ :انسان کامل وہی ہے کہ جسے اپنے نفس پر ذرہ برابر بھی بھروسہ نہ ہو۔ کیوں کہ انسان کی پوری زندگی کے نیک عمل بھی اللہ تعالیٰ کی ایک چھوٹی سی نعمت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

نکتہ : آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خود بھی عظیم ہے۔ اور اس کا فضل ورحمت بھی آپ پر بے حساب بے پایاں ہے۔ اور اس کی عطا سے آپ بھی تمام جہانوں کیلئے فضل ورحمت ہیں۔ اسی لئے آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے **حدیث قدسی** میں فرمایا: کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک نہ بناتا۔ (رواہ الحاکم)

(آیت نمبر۱۱۴) لوگوں کی آپس میں بہت ساری سرگوشیاں بھلائی پر مبنی نہیں ہوتیں۔ یعنی جو باتیں وہ پوشیدہ

اور بڑی رازداری کے ساتھ آپس میں کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر تو وہ کسی برے مقصد کیلئے ہوتی ہیں۔

فائدہ :امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ بات اور حکم ہر زمانے کیلئے ہے۔ اگر چہ یہ آیت طعمہ اور اس کی برادری کے متعلق نازل ہوئی۔ مگر عموماً سرگوشی میں یہی بات ہے۔ البتہ اگر کوئی کسی کو سرگوشی کر کے اچھی بات کا حکم دیتا ہے۔ مثلاً صدقہ کرنے کا کہتا ہے۔ یا اور کوئی نیک کام کے متعلق کہتا ہے۔ تو پھر کوئی حرج نہیں۔ تمام اچھے کام معروف میں داخل ہیں۔ یہاں پر قرض یا مظلوم کی مدد یا خیرات وصدقات مراد ہیں۔ **حدیث شریف**:حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر معروف صدقہ ہے (رواہ البخاری)۔ اور سب سے پہلے جنت میں اہل معروف ہی داخل ہوں گے۔

نکتہ: جسے اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق عطا فرمادے۔ برائیاں خود ہی اس سے دور بھاگ جاتی ہیں۔ آگے فرمایا کہ یا وہ سرگوشی میں لوگوں کے درمیان صلح صفائی یا اصلاح کی بات کرتے ہیں۔ تاکہ لوگوں کے جھگڑے اور دشمنیاں ختم ہوجائیں۔ تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ثواب میں داخل ہے۔

حدیث شریف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں ایک ایسا عمل نہ بتاؤں۔ جو نماز سے اور صدقہ سے بھی کئی گنا بہتر ہے۔ انہوں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ آپس میں دشمنی کرنے والوں کی صلح کرادیا کرو۔ اس لئے کہ آپس کی بغض وعداوت مونڈنے والی شیء ہے۔ سر مونڈنے والی نہیں۔ بلکہ یہ تو دین کو بھی جڑ سے اکھاڑ کے رکھ دیتی ہے۔ (ابوداؤد والترمذی)

آگے فرمایا کہ جو بندہ یہ کام (صدقہ یا اصلاح بین الناس وغیرہ) رضاء مولیٰ کی طلب میں کرے گا۔ یعنی ریاکاری وغیرہ اس میں نہ ہو۔ (کیونکہ جو کوئی ریاء یا شہرت کی نیت سے عمل کرتا ہے۔ وہ ثواب سے محروم رہتا ہے)۔ اور جو خالص نیت سے عمل کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عنقریب ہم اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

جیسے ایک **حدیث شریف** میں ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسے صدقے کے متعلق بتاتا ہوں۔ جس کی وجہ سے تمہیں اللہ کی راہ میں سرخ اونٹ صدقہ کرنے سے بھی زیادہ ثواب ملے گا۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ فرمایا۔ جن کا آپس میں جھگڑا ہو۔ ان کی صلح کرادو۔ اور جو آپس میں ایک دوسرے سے دور ہوگئے ہوں۔ انہیں آپس میں قریب کردو۔ لیکن یہ تینوں کام محض رضاء الٰہی کیلئے کرو۔ (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان)

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

اور جو مخالفت کرے رسول کی اس کے بعد جو کھل گیا اس کو راستہ حق کا اور چلے الگ

سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

راستے مومنوں سے ہم موڑیں گے جدھر وہ پھرا اور داخل کریں گے اسے جہنم میں اور کتنی بری جگہ ہے پلٹنے کی

(آیت نمبر ۱۱۵) اور جو بندہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے۔ اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی۔ یعنی روشن معجزات دیکھ کر اس پر یہ واضح ہو گیا یہ نبی برحق ہے۔ پھر وہ اہل ایمان کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلتا ہے۔ یعنی ایمان والوں کے عقیدے اور عمل سے الگ ہو جاتا ہے۔ تو پھر ہم اسے پھیرتے ہیں۔ جدھر وہ پھرا یعنی جب اس نے خود گمراہی اختیار کی تو ہم اس کے ایسے دوست موافق کریں گے۔ جو اس کیلئے اگلی گمراہی کا راستہ ہموار کریں گے۔ یا یہ معنی ہے۔ کہ جس کفر و گمراہی کی طرف وہ دانستہ پھر گیا۔ ہم اس میں حائل نہیں ہوں گے۔ اسے ادھر ہی پھرنے دیں گے۔ پھر اس بدنصیب کا کیا حال ہوگا۔ توفیق الٰہی نے جس کی دستگیری چھوڑ دی ہو۔ آگے فرمایا پھر اسے جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم کے شعر کا مصرع ہے:

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

طعمہ کا انجام: یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی۔ چوری کی سزا سے بھاگ کر کفار مکہ سے ملا۔ تو ان کی دوستی نے اسے جہنم رسید کرا دیا۔ ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا مصداق ہو گیا۔

سبق : اس آیت سے دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی سنی اپنی جماعت (اہل سنت) سے الگ نہ ہو۔ اس لئے کہ جو بکری اپنے ریوڑ سے الگ ہو۔ اسے بھیڑیئے کھا جاتے ہیں۔

جھڑیاں آپ آوارہ ہویاں رل مویاں وچ اجاڑاں۔۔ سپاں شیاں دے ہتھ آیاں یا لقمہ پکیاڑاں (میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ)

تقلید کا ثبوت : بھی اس آیت میں مل رہا ہے کہ مسلمان کسی امام کی تقلید کرتے رہیں اور آپس میں متحد و متفق ہو کر رہیں۔ (ورنہ جہنم کے داخلے کیلئے رسول کی مخالفت ہی کافی تھی) اصل راہ حق وہی ہے۔ جو اہل ایمان کا راستہ ہے۔ اور اہل ایمان کا راستہ ہی نبی کریم ﷺ کا راستہ ہے۔ اسی سے بہشت کا حصول ہے۔ اور اسی سے قرب الٰہی اور رب کریم کا وصال اور دیدار عطا ہوگا۔ ان شاء اللہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

بے شک اللہ نہیں بخشتا کہ شریک بنایا جائے اس کا اور بخش دیگا جو علاوہ ہے اس سے جسے چاہے گا

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

اور جو شریک ٹھہرائے گا اللہ کا تو تحقیق بھٹک کر گمراہی میں دور جا پڑا

(آیت نمبر ۱۱۶) بے شک اللہ نہیں بخشے گا اسے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا۔ اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔

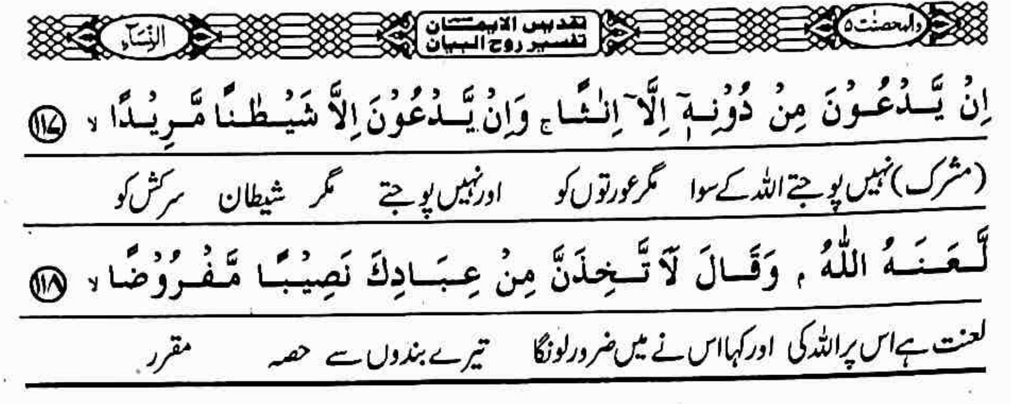
شانِ نزول : بارگاہ نبوت میں ایک بوڑھا شخص حاضر ہوا۔ اور عرض کی میں نے ساری زندگی گناہوں میں ہی گذار دی۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے کبھی شرک نہیں کیا۔ نہ اس ذات کے سوا کسی کو اپنا کارساز بنایا۔ نہ کوئی اور بڑا گناہ کرنے کی جرات کرتا ہوں۔ لیکن سابقہ گناہوں پر پشیمانی ہے۔ آپ فرمائیں۔ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مسئلہ : توبہ کے بغیر شرک تو معاف نہ ہوگا۔ البتہ اس کے علاوہ جو گناہ ہیں ان کی بخشش اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ جسے چاہے بخشے جسے چاہے نہ بخشے۔ لیکن یہ بات پکی ہے کہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا۔ وہ گمراہی میں حق سے بہت دور پہنچ گیا ہے۔ اس لئے کہ شرک تو تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اور صراط مستقیم سے بہت دور لے جانے والا گناہ ہے۔ **فائدہ**: امام حدادی فرماتے ہیں کہ ضلال بعید کا معنی یہ ہے کہ وہ حقیقت سے دور ہو گیا۔ اور سب بھلائیوں سے محروم ہو گیا۔ وہ پھر شیطان کا محض ایک کھلونا بن جاتا۔ وہ اسے جیسے چاہے نچاتا ہے۔

مسئلہ : جس طرح گناہوں کی بہت ساری اقسام ہیں۔ اور سب کا جامع شرک ہے۔ اسی طرح نیکیوں کی بھی بہت ساری اقسام ہیں۔ ان کا جامع لفظ عمل صالح ہے۔ اور تمام نیکیوں کا سرتاج توحید ہے۔ کہ سارے دین کی چکی اسی کے گرد گھومتی ہے۔ اور توحید کا میزان میں وزن بھی نہیں ہو سکے گا۔ اسی لئے ایک حدیث میں ہے۔

حدیث شریف: کلمہ شہادت کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے۔ اور ساتوں زمین و آسمان اور ان کے اندر کی تمام اشیاء دوسرے پلڑے میں رکھی جائیں تو کلمہ شہادت کا وزن بہت زیادہ ہوگا۔ (البحر المحیط)

سبق: آیت میں ان لفظوں پر بھی غور کیا جائے کہ شرک کے علاوہ وہ جسے چاہے گا بخشے گا۔ اس لئے باقی بھی کبیرہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کی جائے اور کثرت سے توبہ استغفار پڑھی جائے۔ (اضافہ قاضی)



اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ ﴿۱۱۷﴾

(مشرک) نہیں پوجتے اللہ کے سوا مگر عورتوں کو اور نہیں پوجتے مگر شیطان سرکش کو

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۙ ﴿۱۱۸﴾

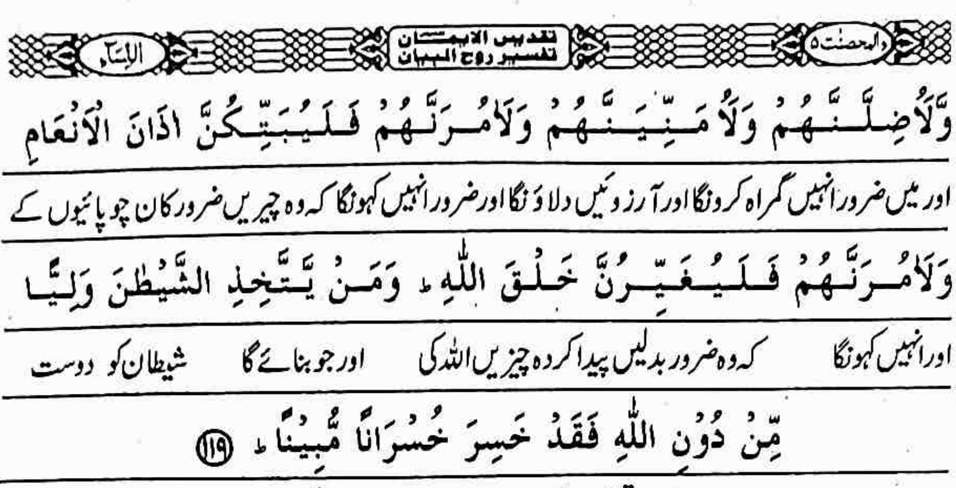
لعنت ہے اس پر اللہ کی اور کہا اس نے میں ضرور لونگا تیرے بندوں سے حصہ مقرر

(آیت نمبر ۱۱۷) (مشرکین کی گمراہی کی انتہاء یہ ہے کہ) وہ پوجتے عورتوں کو۔ یہ ان کی دماغی پستی کی علامت ہے۔ **فائدہ**: بتوں کو عورتیں اس لئے کہا (۱) کہ ان کے بتوں کے نام عورتوں والے ہیں: لات، عزیٰ، مناۃ وغیرہ۔ اوران (۲) بتوں کی شکل عورتوں کی طرح بنائی ہوئی تھی۔ (۳) اوران پر عورتوں والا لباس ڈالا ہوا تھا۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ مشرکین میں فرشتوں کے پوجنے والے بھی تھے اور وہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نجم میں فرماتا ہے کہ بے شک جن کا قیامت پر ایمان نہیں انہوں نے فرشتوں کے عورتوں والے نام رکھے ہوئے ہیں۔ آگے فرمایا کہ مشرکین نہیں پوجتے مگر شیطان سرکش کو۔ اس لئے کہ مشرکوں کو شرک کرانے والا اور اس پر انہیں برانگیختہ کرنے والا اصل میں شیطان ہی ہے۔ اور وہ اپنی پوجا کرواتا ہے بڑے طریقے سے۔ **فائدہ**: بعض بتوں میں شیطان داخل ہو کر لوگوں سے۔ ان کے خادموں اور کاہنوں سے باتیں کرتا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بت بول رہا ہی۔ (جیسے مشہور ہے کہ عتبہ کا سونے سے بنا ہوا بت تھا۔ جس میں جن شیطان داخل ہو کر حضور ﷺ کے خلاف بکنے لگا۔)

(آیت نمبر ۱۱۸) اس (شیطان) پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ وہ رحمت سے دور جا کر جہنم میں رہے۔

ازالہ وہم: دنیا میں شیطان کو مہلت ملنے کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر رحمت ہے۔ دنیوی آرام وسکون کے باوجود اس پر لعنت ہے۔ اور اصل لعنت اس پر قیامت میں اور اس کے بعد ہوگی۔ جب اس پر لعنت ہوئی تو کہنے لگا کہ ضرور تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ لوں گا۔ یعنی اس بے ایمان نے بندوں کو گمراہ کرنے کیلئے اپنا مقرر حصہ رکھا ہے۔ جنہیں وہ اپنے مکروفریب کے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ اس لئے کہ راندۂ درگاہ ہوتے ہی اس نے اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کا مکمل پروگرام بنالیا۔ اور وہ خواہشات کی حسین وجمیل دنیا آنکھوں کے سامنے لا کھڑی کرتا ہے۔ اس لئے اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔ کہ میں تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ ضرور لوں گا۔ یعنی میں اپنی پوجا بھی ان بندوں سے کراؤں گا۔ اور وہ بے وقوف میرے نام کی پوجا بھی کریں گے اور نیازیں بھی دیں گے۔



وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ

اور میں ضرور انہیں گمراہ کرونگا اور آرزوئیں دلاؤنگا اور ضرور انہیں کہونگا کہ وہ چیریں ضرور کان چوپائیوں کے

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا

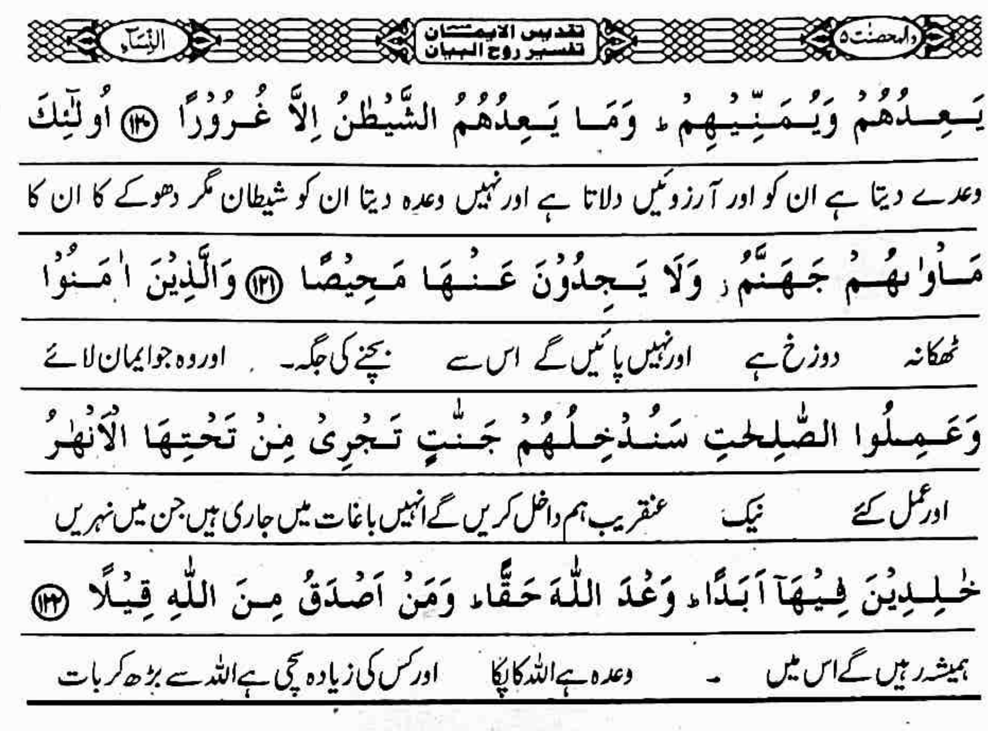
اورانہیں کہونگا کہ وہ ضرور بدلیں پیدا کردہ چیزیں اللہ کی اور جو بنائے گا شیطان کو دوست

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ ﴿۱۱۹﴾

سوائے اللہ کے تو تحقیق وہ گھاٹا دینے والے نقصان واضح میں پڑا

(آیت نمبر ۱۱۹) اور میں ضرور بہ ضرور انہیں گمراہ کروں گا۔ یعنی ان کو وسوسے ڈال کر گمراہی کی طرف لے جاؤنگا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ شیطان بڑا دھوکہ دینے والا ہے۔ کہ وہ وسوسے ڈال کر لوگوں کو خواہشات پر اکساتا ہے۔ حتیٰ کہ مکروفریب سے وہ گمراہی تک لے جاتا ہے۔ آگے اس نے کہا کہ میں ضرور بہ ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا (مال اور لمبی عمر وغیرہ) کی لالچ دے کر ان سے کئی کام کرالوں گا۔ اور ضرور بہ ضرور انہیں غلط رسمیں اپنانے کا حکم دونگا اور انہیں میں کہوں گا کہ ضرور وہ جانوروں کے کان چیریں۔ اور وہ سوچیں گے بھی نہیں کہ جانوروں کے کان کیوں چیریں۔ وہ ضرور یہ کام میرے حکم پر کریں گے۔

وضاحت: مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جاہلیت کے دور میں جانوروں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ پھر نہ ان کا دودھ پیتے۔ نہ ان سے کوئی اور نفع اٹھاتے تھے۔ اور ان کے مختلف نام رکھے تھے۔: (۱) بحیرہ۔ (۲) سائبہ۔ (۳) وصیلہ۔ (۴) حام۔ ان کی تفصیلات بڑی تفاسیر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مزید کہا کہ میں ضرور انہیں حکم دونگا کہ وہ ضرور مخلوق خدا میں تبدیلی پیدا کریں۔ یعنی اصل خلقت سے بدل دیں (جیسے آج کل انگلینڈ میں مختلف نسلوں کو ملا کر وہ ایک نئی نسل نکال رہے ہیں جانوروں میں)۔ اسی طرح مرد عورتوں کی وضع قطع اور عورتیں مردوں کی وضع قطع اپنا رہے ہیں۔ **حدیث شریف** میں آراستہ ہونے والی واصلہ مستوصلہ۔ یعنی اپنے بال دوسری عورت کے بالوں میں ملانے والی اور واشرہ اور مستوشرہ یعنی جوان بننے کیلئے دانتوں کو برابر کرنے والیوں پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ (بخاری) **مسئلہ:** اس عمل میں مرد عورت دونوں کا ایک حکم ہے۔ آگے فرمایا۔ اور جو اللہ کے سوا شیطان کو اپنا دوست بنائے گا۔ وہ سخت گھاٹے میں رہے گا۔ افسوس کہ ہم اتنی تنبیہات کے باوجود بھی شیطان کے چنگل سے رہائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کفار تو کفار مسلمان بھی ایسے ایسے عمل کر رہے ہیں۔ کہ مرد عورتوں والا لباس اور عورتیں مردوں والے لباس پہن رہی ہیں۔



يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ

وعدے دیتا ہے ان کو اور آرزوئیں دلاتا ہے اور نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر دھوکے کا ان کا

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ٹھکانہ دوزخ ہے اورنہیں پائیں گے اس سے بچنے کی جگہ۔ اوروہ جوایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اورعمل کئے نیک عنقریب ہم داخل کریں گے انہیں باغات میں جاری ہیں جن میں نہریں

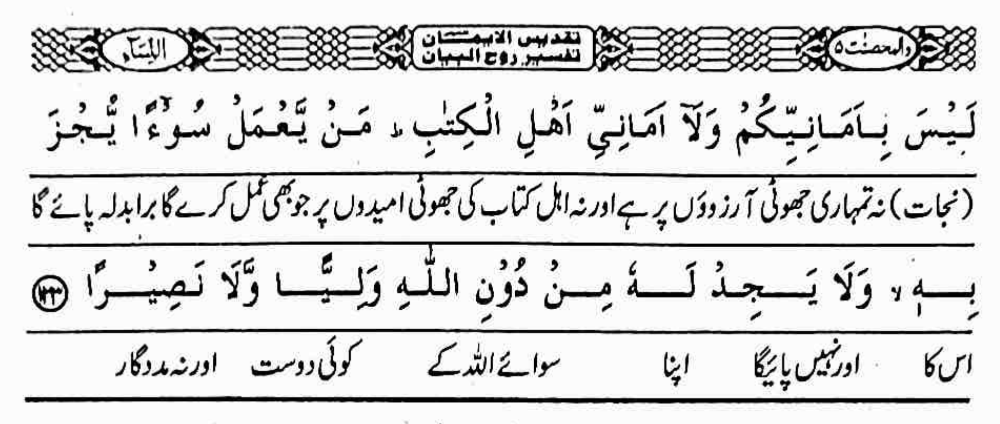
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

ہمیشہ رہیں گے اس میں ۔ وعدہ ہے اللہ کا پکا اورکس کی زیادہ سچی ہے اللہ سے بڑھ کر بات

(آیت نمبر۱۲۰) شیطان کا تو کام ہی یہی ہے کہ وہ لوگوں کو ایسے جھوٹے وعدے دلاتا ہے جن کو پورا نہیں کرتا۔ اور ایسی آرزوئیں دلاتا ہے جو پوری ہی نہیں ہوتیں۔ چونکہ شیطان کے وعدے میں دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

(آیت نمبر۱۲۱) یہی شیطان اور اس کے چیلے ہیں۔ جن کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور جہنم سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ ان آیات میں ہمیں غیرت دلائی جارہی ہے۔ اور جھنجھوڑا جارہا ہے۔ کہ تم آنکھیں بند کئے جس کی ہر بات مانتے چلے جارہے ہو۔ یہ وہی تو ہے۔ جو تمہارا روز ازل سے دشمن ہے۔ وہ تمہاری متاع عقل ودین لوٹ رہا ہے۔ اور تم اپنے رب سے منہ موڑ کر سرپٹ اپنے دشمن کے پیچھے چلے جارہے ہو اور اس کے پیچھے چل کر اپنی آخرت خراب کررہے ہو۔

(آیت نمبر۱۲۲) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ اور جن کے عمل میں اخلاص ہے۔ جس سے مقصود رضاء الٰہی ہے۔ اور عمل صالح میں عبادت کی تمام اقسام آتی ہیں: نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد وغیرہ۔ ان کے متعلق فرمایا کہ عنقریب ہم انہیں ایسے باغات میں داخل فرمائیں گے۔ کہ جس میں نہریں جاری ہوں گی۔ جن کا ذکر آگے آئے گا: (۱) پانی۔ (۲) دودھ۔ (۳) شرابا طہورا۔ (۴) شہد۔ تو فرمایا کہ وہ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کبھی بھی نہ جنت کی نعمتیں ختم ہوں گی۔ نہ خراب ہوں۔ نہ ان کے استعمال سے منع کیا جائیگا۔ دن بدن ہر نعمت کی شان بڑھتی جائے گی۔



(بقیہ آیت نمبر۱۲۲) **فائدہ**: ایمان کے ساتھ عمل صالح کو لازم کر دیا۔ اس میں رد ہے ان کا جو کہتے ہیں کہ نجات کیلئے ایمان ہی کافی ہے یا کہتے ہیں کہ گناہ سے ایمان پر کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ آگے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا برحق وعدہ ہے۔ لیکن یہ نعمتیں ملیں گی۔ ان کو جو سچا مومن ہوگا۔ اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوں گے۔ یہ بات صاف صاف اس لئے بتادی کہ کوئی دھوکے میں نہ رہے اور اپنا وقت ضائع نہ کرے۔

اور حقا کے لفظ نے صدق کی تصدیق مزید کر دی۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بات سے بڑھ کر اور کس کی بات سچی ہوگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہر بات سچی اور ہر وعدہ صدق و یقین والا ہے۔ اور اس کے بالمقابل شیطان کی ہر بات میں جھوٹ دھوکہ اور ہر وعدے میں فریب ہی فریب ہے۔ اور بروز قیامت وہ اپنا فریب خود ہی ظاہر کر دے گا۔

(آیت نمبر۱۲۳) نہ تو خالی تمہاری آرزوؤں سے کچھ ہوگا۔ نہ اہل کتاب کی آرزوؤں سے ان کی نجات ہوگی کامیابی تو ایمان و عمل سے نصیب ہوگی۔

فائدہ: آرزو سے مراد خیالی پلاؤ بنانا کہ ہم عاشق رسول یا محبّ علی ہیں۔ نہ نماز ہو نہ روزہ۔ اور اپنے آپ کو جنتی کہیں جیسے یہود کہتے ہیں کہ جنت میں صرف ہم ہی جائیں گے۔ ہمیں عذاب نہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خیالی باتوں کا نام ایمان نہیں ہے۔ بلکہ ایمان کی علامت عمل صالح ہے ورنہ بہت ساری قومیں اپنے بخشے ہوئے ہونے کے دعوے کر رہے ہیں (کہ ہمیں نیک اعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم بخشے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ اچھی چیز ہے لیکن وہ رحمت بھی عمل صالح سے ہی حاصل ہوگی)۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ رحمت حق پر امید کی سچی علامت عمل صالح ہیں۔ ورنہ خیالی باتوں سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور یہ عقدہ مرنے کے بعد کھلے گا۔ آگے فرمایا کہ جس نے برا عمل کیا وہ اس برائی پر سزا دیا جائے گا۔ جلدی یا دیر سے۔ **حدیث شریف**: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ دنیا میں کیسے سزا ہوگی۔ تو فرمایا کہ تمہیں کیا غم لاحق نہیں ہوتا۔ یا کوئی بیماری یا مصیبت نہیں آتی۔ عرض کی ضرور آتی ہے۔ فرمایا یہ وہی سزا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول پر ہم روتے ہوئے بارگاہ نبوت میں پہنچے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو عمل کرے گا نیک مرد ہو یا عورت اور ہو وہ مسلمان پس وہی

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

داخل ہوں گے جنت میں اور نہیں زیادتی کئے جائیں گے تل برابر

(بقیہ آیت نمبر۱۲۳) اور عرض کی یا رسول اللہ اس آیت نے ہمارے طوطے اڑا دیئے۔ فرمایا کہ بس تم سیدھی راہ پر چلتے رہو۔ اور نیک کام کرتے رہو۔ اور حد سے تجاوز نہ کرنا۔ اس نفس کو نیکی پر لگانے کی پوری کوشش کرو۔ یہ کہیں تمہیں پریشان کر کے نیکی نہ چھڑا دے۔ آگے فرمایا اگر برے عمل کرو گے تو اللہ کے سوا کسی کو اپنا حمایتی اور مددگار نہیں پاؤ گے۔ عشق رسول کے خشک دعویدار ضرور اس آیت کو بار بار پڑھیں۔ دعویٰ عشق و محبت کا کریں اور آقا کی سنت پر عمل اور ان کی اطاعت میں اس قدر سستی۔ کہ نماز اور دیگر نیک اعمال کی فرصت ہی نہیں۔ یہ کیسی بے جوڑ بات ہے؟

(آیت نمبر۱۲۴) اور جو بھی نیک عمل کرے گا۔ خواہ مرد ہے یا عورت یا مذکر سے مراد قلب اور مونث سے مراد نفس ہے یعنی دل و جان سے اور اخلاص سے نیک عمل کریں گے۔ وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو حق کے سوا سب طرف سے آنکھ بند رکھے۔ یہاں جنت سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور وصال مراد ہے۔ ایسے نفس سے کہا جائے گا۔ اے نفس مطمئن چل واپس اپنے رب کی طرف راضی بہ رضا۔ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ کہ اعمال کی قبولیت کیلئے ایمان شرط اول ہے۔ اگر معمولی غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا۔ جب تک عمل کرنے والے میں صفت ایمان نہ ہو۔ اس سے عمل صالح ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ہو جائے تو قبول نہیں ہوتا۔ ایمان ہی وہ قوت ہے جو ہر نیک عمل کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیتی ہے۔

خادم دو قسم ہیں:

۱۔ ایک وہ جو حق خدمت ادا نہیں کرتا۔ لیکن تمام نعمتوں میں اپنے حقوق جتلاتا رہتا ہے۔

۲۔ دوسرا وہ جو اپنے مالک کی خدمت میں جان کھو دیتا ہے۔ لیکن نعمت حاصل نہیں کرتا۔

ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے نمبر۱: جو ہے وہ تو انتہائی رذیل ہے۔ اور دوسرا اعلیٰ مرتبے والا ہے۔ تو جو خالص عمل کر کے لائے گا۔ اس کے عمل میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائیگی۔ نہ ان کے درجات میں کمی ہوگی نہ انعامات میں کمی ہوگی اور نہ قربت میں نقص ہوگا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ

اور کس کا زیادہ اچھا ہے دین اس سے جس نے جھکا دیا اپنے آپ کو اللہ کیلئے اور وہ نیکی کرنے والا ہے اور چلا دین

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

ابراہیم پر جو ہر باطل سے جدا تھا اور بنایا اللہ نے ابراہیم کو گہرا دوست

(آیت نمبر ۱۲۵) اور کس کا دین زیادہ اچھا ہوگا۔ اس شخص سے بڑھ کر جس نے سونپ دیا اپنی ذاتکو اللہ کیلئے۔ یعنی اپنے آپ کو بس اللہ ہی کے حوالے کر دیا۔ اس میں کسی اور کا حق نہ رکھا۔ نہ اسے خالق و مالک ماننے میں اور نہ اپنی عبودیت و تعظیم کے اظہار میں۔ اس حال میں کہ وہ نیکی کرنے والا ہے اور برے اعمال سے بھی بچتا ہے۔

فائدہ: حضور ﷺ نے احسان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تو خدا کی یوں عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو نہیں دیکھ رہا۔ تو پھر یہ یقین رکھ کہ وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اسلام میں دو چیزیں ہیں:

۱۔عقیدہ۔ ۲۔عمل۔ ان دونوں کا ہونا مسلمان کیلئے ضروری ہے۔

اسلم وجهه میں عقیدہ کا بیان اور وهو محسن میں عمل صالح کا بیان ہے یعنی بندہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام جو اس پر لازم ہیں۔ انہیں پورے خشوع خضوع سے بجالائے۔ آگے فرمایا اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر چلتا رہے۔ اس لئے کہ تمام دینوں والے ان کی ملت و دین پر متفق ہیں۔ باقی ادیان میں غلط اور صحیح پایا جاتا ہے۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام کے دین کو خاص کر کے بیان کیا گیا ہے۔ کہ سب دینوں سے منہ پھیر کر دین ابراہیمی کی پیروی کرے۔ اور اللہ نے اس ترغیب کے ساتھ فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس نے اپنا خاص دوست بنایا۔ یعنی اپنی دوستی کے لئے ان کا انتخاب فرمایا۔ صاحب منار فرماتے ہیں۔ خلیل اس حبیب اور محبّ پر بولا جاتا ہے۔ کہ جس کے دل میں اپنے محبوب کی محبت ایسی رچ بس جائے۔ کہ کسی دوسرے کی محبت کی اس کے دل میں گنجائش ہی نہ رہے۔

خلیل کا عقیدہ: ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مصری دوست کو پیغام بھیجا کہ کچھ آٹے کی بوریاں ہمیں بھیج دیجئے جب اس تک پیغام پہنچا تو اس نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے لئے مانگتے تو ضرور بھیجتا۔ انہوں نے مہمانوں کیلئے کہا ہے۔ اس لئے میں آٹا نہیں دیتا۔ پیغام لے جانے والے نے خالی ہاتھ واپس جانا بھی اچھا نہ سمجھا تو وہ بوریاں ریت سے بھر کر لے گیا۔ واپسی پر اس نے ابراہیم علیہ السلام کو تمام ماجرا بھی سنا دیا۔ تو ابراہیم علیہ السلام سخت پریشان ہوئے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ؏ ﴿۱۲۶﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور ہے اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۵) اسی پریشانی میں آنکھ لگ گئی۔ ادھر مائی سارہ رضی اللہ عنہا نے بوریاں دیکھ کر سمجھا کہ آٹا آ گیا ہے۔ بوری کھولی تو اس میں آٹا ہی تھا۔ آپ نے روٹی پکائی۔ اتنے میں ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے۔ روٹی کی خوشبو سونگھ کر حیران ہوئے۔ تو بی بی سارہ نے فرمایا کہ یہ آپ کے مصری دوست نے جو آٹا بھیجا ہے۔ اس سے پکائی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ مصری دوست کی طرف سے نہیں۔ بلکہ رب خلیل کی طرف سے آیا ہے۔ اس وقت سے آپ کا نام خلیل ہو گیا۔ جو رب تعالیٰ پہ بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کیلئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں فرماتے ہیں۔ محبت کا جو مقام محبوب خدا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا وہ اتنا بلند ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کی سوچ بھی وہاں نہیں پہنچ سکتی۔

(آیت نمبر ۱۲۶) اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں یا زمین میں ہے یعنی آسمانوں میں یا زمین میں جو کچھ بھی ہے۔ اس کا صرف اللہ تعالیٰ ہی خالق و مالک ہے اور کوئی بھی نہیں۔ آگے فرمایا کہ ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرنے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت تمام اشیاء کو محیط ہے۔ ان اشیاء کی ابتداء و انتہاء خدا ہی جانتا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ اور پھر مجھے بھی خلیل بنایا۔ اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو خلیل بناتا۔ تو اپنے یار ابوبکر صدیق کو بناتا۔ لیکن میرے اسرار کو رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (صحیح بخاری فضائل صحابہ)

شان خلیل: حدیث میں ہے ایک دفعہ ابراہیم علیہ السلام کا بہت بڑا مال مویشی جس میں پانچ ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں تھیں۔ فرشتے دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور مال مویشی کی نگرانی کرنے والے کتوں کے گلے میں سونے کے پٹے دیکھے تو ایک فرشتہ بصورت انسان ریوڑ کے قریب آیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی یوں تعریف کی: "سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح" تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے رب کی تعریف دوبارہ کر تجھے میں اپنا نصف مال دے دونگا۔ اس نے پھر یہی الفاظ دوہرائے تو آپ نے پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ پھر یہی کلمات دوہراؤ تو یہ۔ سارا مال تمہارا ہے۔ اس فرشتے نے پھر اپنے رب کی تسبیح کے کلمات دوہرائے تو فرمایا کہ یہ سب مال اللہ تعالیٰ کے نام پر تو لے جا تو فرشتے نے کہا اے ابراہیم واقعی تم خلیل ہو۔ خلیل کی یہی شان ہوتی ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى

اورفتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں فرمادو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے ان کے بارے میں اور جو پڑھا جاتا ہے

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ

تم پر قرآن میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں کہ نہیں تم دیتے ان کو جو مقرر کیا گیا ہے ان کیلئے

وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا

رغبت رکھتے ہو کہ تم نکاح کرو ان سے اور کمزور بچوں کے بارے میں اور یہ کہ تم قائم رہو

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

یتیموں کیلئے انصاف پر اور جو بھی تم کرو گے کوئی نیکی پس بے شک اللہ ہے اس کو جاننے والا

(آیت نمبر ۱۲۷) آپ سے عورتوں کی وراثت کے متعلق یہ فتویٰ پوچھتے ہیں۔

جاہلیت کے دور میں عرب لوگ عورتوں اور یتیم بچوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے۔ کہ نہ انہیں میراث میں حصہ ملتا۔ اور نہ شادی کے معاملے میں ان کا کوئی اختیار رہوتا تھا۔ اسلام نے وراثت کے معاملے میں جو اصلاحات کیں اس کا ذکر اس سورۃ کی ابتداء میں کر دیا گیا ہے۔

شان نزول : عیینہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں سوال کیا۔ کہ کیا آپ ہر میت کی لڑکی اور اس کی بہن کو وراثت میں حصہ دار بناتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو وراثت صرف ان کو ملتی ہے۔ جو مرد ہوں اور وہ جنگ میں شریک ہوں اور مال غنیمت حاصل کریں۔ عورت چونکہ جہاد میں شریک نہیں ہوتی اس لئے وراثت میں بھی حصہ دار نہیں ہو سکتی تو آپ نے فرمایا کہ ہم عورتوں کو وراثت میں حق دار جانتے ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ اے محبوب ان سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان (عورتوں) کے متعلق حکم دیتا ہے۔ اس میں جو تم پر تلاوت کیا جا رہا ہے۔ یعنی قرآن مجید میں دیگر ورثاء کی طرح کہ وہ یتیم بچے اور عورتیں کہ تم فرض شدہ حقوق جیسے وراثت وغیرہ جو تم انہیں نہیں دیتے اور تم اگر چہ ان سے نکاح کی بھی رغبت رکھتے ہو۔ ان کے حسن و جمال یا کثرت مال کی وجہ سے۔ ان سے برتاؤ اچھا کرو۔ ان کے حقوق کا بھی خیال رکھو۔ اور انہیں وراثت میں شریک رکھو۔

اگر تو وہ یتیم لڑکی حسینہ یا مالدار ہوتی یا صاحب جائیداد ہوتی۔ پھر تو اس کی لالچ میں نکاح کیلئے لڑ مرتے۔ لیکن اگر وہ خوبصورت نہ ہوتی یا مفلس ہوتی تو پھر اس کی طرف دیکھتے بھی نہ تھے۔ (یتیموں کے مسائل کو بھی پیچھے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے)۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کمزور بچوں کے بارے میں بھی تمہیں حکم فرماتا ہے چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ چھوٹے بچوں کو بھی وراثت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ وہ صرف بڑے مردوں کو حقدار سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ بڑے مرد حضرات ہی عورتوں اور بچوں کے کفیل ہوتے ہیں۔ لہٰذا بڑوں کو ہی وراثت میں شریک رکھا جائے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ تم یتیموں کے مال کے بارے میں انصاف پر قائم رہو۔ جیسے قرآن میں بیان ہوا۔ کہ نہ ان کا مال لے کر حلال و حرام کو مکس کرو اور نہ جلدی جلدی کھا کر ختم کرو۔ آگے فرمایا کہ جو بھی تم نیکی کرو گے۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور اسی کے مطابق بروز قیامت جزاء بھی ہوگی۔

سبق: اس لئے عقل مند کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلتے ہوئے غیروں کے مال خصوصاً یتیموں کے مال کھانے سے بچے۔ بلکہ ان یتیموں پر جتنا ہو سکے اپنے پاس سے خرچ کرے۔ تا کہ قیامت کے دن اس کا اسے بہترین اجر ملے۔

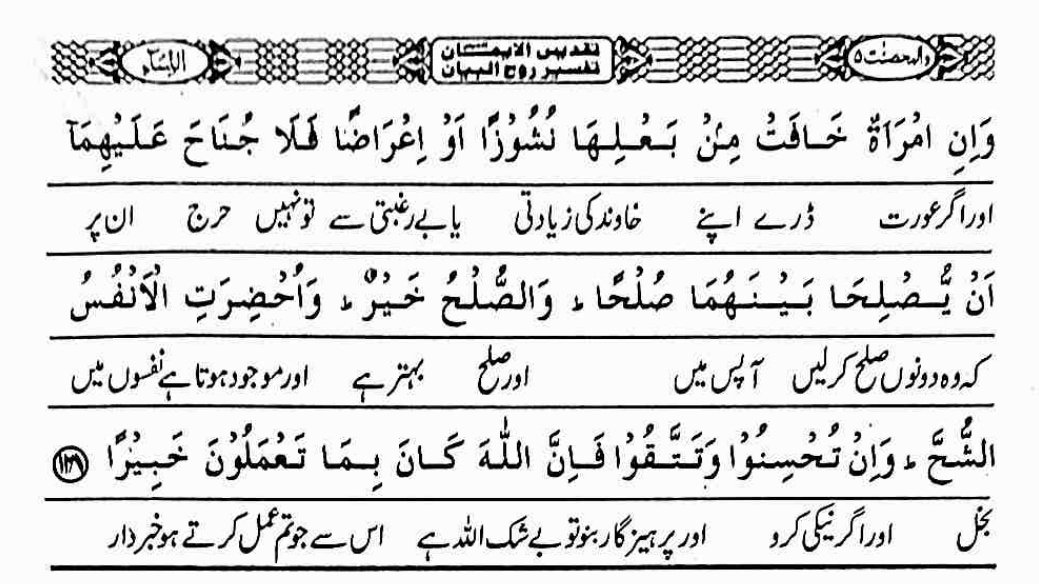
جھوٹے کی علامت: حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو تین باتوں کا تین چیزوں کے بغیر دعوی کرے وہ جھوٹا ہے:

۱۔ جنتی ہونے کا دعوی کرے۔ مگر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے گریز کرے۔

۲۔ جو اللہ کی محبت کا دعوی کرے۔ مگر جن کاموں سے اللہ نے منع کیا۔ ان سے پرہیز نہ کرے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوی کرے مگر یتیموں اور مساکین سے پیار نہ کرے۔

حکایت: ایک عورت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دکان پر کپڑا خریدنے آئی۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کیلئے ایک انتہائی قیمتی خوبصورت کپڑا نکالا۔ جس کی قیمت چار سو درہم تھی۔ اس عورت نے اپنی کمزوری بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ میری بیٹی ہے میں اسے نکاح میں دینا چاہتی ہوں۔ لہذا یہ کپڑا آپ مجھے اتنے میں دیں جتنے میں آپ کو پڑا ہے تو آپ نے فرمایا پھر آپ اس کے چار درہم دے دیں تو اس نے کہا آپ کیوں میرے ساتھ مزاح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ معاذ اللہ میں مزاخیں کرنے والا نہیں ہوں۔ اس کپڑے کی اصل رقم مجھے مل چکی ہے۔ اب اتنے ہی بقایا ہیں۔ وہ آپ دے دیں تو وہ انتہائی خوش ہوئی کپڑا لیا اور دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔



وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ

اوراگرعورت ڈرے اپنے خاوند کی زیادتی یا بے رغبتی سے تو نہیں حرج ان پر

اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ

کہ وہ دونوں صلح کرلیں آپس میں اور صلح بہتر ہے اور موجود ہوتا ہے نفسوں میں

الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

بخل اور اگر نیکی کرو اور پرہیزگار بنو تو بے شک اللہ ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو خبردار

(آیت نمبر ۱۲۸) اور اگر عورت ڈرے خاوند سے کہ وہ اسے جدا کردے گا۔ اور وہ اس بات کو ناپسند سمجھتی ہے۔ اور اپنے حقوق ضائع نہیں کرنا چاہتی یا وہ ڈرتی ہے۔ اس کی بے رخی سے کہ وہ اس سے بولتا ہی نہیں یا اس سے قربت نہیں کرتا۔ کہ اس کے اندر مندرجہ ذیل وجوہات پائے جاتے ہیں۔ جن کی بناء پر خاوند طلاق دینا چاہتا ہے۔ اور عورت اس خاوند کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ تو اسے چاہئے۔ کہ مہر کم کردے یا معاف کرکے یا جس بات پر خاوند خوش ہو۔ وہ کرکے خاوند کے ساتھ صلح کرے۔

اعراض کی وجوہ:

۱۔ چھوٹی عمر۔ ۲۔ بدصورتی۔ ۳۔ دائم المریض ہونا۔
۴۔ بدخلق ہونا۔ ۵۔ بلاوجہ منہ چڑھائے رکھنا۔
٦۔ طعن وتشنیع کرتے رہنا۔ ۷۔ بانجھ ہونا۔ ۸۔ بدمزاج ہونا

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ خویلد بنت محمد بن سلمہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ان کا نکاح سعد بن ربیع سے جوانی میں ہوا جب ان پر بڑھاپا آ گیا۔ تو سعد نے ایک نوجوان عورت سے نکاح کرلیا۔ اور اسی سے پیار والفت رکھ لی۔ اور خویلد سے بے رخی اور زیادتی شروع کردی۔ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور اس بارے میں خاوند کی شکایت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دونوں (بیوی خاوند پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں صلح کرلیں۔ کسی بات پر مثلاً بیوی شوہر کو حق مہر معاف کردے یا خاوند کے ساتھ طے کرکے اپنی باری خاوند کی پسندیدہ بیوی کو بخش دے۔ جیسے

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جب بوڑھی ہوئیں۔ اور حضور ﷺ نے انہیں جدا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیش کردی انہیں پتہ تھا۔ کہ عائشہ حضور کی محبوبہ ہیں۔ اس سے حضور ﷺ کا دل خوش ہوگیا۔ اور انہیں جدا بھی نہ کیا۔ آگے فرمایا کہ صلح ہی میں بھلائی ہے۔ یعنی طلاق دینے سے کئی قسم کی برائیوں کے احتمال تھے۔

ابدال کیسے بنتا ہے:

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی ابدال بننا چاہے تو وہ اپنے اندر چھوٹے بچوں والی عادات پیدا کرے: مثلاً

۱۔ بچے اپنے رزق کے پیچھے نہیں دوڑتے (بلکہ رزق خود ان کے پاس آتا ہے)۔

۲۔ بیماری میں خالق پر شکوہ نہیں کرتے۔ بلکہ صبر کرتے ہیں۔

۳۔ مل کر کھانا کھاتے ہیں۔

۴۔ لڑ پڑیں تو حد سے نہیں بڑھتے۔

۵۔ جلدی ہی صلح بھی کر لیتے ہیں۔

آگے فرمایا۔ نفسوں میں بخل تو ہمہ وقت موجود رہتا ہے کہ نہ عورت اپنے حقوق معاف کرتی ہے۔ نہ مرد معاف کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے عیب جوئی میں لگے رہتے ہیں۔ اور ہر ایک اپنے فائدے سے دست بردار ہونے میں بہت بخیل ہے۔

شیطان کی حضرت نوح علیہ السلام کی نصیحت:

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ ایک دن شیطان کی ملاقات جناب نوح علیہ السلام سے ہوئی۔ اس نے نصیحت کے انداز میں کہا۔ کہ جناب حسد اور لالچ سے بچ کر رہنا۔ کیونکہ میں نے آدم علیہ السلام سے حسد کیا تو مجھے جنت سے نکالا گیا۔ اور لعنت کا طوق بھی میرے گلے میں ڈال دیا گیا۔ اور آدم علیہ السلام کو جنت میں دانہ کھانے سے منع کیا گیا۔ تو انہوں نے اس کی حرص کی اور کھالیا۔ تو وہ بھی جنت سے نکالے گئے۔ معلوم ہوا یہ دونوں چیزیں بہت بری ہیں۔

آگے پھر فرمایا کہ اے شوہرو۔ تم عورتوں پر احسان کرو۔ اپنی عالی ظرفی کا مظاہرہ کرو انہیں اپنے پاس رکھو اور ان سے اچھا سلوک کرو۔ اور ان پر ظلم کرنے سے بھی بچو۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ یعنی اچھے کام کرنے پر تمہیں وہ اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا

اور ہر گز نہیں برابری کر سکو گے درمیان عورتوں کے اور اگر حرص کرو تو نہ جھک جاؤ

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ

پوری طرح جھکنا کہ چھوڑ دو اس دوسری کو مثل لٹکی ہوئی کے اور اگر نیکی اور پرہیزگاری کرو تو بے شک

اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

اللہ ہے بخشنے والا مہربان

(آیت نمبر ۱۲۹) اور تم عورتوں میں پوری طرح تو عدل وانصاف قائم نہیں رکھ سکتے۔ یعنی عورتوں میں سے کسی نہ کسی کی طرف جھکاؤ تو ضرور ہوگا۔ حضور ﷺ انتہائی عدل وانصاف کے باوجود فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ جو میرے اختیار میں ہے وہ تو میں نے کیا لیکن جو تیرے اختیار میں ہے (کہ کسی سے زیادہ محبت) اس میں مواخذہ نہ فرمانا۔ کیونکہ حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت فرماتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تمہیں کسی ایک سے حرص ہے۔ تو تم پوری طرح اسی کی طرف نہ جھک جاؤ۔ یعنی اسی کے ہو کر نہ رہ جاؤ۔ کہ دوسری کو تم پوچھو ہی نہیں۔ جہاں تک ہو سکے تم عدل وانصاف کرو بیویوں کے درمیان۔ جو تمہارے بس میں نہیں اس پر پکڑ بھی نہیں ہوگی۔ لیکن جو بات تمہارے بس میں ہے وہ تو کرو۔ یہ غلط ہے کہ تم ایک کو لٹکا ہوا چھوڑ دو۔ کہ نہ تم اسے کھانے وغیرہ کا پوچھو اور نہ اس کو طلاق دو کہ وہ کسی اور جگہ نکاح کرا سکے اور نہ تمہارے ساتھ زندگی گذار سکے۔

حکایت: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں۔ ان کے ساتھ عدل وانصاف کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک بیوی کی باری پر دوسری کے گھر میں وضو بھی نہیں کرتے تھے۔ آگے فرمایا کہ اگر تم اپنی اصلاح کرلو۔ یعنی سابقہ جو غلطیاں ہو گئیں وہ اب دور کر دو۔ اور اب صلح کرلو کہ آئندہ ایسی غلطی کرنے سے بچو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ سب خطاؤں کو بخشنے والا۔ اور اپنے فضل وکرم سے تم پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق پر قائم رہو۔ اور جہاں تک ہو سکے دو بیویوں میں انصاف کرو اگرچہ یہ بات تمہارے بس سے باہر ہے۔ کہ ہر ایک کام کو تم من کل الوجوہ پوری طرح ادا کر سکو۔ لیکن ایسا بھی نہ ہونے پائے کہ کچھ دن پوری کوشش کرو پھر پوری طرح ادا نہ کر سکو اور تھک کر چھوڑ ہی دو۔ لہٰذا اتنا ہی کرو۔ جتنا تمہارے اختیار میں ہے۔ اور جو صحیح ادا کر سکو۔

وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر جدا ہو جائیں تو بے نیاز کر دیگا اللہ ہر ایک کو اپنی کشائش سے اور ہے اللہ کشائش والا حکمت والا

(آیت نمبر ۱۳۰) اور اگر دونوں جدا ہو جائیں۔ یعنی آپس میں صلح کی کوئی صورت نہ بن سکے۔ اور نوبت جدائی تک آ گئی۔ تو اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک دوسرے سے بے پرواہ کر دے گا۔ اپنی قدرت کی وسعت سے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعتوں اور حکمتوں والا ہے۔ یعنی اس کے ہر کام میں کئی کئی حکمتیں ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے اس جدائی میں بھی حکمتیں ہوں یہ بھی ہوسکتا ہے۔ دوسری جگہ رشتے میں سکون میسر آ جائے۔ اور سابقہ حالت سے بہتری آ جائے۔ اس لئے اس میں زیادہ غمگین ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ حکم الٰہی کے آگے جھکا رہے۔ عورتوں کے معاملے میں عدل وانصاف سے کام لے۔ ان پر ظلم وزیادتی کرنے سے باز رہے۔ ورنہ بروز قیامت جان بچانا مشکل ہو جائیگا۔

قیامت میں مواخذہ:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب کوئی مرد یا عورت اللہ کے حضور تمام انسانوں کے سامنے پیش ہوں گے۔ تو اعلان ہوگا کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے۔ اس نے جس کسی کا حق دینا ہو۔ وہ آ کر لے جائے تو حق حاصل کرنے والے خواہ اپنے قریبی ہوں یا غیر ہوں خواہ اولاد ہو یا بیوی وغیرہ وہ حق لینے پہنچ جائیں گے۔ اس پر انہوں نے یہ آیت پڑھی "فلاانساب بینھم یومئذ" (یعنی اس دن نسب وغیرہ نہیں چلے گا) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان کے حقوق پورے کرو۔ (جو دنیا میں ادا کرنے تھے اور نہ کئے) وہ کہے گا۔ اب میں کیسے ادا کروں۔ جبکہ میرے پاس کچھ نہیں۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوگا۔ کہ اس کی نیکیاں حق داروں کو دی جائیں۔ اگر کوئی نیکی بچ گئی۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بڑھا کر اسے جنت بھیج دے گا۔ پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے وہ آیت پڑھی۔ "ان تک تلك حسنة فيضاعفها" اگر ایک نیکی ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھائے گا۔ اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر پیش ہونے والا بندہ بے عمل ہوا۔ تو فرشتے عرض کریں گے کہ اس کی نیکیاں تو ہیں ہی نہیں۔ حقداروں کو کیا دیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ حق والوں کے گناہ اس پر ڈال کر اسے جہنم رسید کر دو۔

سبق: اس سے وہ لوگ سبق حاصل کریں۔ جو لوگوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کرتے ہیں۔ ان کے حق مارتے ہیں۔ اور پھر اپنے پاس عمل بھی کوئی نہیں رکھتے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور البتہ تحقیق تاکید کی ہم نے ان کو جو دیئے گئے

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ

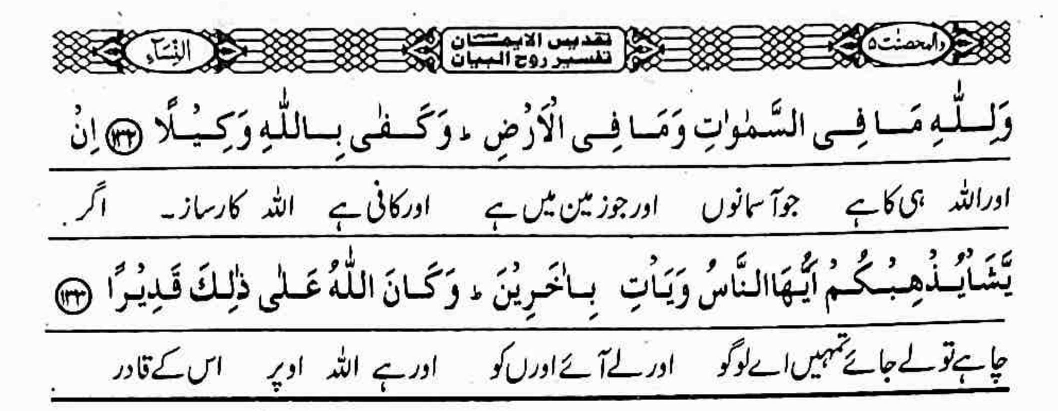
کتاب تم سے پہلے اور خاص تمہیں بھی کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر کفر کرو گے تو بے شک اللہ ہی کا ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور ہے اللہ بے نیاز تعریفوں والا

(آیت نمبر ۱۳۱) اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے۔ یعنی سب چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے۔

صوفیاء کی سوچ: نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مافی السموات" سے مراد۔ جنت الماوی۔ اور جنت الفردوس کے بلند درجات ہیں۔ اور "مافی الارض" سے دنیا کی نعمتیں اور زیب وزینت ہے۔ یہ سب اشیاء بندوں کیلئے ہیں لیکن ان پر ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ آگے فرمایا۔ البتہ تحقیق ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی وصیت فرمائی۔ یعنی یہود ونصاریٰ کو بھی حکم دیا تھا۔ اور اے امت محمد مصطفیٰ تمہیں بھی کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو۔ ورنہ اگر تم نے کفر کیا۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ زمین وآسمان میں جو کچھ بھی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ تمہارے کفر سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور نہ تمہارے شکر کرنے سے اس کا کوئی فائدہ ہوگا۔ تقوے کا حکم اس لئے دیا ہے۔ تاکہ تم پر مزید اس کی رحمت ہو۔ یہ بھی اس کی رحمت ہے۔ ورنہ اسے ان باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے کہ اسے مخلوق کی عبادات وغیرہ کی کوئی حاجت نہیں اور تعریفوں والا ہے کہ ہر چیز اس کا ذکر کر رہی ہے۔ اور اس کی تعریف کر رہی ہے۔ **فائدہ:** امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حمید اس لئے ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ یا وہ ذاتی طور پر حمید ہے۔ خواہ کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ۔ بندہ بھی حمید ہو سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے عقائد واعمال اچھے ہوں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تعریف میں لگا رہے۔ تو پھر وہ بھی قابل تعریف بندہ بن جاتا ہے۔ مخلوق میں سب سے زیادہ حمید حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ کہ پوری دنیا کے مسلمان ان پر کثرت سے درود پڑھتے ہیں۔ بلکہ کئی کفار بھی ان کی طرف کرتے ہیں۔ سکھوں اور ہندوؤں نے حضور ﷺ کی شان میں قصیدے لکھی ہیں۔



وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ

اوراللہ ہی کا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز۔ اگر

يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو اور لے آئے اوروں کو اور ہے اللہ اوپر اس کے قادر

(آیت نمبر۱۳۲) اللہ ہی کا ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ یہ کلمہ جتنی بار لایا گیا ہے۔ ہر بار میں اس کے اندر نئے فائدے چھپے ہوئے ہیں۔ اور فرمایا کہ کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز (سب کاموں کے بنانے والا)۔ پوری کائنات کو بنا دیا۔ اسی کے حکم سے بظاہر چل رہا ہے۔

(آیت نمبر۱۳۳) اے لوگو۔ اگر وہ چاہے۔ تو وہ تم سب کو لے جائے۔ یعنی فنا کر کے نیست و نابود کر دے۔ اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے۔ یعنی دوسرے انسان پیدا فرمائے یا نئی مخلوق ہی لے آئے۔ یہ سب اس کیلئے آسان ہے۔ (جیسے جنوں کو نکال کر تمہیں زمین پر آباد کر دیا)۔

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ وہ تمہاری عبادات وغیرہ کا محتاج نہیں۔ اگر تمہیں عبادت کا حکم دیا ہے۔ تو اس لئے کہ دنیا بھی تمہاری اچھی ہو اور آخرت بھی اچھی ہو۔ اس آیت میں نافرمانوں کو زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ یعنی ایسا قدرت والا ہے۔ کہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ **حدیث قدسی:** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بڑا صابر کوئی نہیں۔ کہ لوگوں سے ایذا اور تکلیف دہ باتیں سن کر بھی صبر کرتا ہوں یہاں تک کہ کوئی میرے لئے اولاد ثابت کرتا ہے۔ کوئی میرا شریک ٹھہراتے ہیں۔ لیکن پھر بھی میں اس پر صبر کر کے انہیں قسم قسم کی نعمتیں پہنچاتا ہوں۔ اور ان کے رزق میں کمی بھی نہیں کرتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۸۰۴)

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

(سعدی)

یعنی اے اللہ تو دشمنوں پر بھی نظر رحمت رکھے ہوئے ہے۔ دوستوں کو کہاں محروم کرے گا۔

فائدہ: گناہ گاروں کو جلد سزا اس لئے نہیں دیتا تا کہ انہیں توبہ کرنے کا موقع مل جائے پھر وہ قیامت کے دن یہ نہ کہے کہ مجھے موقع نہ دیا گیا۔ ورنہ میں توبہ کر کے نیک ہو جاتا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ

جو ارادہ کرے کہ بدلہ ملے دنیا میں تو نزدیک اللہ کے بدلہ دنیا اور آخرت دونوں کا ہے

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ؏ ﴿۱۳۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ

اور ہے اللہ سننے دیکھنے والا۔ اے ایمان والو ہوجاؤ قائم رہنے والے

بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ

انصاف کے ساتھ گواہی دینے اللہ کیلئے اگرچہ برخلاف ہو اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خواہ اگر

يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

ہوں امیر یا غریب پس اللہ زیادہ حقدار ان سے نہ پیچھے خواہشات کے پڑو کہ حد سے تجاوز کرو

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اور اگر تم ہیرپھیر کرو یا منہ پھیرو تو بے شک اللہ ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو خبردار

(آیت نمبر۱۳۴) جوشخص دنیا میں ہی بدلہ چاہتا ہے۔ جیسے جہاد کرنے والا صرف مال غنیمت کا طالب ہو۔ آخرت کا طالب نہ ہوا سے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو دنیا کا بدلہ بھی ہے اور آخرت کا ثواب بھی ہے۔ اسی لئے دعا میں یوں کہنا چاہئے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة" اے اللہ ہمیں دنیا اور آخرت کی بھلائیاں عطا فرما۔ لیکن جو سب کچھ دنیا میں ہی چاہتا ہے۔ اسے دنیا میں تو مل جاتا ہے۔ لیکن اسے آخرت میں کوئی حصہ رحمت کا نہیں ملے گا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے یعنی سب کی غرض کو جانتا ہے۔

سبق: مومن کو چاہئے کہ وہ ریا کاری سے بچے اور عمل میں اخلاص پیدا کرنے کی پوری کوشش کرے اور نیکی کرنے کے بعد رضا الٰہی کے بغیر کوئی مقصد نہ رکھے۔

(آیت نمبر۱۳۵) اے ایمان والو انصاف پر قائم رہنے والے ہو جاؤ۔ یعنی تمام معاملات میں عدل وانصاف کی

پوری کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ کے لئے گواہ بن کر۔ یعنی گواہی دیتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہی مقصود ہو۔ خواہ تمہیں اپنے ہی خلاف گواہی دینی پڑے۔ یعنی وہ گواہی خواہ تمہارے ہی خلاف ہو۔

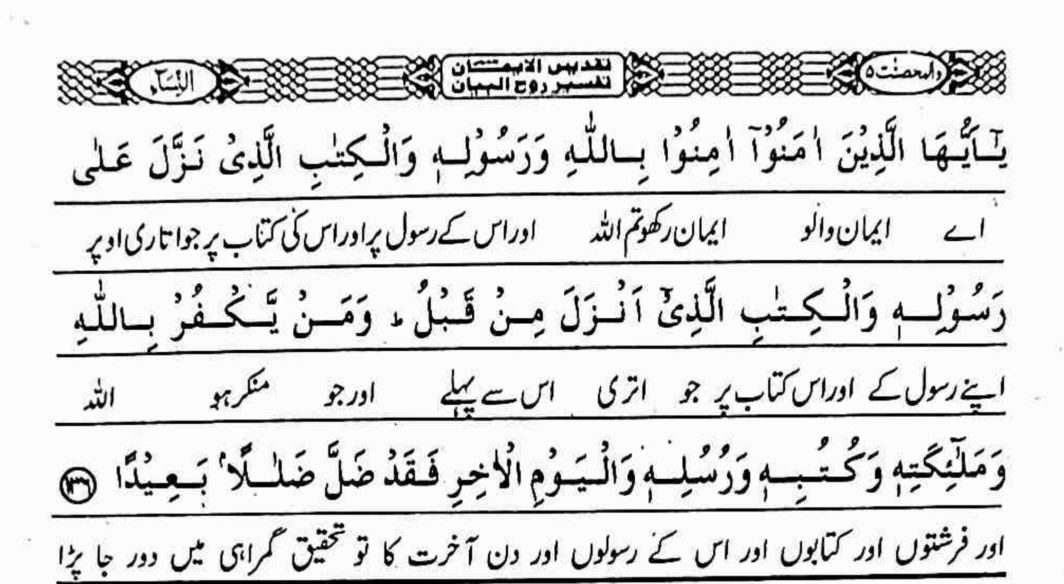
اپنے خلاف گواہی دینے سے گریز اپنی ذات کو نقصان پہنچتا ہے۔ تب بھی پرواہ نہ کرے۔ اور اگر ماں باپ یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے۔ یعنی اس کی گواہی دینے سے ماں باپ یا رشتہ داروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ تب بھی کسی سے ڈرے بغیر ضرور جا کر گواہی دے کیونکہ گواہی چھپانا گناہ کبیرہ ہے۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ ماں باپ کے خلاف گواہی دینے سے نافرمانوں کے زمرے میں نہیں آتا۔

مسئلہ : ماں باپ کے حق میں بیٹے کی اور بیٹے کے حق میں ماں باپ کی گواہی مردود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو زکوۃ بھی نہیں دے سکتے۔ آگے فرمایا کہ اگر چہ جس کے خلاف گواہی ہو۔ امیر ہو یا غریب کسی کی پرواہ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غنی کوئی بھی نہیں۔ لہذا رضاء جوئی کرنی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء جوئی کرو۔

آگے فرمایا کہ عدل وانصاف قائم کرنے کیلئے اپنی خواہشات پر مت چلو۔ کہ کہیں حق سے پھر نہ جاؤ۔ اگر تم حق کا فیصلہ کرنے سے پھرو گے۔ اور باطل کی طرف داری کرو گے۔ یا کسی لالچ کی وجہ سے تم گواہی دینے سے ہی اعراض کرو گے۔ تو پھر یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ یعنی اس کی سزا بھگتنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

حدیث شریف: جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے گواہی ضرور دینی چاہئے اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ حق والے کا حق ادا کرے انکار نہ کرے۔ بلکہ ادائیگی میں جلدی کرے۔ الخ۔ (ریاض الصالحین)



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى

اے ایمان والو ایمان رکھو تم اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اتاری اوپر

رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ

اپنے رسول کے اور اس کتاب پر جو اتری اس سے پہلے اور جو منکر ہو اللہ

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اور فرشتوں اور کتابوں اور اس کے رسولوں اور دن آخرت کا تو تحقیق گمراہی میں دور جا پڑا

(آیت نمبر ۱۳۶) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کتاب پر بھی ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی۔ اور اس کتاب پر بھی جو اس سے پہلے نازل ہوئی۔

فائدہ: یہاں یا تو مراد ہے کہ ایمان پر ہمیشہ قائم رہو۔ یا مراد ہے کہ اجمالی ایمان کے بعد تفصیلی ایمان لاؤ۔

مسئلہ: سابقہ کتابوں پر ایمان لانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے احکام پر بھی عمل کرو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ سابقہ کتب اور شریعتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھو۔ کہ وہ برحق ہیں۔ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ لیکن اب وہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ اب ان پر عمل نہیں کر سکتے۔

فائدہ: بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حکم منافقین کو دیا جا رہا ہے۔ کہ اے منافقو دکھلاوے کے ایمان کے بجائے اب خالص ایمان لاؤ۔ یعنی تمہارا پہلے زبانی اقرار تھا اب دل سے اس کی تصدیق بھی کر لو۔ اور اس آیت کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو۔ اپنے حسن عمل سے اس کی تصدیق بھی کرو۔

شان نزول: یہ خطاب اصل میں اہل کتاب مسلمانوں سے ہے۔ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم آپ پر اور قرآن پر اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب پر ایمان لائے۔ اس کے علاوہ ہم کسی پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ تم سب نبیوں پر بھی ایمان لاؤ۔ اور تمام آسمانی کتابوں پر بھی ایمان لاؤ۔ اس لئے کہ کچھ نبیوں یا کچھ آسمانی کتب کے نہ ماننے سے سب کا انکار بنتا ہے۔ لہٰذا آگے فرمایا کہ جو منکر ہوگا اللہ اور فرشتوں کا کتابوں اور رسولوں کا اور روز قیامت کا۔ یعنی اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرتا ہے۔ تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ایمان کا ذکر پہلے ہوا۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی۔ کہ ملائکہ یا قیامت کے انکار سے بھی آدمی کافر ہو جائے گا۔ لہٰذا جن جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان کا انکار ہرگز نہ کیا جائے۔

15

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ

بے شک وہ جو ایمان لائے پھر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر اور بڑھ گئے کفر میں تو پھر نہیں

يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ

ہے کہ اللہ بخشے ان کو اور نہ دکھائے انہیں سیدھی راہ۔ خوشخبری دو منافقوں کو

بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ

کہ بے شک ان کیلئے عذاب ہوگا دردناک۔ وہ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست

دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ ﴿۱۳۹﴾

سوائے مومنوں کے کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے ہاں عزت تو بے شک عزت اللہ کیلئے ہے ساری

(آیت نمبر ۱۳۷) بے شک وہ جو ایمان لائے (مومنین موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں) پھر کافر ہوئے بچھڑے کی پوجا کرکے۔ پھر ایمان لائے پوجا سے توبہ کرکے پھر کفر میں بڑھے۔ یعنی حضور ﷺ کی نبوۃ کا انکار کرکے بڑھتے ہی چلے گئے۔ تو ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کا کوئی ارادہ نہیں کہ انہیں بخشے۔ جب تک کہ وہ کفر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرۃ بھی نہیں فرمائے گا۔ اور نہ وہ انہیں سیدھی راہ دکھائے گا۔ یعنی انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق نہیں ملے گی۔ بلکہ انہیں کفر کی سزا میں ہی رکھ کر ذلیل رسوا کرے گا۔ یہ قدرت کا قانون ہے کہ کافر جب مسلمان ہوتا ہے۔ تو اس کے پہلے گناہ جو بھی بحالت کفر کئے وہ سب بخش دیئے جاتے ہیں۔ اور مومن کوئی اگر (معاذ اللہ) مرتد ہوتا ہے۔ تو اس کا پہلا کفر اس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اور جو بخشش ہو چکی تھی وہ بھی واپس ہو جاتی ہے۔

(آیت نمبر ۱۳۸) منافقوں کو خوشخبری سنا دو بجائے اس کے کہ کہا جائے انہیں ڈراؤ۔ یا انہیں بتا دو اس کے بجائے انہیں بطور تہکم کے بَشِّر فرمایا یعنی منافقوں کو بتا دو کہ بے شک ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ایسا لفظ کہو کہ جو ان کے دلوں میں جا کر اثر کریگا۔ یہ آیت بھی منافقوں کے بارے میں ہے۔ اس لئے کہ وہ بظاہر ایمان لائے ہیں۔ لیکن ان کے دل منکر ہیں۔ اور اسی انکار پر ہی اصرار کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۳۹) آگے اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ وہ ہیں کہ جو کافروں کو اپنا ولی

جلد-2

دوست بناتے ہیں۔ یعنی وہ یہودیوں کو اپنا مددگار بناتے ہیں۔ مومنین مخلصین کو چھوڑ دیتے ہیں اور کافروں خصوصا یہودیوں سے دوستی کا تعلق جوڑ لیتے ہیں۔ منافقین کی یہی پالیسی رہی کہ وہ ایک دوسرے کو بتاتے تھے۔ کہ حضور حضرت محمد ﷺ کی دوستی کا نام نہ لیا کرو۔ اس لئے کہ حالات کا کوئی پتہ نہیں۔ لہٰذا ہر ایک کو بتاؤ۔ ہم یہود کے دوست ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا کافروں (یہودیوں) سے دوستی ومحبت کر کے کوئی عزت یا قوت وغلبہ چاہتے ہو۔

منافقین جب دیکھتے کہ مسلمانوں کے پاس کیا ہے۔ نہ ان کے پاس کوئی دولت نہ حکومت نہ شان وشوکت اور ہر روز دشمنوں کے حملوں کی زد میں رہتے ہیں۔ اور اسی سیلاب میں ان کے بہہ جانے کا خدشہ ہے لہذا یہودیوں سے تعلقات قائم رہنے چاہئیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ کفار سے دوستی کرنے والو کفار کے ساتھ دوستی اور محبت کا کیا فائدہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ذلیل ہو چکے ہیں۔ جو خود ذلیل ہو وہ دوسروں کو کیا عزت دے گا۔ آگے فرمایا کہ بے شک تمام عزت وغلبہ فتح ونصرت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ یعنی منافقین سراسر غلطی پر ہیں۔ اور ان کی امیدیں بھی خاک آلود ہیں۔ آگے فرمایا۔ عزت اللہ کیلئے اس کے رسول کیلئے اور اہل ایمان کیلئے ثابت ہے۔ اگر عزت وغلبہ چاہئے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دروازے پر آنے سے ملے گی۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۶) آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے فرشتوں کا ذکر کیا۔ پھر رسولوں کا اس لئے کہ فرشتے ہی تو اللہ تعالیٰ کا پیغام رسولوں تک لاتے رہے۔ لہذا جو ان کا منکر ہے۔ وہ بھی مسلمان نہیں۔ یعنی مذکورہ میں سے کسی کا منکر وہ ایسا گمراہ ہے کہ سیدھی راہ سے وہ بہت دور جا پہنچا۔ جس کی واپسی بہت مشکل ہے۔

مسلمان کا عقیدہ: یہ ہو کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ جس کی وہ عبادت کرے۔ اور اسے دلائل وبراہین سے مانے۔ اگرچہ مقلد کا ایمان بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قابل قبول ہے لیکن دلائل وبرہان سے ماننا اعلیٰ ایمان ہے۔ مثلاً یہ سوچے کہ ایک چھوٹی چیز بغیر بنانے والے کے نہیں بنتی۔ تو اتنا بڑا کارخانہ کائنات بغیر بنانے والے کے کیسے بن گیا۔ ضرور اس کے پیچھے کوئی بنانے والا ہے۔

حکایت: بایزید بستامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک کافر سے لوگوں نے کہا کہ ایمان لے آؤ۔ تو اس نے کہا کہ اگر تو بایزید والا ایمان کہتے ہو تو وہ مجھ سے نہیں ہو سکتا ہے۔ اور میں دل سے ان کو مانتا ہوں۔ کہ ان کا ایمان اصل ایمان ہے۔ لیکن اگر تمہارا خیال ہو کہ میں تمہارے جیسا ایمان لاؤں تو یقین رکھو۔ مجھے ایسے ایمان کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ تمہارے قول وفعل میں ہی تضاد ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا

اور تحقیق اتار دیا تم پر کتاب میں کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جائے

وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ

اور ان کی ہنسی بنائی جائے تو نہ بیٹھو ساتھ ان کے یہاں تک کہ مشغول ہو جائیں کسی بات اور میں

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ ﴿۱۴۰﴾

بے شک تم پھر ان ہی جیسے ہو گے بے شک اللہ ملانے والا ہے منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں اکٹھا کر کے

(آیت نمبر ۱۴۰) اور تحقیق نازل ہو چکا کتاب میں۔ **شان نزول**: مفسرین فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ کی عادت تھی کہ اپنی مجلسوں میں قرآن کریم کی آیات کا ذکر چھیڑ کر ہنسی و مذاق کیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ یا ہر مسلمان سے فرمایا کہ جب وہ آیات کے ساتھ ہنسی مزاق میں پڑتے ہیں۔ تو تم وہاں سے دور ہٹ جایا کرو۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ یہودیوں نے یہی اپنا مشغلہ بنا رکھا تھا۔ اور منافقین ان کے ساتھ بیٹھتے۔ تو مسلمانوں کو کہا گیا کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے۔ یا ان پر استہزاء ہو رہا ہے۔ تو تم ان کافروں یہودیوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور مشغلہ میں لگ جائیں۔ یا کسی اور گفتگو میں مشغول ہوں۔ تو پھر ان کے پاس وعظ ونصیحت کی غرض سے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن آیات سے مزاخ کر رہے ہوں اس وقت ان کے ساتھ مت بیٹھو۔ اگر بیٹھو گے تو فرمایا کہ تم بھی ان ہی کی مثل ہو گے۔ یعنی پھر ان کے ساتھ عذاب کے تم بھی مستحق ہو گے۔ اور کفر میں بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ کفر کی مجلس میں بیٹھنے والے کفر کے ساتھ اکٹھے ہوئے تو عذاب میں بھی اکٹھے ہوں گے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ بروز قیامت تو اسی کے ساتھ ہو گا۔ جس سے تجھے محبت ہے۔ (رواہ البخاری: ۶۱۶۹۔ مسلم: ۲۶۴۰)

فائدہ: دنیا میں جس کو جس سے پیار رہا۔ آخرت میں اسی کے ساتھ ہو گا۔ تو جو دنیا میں کافروں سے محبت پیار کرتے ہیں۔ کل بروز قیامت ان ہی کے ساتھ ان کا حشر ونشر ہو گا۔ اس لئے قرآن میں بار بار کفار کی دوستی سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا۔ **حکایت**: یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف وحی آئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں آپ کی امت کے ساٹھ ہزار بد بخت اور چالیس ہزار نیک لوگ عذاب میں ڈالنے والا ہوں۔ نیک اس لئے کہ انہوں نے میری خاطر برے لوگوں سے علیحدگی کیوں نہ اختیار کی۔ اگر الگ ہو جاتے تو عذاب سے بچ جاتے۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ج فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ

اور وہ جو انتظار کرتے ہیں تمہارا کہ اگر ہوئی تمہیں فتح اللہ کی طرف سے پھر کہیں گے کہ کیا نہیں

نَكُنْ مَّعَكُمْ ز صلے وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ لا قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ

تھے ہم تمہارے ساتھ اور اگر ہو جائے کافروں کا حصہ تو ان کو کہیں گے کیا نہیں غالب آ گئے تھے

عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ

تم پر اور ہم نے تمہیں بچایا مسلمانوں سے پس اللہ فیصلہ فرمائے گا تمہارے درمیان دن

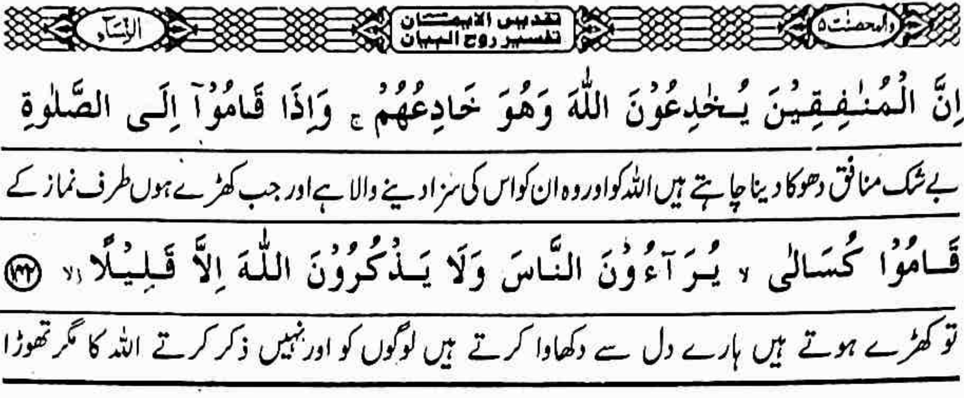
الْقِيٰمَةِ ط وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ع ﴿۱۴۱﴾

قیامت کے اور ہر گز نہیں دے گا اللہ کافروں کو اوپر مسلمانوں کے کوئی راہ

(آیت نمبر ۱۴۱) وہ منافق جو تمہارے متعلق انتظار میں رہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و نصرت اور کامیابی اور مال غنیمت سے نوازے۔ تو پھر تمہیں کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ یعنی ہم نے بھی تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ لہذا غنیمت میں ہمارا حصہ ہمیں دو۔ لیکن اگر کافر کا نصیب ہو جائے یعنی کافروں کو کچھ کامیابی ملے۔ تو کافروں کی لنگوٹی جا پکڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے ہی تو تمہیں مسلمانوں پر غلبہ دلایا ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری طرف داری کر کے تمہیں مسلمانوں سے بچایا۔ اور ہم نے ہی مسلمانوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر تم پر حملہ کرنے سے روکا۔ ورنہ وہ تمہیں سخت مار دیتے۔ لہذا جنگ میں جو کچھ تمہیں ملا ہے۔ اس میں سے ہمارا حصہ بھی نکالو۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم (مسلمانوں اور منافقوں) میں قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا۔ یعنی مومن کو اچھی جزا اور منافق کو سخت سزا دیگا۔ اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر کافروں کو کوئی راہ نہیں دیگا۔ اگر سچے مومن ہوئے تو دنیا میں بھی کافروں پر غالب ہوں گے۔ اور بروز قیامت بھی مسلمانوں کو کافروں پر فوقیت حاصل ہوگی۔

۱۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ مومن سے کئے ہوئے وعدے پورے فرمائے گا۔ انہیں جنت کی لذیذ نعمتیں عطا فرمائے گا ان میں کفار کو شریک نہیں کرے گا۔ جیسے دنیا میں شریک ہیں۔ تو کفار کیلئے وہ بڑا ذلت کا مقام ہوگا۔

۲۔ سبیل سے مراد حجت ہے۔ یعنی مسلمانوں کی حجت تمام مذاہب پر غالب ہے۔ دلیل کے ساتھ مسلمانوں پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔



اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ

بے شک منافق دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور وہ ان کو اس کی سزا دینے والا ہے اور جب کھڑے ہوں طرف نماز کے

قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

تو کھڑے ہوتے ہیں ہارے دل سے دکھاوا کرتے ہیں لوگوں کو اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑا

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۱)

۳۔ سبیل کا معنی یہ بھی ہے کہ کفار کا اہل اسلام پر کوئی چارہ کارگر نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ان کے مکر وفریب کا وبال اور اس کی سزا انہیں ہی ملے گی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے نصیب میں حق کیا ہے۔ اس لئے حق والوں کی مدد بھی ضرور ہوگی۔ اور اہل باطل کے نصیب میں دنیا آخرت میں ذلت وخواری ہے۔ لہذا وہ ذلیل ہونگے

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ دینی معاملات کو ہمت سے پورا کرے۔ باطل سے نہ گھبرائے کیونکہ باطل جتنا جلدی ابھرتا ہے۔ اتنا ہی جلد ختم بھی ہو جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۴۲) بے شک منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ اپنے طور پر سمجھتے ہیں۔ ہمارے مکر چکر کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا۔ یعنی اللہ سے بھی دھوکہ جیسا طریقہ اپناتے ہیں۔ کہ ظاہراً وہ اپنا مومن ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن دلوں میں کفر چھپایا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی آخرت میں ان سے ان ہی جیسا معاملہ کرے گا۔ کہ جنت کا دروازہ کھلا دیکھ کر دوڑیں گے کہ جنت میں داخل ہو جائیں کہ اچانک جہنم میں گر جائیں گے اور جہنم کے بھی سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ "خسر الدنیا والآخرۃ" ہو جائیں گے۔ آگے فرمایا: کہ جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوں تو کھڑے ہوں گے بڑی سستی کے ساتھ جیسے کوئی مجبوراً کھڑا ہوتا ہے۔ چونکہ دل سے تو نماز پڑھنی نہیں ہوتی۔ اس لئے نماز کو بوجھ سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف لوگوں کو دکھانے کیلئے تاکہ لوگ انہیں بڑا مومن سمجھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں۔ یعنی جب لوگ دیکھ رہے ہوں۔ تو تسبیح لیکر شروع ہو جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ اسے بڑا نیک آدمی سمجھیں۔ اور دکھاوے کیلئے ذکر وفکر شروع کر دیتے ہیں۔

فائدہ: مدعیان اسلام آج کل کے (ٹھگ پیر) عرصہ دراز تک ان کے ساتھ رہو۔ نہ کوئی ذکر نہ تسبیح۔ نہ تہلیل۔ دنیوی باتوں سے تھکتے بھی نہیں۔ ذکر الٰہی کا نام بھی نہیں (بلکہ اکثر وہ ہیں کہ خلوت میں نماز تک نہیں پڑھتے)

اور جب لوگوں کے سامنے نکلتے ہیں۔ تو رنگ برنگے جبے اور تسبیح کے ساتھ۔ تا کہ پتہ چلے کہ حضرت اندر بھی یہی کچھ کرتے رہے۔ آگے فرمایا کہ وہ اسی تذبذب ہیں ہیں۔ جیسے کوئی کسی معاملے میں حیران وسرگردان ہو کہ نہ وہ ادھر کا نہ ادھر کا ہو۔ یعنی نہ وہ اہل ایمان کے ساتھ نہ مشرکوں کی طرف۔ اسی لئے ان کو نہ مومن کہا گیا نہ مشرک بلکہ منافق (جیسے مرد وعورت کے درمیان والی جنس کھسرا ہوتا ہے)۔

منافق کی مثال: حضور نبی کریم ﷺ نے کافر۔ مومن اور منافق کی مثال یوں ارشاد فرمائی کہ یہ تینوں اس نہر پر پہنچیں تو مومن تو چھلانگ لگا کر نہر کو عبور کر جائے۔ اور کافر کنارے پر کھڑا رہے۔ یعنی پانی میں داخل ہی نہ ہو۔ اس ڈر سے کہ کہیں ڈوب ہی نہ جاؤں۔ اور منافق چھلانگ تو لگا دے۔ لیکن درمیان میں غوطے کھاتا رہے۔ مومن اسے بلائے کہ ادھر آ جاؤ تو کامیاب ہو گے۔ پیچھے سے کافر بلائے کہ واپس آ جا ورنہ ڈوب کر مر کھپ جائے گا۔ اب وہ منافق دونوں طرف کی سن کر بڑا حیران سرگرداں ہے کہ اب کیا کرے نہ آگے جاتا ہے نہ پیچھے کی طرف مڑتا ہے۔ ادھر پانی نے زور کیا وہ اسی پانی میں ڈوب کر مر جائے اور موجوں میں ہی بہہ جائے۔

ہر کہ سازد نفاق پیشہ وخویش
خوار گردد نبرد خالق ومخلوق

یعنی وہ اپنا طریقہ منافقت والا رکھتا ہے۔ لہذا وہ خالق ومخلوق دونوں میں ذلیل وخوار رہتا ہے۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ منافقین دنیا میں اللہ تعالیٰ سے دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتے ہین۔ وہ اصل میں ازلی طور پر محروم لوگ ہیں۔ چونکہ ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح پر اپنا نور ڈالا۔ وہ نور جن جن روحوں پر پڑا انہیں ایمان نصیب ہوا اور جس پر جتنا زیادہ پڑا وہ اتنا ہی زیادہ کامل مومن بنا۔) اور جن پر بالکل نہیں پڑا وہ کافر ہوئے وہ بالکل ازلی محروم ہوئے۔ لیکن منافقین نے دیکھا تو ہے۔ مگر ان پر وہ نور پڑا نہیں۔ انہیں دھوکہ یہ ہوا کہ ان پڑا ہے۔ مگر وہ محروم رہے۔ نور دیکھنے کی برکت یہ ہے کہ نماز کیلئے کھڑے ضرور ہوتے ہیں۔ مگر وہ نور انہیں ملا نہیں۔ اس لئے سستی اور بوجھ سمجھ کر اٹھتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے ان سے بچائے۔ اور اصلی نمازی بننے کی توفیق عطا فرمائے۔)

اور ریاکاری سے نماز ادا کرتے ہیں۔ اور ذکر کرتے ہی نہیں اگر کرتے بھی ہیں تو بہت تھوڑا اور وہ بھی زبانی اور دکھلاوے والا۔ اسی طرح نماز پہلے تو پڑھتے نہیں۔ اگر پڑھتے ہیں۔ تو بادل نخواستہ جماعت میں شریک ہو جاتے ہیں۔ تو ان میں اخلاص کی بوتک نہیں ہوتی۔ بس لوگوں کو دکھانے کیلئے آیا اور پہلی صف میں بیٹھا اور سب کو بتایا۔



مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ

ڈگمگارہے ہیں — درمیان اس کے — نہ ادھر کے رہے — اور نہ ادھر کے رہے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

اور جسے گمراہ کرے اللہ تو ہرگز نہیں تو پائے گا اس کیلئے کوئی راہ

جوں ہی امام نے سلام پھیرا۔ یار لوگوں نے جوتے اٹھائے اور بھاگ کر مسجد سے نکل گئے۔ یعنی نماز کے بعد ذکر، دعا درود وغیرہ ان کے نصیب میں ہی نہیں۔ یہی چیزیں تو مومن اور منافق میں فرق پیدا کرتی ہیں۔ چونکہ ان کے دل غافل ہوتے ہیں۔ بزرگوں نے قلبی تھوڑے ذکر کو کثرت سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی جو ذکر پوری توجہ اور اخلاص سے ہو وہ کثیر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی ذکر کثیر ہی پسند اور مقبول ہے۔ منافق جتنا بھی ذکر کریں۔ وہ قلیل ہے کیوں کہ اس کا ذکر صرف لسانی ہوتا ہے۔ اور اللہ والوں کا ذکر کثیر ہے۔ اس لئے کہ ایک تو وہ دل سے ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ وہ ایک ایک دن میں ستر ہزار۷۰ اور اسی ہزار مرتبہ تک کلمہ شریف کا ورد کر جاتے ہیں۔ چونکہ ان کا سینہ ازلی نور سے کھل گیا ہے۔ ایسا ذکر والا تھوڑا ذکر بھی کر لے۔ تو وہ بھی بہت زیادہ ہے۔ چونکہ منافقین اس نور کے مشاہدہ اور نور خلقیہ کے درمیان ہی متردد ہیں۔ اس لئے وہ نہ ادھر ہیں نہ ادھر ہیں۔ درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ جسے اللہ گمراہ کرے۔ یعنی جسے نور ہی نہ ملے اور دوسری جگہ فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے نور حقیقی ازلی سے محروم رکھا۔ تو اسے کبھی بھی نور کی طرف کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

فائدہ: یہی چیز مسلمان اور منافق میں تمیز پیدا کرتی ہے۔ مسلمان نماز سے فارغ ہو کر ذکر الٰہی۔ کلمہ شریف، درود شریف اور دعاؤں میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور منافق نماز ختم ہوتی ہی جوتے اٹھا کر بھاگنے والا کام کرتا ہے۔ اور کلمہ اور درود دعا کرنے والوں کو بدعتی ہونے کا فتویٰ دے جائیگا۔ حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن مسجد میں ایسا ہے جیسے پانی میں مچھلی اور منافق مسجد میں جیسے پرندہ پنجرے میں (مشکوۃ شریف، باب المساجد) کہ وہ چاہتا ہے۔ کہ پنجرے سے نکلوں اور بھاگوں۔ اللہ ایسے لوگوں سے بچائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو دوست سوائے ایمان والوں کے

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

کیاتم چاہتے ہوکہ تم کرلو اللہ کیلئے اپنے اوپرکوئی حجت واضح بےشک منافق

فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ ﴿۱۴۵﴾

اس طبقہ میں ہونگے جوسب نیچے دوزخ میں اور ہرگز نہیں تو پائے گا ان کا کوئی مددگار

(آیت نمبر۱۴۴) اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست سوائے ایمان والوں کے۔ جیسے منافقین نے یہودیوں کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔ ایسے ہی دوسرے کفار کو جو اسلام کے دشمن ہیں۔ تم انہیں دوست نہ بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کو واضح دلیل بنالو۔ کہ واقعی تم بھی ان منافقوں کی طرح ہو جو یہودیوں کے دوست ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی وہ حجت قائم نہ کرو۔ کہ وہ تمہارے لئے عذاب کا حکم دے۔ اس لئے کہ تمام حکم احکام اسی کے تابع ہیں۔

(آیت نمبر۱۴۵) بےشک منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ جسے ھاویہ بھی کہتے ہیں۔

تفصیل: جہنم کے سات درجے ہیں۔ انہیں درکات بھی کہتے ہیں سب اوپر نیچے ہین۔ اسی طرح جنت کے بھی درجات ہیں۔ دونوں کے درجات میں فرق یہ ہے کہ جنتی عمل میں جتنا آگے ہوں گے۔ اتنا ہی جنت کے اونچے درجے میں چلا جائیگا۔ اور جہنمی جتنا گناہگار زیادہ ہوگا۔ اتنا نچلے درجے میں جائیگا۔ منافق سب سے زیادہ جرم والا ہے۔ لہذا وہ سب سے نچلے درجے میں ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ الدرک الاسفل کیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ جہنمیوں کے سیاہ کالے مکان ہیں۔ جن میں منافقین کو بند کر کے ان میں ان کو عذاب ہوگا چونکہ دنیا میں (۱) ان کا کفر۔ (۲) دین سے ٹھٹھا مزاخ۔ (۳) مسلمانوں سے تمسخر کرتے رہے۔ اس لئے انہیں باقی کفار سے زیادہ سخت عذاب دیا جائے گا۔

منافق دو قسم ہیں:

۱۔ **منافق فی العقیدہ:** یہ وہ منافق ہے جو اپنے ایمان کو ظاہر کرتا ہے۔ اور دل میں کفر چھپا رکھتا ہے۔

۲۔ **منافق فی العمل** : وہ ہے جو فسق و فجور کرے اسے منافق سے مشابہت دے کر زجراً کافر بھی کہا گیا۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔

اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا۔ جس میں تین باتیں پائی جائیں وہ منافق ہے۔ خواہ وہ نماز روزہ بھی کرے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے: (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۲) وعدہ خلافی کرے۔ (۳) اور امانت میں خیانت کرے۔ (مشکوۃ شریف)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ منافق کون ہے تو فرمایا کہ منافق وہ ہے کہ جو اسلام کی تعریف تو اتنی زیادہ کرے کہ زمین آسمان سے ملا دے لیکن اسلام پر عمل نہ کرے۔ (اس قسم کے منافقین آج کے زمانے میں بھی بے حساب پائے جاتے ہیں)

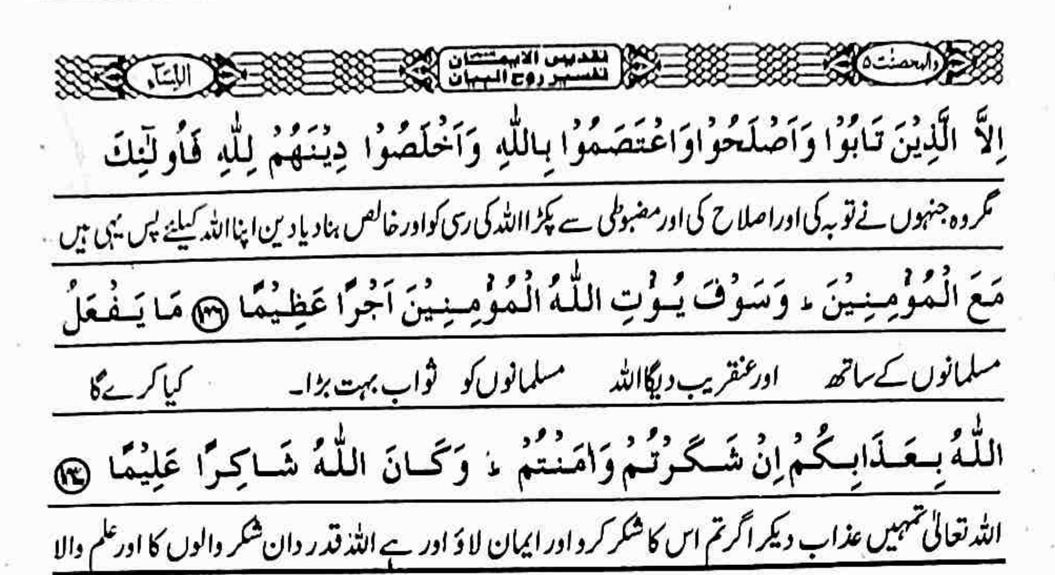
خوارج بھی منافقین کا دوسرا نام ہے:

۱۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ منافقت ایک زمانے میں اتنی پھیلی کہ گویا پوری دنیا پر وہی چھا گئی۔ جب اس کے ہاتھ میں تلوار آئی۔ تو کوئی اس کے ظلم سے نہ بچا۔ اس سے ان کی مراد خارجی گروہ اور حجاج تھا۔

۲۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے۔ اگر ساری دنیا کے منافقین حجاج کے سامنے آئیں۔ تو حجاج کی منافقت کا وزن سب سے زیادہ ہو۔ (یعنی مسلمانوں پر ظلم و ستم پوری دنیا کے منافقوں کا اکٹھا کیا جائے پھر بھی حجاج کا ظلم ان سے بڑھ جائے)۔ آج کے دور میں دہشت گردان خوارج کا بقیہ ہیں۔

۳۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ تین گروہوں کو بروز قیامت سخت ترین عذاب ہوگا۔ ان میں (۱) منافقین۔ (۲) مائدہ والے کافر: جنہوں نے کہا تھا کہ اگر ہمارے لئے آسمان سے کھانا تیار آئے۔ تو ایمان لائیں گے اور آپ کی نبوت کی تصدیق کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر انکار کیا تو ایسا عذاب دونگا۔ جیسا اس سے پہلے کسی کو عذاب نہ دیا گیا ہو۔ (۳) فرعون اور اس کے چیلے: جنہیں کہا جائیگا اے فرعونیو۔ داخل ہو جاؤ۔ سخت ترین عذاب میں۔

فائدہ: اب بات واضح ہوگئی کہ عذاب کی تکلیف میں سب برابر نہیں ہوں گے۔ کسی کا عذاب کم کسی کا زیادہ ہوگا۔ خواہ جہنم میں وہ ایک جگہ ہوں۔ تکلیف میں فرق ہوگا۔ جیسے صفراوی اور سوداوی مزاج دونوں دھوپ میں ہوں تو صفراوی مزاج والے کو دھوپ میں زیادہ تکلیف ہوگی بہ نسبت سوداوی مزاج والے کے۔ آگے فرمایا کہ ہرگز تو نہیں پائے گا کوئی مددگار کہ جو عذاب سے بچائے یا جہنم کے نچلے درجے سے اوپر کو لے آئے۔



إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ

مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور مضبوطی سے پکڑا اللہ کی رسی کو اور خالص بنا دیا دین اپنا اللہ کیلئے پس یہی ہیں

مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾ مَا يَفْعَلُ

مسلمانوں کے ساتھ اور عنقریب دیگا اللہ مسلمانوں کو ثواب بہت بڑا۔ کیا کرے گا

اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دیکر اگر تم اس کا شکر کرو اور ایمان لاؤ اور ہے اللہ قدر دان شکر والوں کا اور علم والا

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۵) **طبقات جهنم**: (۱)۔جہنم۔ (۲)۔لظی۔(۳)۔حطمہ۔(۴)سعیر(۵)سقر۔(۶)جحیم۔(۷)ھاویہ۔۔۔۔(اے اللہ دوزخ کی لو سے ہمیں محفوظ رکھنا)۔

(آیت نمبر ۱۴۶) مگر وہ جنہوں نے توبہ کی منافقت سے اور اپنی اصلاح کر لی یعنی منافقت کے تمام اسباب کو چھوڑا اور باطناً وظاہراً شریعت کے تمام احکام پر عامل بن جائیں۔(اور صرف یہی نہیں) بلکہ دین اسلام اور توحید کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں۔ اور اپنے دین کو خالص کریں صرف اللہ کیلئے۔ یعنی عبادات واطاعت محض رضاء الٰہی کیلئے کریں۔تو پھر یہ لوگ جن کے یہ اوصاف بیان ہوئے۔ مومنین مخلصین کے ساتھ ہوں گے۔ قیامت میں یا جنت میں ان کے درجات خالص مومنین کے درجات کے برابر ہوں گے۔ آگے فرمایا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ جس کے اندازے کو کوئی نہیں جانتا اور نہ ان کے اجر میں کوئی شریک ہو سکتا ہے۔

نکتہ: لفظ سوف وغیرہ امید اور طمع دلانے کیلئے آتا ہے۔ لیکن جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو پھر یقین کے معنی میں آتا ہے۔ کیونکہ وہ کریم ذات اپنے وعدے کو پورا ہی کرتا ہے۔ اس کے لئے شاید باید نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۱۴۷) کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر۔ اگر تم شکر کرو۔ اور ایمان لے آؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم پر غصے اور ناراض ہو کر۔ یا تمہیں جہنم میں ڈال کر کیا کرے گا۔ اگر تم اس کے شکر گذار مومن ہو جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں وہ عذاب نہیں دیگا۔ یہ معاملہ اس کی ذات سے محال ہے۔ اس لئے کہ وہ غنی ہے ذاتی طور پر۔ تم بس ایمان لے آؤ اور اس کی نعمتوں پر شکریہ ادا کر دو تو پھر اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی۔ کہ خواہ مخواہ تمہیں عذاب دے یہ اس کے کرم کے لائق نہیں ہے کہ وہ تمہیں ہر حال میں عذاب ہی دے۔ آگے فرمایا کہ ہے اللہ تعالیٰ شاکر کے شکر کو قبول کرنے

والا ہے یعنی جو بندہ حسن نیت سی نیک عمل کرتا ہے۔ تو وہ اپنے غایت کرم سے اسے قبول فرماتا ہے۔ اور اس سے کوئی چیز چھپی نہیں۔ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

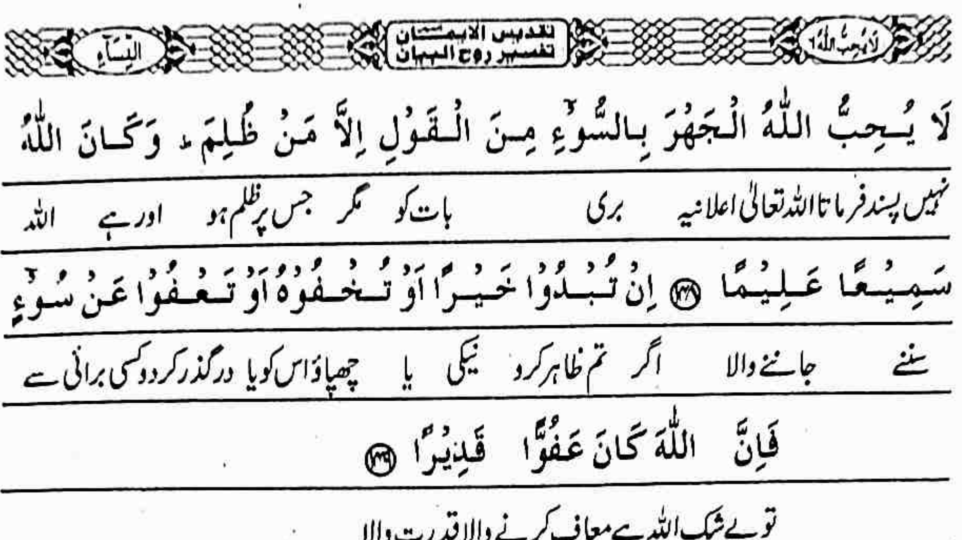
فائدہ: شکر کی نسبت اگر بندے کی طرف ہو تو پھر مطلب یہ ہے کہ بندے کو جو نعمت ملی اس کا اسے اعتراف ہے کہ کسی ذات نے اس پر مہربانی کی۔ تو وہ بصد عزت و احترام اس کا اظہار کرتا ہے اور اگر شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو پھر اس کا معنی رضا ہے۔ یعنی وہ ذات اپنے بندے کے اس عمل پر راضی ہے۔ اور فرمایا کہ وہ کریم اس کے شکر کو جاننے والا بھی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ تمہارے نیک اعمال کی اچھی جزاء نہ دے۔

سبق: لہٰذا حق والے پر لازم ہے کہ اللہ کیلئے زیادہ سے زیادہ خشوع خضوع کرے اور زیادہ سے زیادہ اس کی نعمتوں کا شکر کرے۔

فائدہ: شیخ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم میرے قرب کی نعمت کا شکر کرو گے تو میں تمہیں انس کی نعمت عطا فرماؤں گا۔ حضور مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب تمہیں نعمت کا ایک حصہ ملے تو اگلی نعمت کے نہ ملنے کے شکر سے نفرت نہ کرو۔ کیونکہ جو بندہ حاصل شدہ نعمت کا شکر نہیں کرتا۔ اُسے اگلی نعمتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

ایک اور تفسیر: یعنی اگر تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ جبکہ تم ان نعمتوں کے مستحق بھی نہ تھے۔ پھر بھی اس نے تم پر کتنا کرم کیا۔ اگر نعمت پر شکر کرو۔ تو پھر وہ کتنا مہربان ہوگا۔ جب تم نے نعمتوں پر رب کے احسان کا شکر کیا۔ اور نعمت دینے والے پر ایمان لائے۔ تو گویا تم نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پائی۔ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا شکر اس کی باقی نعمتوں کے شکر سے اہم ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ میرا شکر ادا کرو۔ "وکان اللّٰہ شاکرا علیما" یعنی اللہ تعالیٰ ازل سے ہی شکر کرنے والوں کو جاننے والا ہے کہ شکر کی وجہ سے شاکرین کو جزا دیتا ہے کیونکہ وہ شکر گذار ہیں۔ اور کفار کے کفر کی وجہ سے ان کو سزا دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ناشکرے ہیں۔

آج مورخہ ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۴ء بمطابق ۱۶ ذوالحج ۱۴۳۵ھ بروز جمعۃ المبارک بعد مغرب بمقام ایلزبری انگلینڈ میں پانچ پارے مکمل ہوئے۔ الحمد للّٰہ



(آیت نمبر ۱۴۸) نہیں پسند فرماتے اللہ تعالیٰ ظاہر برائی کو جو زبان سے ہو۔ جیسے گال گلوچ یا فحش کلام وغیرہ۔

فائدہ: پسند نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی یاوہ گوئی جس سے کسی کی ہتک عزت ہوتی ہو یا گناہ والی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو بندے کی ایسی بدکلامی (فحش گفتگو) بالکل ناپسند ہے۔ مگر وہ شخص کہ جس پر ظلم کیا جائے۔

مسئلہ: مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ اپنے اوپر کئے گئے ظلم کا ذکر لوگوں کو بتائے۔ تا کہ وہ اس کی فریاد سنیں اور مدد کریں۔ مثلاً یہ کہ فلاں شخص نے میرا مال یا مکان یا زمین غصب کی ہے۔ یا مجھے ظلماً مارا ہے تو یہ اس ضمن میں نہیں آتا

مسئلہ: زبان کی برائی سے مراد گال گلوچ ہے۔ اگر کسی نے گال دی ہے (اگر سن کر صبر کرے پھر تو بہت بڑا اجر پائے گا) ورنہ اس کو جواباً گال دے سکتا ہے۔ مگر اتنی جتنی اس نے دی۔ اس سے تجاوز نہ کرے۔ آگے فرمایا کہ ہے اللہ تعالیٰ سننے والا (مظلوم کی بات کو) اور جاننے والا ظالم کو۔ یعنی مظلوم کی مدد فرمائے گا۔ اور ظالم کو سزا دے گا۔

(آیت نمبر ۱۴۹) اگر تم نیکی ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ۔ خواہ زبان سے نیکی ہو یا بدن سے یا مالی طور پر۔ یا تم معاف کردو کسی کی برائی کو۔ اگر چہ تمہیں اس پر مواخذہ کا بھی حق ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی معاف فرمانے والا قدرت والا ہے۔ یعنی سب سے اعلیٰ بات یہی ہے کہ بندہ بدلہ لے سکنے کے باوجود معاف کردے۔ جیسے اللہ تعالیٰ بہت بڑی قدرتوں کا مالک بندے کے گناہ پر پکڑ سکنے کے باوجود وہ بندے کو معاف کر دیتا ہے۔ لہذا اصل بندہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے طریقے پر چلتے ہوئے۔ بندوں کے قصور معاف کردے۔ تو یہ اخلاق ربانی کی صفات میں سے ہے۔

مسئلہ: اس آیت کریمہ میں مکارم اخلاق کی عادت ڈالنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ مظلوم ظالم سے بدلہ لینے کے بجائے اسے معاف کر دیتا ہے تو یہ اس کے لئے بہت اچھا ہے۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاف فرمائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ

بے شک جو نہیں مانتے اللہ اور اس کے رسولوں کو اور چاہتے ہیں کہ جدائی کریں درمیان اللہ

وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ

اور اس کے رسولوں کے اور کہتے ہیں ہم مانیں گے کچھ کو اور انکار کریں گے کچھ کا اور چاہتے ہیں

اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ ﴿١٥٠﴾

کہ بنائیں درمیان اس کے کوئی راہ

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۹) **وضاحت**: اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی برائیاں اور رسوائیاں ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتا۔ البتہ ظالم کی برائی اور رسوائی کا واضح اظہار جائز ہے۔ وہ ظالم کہ جس کا لوگوں کو نقصان دینا اور ان سے دجل اور مکروفریب حد سے بڑھ گیا ہو۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ فاسق کے گناہ کو لوگوں پر افشاء کرو۔ تاکہ لوگ اس کے شر وفساد سے بچ جائیں (رواہ ابن ابی الدنیا)۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے: (۱) ظالم حاکم۔ (۲) سرعام فاسق وفاجر۔ (۳) بدعت سیئہ کا مرتکب (جو لوگوں کو غلط عقائد بتاتا ہے) (احیاء العلوم)۔ **فائدہ**: زبان ظاہراً تو یہ ایک چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا ہے۔ لیکن زیادہ تر گناہ اور برائیاں اسی سے ہی سرزد ہوتی ہیں۔ **حدیث شریف**: جہنم میں کثیر تعداد لوگوں کی اس زبان کی وجہ سے جائیگی (مشکوۃ شریف) اور ابوداؤد کی ایک **حدیث** میں فرمایا کہ بلاؤں کا آنا بولنے کے ساتھ معلق ہے۔ یعنی بہت زیادہ بک بک کرنے سے مصیبتیں آتی ہیں۔

(آیت نمبر ۱۵۰) بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کر کے کفر کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تفریق کریں اللہ اور اس کے رسولوں میں۔ یعنی اللہ کو تو مانیں اور رسولوں میں سے جس کو مرضی ہو مانیں۔ جس پر مرضی نہ ہو اسے نہ مانیں۔ جیسے یہودیوں نے کہا تھا کہ ہم جناب موسیٰ اور عزیر علیہما السلام کو اور توراۃ کو مانتے ہیں۔ اس کے سوا کسی کو بھی نہیں مانتے۔ یعنی نہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اور نہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو مانتے ہیں اور نہ قرآن کو مانتے ہیں۔ یہی مطلب ہے: "کفرو باللّٰه ورسله" کا اور وہ درمیانی راہ کی تلاش میں ہیں۔ **فائدہ**: تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ہر نبی اور رسول نے ہمارے پیارے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کا پرچار کیا۔ اور اس اسلام کے حق ہونے کی خبر دی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾

یہی کافر ہیں پکے اور تیار کیا ہم نے کافروں کے لئے عذاب رسوا کرنے والا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ

اور وہ جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہیں فرق کیا (ایمان میں) درمیان کسی ایک کے ان میں انہی کو

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۰) **مسئلہ**: کسی ایک نبی اور رسول کا انکار گویا تمام انبیاء و رسل کا بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھی انکار ہے۔ لہٰذا سب انبیاء کو فرداً فرداً ماننا فرض ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ کافر یہ چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے درمیان کوئی نیا راستہ بنالیں۔

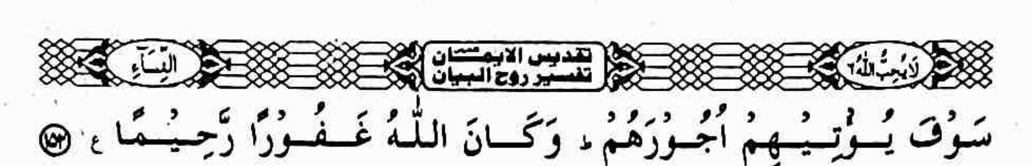
فائدہ: یاد رہے حق وہ حقیقت ہے کہ جس میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل ہونے کا دارومدار توحید اور انبیاء و رسل پر ایمان لانے سے ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ہی احکام لوگوں تک پہنچائے۔ اس لئے کسی ایک نبی کا انکار سب کا انکار اور کفر ہے۔

(آیت نمبر ۱۵۱) یہی لوگ بری صفات والے (جن کا پچھلی آیت میں ذکر ہوا) پکے کافر ہیں۔ خواہ وہ اپنے آپ کو مومن اور حق پر سمجھیں۔ یہ بات بالکل واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ ان کے کفر میں کوئی شک نہیں رہا۔ آگے فرمایا کہ ہم نے کافروں کیلئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ جس میں وہ جلد جائیں گے۔ اور اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ ذلیل و خوار کئے جائیں گے۔ **فائدہ**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مومن اپنے زعم و خیال سے نہیں بنتا۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جو اپنے آپ کو مومن کہے وہ مومن ہی ہوتا ہے۔ (منافق بھی تو اپنے آپ کو مومن ہی کہتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وما هم بمومنين" کہ وہ مومن نہیں ہیں)۔ مومن ہونے کیلئے چند شرائط ہیں۔ جس میں وہ پائی جائیں وہ مومن ہوتا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے جس کا گذشتہ آیت میں بیان ہوا کہ وہ کسی نبی کا انکار نہ کرے۔

نکتہ: جیسے حقیقی نبی کی نبوت انکار کفر ہے (اسی طرح بناوٹی نبی کا اقرار بھی کفر ہے) لہٰذا انبیاء کرام میں تفریق کا یہ مفہوم ہوا کہ سچے نبی کو مانے اور جھوٹے کا انکار کرے پھر تو ٹھیک ہے۔ اگر یہ ہو کہ کسی سچے نبی کو مانے اور کسی کو نہ مانے یہ کفر ہے۔ جو جہنم میں لے جائے گا۔

(آیت نمبر ۱۵۲) کفار کی وعید کے بعد اب مومن حقیقی کے وعدے کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔ کہ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان رسولوں میں فرق نہیں رکھتے۔ کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔ جیسے کفار کا طریقہ بیان ہوا۔ بلکہ وہ تمام برحق رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ کسی ایک کا بھی انکار نہیں کرتے۔



سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

عنقریب ان کو دے گا اللہ ان کے اجر اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ

سوال کرتے آپ سے اہل کتاب کہ اتار لاؤ ان پر کوئی کتاب آسمان سے تو تحقیق

ایسے ہی لوگوں کیلئے فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جو پکے مومن ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے اس ایمان لانے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ماننے پر ان کو اجر و ثواب دے گا۔ جس کا ان کے رب کریم نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ **فائدہ:** اس عبارت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ ان ایمانداروں کے اعلیٰ ایمان کی وجہ سے ان کے اعمال قبول ہوئے۔ لہذا ان کے ان اعمال کا انہیں اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے وعدہ کی تاکید ہے۔ کہ انہیں یقین ہو جائے کہ جو وعدہ کیا گیا۔ وہ پورا ہو کر رہے گا۔ خواہ جلدی ہو یا دیر سے ہو۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے یعنی جو ان سے زیادتیاں ہوئیں انہیں معاف فرمائے گا۔ اور ان پر بڑا ہی مہربان ہے کہ ان کی معمولی معمولی نیکیوں پر کئی گناہ زیادہ اجر و ثواب دینے والا ہے۔

نور ازلی کے چھینٹے سے جو محروم رہا: وہ دنیا میں بھی کفر میں رہا۔ اور قیامت کے دن بھی وہ کفر پر اٹھے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر پر حقا کی مہر لگا دی۔ اور جسے ازلی نور کے چھینٹے نصیب ہوئے۔ وہ لوگ در حقیقت مومن ہیں۔ جو قیامت کو بھی مومن ہی اٹھیں گے اور مومن ہی کہلائے جائیں گے۔

سبق :اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ اعمال کا دارو مدار خاتمے پر ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ خاتمہ کا اچھا ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت پر موقوف ہے۔ اللہ ہمیں بروز قیامت ہدایت یافتہ لوگوں میں اٹھائے۔ آمین یا رب العالمین

(آیت نمبر ۱۵۳) سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اتار لائیں ان پر کتاب آسمان سے۔

شانِ نزول : کعب بن اشرف چند یہودیوں کو ساتھ لے کر آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اے محمد ﷺ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ ہمارا آپ سے ایک چھوٹا سا سوال ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان سے کتاب لے آئیں۔ تو ہم مان لیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ ان یہودیوں نے تو موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی ایک بڑا سوال کیا تھا۔ (اگر چہ حضور علیہ السلام کے زمانے والوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال نہیں کیا تھا)۔ ان کے ذمے اس لئے لگایا کہ یہ اُن بڑوں کی ایسی باتوں سے خوش تھے۔ اور یہ ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس طرح وہ موسیٰ علیہ السلام عجیب سوال کرتے۔ کبھی کہتے ہمیں سامنے خدا دکھا دو وغیرہ۔ اسی طرح یہ بھی ایسے سوال کرتے ہیں۔

سَاَلُوْا مُوْسٰى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ

سوال کر چکے موسیٰ سے-بڑا اس سے بھی کہ کہنے لگے دکھائیں ہمیں اللہ سامنے پھر پکڑا انہیں

الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

ایک کڑک نے ان کے ظلم پر پھر بنایا انہوں نے بچھڑے کو معبود بعد اس کے کہ آ چکیں ان کے پاس روشن نشانیاں

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

پھر معاف کیا ہم نے اس کو اور دی ہم نے موسیٰ کو دلیل واضح

گویا کہ انہوں نے ہی سوال کیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ان کا کوئی پہلا سوال نہیں بلکہ یہ ان کی پرانی عادت ہے۔ جو ان کے باپ دادے سے چلی آتی ہے۔ یہ موجودہ مطالبہ بھی محض ان کی حجت بازی ہے۔ جس کے وہ عرصہ دراز سے خوگر تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے تعجب کو دور کرنے کے لئے فرمایا۔ کہ آپ ان کی اس انوکھی فرمائش پر حیران نہ ہوں۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر بھی اتنا بڑا سوال کر مارا۔ اور کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ظاہر باہر دکھلا دیجئے۔

وضاحت :ان کے ستر نقیب یعنی سردار تھے جن کو دیدار الٰہی کیلئے منتخب کیا کہ ان کو اللہ کا دیدار کرایا جائے۔ تو ہم مان لیں گے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام انہیں لے کر طور پر تشریف لے گئے۔ ان کو پہاڑ کے نیچے ٹھہرا دیا۔ کہ میں تمہارے دیدار کے متعلق بات کر کے واپس آتا ہوں۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام رب تعالیٰ سے بات کرنے طور پر پہنچے۔ اور ادھر ایک گرج دار آواز یا آگ نے انہیں جلا دیا۔ ان کے ظلم کے سبب۔ اس لئے کہ انہوں نے سرکشی اور تکبر سے یہ سوال کیا تھا۔ (اس واقعہ کی تفصیلات پہلے پارے میں گذر چکی ہیں)۔

آگے فرمایا کہ انہوں نے کوئی ایک جرم یا ظلم نہیں کیا۔ بلکہ جرم پر جرم کرتے چلے گئے، آگے فرمایا کہ پھر تم نے بچھڑے کو خدا بنایا۔ اور اس کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلائل معجزات کی شکل میں موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے جیسے عصائے کلیم، ید بیضا اور اتنے بڑے اور گہرے دریا میں ان کے لئے عصا مار کر خشک راستے بنانا۔ اور ان کو صحیح سلامت پار لے جانا وغیرہ۔ توراۃ تو ابھی نازل ہی نہ ہوئی تھی۔ لیکن اتنی بڑی خطا کے باوجود ہم نے انہیں معاف کر دیا اور ان کی اس بہت بڑی غلطی سے بھی در گذر کیا۔

مسئلہ :اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس طرح اس کی بخشش بے حد و بے حساب ہے۔ اسی طرح اس کی نعمتوں اور اس کے احسانات کا بھی کوئی شمار نہیں۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اور بلند کیا ہم نے اوپر ان کے طور بوجہ ان سے وعدہ لینے کے اور کہا ہم نے ان کو داخل ہو دروازے سے سجدہ کرتے

وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

اور کہا ہم نے ان کو نہ زیادتی کرو ہفتہ کے دن میں اور لیا ہم نے ان سے وعدہ بہت پکا

(آیت نمبر ۱۵۴) آگے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح دلیل عطا فرمائی۔ یعنی واضح طور پر کفار کا بیڑا غرق کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ دیا لیکن اتنے واقعات و معجزات آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود وہ نہ مانے۔ اب ان کا یہ مطالبہ کہ آسمان سے لکھی لکھائی کتاب لاؤ۔ تو موسیٰ علیہ السلام جو لکھی لکھائی کتاب ان کے پاس لائے۔ کیا ان کے بڑوں نے اس کتاب کو مان لیا تھا۔ ان کے نہ ماننے ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر ہم نے ان پر طور پہاڑ اٹھایا اور ان کے سر کے برابر لا کر رکھا۔ (ان کے وعدہ پر)۔ چونکہ انہوں نے دین قبول کرنے اور اس پر قائم رہنے کا موسیٰ علیہ السلام سے پختہ وعدہ کیا تھا۔ لیکن جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے توراۃ لائے۔ تو بنی اسرائیلیوں نے مشکل مسائل کو دیکھ کر اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جناب جبریل کو حکم دیا کہ طور پہاڑ لا کر ان کے اوپر رکھا جائے۔ جوں ہی اپنے سروں پر پہاڑ دیکھا۔ تو فوراً سجدے میں گر گئے اور توراۃ قبول کرنے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن جونہی ہی پہاڑ ہٹا تو پھر منکر ہو گئے۔ اب ان کی ایک اور کاروائی بتائی جا رہی ہے کہ ہم نے انہیں کہا کہ اس قریب والے گاؤں (اریحا) میں چلے جاؤ۔ جب تم اس بستی میں پہنچو۔ تو دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا یعنی وہ ادب کا مقام ہے سر جھکا کر گذرنا لیکن انہوں نے اس کا بھی الٹ کیا۔ کہ پہلے ٹانگیں پھر پیٹ پھر سر داخل کیا یعنی اللہ اور رسول کے حکم کا بالکل الٹ کیا۔ مزید انہیں کہا گیا کہ داخل ہوتے وقت حطۃ کہنا۔ انہوں نے اسے بھی بگاڑ دیا۔

آگے فرمایا ہم نے انہیں ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کیا۔ کہ اس دن صرف عبادت کرو۔ اور کوئی کام نہ کرو۔ لیکن وہ عبادت کو چھوڑ کر مچھلی کے شکار میں لگ گئے حالانکہ ہم نے ان سے بڑا پکا وعدہ لیا تھا۔ جس پر انہوں نے "سمعنا واطعنا" کہا تھا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان سے یہ وعدہ لیا گیا تھا کہ اب اگر نافرمانی کی تو سخت سے سخت عذاب ہوگا۔ ان کے یہ تمام کرتوت پارہ اول میں بیان ہو چکے ہیں کہ انہوں نے ہر وعدے کو توڑا اور ہر حکم کی خلاف ورزی کی۔ بالکل اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور والے یہودیوں نے بھی اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی خلاف ورزی کی۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ

تو بہ سبب توڑنے ان کے وعدے کو اور کفر کرنا ان کا آیات خداوندی سے اور قتل کرنا ان کا پیغمبروں کو

بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

ناحق اور ان کے اس کہنے پر کہ دل ہمارے غلاف میں ہیں بلکہ مہر لگائی اللہ نے اس پر بہ سبب کفر ان کے

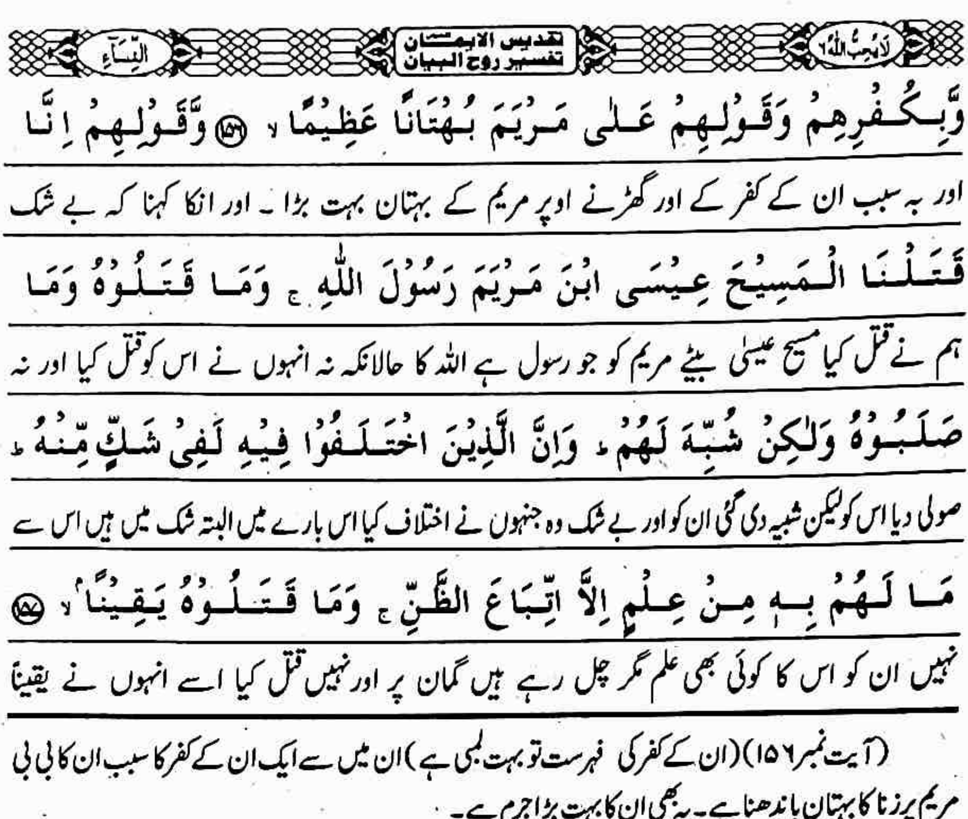
فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۠ ﴿۱۵۵﴾

پھر نہیں ایمان لائے مگر تھوڑے

(آیت نمبر ۱۵۵) ان کے تمام وعدے توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور شکلیں مسخ کیں۔ یا جو بھی انہیں سزائیں دیں اس کے پیچھے اصل چیز اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرنا اور انبیاء کرام کو ناحق قتل کرنا ہے۔

فائدہ: آیات اللہ سے مراد قرآن یا دیگر کتب سماویہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک بڑی تعداد کو ناحق قتل کرنا ہے۔ ان میں مشہور جناب زکریا اور یحییٰ علیہما السلام ہیں۔ ان کو شہید کیا۔ اور خصوصاً حضور ﷺ کے زمانے والے یہودیوں نے بھی حضور ﷺ کو شہید کرنے کے کئی منصوبے بنائے۔ زہر بھی دلوایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ یہ مقولہ حضور ﷺ کے زمانے والے یہودیوں کا ہے۔ اور وہ اس بات میں سچے تھے۔ کیونکہ انسان جب پے درپے گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔ تو اس کا آئینہ دل زنگار آلود ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی نگاہ حق بین بےنور ہو جاتی ہے۔ اس میں حق قبول کرنے کی استعداد ختم ہو جاتی ہے۔

اس لئے انہوں نے صحیح کہا کہ حضور ﷺ جتنے بھی احکام لائے ہیں۔ وہ ہمارے دلوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا ہم ان کی باتیں نہیں سمجھ سکتے۔ اس کا منہ توڑ جواب اللہ پاک نے دیا۔ کہ تمہارے دلوں پر پردے نہیں آئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر مہر لگادی ہے۔ ان کے کفر کے سبب یعنی ان کے دلوں پر کفر کا قفل لگ گیا ہے۔ اس لئے وہاں تک حق بات کا پہنچنا مشکل ہے۔ لہذا اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ مگر تھوڑے ہی ان میں سے۔ جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یا دیگر ان کے ساتھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو نرم فرمائے۔ اور حق پر قائم دائم فرمائے۔ آمین


وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۙ ﴿١٥٦﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا

اور بہ سبب ان کے کفر کے اور گھڑنے اوپر مریم کے بہتان بہت بڑا ۔ اور انکا کہنا کہ بے شک

قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا

ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ بیٹے مریم کو جو رسول ہے اللہ کا حالانکہ نہ انہوں نے اس کو قتل کیا اور نہ

صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ

صولی دیا اس کو لیکن شبیہ دی گئی ان کو اور بے شک وہ جنہوں نے اختلاف کیا اس بارے میں البتہ شک میں ہیں اس سے

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ ﴿١٥٧﴾

نہیں ان کو اس کا کوئی بھی علم مگر چل رہے ہیں گمان پر اور نہیں قتل کیا اسے انہوں نے یقیناً

(آیت نمبر ۱۵۶) (ان کے کفر کی فہرست تو بہت لمبی ہے) ان میں سے ایک ان کے کفر کا سبب ان کا بی بی مریم پر زنا کا بہتان باندھنا ہے۔ یہ بھی ان کا بہت بڑا جرم ہے۔

(آیت نمبر ۱۵۷) اور ان کا یہ کہنا کہ ہم نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا۔ اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ کا لفظ بھی انہوں نے تمسخر سے کہا۔ ورنہ وہ رسول ان کو مانتے ہی نہیں تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا یہ جواب دیا۔ کہ نہ تو انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا۔ اور نہ ہی صولی دی۔ لیکن انہیں تشبیہ دی گئی۔ یا انہیں شبہ ہوا۔ وہ یوں کہ یہودی جب جناب عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کیلئے ان کے دروازے پر گئے تو جس چغلخور کو اندر بھیجا کہ وہ اندر سے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر باہر لے آئے اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ اور جو منافق اندر پکڑنے آیا تھا۔ اس کی شکل جناب عیسیٰ علیہ السلام کی طرح کر دی۔ جب وہ باہر نکلا۔ تو یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل دیکھ کر پکڑ لیا۔ اور اس کو صولی پر چڑھا دیا۔ اور ان کا گمان بھی یہی تھا کہ انہوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو صولی دی ہے۔ اس داخل ہونے والے منافق کا نام ططیانوس تھا۔ بعد میں یہودی سوچنے لگے کہ جسے ہم نے صولی دی۔ یہ عیسیٰ ہیں تو ططیانوس کدھر گیا اور یہ وہی ططیانوس ہے۔ تو عیسیٰ کدھر گئے۔ تو اس وجہ سے فرمایا کہ وہ تشبیہ دیئے گئے۔

فائدہ: مرزا قادیانی کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں فوت ہوئے وہاں ہی ان کی قبر ہے۔ العیاذ باللہ یہ یہودیوں سے بھی آگے نکل گیا۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ اس وقت سے اب تک آسمانوں پر زندہ ہیں۔ قیامت کے قریب آسمانوں سے زمین پر نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بن کر تشریف لائیں گے۔

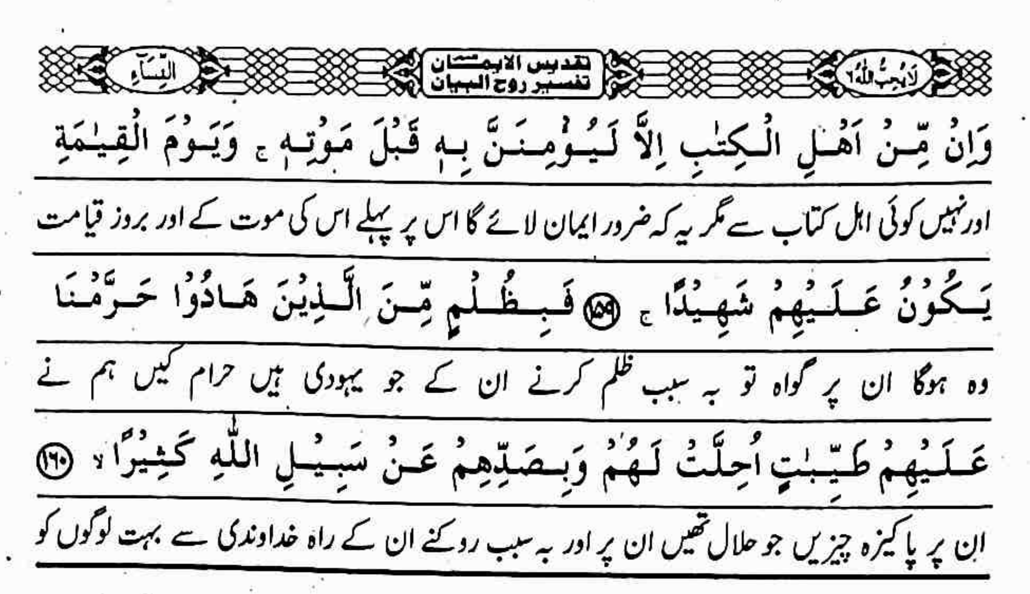
بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾

بلکہ | اٹھالیا اسے اللہ نے اپنی طرف | اور ہے | اللہ | غالب | حکمت والا

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۷) قیامت کی علامات سے ہے کہ آپ دمشق کی جامع مسجد کے دائیں مینار پر اتریں گی۔ دجال کو قتل کریں گے۔ اور پوری زمین پر امن قائم فرمائیں گے۔ تمام کفار کو بھی ختم کر دیں گے۔ امام مہدی کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔ شادی کریں گے۔ چالیس سال زمین پر رہ کر وفات پائیں گے اور روضہ اقدس میں حضور ﷺ کے پہلو میں دفن ہوں گے۔ اور بے شک جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جن لوگوں نے اختلاف کیا۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد لوگوں میں شدید اختلاف واقع ہوا۔ اور کئی طرح کے شکوک وشبہات ہوئے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو تو علم تھا کہ وہ آسمانوں پر چلے گئے۔ کیونکہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے سن رکھا تھا۔ کہ وہ ایک دن آسمانوں پر اٹھائے جائیں گے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان اختلاف کرنے والوں میں یہودی تو تھے ہی۔ ان کی طرح کچھ عیسائی بھی ہیں ان میں بھی کئی گروہ ہو گئے۔ اور ہر گروہ کا الگ ہی ایک مسلک بن گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق شک میں ہی ہیں کہ وہ نبی ہیں یا خدا یا خدا کے بیٹے۔ (معاذ اللہ)

فائدہ: شک میں دونوں طرف برابر ہوتے ہیں۔ کسی ایک کو ترجیح نہیں ہوتی۔ جسے تردد بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ آج تک وہ تردد میں ہیں۔ اور ان کا یہ شک شبہ قیامت تک رہے گا۔ آگے فرمایا کہ انہیں کسی بات کا کوئی علم نہیں ہے۔ البتہ گمان ہی ہے۔ جس کی پیروی کر رہے ہیں۔ (بلکہ ہر گمراہ فرقہ اپنے گمان پر ہی چلتا ہے)۔

(آیت نمبر ۱۵۸) اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اقوال کی تردید کر کے فرمایا کہ میں نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔ یہ اصل میں ان کے عقیدے کا رد ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پورا یقین دلا کر فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو آسمانوں پر پہنچ گئے۔ اور جسے تم نے قتل کر کے صولی دیا ہے۔ وہ وہی منافق ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کو اندر پکڑنے گیا تھا۔ **اعتراض**: یہ بات مشہور ہے کہ وہ آسمانوں پر اٹھائے گئے اور یہاں آیت میں ہے کہ وہ اللہ کی طرف اٹھائے گئے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس کا **جواب** دیتے ہیں کہ "رفع الی السماء رفع الی اللہ" ہی ہے۔ اس لئے کہ آسمان رحمت الٰہی کا مرکز ہے۔ اور فرشتوں کے ٹھہرنے کا مقام بھی وہی ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا۔ گویا وہ اللہ کے پاس پہنچ گیا۔ جیسے مدینے شریف کی طرف ہجرت کو اللہ تعالیٰ نے مہاجرا الی اللہ کہا۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف جاتے ہوئے فرمایا۔ "انی ذاھب الی ربی"۔ آگے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ بڑی عزت والا ہے کہ جو ارادہ کر لے اسے کر گذرتا ہے کہ جو کام جناب عیسیٰ علیہ السلام کیلئے مشکل تھا۔ وہ اللہ نے کر دیا۔ اور حکمت والا ہے کہ اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت پنہاں ہے۔



وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر یہ کہ ضرور ایمان لائے گا اس پر پہلے اس کی موت کے اور بروز قیامت

يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۚ ﴿١٥٩﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا

وہ ہوگا ان پر گواہ تو بہ سبب ظلم کرنے ان کے جو یہودی ہیں حرام کیں ہم نے

عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾

ان پر پاکیزہ چیزیں جو حلال تھیں ان پر اور بہ سبب روکنے ان کے راہ خداوندی سے بہت لوگوں کو

(آیت نمبر ۱۵۹) اور نہیں ہوگا کوئی بھی اہل کتاب سے مگر وہ ضرور اس (عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان لائیں گے۔ ان کی وفات سے پہلے (بعض حضرات نے ہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع کی ہے۔ لیکن یہ بات کئی وجہ سے صحیح نہیں ہے) اصل بات یہ ہے کہ یہ ضمیر جناب عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ لہذا اس کا معنی یہ ہوگا کہ جناب عیسیٰ وعلی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی وفات سے پہلے جب دوبارہ زمین پر اتریں گے۔ تو ان کی وفات سے پہلے زمین پر جتنے بھی اہل کتاب ہونگے۔ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے اور منکر مر جائیں گے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں تو تم میں سے جو بھی انہیں ملے وہ انہیں میری طرف سے سلام پہنچائے (صحیح بخاری ونسائی)۔ آگے فرمایا کہ بروز قیامت وہ ان پر گواہ ہونگے۔

(آیت نمبر ۱۶۰) پس یہودیوں کے ظلم کے سبب جو چیزیں ان پر اور ان کے باپ دادا پر حلال اور پاک تھیں۔ ہم نے ان پر حرام کر دیں۔ یہ کوئی معمولی جرم نہیں۔ کہ انسان خود بھی اطاعت الٰہی سے محروم ہو۔ اور دوسروں کیلئے بھی ہدایت کا راستہ بند کرے۔ اور سچا دین قبول کرنے سے لوگوں کو روکے۔ لہذا ان کے باپ دادا کی بداعمالیوں کی وجہ سے کچھ حلال چیزیں ان پر حرام ہوئیں۔ اور کچھ چیزیں انہوں نے خود ہی اپنے اوپر حرام کر لیں۔ اپنے خیال سے ہی۔ اور مزید ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کی نحوست کی بناء پر حلال چیزیں حرام کر دی گئیں۔ بلکہ ان کی سزا کے طور پر جیسے اونٹ کا گوشت دودھ اور چربی یہودیوں پر حرام ہوئی۔ لیکن اس امت محمدیہ کو فرمایا: "کلوا مما رزقکم اللہ طیبا" یعنی جو بھی پاکیزہ کھانے ہیں وہ کھاؤ اللہ کے دیئے ہوئے سے۔ (ہمارے گناہوں کے باوجود ہم پر کوئی چیز حرام نہیں کی گئی) یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا فضل وکرم ہے۔ (یہ صدقہ ہے نبی کریم ﷺ کا)۔ ورنہ گناہ گار تو ہم بھی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ہم پر خصوصی کرم ہے۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ

اور لینا ان کا سود کو حالانکہ تحقیق منع کئے گئے تھے اس سے اور کھانا ان کا مال لوگوں کا ناحق

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى

اور تیار کیا ہم نے کافروں کیلئے عذاب دردناک۔ لیکن جو پکے ہیں

الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

علم میں ان سے اور ایمان والے ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اترا طرف آپ کے اور جو اترا

(آیت نمبر۱۶۱) یہود پر اشیاء حرام ہونے کی دوسری وجہ بیان فرمائی۔ کہ انہوں نے بہت لوگوں کو اللہ کے سیدھے راستے (دین اسلام) سے روکا۔ اور تیسری وجہ ان کا سود لینا۔ حالانکہ ان کو اس سے روکا گیا۔ یعنی دین اسلام کی طرح ان پر بھی سود لینا دینا بالکل حرام تھا۔ اور اسی طرح ان کی چوتھی خرابی لوگوں کا مال باطل طریقے سے لیکر کھانا تھا۔ جس کا کھانا ان پر حرام تھا۔ جیسے رشوت اور حرام شدہ اشیاء اور ناجائز طریقے سے مال جمع کرنا۔

آگے فرمایا کہ ہم نے ان میں سے کافروں کیلئے دردناک عذاب تیار کیا۔ یعنی جو اپنے کفر پر مرتے دم تک ڈٹے رہے۔ اور جنہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی ان کے لئے دردناک عذاب نہیں۔ البتہ جو مذکورہ سارے کرتوت کرتے رہے۔ ان کیلئے دردناک عذاب تیار کیا گیا۔ ایسا سخت درد دینے والا جو دلوں کو تکلیف پہنچائے۔ جس عذاب میں وہ مرنے کے بعد ڈالے جائیں گے۔ جو جو وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں دنیا میں کھاتے رہے۔ آخرت میں یعنی جہنم میں وہ عذاب کا مزہ چکھیں گے۔

(آیت نمبر۱۶۲) لیکن علم میں ماہر لوگ یعنی اہل کتاب میں جو اہل علم حضرات ہیں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ۔

فائدہ: راسخ فی العلم سے مراد یہ ہے کہ جیسے درخت کی جڑیں زمین میں مضبوط ہو کر درخت کو مضبوط کرتی ہیں۔ ایسے ہی کچھ صاحبان علم لوگ ہیں۔ جن میں علم اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ کسی مسئلے میں انہیں اضطراب یا شک وشبہ نہیں ہوتا۔ وہ مومن اہل کتاب میں جو مہاجرین وانصار کی طرح اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل ہوا (قرآن) اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جو آپ سے پہلے نازل ہوا یعنی توراۃ وغیرہ سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور نماز قائم کرنے والے ہیں۔ اور زکوٰۃ بھی ادا کرنے والے ہیں۔ ان کی شان یہ ہے کہ وہ صحیح طور پر اللہ اور قیامت پر ایمان لانے والے ہیں۔

قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

پہلے آپ کے اور قائم کرنے والے نماز کو اور دینے والے زکوٰۃ اور ایمان لانے والے اللہ پر اور دن

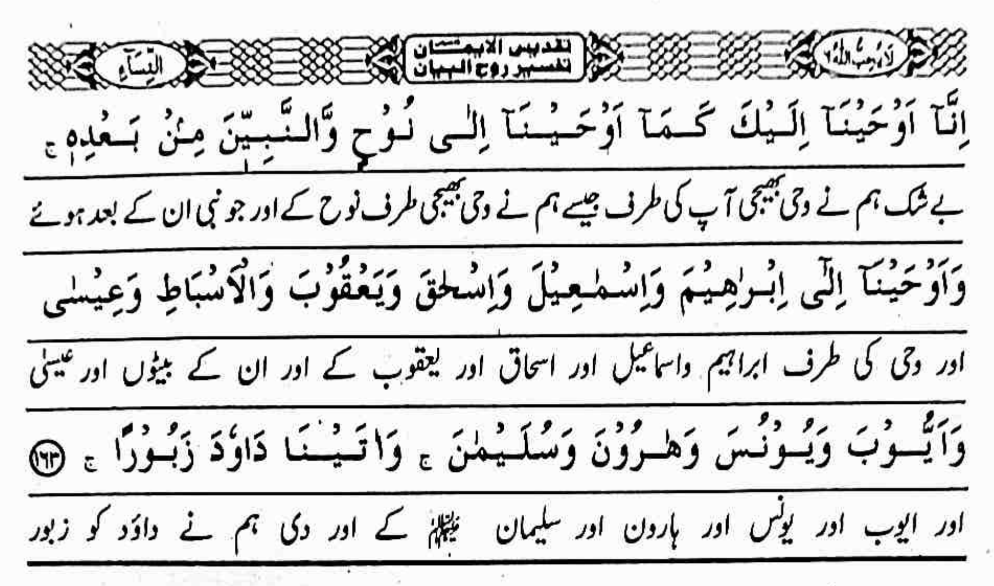
الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۧ ﴿۱۶۲﴾

آخرت پر ایسوں کو عنقریب ہم دیں گے ثواب بہت بڑا

فائدہ: یہاں ترتیب الٹ دی ہے کہ ایمان باللہ اور قیامت کو بعد میں لائے۔اور ایمان بالکتب و بالرسل کو پہلے لے آئے۔چونکہ جن سے بات ہورہی ہے۔ان کی زیادہ تعداد اللہ قیامت کو مانتے ہیں۔کتابوں اور رسول کا انکار یوں کرتے ہیں۔کہ جس پر مرضی ہوئی اسے مان لیتے ہیں۔جس پر نہ ہوا سے نہیں مانتے۔اس لئے ترتیب الٹ دی۔تو اہل ایمان کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں۔جنہیں ہم بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔اس لئے کہ وہ صرف ایمان نہیں لائے۔بلکہ انہوں نے ایمان لانے کے ساتھ اعمال صالحہ بھی بجالانے میں پوری کوشش کی۔

نماز کی فضیلت: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے پانچ نمازیں پابندی سے ادا کیں خواہ وہ جس حالت میں ہوں یعنی بیمار ہوں یا صحت مند بروز قیامت ان کا چہرہ چودہویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔اور وہ پلصراط سے بجلی کی طرح گذریں گے۔اور نمازوں کی پابندی سے روزانہ شہید کا ثواب پائیں گے اس کی دلیل نہیں مل سکتی۔**حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا خبردار اللہ کے دوست وہ ہیں جو پانچ وقت کے نمازی ہیں۔اور رضاء الٰہی میں خوشی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔اور ان کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔جن سے اللہ نے منع کیا جن کی تعداد نو (۹) ہے۔:
(۱) شرک۔(۲) مومن کا ناحق قتل۔(۳) جہاد سے فرار۔(۴) پاک دامن عورت پر زنا کا بہتان۔(۵) جادو۔(۶) سود کھانا۔(۷) یتیم کا مال کھانا۔(۸) ماں باپ کی نافرمانی۔(۹) حرام کو حلال جاننا۔(مستدرک علی الصحیحین)

راسخ فی العلم: راسخ فی العلم وہ ہوتا ہے جس نے علم و عمل میں وافر حصہ پایا ہو۔جس کی وجہ سے اسے علم لدنی حاصل ہو۔**حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات میں نے جہنم میں محتاجوں کی کثرت دیکھی۔یہ بات سن کر آپ سے پوچھا گیا۔کیا وہ مال کے محتاج تھے۔فرمایا۔نہیں بلکہ وہ علم دین سے محروم تھے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس امت میں حقیقی عالم وہی ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے۔اور اسے ہر وقت اپنی آخرت کی بھی فکر ہو۔اسے عالم باعمل کہتے ہیں۔اور اسے عالم آخرت بھی کہتے ہیں۔



اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ

بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے ہم نے وحی بھیجی طرف نوح کے اور جو نبی ان کے بعد ہوئے

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى

اور وحی کی طرف ابراہیم واسماعیل اور اسحاق اور یعقوب کے اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ

وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ ﴿١٦٣﴾

اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان علیہم السلام کے اور دی ہم نے داؤد کو زبور

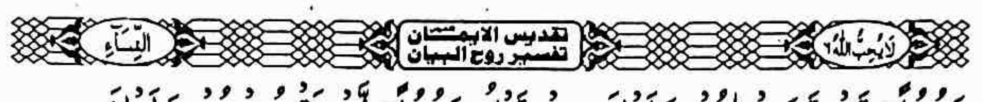
(آیت نمبر ۱۶۳) اے پیارے ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی۔

عربی لغت میں وحی بمعنی اشارہ کرنا ہے۔ اور اصطلاح میں بہت سارے مقاصد کیلئے وحی کا لفظ استعمال ہوا۔ خصوصاً انبیاء کرام علیہم السلام کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آتے ہیں۔ انہیں وحی ہی کہا جاتا ہے۔

شان نزول: یہ اصل میں اہل کتاب کے ایک سوال کا جواب ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ پر ہمارے سامنے آسمان سے کتاب نازل ہو تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ کوئی پہلے رسول تو نہیں جن پر کتاب وحی کی شکل میں آئی۔ ان سے پہلے بھی رسول تشریف لائے۔ ان تمام رسولوں پر وحی آئی۔ جیسے ہم نے نوح علیہ السلام پر اور ان کے بعد آنے والے نبیوں پر وحی بھیجی۔

سوال: وحی کا ذکر نوح سے شروع کیا۔ حالانکہ آدم علیہ السلام ان سے پہلے ہوئے۔ اس کا **جواب** یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی وحی کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ نوح علیہ السلام کی وحی کے منکر بہت زیادہ ہوئے۔ جو بالآخر طوفان میں غرق ہوئے۔ **فائدہ:** نوح علیہ السلام کی عمر مبارک ایک ہزار سال سے زیادہ ہوئی پوری عمر میں نہ قوت میں کمی نہ نظر میں نہ سماعت میں نہ دانت کمزور ہوئے نہ بال سفید ہوئے (سبحان اللہ العظیم) اپنی قوم سے بے شمار تکالیف اٹھائیں مگر آپ نے صبر کیا۔ آگے فرمایا اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان علیہم السلام پر وحی بھیجی۔ یعنی وحی کا سلسلہ پرانا ہے۔ نیا نہیں ہے۔ **فائدہ:** اسباط سے مراد یعقوب علیہ السلام کے ۱۲ صاحبزادے اور ان سے آگے ہونے والی اولاد ہے۔ یہاں صرف چند انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ہوا۔

۱۔ درمیان میں واؤ جمع مطلق کی ہے ترتیب کی نہیں ہے۔



وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ

اور وہ رسول کہ تحقیق ذکر کر دیا ہم نے تم پر اس سے پہلے اور وہ رسول کہ نہیں ذکر کیا ہم نے انکا آپ پر

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ج ﴿۱۶۴﴾

اور کلام کی اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً

(بقیہ آیت نمبر۱۶۳) ا۔ عیسیٰ علیہ السلام پر کی گئی طعن و تشنیع کا بھی رد ہے۔ کہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب غلط ہے۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اولاد ابراہیم ہونے کا ثبوت جیسے حسن و حسین کا اولاد رسول ہونے کا ثبوت ہے۔

آگے فرمایا کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور دی۔ کتاب کا ملنا بھی از قسم وحی ہے۔

جناب داؤد اور زبور کی شان: زبور کتاب میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام جنگل میں نکل جاتے۔ اس ورد سے زبور پڑھتے کہ بنی اسرائیل کے علماء ذوق سے پیچھے سن رہے ہوتے تھے۔ ان کے پیچھے عوام کا ایک ہجوم ہوتا تھا۔ اسی طرح جنات بھی کثیر تعداد میں ہوتے بلکہ داؤد علیہ السلام کی آواز سے پہاڑ وجد میں آتے اور پہاڑوں سے ساری مخلوق کیڑوں مکوڑوں تک نکل کر زبور سنتے تھے۔ اڑتے ہوئے پرندے سر پر آ کر رک جاتے تھے اور آپ کی آواز پر مست ہو جاتے۔ اسی طرح درندے اور وحشی جانور آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔

جنت میں تلاوت: جنت میں ہر جمعے کو داؤد علیہ السلام سورہ یاسین اور سورہ طٰہٰ کی تلاوت کیا کریں گے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لحن داؤدی دیئے گئے ہو۔ حضرت ابوعثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوموسیٰ اشعری سے بڑھ کر کسی کی آواز خوبصورت نہیں سنی۔ آگے فرمایا کہ کثیر تعداد میں مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات پر انبیاء کرام علیہم السلام اور رسولان عظام کو مبعوث فرمایا گیا۔

(آیت نمبر۱۶۴) اور بھی کئی رسول ہم نے بھیجے جن کے قصے ہم نے اس سے پہلے بیان کئے اور کچھ وہ بھی رسول ہیں۔ جن کے نام لیکر ہم نے قصے بیان نہیں کئے۔ جن کے پاس جبریل علیہ السلام وحی لیکر آتے رہے۔

انبیاء کی تعداد: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کل انبیاء اور رسول کتنے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار اور رسول تین سو تیرہ ہوئے (رواہ ابن حبان)۔ اسی لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا علم عطا فرمایا تھا۔ اسی لئے تو تعداد آپ نے بتائی۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ

رسول خوشخبری سنانے اور ڈرسنانے والے تاکہ نہ ہو سکے لوگوں کو اوپر اللہ کے کوئی عذر بعد آنے

الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾

رسولوں کے اور ہے اللہ غالب حکمت والا

(بقیہ آیت نمبر۱۶۴) **مسئلہ**: چونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے۔ جو ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انبیاء و رسل کی تعداد بتاتے وقت ساتھ تقریباً یا کم وبیش کا لفظ کہہ دیا جائے۔ یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کچھ کم وبیش

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اچھی طرح کلام فرمائی۔ **فائدہ**: تکلیماً سے فعل کی تاکید سے معلوم ہوا کہ کلام الٰہی ڈائرکٹ سنا۔ درمیان میں کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ وحی کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے کہ نبی رب تبارک وتعالیٰ سے بلاواسطہ سنے۔

نکتہ: لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہمارے نبی پاک کے پاس تو جبریل آتے۔ اور ان کے واسطے سے کلام ہوتی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ زیادہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی بلاواسطہ کلام ہوتی تھی:

جواب نمبر ۱: یہ ہے کہ قوم موسیٰ ضدی اور ہٹ دھرم قوم تھی۔ وہ جبریل کو بھی نہیں مانتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے جبریل کا نام سنتے ہی وحی کا انکار کر دینا تھا۔ اس لئے بلاواسطہ کتاب بھی دی اور فرشتے کے ذریعے وحی بھی کی۔

جواب نمبر ۲: یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام ضرور ہوئی تھی۔ مگر انہیں دیدار نصیب نہ ہوا تھا۔ مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام بھی ہوا اور دیدار بھی نصیب ہوا اس لحاظ سے ہمارے حضور کو جو فضیلت ملی وہ کسی اور نبی کو عطا نہیں ہوئی۔

(آیت نمبر۱۶۵) سب رسول اس شان سے آئے کہ اطاعت کرنے والوں کو خوشخبری سنانے والے۔ اور گناہ گاروں کو جہنم کا ڈر سنانے والے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اس لئے بھیجا تاکہ لوگوں کی اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ رہے۔ یعنی قیامت کے دن کفار کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ حجت قائم کرنے کا موقع نہ ملے کہ ہمیں تو کوئی علم نہ تھا۔ اگر کوئی نبی یا رسول ہمارے پاس آتا اور ہمیں احکام اسلام سکھاتا اور خواب غفلت سے جگاتا تو ہم اس کی دعوت کو قبول کرتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجنے کے بعد اس قسم کی تمام حجتیں اور عذر ختم فرما دیئے۔ کہ ان تک اللہ تعالیٰ کے احکام بدرجہ اتم پہنچا دیئے گئے۔ اور قرآن مجید میں ایک مقام پر ایک ضابطہ بھی بیان فرما دیا کہ ہم کسی کو اس وقت تک عذاب میں مبتلاء نہیں کرتے۔ جب تک کہ اس میں کوئی رسول نہ بھیج دیں۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

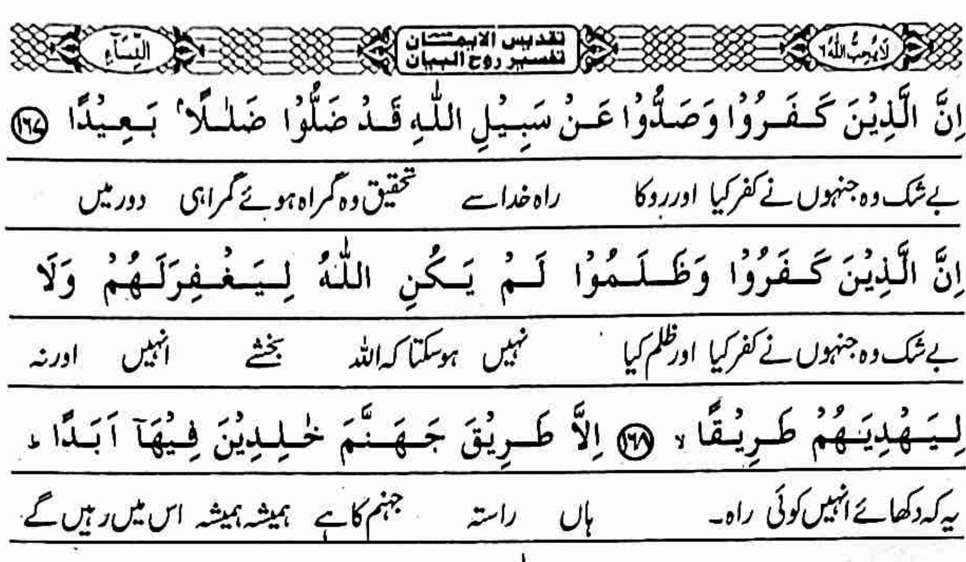
لیکن اللہ گواہ ہے جو اتارا اس نے آپ کی طرف اتارا اس کو اپنے علم سے اور فرشتے بھی

يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ ﴿١٦٦﴾

گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ کی گواہی

(آیت نمبر ١٦٦) لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیگا۔ اس کی جو آپ کی طرف نازل ہوا۔ چونکہ کفار بہت ہی سرکش قوم تھے۔ انہوں نے بڑی ہٹ دھرمی (بلکہ بےشرمی) سے کہا کہ جی ہم تو آپ کے رسول ہونے کی گواہی تب دیں گے کہ جب ہمارے سامنے آپ پر آسمان سے کتاب نازل ہو۔ ورنہ ہم گواہی نہیں دیتے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب اگر وہ آپ کی رسالت کے دعوی پر گواہی دینے کیلئے تیار نہیں تو کوئی بات نہیں۔ میں اللہ جو گواہی دیتا ہوں۔ کہ جو آپ پر نازل ہوا ہے۔ یعنی (قرآن مجید) جو آپ ﷺ کا معجزہ ہے وہ سب برحق ہے۔ جو آپ کے نبی اور رسول ہونے پر گواہ ہے۔ جس کی فصاحت و بلاغت سے پوری دنیا حیران ہے۔ اس کی مثل لانے کی قیامت تک کسی کو جرات نہیں ہوگی۔ آپ کی رسالت پر بہت بڑی تصدیق اور بہت بڑا گواہ یہی قرآن مجید ہے۔ (سورۂ یاسین کی ابتدائی آیات پڑھ کے دیکھ لیں)۔

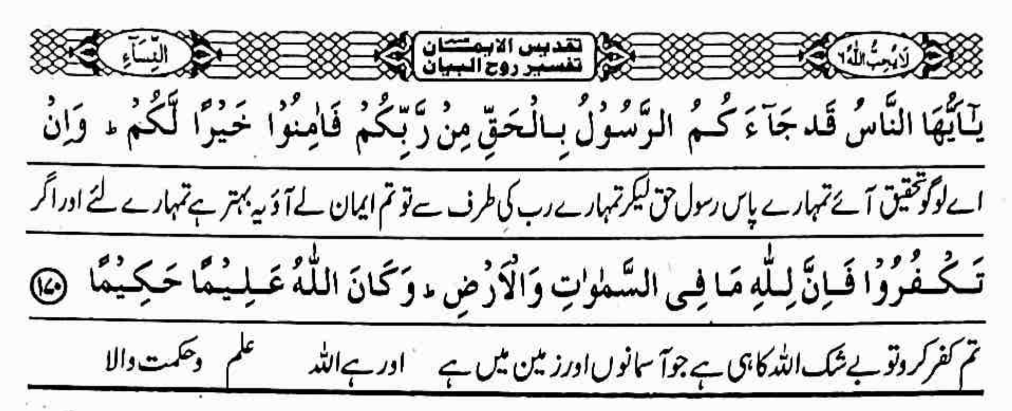
آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم خاص سے اس کو نازل فرمایا۔ ایسے عجیب و غریب انداز سے مرتب فرمایا۔ کہ دنیا کے تمام فصحاء و بلغاء اس کے آگے عاجز ہیں۔ آگے فرمایا تمام فرشتے بھی حضور ﷺ کی نبوت اور رسالت پر شہادت دیتے ہیں۔ اور اگر اور کوئی بھی شہادت نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہی کی شہادت کافی تھی کہ آپ اس کے برحق نبی ہیں۔ آپ کی نبوت کی صداقت پر آپ کے معجزات اور واضح دلائل ایسے تھے کہ مزید کسی گواہی کی ضرورت ہی نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے محبوب۔ اگر یہ یہودی آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں آپ ان کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ اس لئے کہ جب میں خود رب العالمین ہو کر آپ کی رسالت پر صداقت کی گواہی دیتا ہوں۔ اور عرش و کرسی اور تمام فرشتے بھی آپ کی رسالت کی گواہی دے رہے ہیں۔ پھر اگر یہ نکمے تلنگے یہودی آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ ان کی تصدیق کی ہمیں کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اور ان کی حیثیت ہی کیا ہے کہ ان کی تصدیق یا گواہی کی ضرورت پڑے۔



(آیت نمبر ۱۶۷) بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں۔ یعنی جو آپ کو یا آپ پر نازل شدہ کتاب کو نہیں مانتے۔ ان کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ (جبکہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی رسالت کی گواہی دے دی)۔ اور یہ اللہ کے راستے (دین اسلام) سے ان کو روکتے ہیں۔ یعنی جو لوگ آپ سے فیض حاصل کرنے آتے ہیں۔ ان کو آپ ﷺ کی بارگاہ میں آنے سے روکتے ہیں۔ حالانکہ وہ حضور ﷺ کے بارے میں کچھ جانتے بھی نہیں۔ لہذا وہ لوگ راہ حق سے بھٹک گئے۔ وہ اتنے بڑے گمراہ ہوئے۔ کہ ان جیسا کوئی بھی گمراہ نہیں ہوا۔ کہ وہ خود بھی سیدھی راہ سے بھٹک گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ تا حیات گمراہی سے نہیں نکل سکتے۔

(آیت نمبر ۱۶۸) بے شک جن لوگوں نے کفر کیا۔ یعنی جنہوں نے حضور کی نبوت کا انکار کر کے اور آپ کے اوصاف (جو توراۃ میں لکھے تھے) کو چھپا کر ظلم کیا۔ یا وہ لوگ جو دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے مگر اسے گنوا بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اور ان کے اتنے بڑے ظلم اور جرم کو کیسے بخش دے۔ اس لئے کہ کافر اور مشرک کی بخشش تو ویسے بھی محال ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ ان کو صحیح راستہ دکھاتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۶۹) ہاں جہنم کے راستہ کی طرف انہیں راہ مل جائے گا۔ اس لئے کہ غلط راستے پر چلنے کی وجہ سے راہ حق کی طرف جانے کی استعداد ختم ہو چکی ہے۔ یعنی جنت کی طرف جانے والے راستے ان پر بند ہو چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کو برے اعمال کی توفیق مل جاتی ہے۔ جو اسے جہنم کی طرف لے جاتے ہیں یا جو اپنے اختیار سے برائیوں کی طرف پھر جاتے ہیں۔ قیامت کے دن فرشتے انہیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔

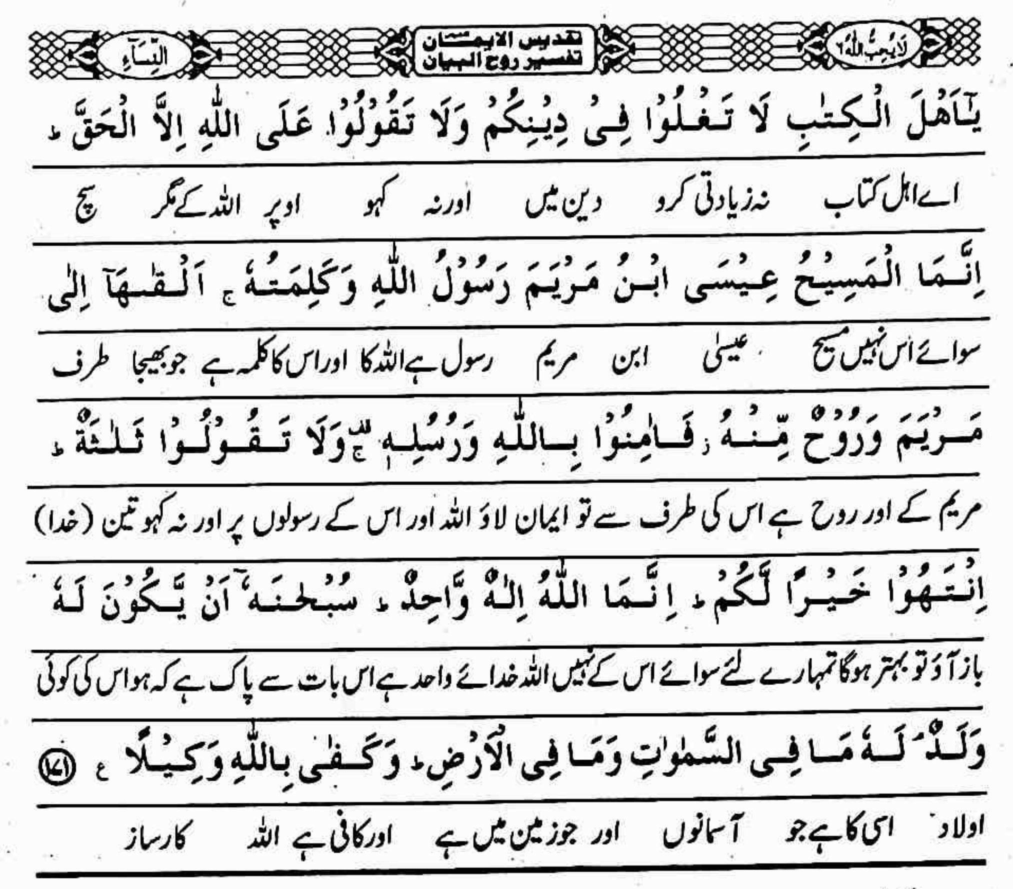


(بقیہ آیت نمبر۱۶۹) آگے فرمایا کہ وہ اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔یعنی جہنم میں رہنا چندروزہ نہیں۔ بلکہ کبھی نہ ختم ہونے والا زمانہ مراد ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے کوئی مشکل نہیں ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ جس کے دل میں ذرا بھر بھی ایمان ہوگا۔وہ بالآخرجہنم سے نکال لیا جائیگا۔

سبق: راہ طریقت پر چلنے والے کیلئے لازم ہے کہ جس بات کی اللہ نے گواہی دی ہے۔اس کو تسلیم کرنے میں ذرہ دیر نہ کرے۔اللہ اور رسول کے ہر حکم پر لبیک کہتا ہوا جھک جائے۔ بلکہ تمام کامل اولیاء وعلماء کے اقوال پر عمل کرے۔

(آیت نمبر۱۷۰) اے لوگو۔تمہارے پاس میرے رسول حق لیکر تشریف لائے۔حق سے مراد قرآن ہے۔ یا حق کا مطلب اللہ کی طرف بلانا۔اور غیر خدا سے چھڑانا۔اور وہ حق تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔چونکہ رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی تشریف لائے۔اس لئے وہ اسی کی بات کرتے ہیں۔نہ وہ اپنی بات نہیں کرتے۔اب تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم اس رسول کی حق بات کو قبول کرکے اور اس پر چل کر بھلائی حاصل کرلو۔اس حق پر ایمان لے آؤ تمہارا بھلا اسی میں ہے۔اور اگر تم کفر پر ہمیشہ اصرار کرتے رہے تو پھر یاد رکھو۔جو کچھ زمین وآسمان میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔اس میں نہ تمہارا کوئی حصہ ہے نہ تمہارے معبودوں کا بلکہ تم بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہو اور تمہارے معبود بھی اسی کی ملکیت ہیں

فائدہ: اس سے بہ صراحت معلوم ہوگیا۔کہ جو کچھ بھی زمین وآسمان کے اندر ہے یا باہر ہے۔ذوالعقول ہے یا غیر ذوالعقول سب چیزوں کا وہی مالک ہے۔اس کی مالکیت اور تصرف سے کوئی شیء باہر نہیں ہے۔لہذا جس ذات کا یہ مرتبہ ہے۔اسے کس چیز کی حاجت ہے۔نہ کسی کا کفر اسے ضرر پہنچا سکتا ہے نہ کسی مومن کا ایمان اسے نفع پہنچا سکتا ہی۔جب یہ عقیدہ جم گیا کہ ساری خدائی اسی کی ہے۔تو پھر عبادت بھی اسی کی ہونی چاہئے۔اور سر نیاز بھی اسی کے آگے جھکانا چاہئے۔آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا علم والا ہے کہ جو سب کے حالات سے باخبر ہے۔اور حکمت والا ہے یعنی اس کے ہر کام میں سینکڑوں حکمتیں پنہاں ہیں۔



يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ‌ ؕ

اے اہل کتاب نہ زیادتی کرو دین میں اور نہ کہو اوپر اللہ کے مگر سچ

اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلۡقٰٮهَاۤ اِلٰى

سوائے اس نہیں مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلمہ ہے جو بھیجا طرف

مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ‌ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ‌ ۚ وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ‌ ؕ

مریم کے اور روح ہے اس کی طرف سے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین (خدا)

اِنْتَهُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ‌ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ

باز آؤ تو بہتر ہوگا تمہارے لئے سوائے اس کے نہیں اللہ خدائے واحد ہے اس بات سے پاک ہے کہ ہو اس کی کوئی

وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ۠ ﴿۱۷۱﴾

اولاد اسی کا ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز

پچھلی آیات میں یہود کا ذکر تھا۔ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننا تو درکنار ایک شریف آدمی بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور ان کی والدہ ماجدہ پر گندے الزامات لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ انہیں قتل کرنے کا مذموم ارادہ کیا۔ اب عیسائیوں کی تردید کی جارہی ہے۔ جو جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۷۱) اے اہل کتاب یہاں سے خطاب نصاری کو ہے۔ اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ یعنی جناب عیسیٰ علیہ السلام کو حد سے نہ بڑھاؤ۔ یعنی ان کے متعلق خدائی کا دعوی یا اس کی اولاد ہونے کا دعویٰ مت کرو۔

مسئلہ: دین میں اور مذہب میں اتنا غلو کہ ولی یا نبی کو خدائی کا درجہ دینا یہ نہایت قبیح امر ہے۔ (جیسے ہمارے دور میں شیعہ جو غالی قسم کے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کے مرتبہ پر لے جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)۔ بعض وہ ہیں جو امام حسین رضی اللہ عنہ کو نبی سے بھی بڑھا دیتے ہیں۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا۔ قاضی)

غلو کے درجے: غلو میں بھی درجے ہیں کسی ہستی کو بڑھا کر حد سے اوپر لے جانا یہ بھی غلو ہے۔ اور اتنا گھٹانا کہ عام انسانوں سے بھی نیچے درجے میں لے جانا یہ بھی غلو ہے۔ جیسے بعض لوگ انبیاء اولیاء کے بارے میں کہتے ہیں

کہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں وہ ایک مکھی بھی نہیں مار سکتے وغیرہ وغیرہ معاذ اللہ۔

حدیث شریف :اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایسے نہ بڑھانا جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں حد سے تجاوز کیا۔ یعنی انہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ تم ان کے اور میرے متعلق کہو کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں (بخاری)۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی حق بات ہی کہو۔ یعنی اسے صفات کمالیہ سے ہی موصوف کرو۔ اور جو باتیں اس کی شان کے لائق نہیں یعنی اس کی طرف بیوی یا اولاد کو منسوب نہ کیا جائے۔ آگے فرمایا کہ بے شک مسیح جن کا اسم گرامی عیسیٰ ہے جو حضرت مریم کے صاحبزادے ہیں وہ اللہ کے کلمہ ہیں۔ کلمہ سے مراد ہے کہ امر کن سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یا وہ کلمہ جو اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبریل کے حضرت مریم کی طرف ڈالا۔ اور وہ اللہ کی طرف سے روح ہیں۔ اسی لئے انہیں روح اللہ کہتے ہیں۔ اور یہ نسبت تشریفی اور تفضیلی کی ہے جیسے بیت اللہ کی نسبت تشریفی ہے۔ اور یہ ہی وہ روح ہیں۔ جو جناب جبریل نے حضرت مریم میں پھونکا جو بی بی مریم کے پیٹ میں پہنچا تو وہ حاملہ ہو گئیں۔

آگے فرمایا کہ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر یعنی حضرت عیسیٰ کو خدا نہ بناؤ۔ انہیں رسول ہی رہنے دو۔ اور یہ بھی نہ کہو کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں یا ان کی والدہ مریم بی بی خدا ہیں۔ باز آ جاؤ۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور عقیدہ یہی رکھو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے۔ شریکوں سے پاک ہے۔ وہ پاک ہے اس سے بھی کہ اس کی اولاد ہو یا اس کی زوجہ ہو۔ اولاد اسے چاہئے۔ جو کمزور یا فنا ہونے والا ہو۔ بقا والے کو اولاد کی ضرورت نہیں۔ جیسے فرشتوں کی کوئی اولاد نہیں۔ جنتیوں کی کوئی اولاد نہیں۔ لہٰذا اللہ کی کیسے اولاد ہو سکتی ہے۔ وہ تو ازلی اور ابدی ہے۔ ان مشرکوں کی باتوں سے وہ منزہ ہے۔ آگے فرمایا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ سب اسی کی ملکیت میں ہے۔ جس ذات کی یہ شان ہو اسے اولاد کی کیا حاجت ہے۔

فائدہ :ابن الشیخ اپنے حواشی میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ان جاہل لوگوں کا رد ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی خلق اور ملک بھی مانتے ہیں۔ اور بیٹا بھی کہتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ جب کہ خالق و مخلوق میں کسی قسم کی مماثلت ہی نہیں نہ ان کی جنس ایک ہے۔ بلکہ خالق و مخلوق کے درمیان کبھی جنسیت نہیں ہو سکتی۔ لیکن پھر بھی یہ جاہل لوگ اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد اور اس کی بیوی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز۔ یعنی ساری مخلوق کے تمام معاملات اسی کے سپرد ہیں۔ اور وہ ذات تمام عالمین سے مستغنی اور بے پرواہ ہے۔ اس کے باوجود اس کیلئے اولاد کیسے تسلیم ہو سکتی ہے۔ جبکہ اولاد ہونا عجز اور محتاجی پر دلالت کرتی ہے اولاد کا مقصد تو یہ ہے کہ ماں باپ نہ رہیں۔ تو ان کے قائم مقام کوئی ہو۔ جو اس کے مکان اور جائیداد کو سنبھالے۔ اور اس کے تمام معاملات کو اس کی عدم موجودگی میں سرانجام دے۔ یا اس کی مدد کرے لیکن یہاں تو اس چیز کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ

ہرگز نہیں نفرت کرتے مسیح کہ ہوں بندے اللہ کے اور نہ ہی فرشتے جو مقرب ہیں

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

اور جو نفرت کرے گا اس کی بندگی سے اور تکبر کرے گا تو عنقریب اکٹھا کرے گا ان کو طرف اپنے سب کو

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ

البتہ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک تو پورے پورے دے گا ان کو ان کے اجر اور مزید بھی دیگا ان کو

مِّنْ فَضْلِهٖ ج وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

اپنے فضل سے البتہ جنہوں نے نفرت کی اور تکبر کیا تو عذاب دیگا ان کو عذاب

(آیت نمبر ۱۷۲) مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) اس بات کو برا نہیں جانتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں۔ اللہ کا بندہ ہونے کو انبیاء اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔ یہ کوئی ذلت کی بات نہیں۔ ذلت تو یہ ہے کہ بندہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود مانے۔

شرف نبوت : ہمارے حضور ﷺ جب معراج کی رات اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں پہنچے۔ تو فرمان الٰہی ہوا۔ کہ اے محبوب تجھے کون سا اعزاز دوں۔ تو عرض کی یا اللہ مجھے اپنا بندہ ہونے کا شرف عطا کیجئے۔

شان نزول: نجران کے عیسائیوں کا وفد حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ آپ ہمارے بزرگ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی کسر شان کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ وہ کیسے تو انہوں نے کہا آپ انہیں خدا کا بندہ کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ کلمہ ان کے لئے گال کے برابر ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کا بندہ کہلانے کو نہ عیسیٰ علیہ السلام برا سمجھتے ہیں اور نہ مقرب فرشتے اس کو برا سمجھتے ہیں۔

فائدہ: فرشتوں سے مراد کروبی فرشتے ہیں جو عرش الٰہی کے قریب رہتے ہیں۔ یعنی جبریل اور ان کے ہم مرتبہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ آگے فرمایا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے بندہ ہونے اور اس کی عبادت واطاعت کرنے کو اپنے لئے عار جانے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عبادت سے محروم رکھے گا۔ لہذا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھے اور تکبر کرے۔ تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو حشر کے دن جمع کرے گا کوئی بچ نہیں سکے گا۔ یعنی پھر ان میں سے ہر ایک کو اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

اَلِیْمًا ۙ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۷۳﴾

دردناک | پھر نہ پائیں گے | اپنا کوئی | سوائے اللہ کے | حمایتی | اور نہ مددگار

(آیت نمبر ۱۷۳) جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ انہیں اللہ تعالیٰ پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔ یعنی ان کو اجر دینے میں کسی قسم کی بھی کمی نہیں کی جائیگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے اجر وثواب میں اور بھی اضافہ فرمائے گا۔ اور ان کے اعمال سے کئی گناہ زیادہ بڑھا کر اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے گا۔ اور انہیں ایسے انعامات عطا فرمائے گا۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کان نے سنے نہ کسی کے دل پر ان کا خیال بھی گذرا۔ آگے فرمایا کہ البتہ وہ لوگ جو اللہ کی بندگی سے نفرت کرتے ہیں۔ اور تکبر کرتے ہیں۔ تو انہیں اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ جو انتہائی سخت دردناک ہوگا۔ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا حمایتی نہیں پائیں گے۔ جو ان کی سفارش کرے اور نہ ہی مددگار پائیں گے۔ جو انہیں اس دردناک عذاب سے بچائے۔

فرشتے افضل ہیں یا رسول: بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ دلیل بنالی کہ فرشتے انبیاء سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام معطوف اور فرشتے معطوف علیہ ہیں اور قاعدہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ سے افضل ہوتا ہے۔ اور آیت میں بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بندگی سے نفرت نہیں کرتے۔ جیسا کہ فرشتے بندگی سے استنکاف یعنی نفرت نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ فرشتے انبیاء سے افضل ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں درحقیقت نصاریٰ کا رد ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے۔ اور ان کو بہت سے معجزے ملے۔ غیوبات کا علم ملا اور آسمان پر اٹھائے گئے۔ وغیرہ لیکن ان تمام کمالات کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بندگی سے انکار نہیں کرتے۔ یوں ہی فرشتے بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔ کچھ غیب کی وہ باتیں جانتے ہیں۔ جنہیں عام آدمی نہیں جانتا۔ آسمانوں میں رہتے ہیں۔ یہ تمام باتیں باعث افضلیت نہیں۔ افضلیت اصل میں کثرت ثواب میں ہے۔ فرشتے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے برابر ثواب سے محروم ہیں۔ اور انبیاء کرام کے ثواب کا تو کوئی اندازا نہیں لگا سکتا۔

فرشتوں پر انبیاء کرام کو فضیلت حاصل ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کا پتلہ تیار ہوا اور اس میں روح ڈالی گئی۔ تو تمام فرشتوں کو حکم ہوا کہ سجدہ کرو۔ جب سب نے سجدہ کیا تو اس سے معلوم ہو گیا۔ کہ انبیاء کرام کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ ساجد اور مسجود میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بہرحال انبیاء کرام علیہم السلام تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا

اے لوگو تحقیق آ گئی تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور اتارا ہم نے تمہاری طرف نور

مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ

روشن ۔ تو جو ایمان لائے اللہ پر اور مضبوطی سے تھاما اس کو عنقریب داخل فرمائے گا ان کو

فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾

رحمت میں اپنی طرف سے اور فضل میں اور دکھائے گا ان کو اپنی طرف راستہ سیدھا

(آیت نمبر ۱۷۴) اے لوگو۔ یہ خطاب ہر انسان کو ہے۔ تحقیق آ گئی تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور اتارا ہم نے تمہاری طرف روشن نور۔ یہاں برھان بمعنی معجزہ اور نور مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔ برہان اسے کہتے ہیں کہ جس کے مطلب کو دلائل سے واضح کیا گیا ہو۔ اور قرآن کو نور اس لئے کہا گیا کہ یہ دلوں کو نور دیتا ہے۔

تشریح: برھان کا معنی دلیل بھی ہے۔ اور معجزہ بھی۔ اور یہ دونوں معنی قرآن پاک میں استعمال ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو برھان (معجزہ) دیا۔ لیکن ہمارے پیارے نبی کو سراپا معجزہ بنا کر بھیجا اس لئے کہ ان کا ہر ہر عضو معجزہ تھا۔ مثلاً آنکھ مبارک ایسا معجزہ تھا کہ آپ جیسے آگے دیکھتے اسی طرح پیچھے بھی دیکھتے تھے۔ اور اس سے بڑا معجزہ یہ کہ رب کا دیدار کیا اور آنکھ جھپکی بھی نہیں۔ الغرض آپ کے بدن مبارک کا ہر حصہ اپنے اندر کئی معجزات رکھتا تھا اور سب سے بڑا معجزہ معراج شریف ہے۔ ایسے اور اتنے معجزات اور کسی نبی علیہ السلام کو نہیں ملے۔

(آیت نمبر ۱۷۵) البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ پر اور اس کی برھان یعنی نبی پاک پر اور اس کے نور یعنی قرآن پر ایمان لائے۔ اور پھر اس کو مضبوط پکڑا کہ شیطان اور نفس امارہ بھی اس سے نہ چھڑا سکے۔ تو عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ یعنی ان کے ایمان اور نیک اعمال کے حساب سے ثواب دے گا۔ اور اپنے فضل سے دے گا۔ یعنی ثواب پر مزید احسان ہوگا۔ جسے وہی بہتر جانتا ہے۔ کسی کے تصور میں نہیں آ سکتا اور ان کی راہنمائی فرمائے گا۔ سیدھی راہ کی طرف یہاں صراط مستقیم سے مراد اسلام اور دنیا میں اطاعت اور آخرت میں راہ جنت ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی دنیا میں اسلام اور عبادت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ یعنی بندے کو نیک اعمال کی توفیق دیتا رہتا ہے۔ اور آخرت میں جنت کی طرف راہنمائی کرے گا۔

یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ

فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے فرمادو اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کلالہ کے بارے میں اگر کوئی مرد فوت ہو

لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ

نہیں ہے جس کی اولاد اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کو آدھا ملے گا جو اس نے چھوڑا اور وہ مرد پورا وارث ہوگا اگر

لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ

نہ ہو اس کی اولاد پھر اگر ہوں دو بہنیں تو ان کو دو تہائیاں ملیں گی ترکہ میں سے

وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ

اور اگر ہوں کئی بھائی مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا برابر حصہ دو عورتوں کے

یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۧ ﴿۱۷۶﴾

واضح فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے کہ تم بھٹک نہ جاؤ اور اللہ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے

(آیت نمبر ۱۷۶) اے محبوب آپ سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ **کلالہ**: اس کو کہتے ہیں۔ جس کا مرنے کے وقت والد یا اس سے اوپر بھی کوئی نہ ہو اور بیٹا اور اس سے نیچے بھی وارث کوئی نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے محبوب آپ ان کو کلالہ کی میراث کے متعلق بتا دیں۔ کہ وہ کیسے تقسیم کریں۔ اس علم سے جو ہم نے آپ کو عطا کیا۔ اگرچہ یہ مسئلہ چوتھے پارے کے آخر میں بیان ہو چکا ہے۔ مگر تاکیداً اس کو دوبارہ بیان فرما دیا۔

شانِ نزول: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حضور ﷺ بیمار پرسی کرنے گئے۔ تو انہوں نے کہا کہ میرے نہ ماں باپ میں کوئی وارث ہے۔ نہ اولاد میں اب میرا مال کسے ملے گا۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کشاف)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسا مرد فوت ہو جائے۔ کہ جس کی موت کے بعد اس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ یعنی اس کا لڑکا یا لڑکی نہیں ہے۔ لیکن اس کی بہن ہے۔ اور بہن سے مراد بھی بہن حقیقی ہے۔ یعنی صرف ماں کی طرف سے بہن مراد نہیں۔ کیونکہ اس کا چھٹا حصہ ہے۔ وہ بہن جو سگی ہے اور باپ کی طرف سے ہے علم میراث کی بولی میں اسے علیہ کہتے ہیں۔ اس کیلئے ترکہ میں سے نصف حصہ ہے۔ اس کے علاوہ جو مال ہے۔ وہ عصبہ کو ملے گا۔ اور اگر عصبہ بھی نہ

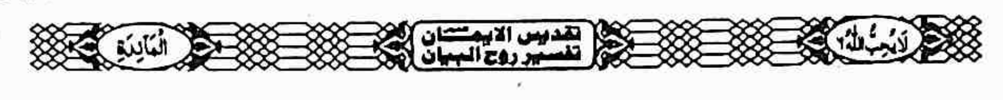
ہوں۔تو وہ مال بھی لوٹ کر بہن کے پاس آئیگا۔بشرطیکہ میت کی کوئی اولاد لڑکا یا لڑکی وغیرہ میں سے کوئی نہ ہو۔

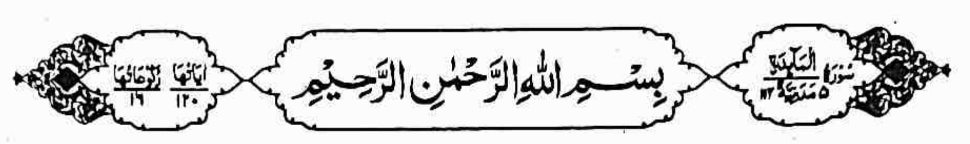
فائدہ :اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے کہ وراثت کے تمام مسائل کو خود ہی قرآن میں بیان فرمادیا۔تاکہ رشتہ داروں میں کسی قسم کے شکوک اور جھگڑے نہ رہیں۔خاص کر عورتوں کے متعلق کہ وہ ضعیف ہیں۔اور مال کمانے سے بھی عاجز ہیں اور مردوں سے دین وعقل میں بھی کم ہیں انہیں محروم نہ کریں۔اس لئے حقوق العباد کے تمام مسائل کو قرآن پاک میں واضح کرکے بیان فرمادیا۔

آگے فرمایا کہ اگر میت کی دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو میت کے ترکہ میں سے دوتہائیاں ملیں گی۔اور اگر میت کے بہنیں بھی ہو اور بھائی بھی ہوں یعنی مرد بھی ہوں ان کے ساتھ عورتیں بھی ہوں۔تو پھر یہ خیال رکھا جائے کہ ایک مرد کو دوعورتوں کے برابر حصہ دیا جائے گا۔**فائدہ**:وراثت کے مسائل میں یہ آیت آخر میں آئی۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے کہ سورۂ نساء کے اندر وراثت کے مسائل میں پہلے ابتدائی حصہ باپ دادا اور اولاد کے متعلق ہے اور درمیان میں دوسرا حصہ زوج زوجہ اور ماں اور بہن کے اور پھر کلالہ کے مسائل ہیں اور سورۂ نساء کے آخر میں بہن حقیقی اور بہن علیہ پر بیان ختم کیا۔آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کلالہ کے جملہ احکام اور شرعی مسائل بیان فرمادیئے تاکہ تم ان مسائل میں کسی پر زیادتی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔یعنی تمہارے زندگی کے تمام احوال اور موت کے سارے احکام کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا۔اور وہ بہت بڑے علم والا ہے کہ تمہاری مصلحت اور منافع کو بھی جانتا ہے۔اور حکمت والا ہے یہ اس کی حکمت کا ہی تقاضا ہوا کہ اس نے وراثت کے تمام مسائل کو خود بیان فرمایا۔ورنہ اگر حضور ﷺ ان مسائل کو بیان فرماتے۔تو کئی کیڑوں نے ان مسائل میں کیڑے نکالے ہوتے اور احادیث کو ضعیف اور موضوع کہہ کر مسائل میں الجھن پیدا کردیتے اور یہ بات اللہ پاک کو بھی گوارا نہیں ہوئی۔کہ کوئی اس کے نبی کی باتوں میں کیڑے نکالنے کی کوشش کرے۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی کامل مومن اس وقت تک نہیں ہوسکتا۔جب تک کہ میں اسے جان مال اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں (بخاری شریف)۔دوسری **حدیث** میں فرمایا۔کہ تم میں سے اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔جب تک کہ اس کی تصدیق نہ کرے جو میں لیکر آیا ہوں (مشکوۃ شریف)۔لہذا وراثت کے تمام مسائل اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرمادیئے۔تاکہ اگر کسی نے اعتراض کرنا ہے تو مجھ پر کرے۔پھر میں جانوں اور وہ جانیں۔





يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى

اے ایمان والو پورے کرو اپنے وعدے حلال کئے گئے تمہارے لئے جانور مویشی مگر جو بتایا جائے گا

عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

تمہیں نہیں حلال شکار اس حال میں کہ تم احرام میں ہو بے شک اللہ فیصلہ فرماتا ہے جو چاہے۔

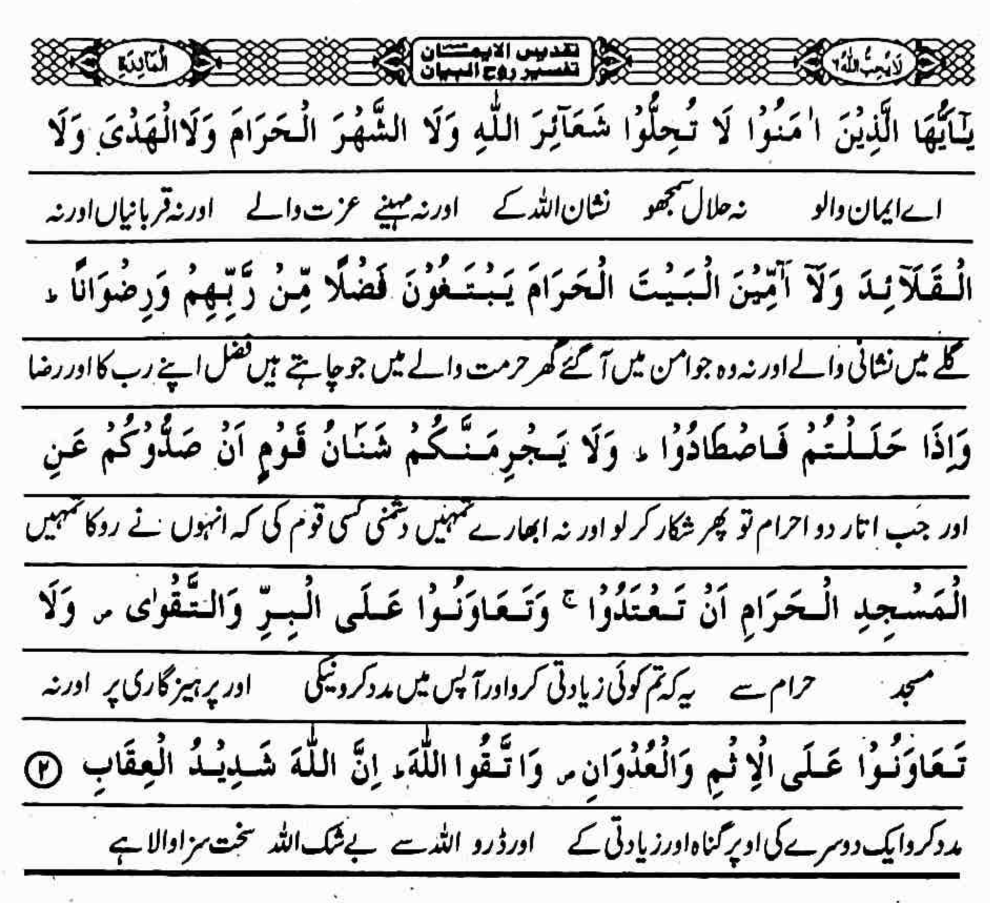
(آیت نمبرا) اے ایمان والواپنے وعدے پورے کرو

فائدہ: عقود کا مطلب شرعی احکام اور تکالیف دینیہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض فرمائے۔ اس کے ضمن میں بندوں کے معاہدے اور امانات کی ادائیگیاں بھی مراد ہیں۔ جن کا پورا کرنا ان پر ضروری ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مسائل نکالے۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ عورت کو بیک وقت تین طلاق نہ دے۔ اس لئے کہ اس نے نکاح کر کے عورت سے ایک قسم کا معاہدہ کیا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اس معاہدے کو احسن طریقے سے پورا کرے۔ آگے فرمایا کہ تمہارے لئے جانور چوپائے حلال کئے گئے۔ پہلے عام جانوروں کا ذکر کر کے پھر ان میں جو حلال تھے۔ ان کو بیان کیا۔ اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری وغیرہ اور ان کے نر و مادہ کے لحاظ سے حلال جانوروں کی آٹھ قسمیں بنتی ہیں۔ جو سورۂ انعام میں بیان ہوئیں۔

آگے فرمایا تمہارے لئے چوپائے حلال ہیں۔ مگر وہ جن کی حرمت قرآن پاک میں بیان کردی گئی۔ مزید جن کا بیان ابھی آنے والا ہے۔ خصوصاً تم نہ حلال سمجھو شکار کو اس حال میں کہ تم احرام میں ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تمام جانور حلال ہیں۔ مگر جن کی حرمت قرآن میں واضح ہوگئی۔ بعض وہ بھی جانور ہیں جو اصل میں تو حلال ہیں لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے وقتی طور پر ان کو حرام کیا گیا۔ ان میں سے احرام کی حالت میں شکار کیا ہوا جانور بھی ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے یعنی حلت و حرمت کے تمام مسائل لوگوں کی مصلحت اور رب تعالیٰ کی حکمت کے تقاضا کے مطابق بیان ہوئے ہیں۔ لہذا رب تعالیٰ سے ایفائے عہد یہی ہے کہ اس کے حلال کردہ کو حلال اور حرام کردہ کو حرام جانیں اور اسی عقیدے کے مطابق عمل بھی کریں۔



يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا

اے ایمان والو نہ حلال سمجھو نشان اللہ کے اور نہ مہینے عزت والے اور نہ قربانیاں اور نہ

الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ

گلے میں نشانی والے اور نہ وہ جو امن میں آ گئے گھر حرمت والے میں جو چاہتے ہیں فضل اپنے رب کا اور رضا

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ

اور جب اتار دو احرام تو پھر شکار کر لو اور نہ ابھارے تمہیں دشمنی کسی قوم کی کہ انہوں نے روکا تمہیں

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا

مسجد حرام سے یہ کہ تم کوئی زیادتی کرو اور آپس میں مدد کرو نیکی اور پرہیز گاری پر اور نہ

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾

مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر گناہ اور زیادتی کے اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ سخت سزا والا ہے

(آیت نمبر۲) اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے شعائر کو حلال نہ جانو۔ ابن جریر کہتے ہیں۔ شعائر شعیرہ کی جمع ہے۔ شعیرہ کا معنی ہے۔ وہ علامت جس سے کسی چیز کی پہچان ہو سکے۔ اور یہاں مراد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جن احکام کو اسلام کا طرۂ امتیاز بنایا ہے ان کی پابندی کرو۔ اور جو حدیں قائم کیں ان سے تجاوز نہ کرو۔

شانِ نزول : یہ آیت شریح ابن ضبیعہ کے متعلق نازل ہوئی۔ جو یمامیہ سے آیا تھا۔

نبی کا علم غیب : نبی پاک علیہ السلام نے اس کے آنے سے پہلے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطلع فرما دیا تھا کہ یمامیہ سے ایک شخص شیطانی زبان والا آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ حاضر ہوا اور اپنی سواری کو مدینہ شریف سے باہر ہی باندھ آیا۔ اور آ کر حضور ﷺ سے پوچھنے لگا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری دعوت یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کسی کو خدا نہ مانو نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو کہنے لگا۔ بہت اچھا۔ میرے ساتھ کچھ اور لوگ ہیں۔ میں ان کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ جب وہ واپس ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کافرانہ شکل لے کر آیا تھا اور دھوکہ باز بن کر واپس چلا گیا۔ جب مدینہ شریف سے باہر نکلا۔ تو وہ مسلمانوں کے اونٹ چرا کر بھاگ

گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیچھا کیا لیکن وہ بہت دور نکل چکا تھا۔ اگلے سال بکر بن وائل کے حاجیوں کے ساتھ حج کیلئے جا رہا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ اس نے جانوروں کے گلے میں قربانی کی علامت کے طور پر قلادے ڈال رکھے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو پکڑنا چاہتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روک دیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس بات کو پسند نہ کیا۔ اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ اللہ کے نشانوں کو حلال نہ جانو اور بتادیا کہ اگرچہ وہ تمہارا مجرم ہے۔ لیکن میرے گھر کی نیت سے نکلا ہے لہذا اسے کچھ نہ کہو۔ اور جانوروں کے گلے میں قربانی کی نشانی ڈالی۔ لہذا انہیں جانے دو۔

فائدہ: قربانی والے جانور کو بدنہ کہتے ہیں اور دوسرے مقام پر بدنہ کے متعلق فرمایا کہ وہ شعائر اللہ میں سے ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کا تقوی ہے۔ اس لئے جس جانور کے گلے میں قربانی کیلئے قلادہ ڈال دیا گیا اب اسے پکڑنا نامناسب ہے۔ (اس لئے اللہ و رسول نے منع کر دیا) کیا ہی عمدہ تعلیم ہے۔ کہ کوئی بھی ہو میرے گھر کی طرف نکلا ہے اب اسے کچھ نہ کہو۔

اور فرمایا کہ نہ شعائر اللہ کو حلال جانو اور نہ حرمت والے مہینے میں قتل و غارت کر کے اس مہینے کی بے حرمتی کرو۔

حرمت والے مہینے چار ہیں: (۱) ذی قعدہ۔ (۲) ذوالحج۔ (۳) محرم۔ (۴) رجب۔

اور فرمایا کہ نہ ہی قربانی کے جانوروں پر غضب کرو۔ کہ انہیں قربان گاہ تک پہنچنے سے روک دو۔ اور نہ قلادہ والی قربانی کے پیچھے پڑو اور نہ چھیڑو ان کو جو امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ یعنی تم ان کو کسی حیلہ سے روکنے کی کوشش نہ کرو کہ وہ زیارت نہ کر سکیں۔ اگر وہ تلاش کرتے ہیں فضل اپنے رب کا یا اس کی رضا کے طالب ہیں۔

تنبیہ: اسلام کے دامن سے وابستہ ہوئے بغیر رضاء الہٰی کا حصول بالکل ناممکن ہے۔ اگرچہ اپنے خیال کے مطابق وہ لاکھوں بار دعوی کرے کہ میں رضا کا طالب ہوں۔ اگر وہ دین اسلام پر نہیں تو دعوی بے کار ہے۔

فائدہ: یہودی و نصاری کے بھی تو یہی دعوے تھے کہ ہم صحیح راہ پر ہیں۔ اور ہمارے یہ حج وغیرہ بروز قیامت اللہ کے قریب کریں گے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے لفظ "رضوانا" کہہ کر بتادیا کہ ان کا یہ گمان فاسد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں۔ ہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت کے بدلے دنیا کا نفع عطا کر دے۔ تو اس کے فضل و کرم کو کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ انہیں دنیوی امور میں کوئی نفع حاصل نہ ہو۔ یا انہیں دنیوی تکلیفوں اور پریشانیوں سے نجات نہ مل جائے۔ لیکن جب تک وہ شرک وغیرہ چھوڑ کر دین اسلام میں نہیں آ جاتے۔ اخروی فوائد انہیں حاصل نہیں ہو سکتے۔

تنبیہ: یہ آیت منسوخ ہے: "فاقتلوا المشرکین" والی آیت سے۔ اور دوسری آیت جو اس کی ناسخ ہے وہ

"فلایقربوا المسجد الحرام الخ" ہے۔

مسئلہ: لہذا اب کوئی مشرک نہ حج پڑھ سکتا ہے۔ نہ وہ خانہ کعبہ کے قریب آ سکتا ہے۔ نہ قربانی کے جانور کو قلادہ ڈال کر اپنی یا جانور کی جان بچا سکتا ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ جب احرام کھول کر حلال ہو جاؤ۔ تو پھر شکار کر لو۔ شکار کی ممانعت احرام کی حرمت کی وجہ سے تھی۔ اصطادو کا صیغہ امر کا ہے۔ لیکن اس سے مراد اباحت ہے۔ یعنی احرام کی حالت میں جو شکار سے روکا گیا تھا۔ اب اس کی اجازت ہے۔ شکار کر سکتے ہو کوئی گناہ نہیں۔

آگے فرمایا کہ نہ ابھارے تمہیں کسی قوم کے ساتھ بغض وعداوت کہ انہوں نے تمہیں کسی وقت مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ جیسے کفار مکہ نے مسلمانوں کو حدیبیہ میں روکا اور کہا کہ تم اس سال نہ عمرہ کر سکتے ہو۔ نہ کعبہ کی زیارت کر سکتے ہو۔ تو تم اب اس عداوت کو سامنے رکھ کر ان سے زیادتی کرو۔ (کیسی خوبصورت تعلیم دی جا رہی ہے)

آگے فرمایا کہ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے ایسے تعاون کرو۔ کہ اقوام عالم میں تمہارے تعلقات کی یہ مثال قائم ہو جائے۔ یعنی تم ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہو۔ اور خواہشات نفسانی سے دور رہو۔ اور گناہ اور حد سے تجاوز کرنے والے کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

مسئلہ: مظلوم کی مدد ضرور کی جائے۔ لیکن جو ظالم تجاوز کر رہا ہے اس کی مدد نہ کی جائے۔

مسئلہ: نیکی اور پرہیزگاری کی بناء پر ہر کسی سے تعاون کرنا چاہئے۔ مگر مسلمان کے ساتھ تعاون واجب ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا۔ کہ اچھے اخلاق کا نام نیکی ہے۔ اور گناہ جو چیز تیرے دل میں کھٹک جائے (مسلم شریف) (یعنی اندر کا مفتی کہہ دے یہ غلط ہے) اسی کا نام گناہ ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہو جن باتوں کا حکم دیا یا جن باتوں سے منع کیا۔ ان میں اس کی مخالفت اور نافرمانی نہ کرو۔ **فائدہ**: یہاں دلیل برہانی سے تقویٰ کا وجوب ثابت ہوا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے اس کو جو اس ذات سے نہیں ڈرتا۔ یعنی اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا۔ یا اس کی کسی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔ اس کیلئے اس آیت میں سخت وعید ہے۔ **سبق**: ہمارے پیارے آقا ﷺ تمام قسم کے مکارم اخلاق آراستہ تھے۔ اور تمام قسم کی نیک صفات سے متصف تھے۔ لہذا آپ سے محبت کرنے والے پر لازم ہے کہ آپ کی سیرت کو اپنائے۔ اور آپ کے نقش قدم اور سنتوں پر چلنے کی پوری کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صفات بیان فرما کر اپنے پیارے حبیب ﷺ کو فرمایا کہ آپ بھی ان کے طریقے کی اقتداء کریں۔ یعنی ان کے اخلاق کو اپنائیں۔ اور امت کو بھی اس کا حکم دیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور گوشت خنزیر کا اور جس پر بولا جائے بوقت ذبح غیر اللہ کا نام

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا

اور گلا گھونٹ کر مرنے والا اور مارا ہوا بے دھار چیز سے اور گر کر مرا ہوا اور کسی جانور کا سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جو کھایا ہو درندے نے مگر

مَا ذَكَّيْتُمْ ط وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ

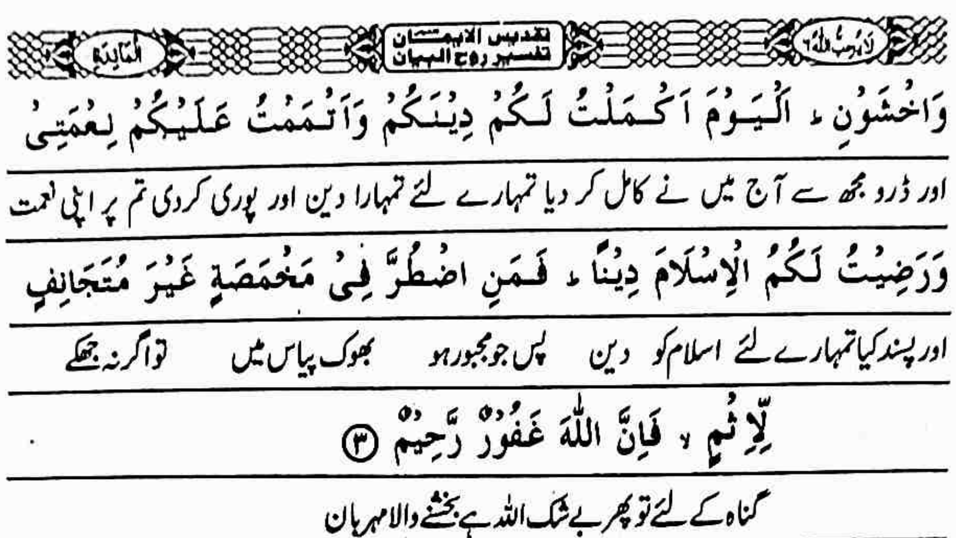
جسے تم ذبح کر لو اور جو ذبح ہوا او پر تھان کے اور یہ کہ تم بانٹو پانسے ڈال کر یہ ہے

فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

گناہ کا کام آج ناامید ہو گئے کافر تمہارے دین کی طرف سے تو نہ ڈرو ان سے

(آیت نمبر۳) حرام کئے گئے تم پر مردار۔ یہاں سے ان جانوروں کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو حرام ہیں۔

فائدہ: جس جانور کی روح ذبح کئے بغیر نکل جائے وہ مردار ہے۔ (اس کا کھانا حرام ہے) اور خون جو بوقت ذبح نکلے جیسے رگوں سے نکلنے والا خون۔ جسے دم مسفوح کہا جاتا ہے۔ کفار اسے حلال جانتے تھے۔ **فائدہ:** عہد جاہلیت میں آنتوں سے نکلنے والے خون آنتوں میں ہی بند کر لیتے۔ بعد میں اسے بھون کر کھاتے۔ اور یہ کہتے کہ جو جانور ذبح ہو اس کا خون ناپاک نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس کا پینا حرام کر دیا ہے۔ آگے فرمایا کہ خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے۔ بلکہ نجس العین ہے۔ چونکہ کفار خنزیر کا گوشت کھانا اپنی مرغوب غذا سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس کے گوشت کا سپیشل ذکر کیا۔ ورنہ خنزیر تو سارے کا سارا ہی حرام ہے۔ **نکتہ:** اطباء نے بھی خنزیر کی بے شمار بری خصلتیں بیان کی ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے کھانے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ طبیبوں کا طبیب ہے۔ اس لئے اس نے چاہا۔ کہ وہ بری خصلتیں جو خنزیر میں ہیں۔ انسانوں میں نہ آ جائیں۔ اور ان کی سب سے بری خصلت بے غیرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اسے کھاتے ہیں۔ ان میں غیرت نام کی کوئی چیز نہیں رہتی۔ آگے فرمایا وہ جانور بھی حرام ہے۔ جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا۔ یہاں بعض لوگ غلطی کھا گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس چیز پر بھی غیر اللہ کا نام آئے۔ وہ چیز حرام ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس سے یہ مراد نہیں ہے۔ ورنہ کوئی چیز بھی حلال نہ رہے۔ کیونکہ ہر چیز پر کسی نہ کسی کا نام ضرور ہوتا ہے خواہ وہ زمین ہو یا مکان یا گاڑی وغیرہ تو کیا یہ سب حرام ہوں گی لہذا جان لو۔ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور جن پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ مردار کی طرح حرام ہیں۔


وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ

اور ڈرو مجھ سے آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کردی تم پر اپنی نعمت

وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ

اور پسند کیا تمہارے لئے اسلام کو دین پس جو مجبور ہو بھوک پیاس میں تو اگر نہ جھکے

لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ③

گناہ کے لئے تو پھر بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان

جن پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی بت وغیرہ کا نام لیا گیا۔ جیسے کفار مکہ لات منات کا نام لے کر ذبح کرتے تھے یا دیگر مشرکین اپنے اپنے معبودان باطل کا نام لیکر ذبح کرتے تھے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں کہ ذبح کے وقت اللہ کے بغیر خواہ نبی کا نام لیا جائے۔ جانور حرام ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس پر جو ماں باپ پر لعنت کرے۔ اور جو ذبح غیر اللہ کے نام پر کرے۔ (مسلم شریف نے روایت کیا)۔

آگے فرمایا کہ وہ جانور بھی حرام ہے جو گلا گھونٹنے کی وجہ سے مرجائے۔ خواہ کسی انسان نے گلا دبایا ہو۔ یا کسی اور چیز سے گلا گونٹ گیا۔ جیسے کسی رسی وغیرہ میں یا لکڑی میں گلا پھنس جائے اور جانور مرجائے تو حرام ہو گیا۔

فائدہ: عہد جاہلیت میں خود ہی گلا گھونٹ کر مارتے پھر کھا بھی لیتے تھے۔ آگے فرمایا وہ جانور بھی حرام ہے۔ جس کی جان لکڑی یا پتھر لگنے سے نکل جائے۔ اور وہ جانور بھی جو بلند جگہ سے نیچے گرا کر مرجائے۔ اسی طرح وہ جانور بھی حرام جسے کسی جانور نے سینگ مار مار کر ہلاک کر دیا ہو۔ اور وہ جانور بھی حرام ہے۔ جسے درندے نے چیر پھاڑ کر کھایا ہو۔ مگر وہ حلال ہے۔ جسے تم نے مرنے سے پہلے ذبح کر کے حلال کر لیا۔ وہ حلال ہے۔ اور اس کا کھانا مباح ہے۔ اگر ذبح سے پہلے روح نکل گئی تو حرام ہو گیا۔ جیسے انگلینڈ میں کرنٹ لگاتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کئی مرغ ذبح ہونے سے پہلے ہی کرنٹ لگنے سے مرجاتے ہیں۔

مسئلہ: اسی طرح مذکورہ تمام جانور بھی روح نکلنے سے پہلے اگر ذبح کر لئے تو وہ حلال ہیں ورنہ حرام۔

حدیث شریف: حلال وحرام واضح ہو چکے۔ ان کے درمیان شبہے والی چیزیں ہیں۔ جن میں شبہ ہو اسے چھوڑ دو (بخاری ومسلم) (حلال وحرام وشکار کے دیگر تفصیلی مسائل فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مطالعہ کریں)

مسئلہ: ذبح سے پہلے کسی جانور کا گوشت اتارا جائے۔ وہ کھانا حرام ہے۔

مسئلہ: دارالحرب سے دارالسلام میں لایا گیا گوشت بھی حرام ہوتا ہے۔ کیونکہ عموماً کفار کلہاڑی وغیرہ مار کر جانور کو مار دیتے ہیں۔ پھر گوشت بناتے ہیں لہذا ایسا گوشت کھانا بھی حرام ہے۔ (یہ تو پرانے زمانے کی بات ہے۔ آج کل بجلی کا جھٹکا لگاتے ہیں جس کی وجہ سے حرام ہونے کا شبہ ہے۔ مرغے تو یقیناً جھٹکا برداشت نہیں کر سکتے۔ جن میں سے اکثر ذبح سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ پھر ذبح کے وقت بھی معمولی چھری پھیری جاتی ہے۔ چار رگیں تو درکنار ایک رگ بھی بہ مشکل کٹتی ہوگی۔ الا ماشاء اللہ۔ لہذا مسلمانوں کو احتیاط لازم اور شبہات سے پرہیز ضروری ہے۔ (قاضی)

آگے فرمایا۔ اور وہ جو تیروں سے تم قسمت آزماتے ہو۔

شان نزول: عربوں کی عادت تھی کہ جب کسی کام کے بارے میں معلوم کرنا ہوتا۔ کہ یہ کرنا ہے یا نہیں تو تین تیروں میں سے ایک پر لکھتے رب کا حکم یہ ہے۔ دوسرے پر لکھتے رب نے منع کیا۔ تیسرے کو خالی چھوڑ دیتے۔ اگر پہلا تیر صحیح جگہ لگ جاتا تو سمجھتے یہ کام کرنا چاہئے۔ اس کا حکم ہو گیا۔ دوسری جگہ لگتا تو کہتے یہ کام نہیں کرنا۔ اللہ نے منع کر دیا۔ اگر تیسرے کو جا لگتا تو پھر دوبارہ قسمت آزمائی کرتے۔ بعض کا خیال ہے کہ ذبح شدہ جانوروں کی تقسیم تیروں سے کرتے۔ جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گذر گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیروں سے تقسیم والا معاملہ بھی سخت گناہ سرکشی اور گمراہی ہے۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کی طرف سے ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور یہ بھی شرک میں داخل ہے۔ **مسئلہ:** اس سے معلوم ہوا کہ نجومیوں اور کاہنوں کی بات کی تصدیق کرنا۔ اور کہنا کہ تیرا ستارہ یہ کہتا ہے۔ یہ سب فسق میں داخل ہے۔ اور غیب کا علم اللہ کے پاس ہے۔ (جس نبی کو چاہا اللہ نے علم دیا) نجومیوں اور کاہنوں کے پاس کوئی علم غیب نہیں۔ ان کے متعلق آدمی غلط اعتقاد میں آ کر اور ان پر اعتماد کر کے کفر میں جا سکتا ہے۔ لہذا ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔ آگے فرمایا۔ اور ان جانوروں کا گوشت بھی حرام ہے۔ جو تھان پر (بتوں کے پاس) ذبح کرتے ہیں۔ جیسے کفار مکہ بتوں کے پاس ذبح کرتے اور کہتے یہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور ہم اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ذبح کرتے ہیں۔ **حدیث شریف:** جادو منتر کنکریاں پھینکوانا۔ بدفالی لینا بت پرستی کی قسم سے ہے۔ (ابوداؤد، نسائی و ابن ماجہ)۔ آگے فرمایا آج کے دن سے کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے۔ اس لئے۔ کہ آج کے دن سے ان کی کمر ٹوٹ گئی انہیں معلوم ہو گیا۔ کہ اب وہ تمہیں نہیں مٹا سکتے۔ تم نے انہیں مکمل طور پر جھٹلا دیا۔ اور ان کی حرام اشیاء کو تم حلال نہیں جانو گے۔ یا اس بات سے ناامید ہو گئے کہ اب وہ تم پر غلبہ پا سکیں گے۔ اب انہیں یقین ہو گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین کو سب ادیان پر غالب کر دیا۔ اس لئے فرمایا کہ اب تم ان سے مت ڈرو۔ کہ وہ تم

پر غالب آئیں گے۔ صرف مجھ سے ڈرو۔ اس لئے کہ تمہیں یہ غلبہ میں نے دیا ہے۔ آگے فرمایا کہ آج سے میں نے تمہارے دین کو کامل مکمل کر دیا ہے۔ کہ تمہارے عقائد اور اسلام کے اصول وضوابط پورے طور پر بیان کر دیئے اور شرعی مسائل میں کوئی بات چھپی نہیں رہی۔ حق سب پر واضح ہو گیا۔ اور یہ دین زندگی کے ہر پہلو پر یہ مکمل راہنمائی کرتا ہے۔ یہ دین کے تکمیل کی علامت ہے۔ اور فرمایا کہ میں نے پسند کر لیا تمہارے لئے دین اسلام کو۔ کہ اس میں تمہارے لئے دونوں جہانوں میں خیر ہی خیر ہے۔

فاروق اعظم کا یہودی کو جواب: ایک یہودی نے کہا۔ امیر المومنین آپ کے قرآن میں ایک آیت ایسی ہے۔ اگر وہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے اترنے والے دن کو بطور عید کے مناتے۔ پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے۔ اس نے کہا۔ "الیوم اکملت الخ" آپ نے فرمایا (اس دن تو ہماری دو عیدیں تھیں) (بخاری کتاب الایمان)۔ کہ ہمیں وہ دن بھی معلوم ہے۔ وہ مقام بھی معلوم ہے۔ کہ یہ آیت کس جگہ نازل ہوئی۔ یعنی دن جمعہ کا تھا۔ اور ذوالحج کی نویں تاریخ تھی۔ بلکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ اس دن کئی عیدیں جمع ہو گئی تھیں: (۱) یوم جمعہ۔ (۲) یوم عرفہ۔ (۳) عید یہود۔ (۴) عید نصاریٰ۔ اور (۵) عید مجوس۔ یہ وہ خصوصیت ہے۔ جو اسلام کے سوا کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ **فائدہ:** جب مذکورہ جانوروں کی حرمت بیان ہوئی۔ یعنی اس سورۃ کی ابتداء سے یہاں تک جن جن محرمات کا بیان ہوا اور حکم دیا گیا کہ ان کے قریب بھی مت جاؤ۔ تو ایک سوال پیدا ہوا۔ کہ اگر بھوک سے جان نکل رہی ہو۔ اور حلال چیز نہ ملے تو پھر کیا کرے۔ تو اس کے متعلق فرمایا۔ کہ جو آدمی حرام کھانے کیلئے مجبور ہو جائے کہ اگر نہیں کھائے گا تو موت واقع ہو سکتی ہے۔ تو ایسے مجبور آدمی کو اجازت دی گئی کہ وہ اتنا کھا سکتا ہے کہ جس سے جان بچ جائے۔ جب کہ اس حرام کی طرف کوئی پہلے ہی میلان نہ ہو۔ یعنی بطور لذت کے نہ کھائے یا حد سے تجاوز نہ کرے۔ جیسا کہ پیچھے بیان گذر چکا۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اس کھانے پر پکڑ نہیں فرمائے گا۔ **حدیث شریف:** ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ کبھی کبھی ہم پر سخت قحط آ جاتا ہے۔ تو کیا ہم مردار کھا سکتے ہیں تو فرمایا کہ ایسی صورت میں اگر شکار بھی نہ ملے ساگ پات بھی نہ پاؤ۔ اور بھی کوئی ذریعہ نہ ہو۔ تو بقدر جان بچانے کے کھا سکتے ہو۔ (سنن الکبریٰ، للبیہقی)

امت محمدیہ کی فضیلت: اس آیت سے امت مصطفیٰ ﷺ کی شان معلوم ہوئی۔ جن پر دین بھی مکمل ہوا۔ اور نبی کریم ﷺ کو ختم نبوت کا تاج پہنا کر اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنی نعمت مکمل فرما دی۔ یعنی آدم علیہ السلام سے شروع ہونے والا دین حضور ﷺ پر مکمل فرمایا۔ جیسے نبوت ہمارے حضور پر ختم اسی طرح دین بھی ہمارے حضور ﷺ پر مکمل کر دیا۔ یہ آیت ختم نبوۃ پر واضح دلیل ہے۔ پھر آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے اس دین کو جوان کے سپرد ہوا۔ دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت حضور کی اتباع میں رکھ دی۔ اور فرمایا اگر مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے محبوب کی اتباع کرو۔ تو محبت سے محبوب بن جاؤ گے۔ پھر تمہارے سب گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا حلال ہوا ان کیلئے فرمادو کہ حلال ہیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور جو سدھار لئے تم نے شکاری جانور

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ

شکار پر دوڑانے کے لئے سکھایا تم نے ان کو جو علم دیا تمہیں اللہ نے تو کھاؤ اس میں سے جو روک رکھا تمہارے لئے

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

اور بولو نام اللہ کا اس پر اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے

(آیت نمبر۴) آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لئے حلال کی گئی۔ اے میرے محبوب ان کو فرمادیں کہ تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ میرا نبی ان کے لئے پاک چیزیں حلال کرتا ہے۔ اور پلید چیز حرام کرتا ہے۔ اور وہ جانور بھی حلال ہے جو تمہارے سکھائے ہوئے شکاری جانور نے شکار کر کے تمہارے لئے چھوڑ دیا۔ کہ اس نے اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔

شان نزول: عدی بن حاتم اور زید الخیر نے عرض کی کہ یارسول اللہ ہم کتے اور باز کے ذریعے شکار کرتے ہیں۔ کیا یہ ہمارے لئے حلال ہے۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہر وہ جانور جسے شکار کی تعلیم دی گئی ہو۔ اس کا کیا ہوا شکار حلال ہوتا ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ شکاری درندے یا پرندے جنہیں تم شکار کی تعلیم دیتے ہو۔ اور آداب سکھا چکے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم دیا۔

وہ چار شرائط سے حلال ہے: (۱) سکھایا ہوا شکاری جانور مسلمان کا ہو۔ (۲) شکار کو زخم لگائے بغیر روکا ہو۔ (۳) بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر وہ شکاری جانور چھوڑا ہو۔ (۴) شکاری کے پاس زندہ آئے۔ اور اس نے تکبیر کہہ کر ذبح کر لیا ہو۔ تو وہ بلاشبہ حلال ہے۔ ہر مسلمان اسے کھا سکتے ہیں۔

فائدہ: جانوروں کو سدھانے کا بھی ایک وسیع علم ہے۔ جو زیادہ تو الہامی ہے۔ اگر چہ اس میں عقل کا بھی دخل ہے۔ اور اس میں فضل الٰہی بھی شامل ہوتا ہے۔ ورنہ بے شعور کو شعور دینا بھی مشکل امر ہے۔

تنبیہ: شکاری جانور کا چند مرتبہ تجربہ بھی کرنا چاہئے کہ وہ شکار کر کے مالک کا انتظار کرتا ہے یا نہیں اور مالک اسے روکتا ہے تو وہ رک جاتا ہے یا نہیں۔ اور مالک اسے واپس بلائے تو آ جاتا ہے یا نہیں۔ اور شکار کر کے خود کھاتا ہے یا مالک کیلئے چھوڑتا ہے۔ اگر اس شکار میں سے وہ خود کھاتا ہے تو پھر شکار حلال نہیں ہے۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ

آج سے حلال ہوگئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان کا جو اہل کتاب ہیں حلال تمہارے لئے

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ؗ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور کھانا تمہارا بھی حلال ہے ان کے لئے اور پارسا عورتیں مسلمانوں سے اور پارسا عورتیں ان کی جو

آگے فرمایا کہ کھاؤ اس میں سے جو تمہارے لئے روک رکھا اس نے **مسئلہ**: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ شکاری پرندوں کا بچا ہوا گوشت تو بالاتفاق کھانا جائز ہے۔ لیکن شکاری درندوں خصوصاً کتے کا بچا ہوا کھانا ناجائز ہے۔

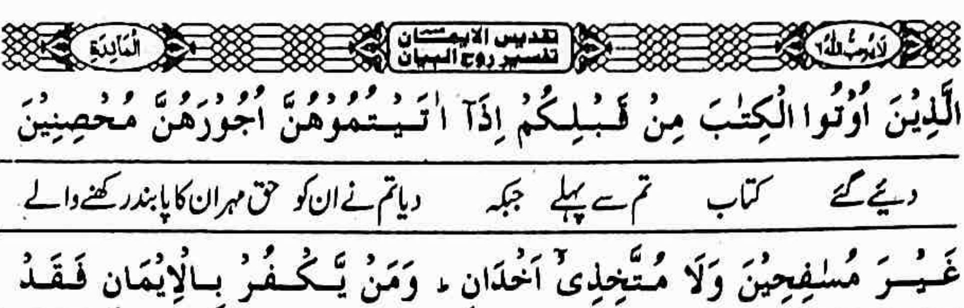
آگے فرمایا کہ اس پر اللہ کا نام لو۔ یعنی شکار چھوڑتے وقت ہی ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ لو۔ جب وہ تمہارے لئے شکار پکڑ لیں۔ تو تم اللہ کا نام لے کر انہیں ذبح کر لو۔ **حدیث شریف**: اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ سکھائے ہوئے کتوں سے شکار کرو۔ جنہیں تم نے شکار کے طریقے نہیں سکھائے ان کے مارے ہوئے سے بچو (بخاری کتاب الذبائح)۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو کسی جاندار چیز کی تو اس گھر میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس سے کراماً کاتبین یا موت دینے والے فرشتے مراد نہیں بلکہ وہ فرشتے مراد ہیں۔ جو مسلمانوں کی زیارت کرنے اور ذاکروں کا ذکر سننے آتے ہیں۔ اور گھر والوں کیلئے رحمت و برکت کی دعا کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ یعنی مختصر وقت میں سب کا حساب لے لے گا۔

مسئلہ: شکاری کتا رکھنا مباح ہے۔ لیکن لہو و لعب کیلئے نہ ہو۔ بلکہ اپنی ضرورت اور حاجت کیلئے ہو۔ کہ خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے۔

(آیت نمبر ۵) آج سے تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں۔ یعنی وہ چیزیں جن پر شارع کی طرف سے کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو۔ اور ہو بھی بالکل پاک طیّب اور طبیعت بھی اس کی طرف میلان کرے۔ اور اہل کتاب (یہودی و نصاریٰ) کا کھانا بھی حلال ہے تمہارے لئے۔ یعنی ان کے ذبیحے حلال ہیں اگر وہ صحیح ذبح کریں۔

حدیث شریف: ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ہم جہاں رہتے ہیں وہاں اہل کتاب بھی بستے ہیں۔ تو کیا ہم ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں اور ان کے برتن استعمال کر سکتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا بلا ضرورت ان کے ساتھ نہ کھاؤ نہ ان کے برتنوں میں کھاؤ۔ اگر اور برتن میسر نہ ہوں تو انہیں دھو کر ان میں کھالو۔ (بخاری و مسلم)



الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ

دیئے گئے کتاب تم سے پہلے جبکہ دیا تم نے ان کو حق مہران کا پابند رکھنے والے

غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ

نہ صرف پانی نکالنے والے اور نہ بنانے والے چھپے آشنا اور جو کفر کریگا بعد ایمان لانے کے پس تحقیق

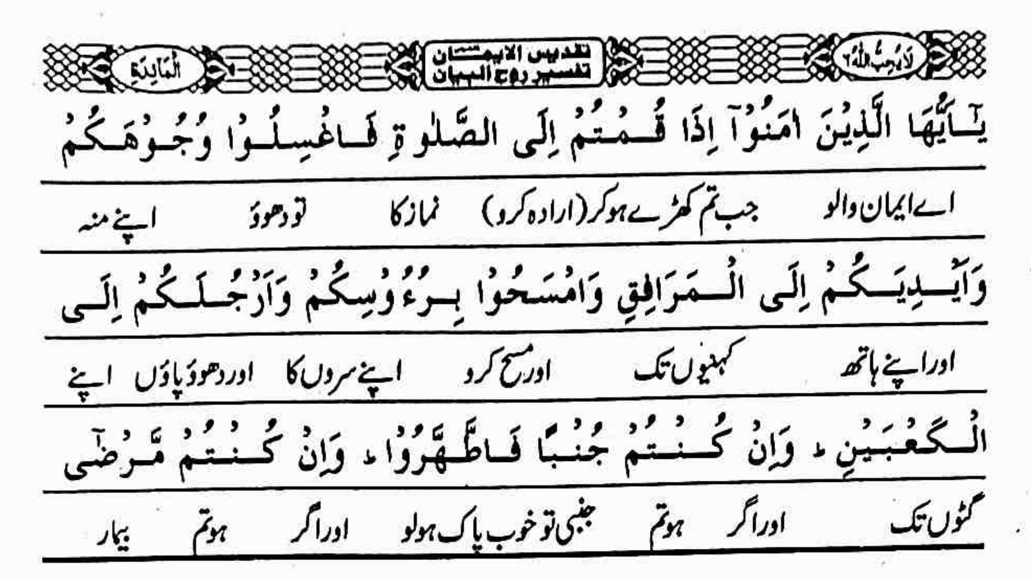
حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۧ ⑤

ضائع ہو گیا عمل اس کا اور وہ آخرۃ میں گھاٹا پانے والوں سے ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵) **حدیث شریف**: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ اہل عرب کتابی کا ذبیحہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی حنفی ائمہ کا بھی قول ہے۔ (بشرطیکہ ان کا ذبیحہ صحیح شرح کے مطابق ہو)۔

آگے فرمایا کہ تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ یعنی بیع وشرا اور اہل کتاب کے ہدیئے لینے اور دینے میں حرج نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ غیر شادی شدہ آزاد عورتیں جو مسلمان ہوں۔ ان سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اس میں لونڈیاں مراد نہیں ہیں۔ پہلے اہل کتاب کے کھانے کی حلت کو بیان کیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ ان کی پارسا عورتوں سے شادی کر سکتے ہو۔ یعنی اہل کتاب کی آزاد عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے۔ لونڈی سے تو بہر حال نکاح جائز ہے۔ بعض علماء کے نزدیک صرف ان کتابی عورتوں سے شادی کی اجازت ہے۔ جو مملکت اسلامیہ کی رعایا ہو۔ دار الحرب میں رہنے والی کتابی عورتوں سے اجازت نہیں۔ اگر چہ بعض علماء نے ہر کتابی عورت سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ لیکن ان عورتوں سے جو خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ بے حیائی، بے پردگی، اسلامی عبادات سے بے رغبتی۔ ہر قسم کے مردوں سے اختلاط اخلاق وآداب کی کی تجربہ شاہد ہے۔ کہ ان باتوں سے مسلمانوں کو سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ آگے فرمایا کہ جب تم ان کے حق مہر ادا کر دو۔ یہاں مہر کی ادائیگی کا محض تاکیدی حکم ہے۔ لیکن اس نکاح سے مقصد یہ ہے کہ تم گناہ سے بچنا چاہتے ہو۔ زنا کرنے والے نہ ہو۔ اور نہ ہی چوری چھپے یاری نبھانے والے ہو۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا زنا اور سخت گناہ ہے اور حرام ہے۔ لیکن اگر ان کے ساتھ نکاح کرنے سے بچ جاؤ۔ تو زیادہ اچھا ہے۔

آگے فرمایا کہ جو ایمان (شریعت اسلامی) کا منکر ہو۔ یعنی شرعی حلال وحرام کو نہ مانے اس نے اپنے تمام عمل ضائع کر دیئے۔ اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ امام حدادی فرماتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن حسرت وافسوس کھانے والوں میں سے ہوگا۔ جب ان کو جہنم کی طرف دھکیلا جائیگا۔



يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ

اے ایمان والو — جب تم کھڑے ہوکر (ارادہ کرو) — نماز کا — تو دھوؤ — اپنے منہ

وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى

اور اپنے ہاتھ — کہنیوں تک — اور مسح کرو — اپنے سروں کا — اور دھوؤ پاؤں — اپنے

الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى

گٹوں تک — اور اگر — ہو تم — جنبی تو خوب پاک ہولو — اور اگر — ہو تم — بیمار

(آیت نمبر ٦) اے ایمان والو۔ جب تم نماز کیلئے چلنے لگو تو وضو کرلو۔ چونکہ نماز کی صحت کا دارومدار ہی وضو پر ہے۔ گویا نماز جزاء ہے۔ اور وضو شرط ہے۔ اور شرط پہلے ہوتی ہے۔ جزا اس کے بعد ہوتی ہے۔ یا قیام سے مراد تیاری ہے۔ یعنی جب نماز کیلئے تیاری کرو۔ اور قیام سے بھی قیام اول مراد ہے۔ یعنی جب پڑھنے کیلئے جانے لگو۔

فائدہ: یہ خطاب ان نمازیوں کیلئے ہے۔ جن کا وضو نہیں ہے۔ جیسا کہ سیاق وسباق سے قرینہ بتاتا ہے۔ اور اگر پہلے وضو ہے۔ تو پھر دوبارہ وضو کرنا افضل ہے واجب نہیں۔

آگے فرمایا کہ منہ دھولو۔ یہاں وضو میں جو فرائض ہیں۔ ان کا بیان ہے۔ پہلا فرض منہ دھونا۔ چہرے کی حد پیشانی سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک ہے۔ اتنے حصے کا دھونا فرض ہے۔

فائدہ: فرائض کے بعد بارہ سنتیں جو احادیث سے ثابت ہیں۔ ان کو مدنظر رکھ کر وضو کامل ہوگا۔

آگے فرمایا۔ اور دھوؤں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت یعنی کہنیاں ہاتھوں کے ساتھ دھونے میں شامل ہیں۔ چونکہ عربی میں ہاتھ کندھے تک بولا جاتا ہے اس لئے دھونے میں کہنیوں تک کی قید لگائی۔ یعنی اس سے آگے دھونا ضروری نہیں۔ اور فرمایا کہ اپنے سروں کا مسح کرو۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سر کے چوتھے حصے کا مسح فرض ہے۔ اس پر ان کی دلیل مغیرہ بن شعبہ والی حدیث ہے۔ جس میں ہے کہ نبی پاک علیہ السلام نے سر کے اوپر کے حصہ کا مسح کیا تھا۔ پورے سر کا مسح کرنا سنت سے ثابت ہے۔ آگے فرمایا کہ اپنے پاؤں کو گٹوں سمیت دھولو۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی گٹوں تک دھونے کا تھا۔ بلاعذر پاؤں پر مسح تمام اماموں کے نزدیک جائز نہیں۔ اور رافضی شیعہ بلا دلیل پاؤں پر مسح کرتے ہیں۔

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ

یا اوپر سفر کے یا آیا کوئی تم میں سے قضائے حاجت کر کے یا صحبت کی تم نے بیویوں سے پھر نہ

تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ

پاؤ پانی تو تیمم کرو مٹی پاک سے تو مسح کرو اپنے منہ کا اور ہاتھوں کا

مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ

اس سے نہیں ارادہ اللہ کا کہ کرے تم پر کوئی تنگی لیکن چاہتا ہے

لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦

کہ پاک کرے تمہیں اور پوری کرے اپنی نعمت تم پر تا کہ تم شکر کرو

(بقیہ آیت نمبر ٦) (البتہ اگر چمڑے کے موزے پہنے ہوں تو ان پر مسح جائز ہے۔ جرابوں پر مسح جائز نہیں البتہ جرابیں اتنی موٹی ہوں کہ پانی ان پر پڑے اور جسم تک نہ پہنچے۔ تو پھر ان پر مسح جائز ہے)۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ وضو کرتا ہے۔ تو اس کے وضو والے اعضاء دھونے سے تمام گناہ گر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ منہ کے اندر اور پلکوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں بشرطیکہ وضو صحیح کیا ہو۔

فائدہ: مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اس امت کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے۔ کہ قیامت کے دن وضو والے اعضاء روشن ہوں گے۔ اس چمکنے کی وجہ سے باقی امتوں سے ممتاز ہوگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کو وضو والے اعضاء چمکتے دیکھ کر پہچان لونگا کہ یہ میرے امتی ہیں۔ باوضو رہنے سے روزی میں برکت ہوتی ہے۔

آگے فرمایا کہ اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو لو۔ یعنی نہا لو چونکہ جنبی کے لئے غسل میں بہت جلد پاکیزگی کی ضرورت ہے۔ تا کہ بدن جلد پاک ہو اور بال برابر جگہ دھلے بغیر نہ رہے۔

مسئلہ: جنبی آدمی کو چاہئے غسل کے وقت یہ خیال رکھے۔ کہ جسم کے ساتھ کہیں ہاتھوں وغیرہ میں آٹا وغیرہ لگا نہ ہو کہ پانی جسم کے اوپر اوپر سے گذر جائے۔ جسم سے پانی نہیں لگا تو غسل نہیں ہوا۔ البتہ اگر میل کچیل تھی اور پانی اوپر سے گذر گیا۔ تو غسل ہو گیا۔ البتہ جس چیز کا اترنا مشکل ہو اس کے اوپر بہا دیا جائے تو غسل ہو جائیگا۔

آگے فرمایا۔ کہ اگر تم بیمار ہو ایسے کہ پانی کے استعمال سے ہلاکت کا یا بیماری بڑھنے کا خطرہ ہے۔ یا سفر پر ہو۔ خواہ لمبا سفر ہو یا چھوٹا کہ پانی ملنا مشکل ہو۔ یا تم میں سے کوئی پائخانہ سے ہو کر آئے۔ یعنی قضاء حاجت کر کے آئے۔ یا تم نے عورتوں کو چھوا یعنی جماع کیا۔ ان مذکورہ تمام صورتوں میں اگر پانی نہ پاؤ یعنی پانی ہی نہیں یا پانی کے استعمال پر قدرت نہیں۔ تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو۔ خواہ مٹی ہو یا ریت ہو یا پتھر سب پر تیمم جائز ہے۔ تیمم میں مسح کرو منہ اور ہاتھوں کا۔ حضور ﷺ نے ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا۔

رحمت خداوندی: اللہ تعالیٰ نے اپنے کمزور بندوں پر رعایت اور آسانی کو ہر حکم میں پیش نظر رکھا۔ چونکہ پانی نہ ملنے کے امکانات بہت زیادہ تھے۔ اس لئے یہ آسانی فرما دی۔ **فائدہ:** عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔ چونکہ تیمم وضو کا بدل ہے۔ اس لئے جتنا حصہ وضو میں دھونا چاہئے۔ اتنا تیمم میں بھی گھیرنا چاہئے۔ **نیت:** تیمم سے پہلی نیت کرنا ضروری ہے۔

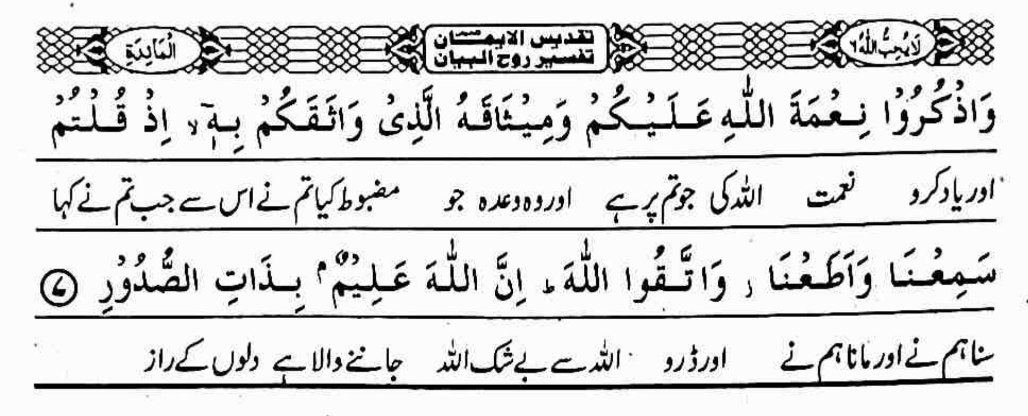
تیمم کا طریقہ: ایک دفعہ دونوں ہاتھ مٹی یا ریت پر رکھ کر پھر منہ پر اتنی جگہ ہاتھ پھیرے۔ کہ جتنی جگہ دھونے میں آتی ہے۔ پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ رکھ کر دونوں بازوؤں پر کہنیوں سمیت ہاتھ پھیر دے۔

نوٹ: منہ اور ہاتھوں کا مسح کرنے کے درمیان کوئی اور کام نہیں ہونا چاہئے۔ یاد رہے کہ

نماز کیلئے وضو یا جنبی کے لئے غسل یا تیمم کا حکم دینے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں تنگ کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ تمہیں ظاہری اور باطنی پاکیزگی عطا فرمائے۔ اسی لئے فرمایا کہ وضو گناہوں کا کفارہ ہے۔ یا یہ معنی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی پر تیمم کرنے کی اجازت دے کر تمہیں پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ یعنی وضو غسل۔ اور تیمم میں تمہاری پاکیزگی اور طہارت مقصود ہے۔ تاکہ تمہارے جسم پاک صاف کر کے تم پر اپنی نعمت دین اسلام کی پوری فرما دے۔ اسلام نے روحانی طہارت کیلئے جسمانی پاکیزگی کو ضروری قرار دیا۔

نکتہ: حضور ﷺ کے لئے ساری زمین پاک اور مسجد بنائی گئی یعنی آپ کے امتیوں کے لئے اس زمین کو پاک ہونے کا شرف بخشا تاکہ وہ کسی وقت بھی پاک ہونا چاہیں تو دقت نہ ہو۔

آگے فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر شکر کرو۔ احکام اسلامی کی اصل روح عبادت ہے۔ اگرچہ خداوند کریم کے ہر حکم کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ قرآن کریم نے جابجا ظاہر فوائد کے ساتھ روحانی منافع کو بھی بیان فرمایا۔ یہ سب منافع اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ عبادات کی قبولیت بھی پاکیزگی سے ہی ہو سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جنت کی چابی نماز ہے۔ اور نماز کی چابی وضو ہے (ترمذی)۔ یعنی وضو صحیح ہے۔ تو نماز ہوگی۔ اور نماز ہوگی تو جنت کا داخلہ بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین



(آیت نمبر ۷) اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو جو اس نے تمہیں عطا کی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یاد کرا رہے ہیں۔ کہ دیکھو ہم نے تم پر کتنا احسان کیا۔ کہ تمہیں ہدایت عطا کی۔ پھر اس پر چلنے کی توفیق دی۔ پھر قرآن جیسی عالی شان کتاب دی۔ لہٰذا اس نعمت کو ہمیشہ یاد رکھو۔ کیونکہ جب نعمت یاد آئے تو ساتھ ہی نعمت دینے والا بھی یاد آ جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا نعمت دیکھ منعم کا شکریہ ادا کرو۔

فائدہ: یہ ایک فطرتی بات ہے کہ جو چیز عام ہو جائے۔ وہ کتنی ہی اعلیٰ ہو۔ وہ عام ملنے کی وجہ سے یاد نہیں رہتی۔ کہ یہ نعمت ہے۔ اس وجہ سے بار بار یاد دھانی کرائی جاتی ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے۔ کہ نعمت پر شکر عبادت ہے۔ پھر اللہ کا حکم سمجھ کر شکر کیا جائے۔ تو ڈبل ثواب اس لئے بار بار نعمتیں یاد کرا کر شکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ اس وعدے کو بھی یاد رکھو جو سخت تاکید کے ساتھ تم سے لیا گیا۔ کہ جس وعدے پر تم نے کہا ہم نے سنا اور فرمانبرداری کی۔ **فائدہ:** اس سے مراد وہ میثاق ہے۔ جو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لے کر یہ وعدہ لیا۔ کہ دکھ ہو یا سکھ خوشی ہو یا ناخوشی ہر حال میں احکام الٰہی پر عمل بجالانا ہے۔

اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ نعمتوں کو مت بھولو اور وعدہ الٰہی کو ہرگز نہ توڑنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے اندر کے تمام بھیدوں کو جانتا ہے۔ تمہاری کوئی راز والی بات ہمہ دان رب کو پتہ ہے۔

فائدہ: یعنی جب وہ چھپے اسرار جانتا ہے تو ظاہری حالات کو بطریق اولیٰ جانتا ہے۔

انعامات الٰہی: یوں تو اللہ تعالیٰ کے انعامات گنتی اور شمار سے باہر ہیں:

۱۔ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ہم عدم میں تھے اس ذات نے ہمیں وجود بخشا۔

۲۔ پھر اس نے ہمیں اشرف المخلوقات یعنی ساری مخلوق میں شان والا بنایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اے ایمان والو ہو جاؤ قائم رہنے والے واسطے اللہ کے گواہ بنو ساتھ انصاف کے اور نہ ابھارے تمہیں

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز

دشمنی قوم کی اس پر کہ نہ تم انصاف کرو انصاف کو لازم پکڑو یہ زیادہ قریب ہے تقوے کے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞٨

اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو

(بقیہ آیت نمبر ۷) ۳۔ پھر دین اسلام کو قبول کرنے کی توفیق بخشی۔

۴۔ ازل والے وعدے میں بلیٰ کہنے کی توفیق عطا کی۔

۵۔ پھر حضور ﷺ کے غلاموں میں شامل فرمایا۔ (اللہ کرے کل بروز قیامت بھی ان ہی کی غلامی میں اٹھیں)۔

حدیث شریف: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آٹھ یا نو حضرات حضور ﷺ کی بارگاہ میں تھے۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم بیعت کیوں نہیں کرتے ہم نے فوراً بیعت کیلئے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ اور عرض کی کہ کس بات پر بیعت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرنی ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اور پانچوں نمازوں کی پابندی کرنی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام چھوٹے بڑے احکام پر عمل پابندی سے کرنا ہے۔ اور کسی سے سوال نہیں کرنا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے دیکھا کہ اگر کسی کی چھڑی بھی سواری سے نیچے گر گئی تو وہ کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ خود اتر کر اٹھاتے تھے۔ تا کہ حضور سے جو وعدہ کیا ہے اسکی خلاف ورزی نہ ہو۔ (مشکوۃ شریف)

(آیت نمبر ۸) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے احکام پر پورے طور پر قائم ہو جاؤ۔ اور پورے انصاف کے ساتھ اس کے گواہ بن جاؤ۔ یعنی اس کی محافظت کرو۔ اور نہ ابھارے تمہیں کسی قوم کی دشمنی یعنی مشرکین کی دشمنی اور بغض اس بات پر کہ تم ناانصافی پر اتر آؤ۔ یعنی ایسا کام نہ کر بیٹھنا کہ جو تمہارے لئے جائز نہ ہو۔ اور اپنے کئے ہوئے وعدے کو توڑ دو۔ یہ حکم پھر دوبارہ دیا جا رہا ہے۔ چونکہ فتح مکہ عنقریب ہونے والا تھا۔ مسلمانوں کے جان و مال کے بے رحم دشمن ان کے سامنے پیش ہونے والے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان جوش انتقام میں زیادتی کر جائیں۔ اس لئے فرمایا: ہمہ وقت انصاف سے کام لو۔ اس لئے کہ عدل و انصاف ہی تقوے کے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے تمہیں بار بار عدل و انصاف کا حکم دیا جا رہا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾

وعدہ ہے اللہ کا ان سے جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک ان کے لئے بخشش اور ثواب ہے بہت بڑا

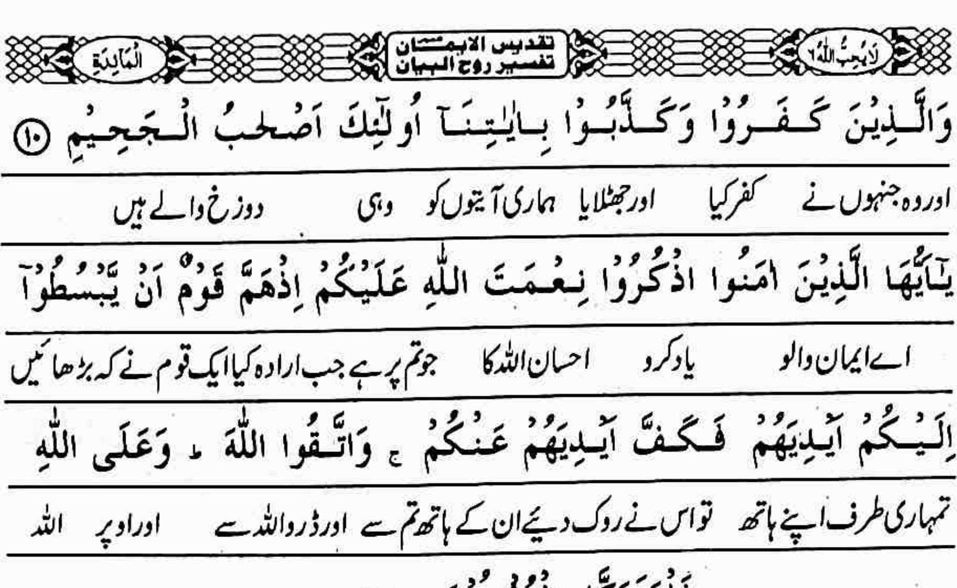
(بقیہ آیت نمبر ۸) **سبق**: اندازا لگائیں کہ جب کفار کے ساتھ اس قدر عدل وانصاف کی تاکید پرتاکید کی جارہی ہے۔ تو مسلمانوں کے ساتھ عدل وانصاف کتنا ضروری ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اس لئے۔ کہ سب کاموں میں اعلیٰ ترین کام تقوی ہے۔ جو آخرت کیلئے بہت اچھا زادراہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال واحوال سے باخبر ہے۔ یعنی ان اعمال کے مطابق ہی جزاء وسزادے گا۔

(آیت نمبر ۹) وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ان سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔

ربط: سابقہ آیات میں وعدہ اور وعید کا بیان تھا۔ جو کہ علت ہے اس کی کہ جو اطاعت وعبادت کرے گا۔ اس سے بھلائی کا وعدہ ہے اور جو مخالفت کرے گا۔ اس کے لئے عذاب کی وعید ہے۔ اب فرمایا کہ جو نیک اعمال کرے گا۔ عدل وانصاف تقویٰ وطہارت کو اپنائے گا۔ اس کے لئے جنت ہے اور ان کے لئے بخشش ہی بخشش ہے۔ اور بہت بڑا اجر ہے۔ اجر سے مراد بھی جنت ہے۔ اور یہ وعدہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا ہے۔

شان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: بروز قیامت صداقت کا جھنڈا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں۔ عدالت کا جھنڈا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ کہ ہر سچ بولنے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے۔ اور ہر عدل وانصاف والا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے۔ اور سخاوت کا جھنڈا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں۔ ہر سخی ان کے جھنڈے کے سائے میں۔ شہادت کا جھنڈا مولا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کہ ہر شہید اس جھنڈے کے نیچے۔ تمام فقہاء حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے مین۔ اور تمام پرہیزگار ابوذر رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے۔ اور تمام فقراء ابودرداء رضی اللہ عنہما کے جھنڈے اور تمام قاری ابی ابن کعب کے جھنڈے اور تمام موذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جھنڈے اور تمام مظلوم مقتول امام حسین رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے (رضی اللہ عنہم) اسی لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ہر آدمی کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ اور پوچھیں گے۔ کہ تو کس امام کی تقلید کرتا رہا۔ یا کس کی اقتدیٰ کرتا تھا۔



(آیت نمبر۱۰) اور جن لوگوں نے کفر کیا۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ یعنی جو لوگ نہ تو عدل وانصاف کرتے ہیں۔ اور نہ تقویٰ طہارت کو اپناتے ہیں۔ گویا انہوں نے ہماری مخالفت کر کے تکذیب اور کفر کیا۔ لہذا وہ جہنم کے لائق ہیں۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس میں مومنین کو گویا ڈبل خوشی ہوئی۔ ایک تو اپنی بخشش کی اور دوسرا دشمنوں کیلئے ابدی سزا کی جو دنیا میں انہیں ستایا کرتے تھے۔ کہ اب ان کی سزا کا سن کر دل ٹھنڈا کریں۔

(آیت نمبر۱۱) اے اہل ایمان یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو اس نے تم پر کی۔ کہ جب کفار نے تم پر برا ارادہ کر لیا۔ کہ انہوں نے اپنے ہاتھ تمہاری طرف بڑھائے یعنی وہ تمہیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ہاتھ روک دیا۔ اس لئے کہ کفار ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوشش میں تھے۔ جب بھی ان کا بس چلتا تو وہ کوئی نہ کوئی نقصان ضرور پہنچانے کی کوشش کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر نعمت مکمل فرمائی۔ کہ ان کے دل میں دشمن کا خوف خطرہ رہا ہی نہیں۔ بلکہ دشمنوں نے جب بھی مسلمانوں پر کوئی وار کرنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا ایسا رعب ان پر ڈال دیا کہ وہ بے جرات ہو گئے۔ یہ اصل میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ غزوہ بنی انمار سے واپسی پر ایک جگہ مسلمان آرام کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے۔ اتفاق سے دشمن بھی قریب ہی چھپ کر بیٹھے تھے۔ ان میں سے غورث نامی شخص تلوار لئے حضور ﷺ کے سر مبارک کے قریب آیا تلوار اٹھائی ہی تھی۔ کہ حضور ﷺ بیدار ہو گئے۔ اس نے کہا۔ اب کون تمہیں بچائے گا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ۔ تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ فوراً تلوار حضور ﷺ نے ہاتھ میں لیکر فرمایا۔ اب تجھے کون بچائے گا۔ تو اس نے کہا کوئی بھی نہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ

اورالبتہ تحقیق لیااللہ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور مقرر کیے ہم نے ان میں بارہ

نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ

سرداراور فرمایا اللہ نے میں بھی تمہارے ساتھ ہوں اگر قائم رکھی تم نے نماز اور دی تم نے زکوۃ

(بقیہ آیت نمبر۱۱) آپ نے فرمایا۔کلمہ پڑھ لے میں تیری تلوار تجھے دیدوں گا۔اس نے کہا۔کلمہ تو نہیں پڑھتا۔ البتہ آئندہ آپ سے لڑوں گا نہیں۔ یہ وعدہ ہے۔اس بات کو اس کے باقی لشکر کے کچھ لوگ جو دیکھ رہے تھے وہ مسلمان ہوگئے۔(۲) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ بنوقریظہ کے ہاں قتل خطا کی دیت لینے بمعہ خلفاء کے تشریف لے گئے۔جب ان کے ایک آدمی سے عمرو بن امیہ ضمری کا خطاء سے قتل ہوگیا تھا۔انہوں نے دھوکے سے حضور ﷺ کوایک دیوار کے ساتھ بٹھایا۔تاکہ اوپر سے بھاری پتھر پھینک کر حضور ﷺ کو بمعہ یاروں کے نقصان پہنچایا جائے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبریل حضور ﷺ کوخبردار کردیا۔اور آپ اٹھ کر مدینہ شریف چلے گئے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن کی شرارت سے آپ کو بچالیا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ پیارے نبی ﷺ کی حفاظت فرمائی۔

آگے فرمایا۔کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔نعمت کا حق بھی ادا کرو۔اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو۔اور ایمان والوں کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔اس لئے کہ نفع یا نقصان اسی کی طرف سے ہے۔

توکل: یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کا ہی سہارا لے۔

فائدہ: توکل بہت بڑا مرتبہ ہے جو خاص الخاص مقربین کو حاصل ہوتا ہے۔

سبق: بندہ گان خدا کو چاہئے۔کہ ہر دکھ سکھ اور خوشی یا غمی میں صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں۔

حکایت: عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ پر مصروف عبادت تھے۔ابلیس حاضر ہوا۔اور کہنے لگا کہ آپ کہتے ہیں۔کہ ہر کام تقدیر سے وابسطہ ہے تو آپ پہاڑ سے چھلانگ لگائیں۔تقدیر میں ہوگا تو نقصان ہوگا ورنہ بچ جائیں گے۔آپ نے فرمایا کہ لعنتی بندوں کا کام نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا امتحان لیں۔یہ رب کا کام ہے کہ وہ بندوں کو آزماتا ہے۔

(آیت نمبر۱۲) اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ سے وعدہ لیا۔اور ان میں بارہ سردار مقرر فرمائے۔**حدیث شریف**: اسی طرح حضور ﷺ نے لیلہ عقبہ میں انصار کے بارہ حضرات کو تمام انصار پر ذمہ دار مقرر کیا۔**فائدہ**: ہر برادری میں ایک سردار مقرر کرنے سے ایک تو برادری خوش ہوجاتی ہے۔دوسرا وہ انہیں صحیح دین پر قائم رکھتا ہے۔اس کو نقیب کہتے ہیں اور عریف بھی کہتے ہیں۔

وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ

اور ایمان لاؤ میرے رسولوں پر اور ان کی تعظیم کرو اور قرض دو اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور ختم کرونگا

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ

تم سے گناہ تمہارے اور ضرور تمہیں داخل فرماؤنگا ایسے باغات میں کہ جاری ہونگی ان میں نہریں پھر بھی جو

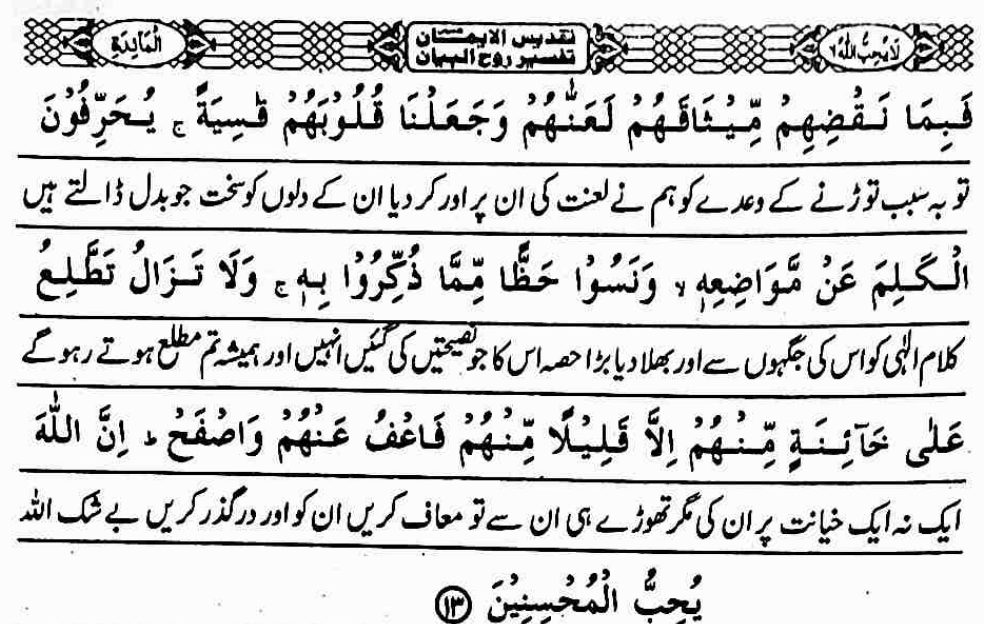
كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

کفر کرے بعد اس کے تم میں تو تحقیق وہ گمراہ ہوا سیدھی راہ سے

الشرعہ میں ہے کہ عریف اس کو کہتے ہیں جو برادری کے تمام معاملات کا ذمہ دار ہو۔ ان کی ضروریات کے متعلق وقت حاکم کو آ گاہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی سے فرمایا کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کہ تمہیں دیکھ سن رہا ہوں۔ اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ بھی ادا کی اور میرے سب رسولوں پر ایمان لایا۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت و تعظیم کی اور دین کے معاملے میں ان کی امداد بھی کی۔ اور اللہ تعالیٰ کو قرض دیا۔ یعنی اللہ کی راہ میں اور کار خیر میں مال خرچ کیا۔ قرض حسن اسے کہتے ہیں جو دل کی خوشی سے اللہ کی راہ میں مال دیا جائے۔ جس میں جبر بھی نہ ہو اور ریاء بھی نہ ہو۔ تو میں ضرور دور کر دوں گا تم سے تمہارے گناہ یعنی معاف کر دونگا۔ اور ضرور بہ ضرور تمہیں جنت کے ایسے باغات میں داخل کروں گا۔ کہ جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ جو ان محلات اور باغات کے نیچے سے گذریں گی۔ اس سے چار نہریں مراد ہیں: (۱) دودھ کی۔ (۲) شہد کی۔ (۳) صاف پانی کی۔ (۴) شرابا طہورا کی۔

آگے فرمایا کہ یہ بات بھی یاد رہے کہ جس نے انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار کر کے۔ (جبکہ پکا وعدہ ہو چکا ہے)۔ اس کے بعد کفر کیا یعنی تم میں سے کسی نے بھی مذکورہ شرائط پر عمل نہ کیا۔ تو پھر وہ واضح طور پر سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔ اور اس کا قیامت کے دن پھر کوئی عذر نہیں سنا جائیگا۔

اس امت میں ابدال: جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی امت میں بارہ نقیب مقرر ہوئے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہمیشہ چالیس ابدال رہیں گے جو شام میں رہیں گے۔ **حدیث شریف:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں چالیس مرد ہمیشہ ہوں گے۔ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارشیں اتارے گا اور تمہیں روزی دے گا۔ (الحاوی للفتاوئی، درمنثور، مشکوٰۃ شریف)



فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ

تو بہ سبب توڑنے کے وعدے کو ہم نے لعنت کی ان پر اور کر دیا ان کے دلوں کو سخت جو بدل ڈالتے ہیں

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

کلام الٰہی کو اس کی جگہوں سے اور بھلا دیا بڑا حصہ اس کا جو نصیحتیں کی گئیں انہیں اور ہمیشہ تم مطلع ہوتے رہو گے

عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ

ایک نہ ایک خیانت پر ان کی مگر تھوڑے ہی ان سے تو معاف کریں ان کو اور درگزر کریں بے شک اللہ

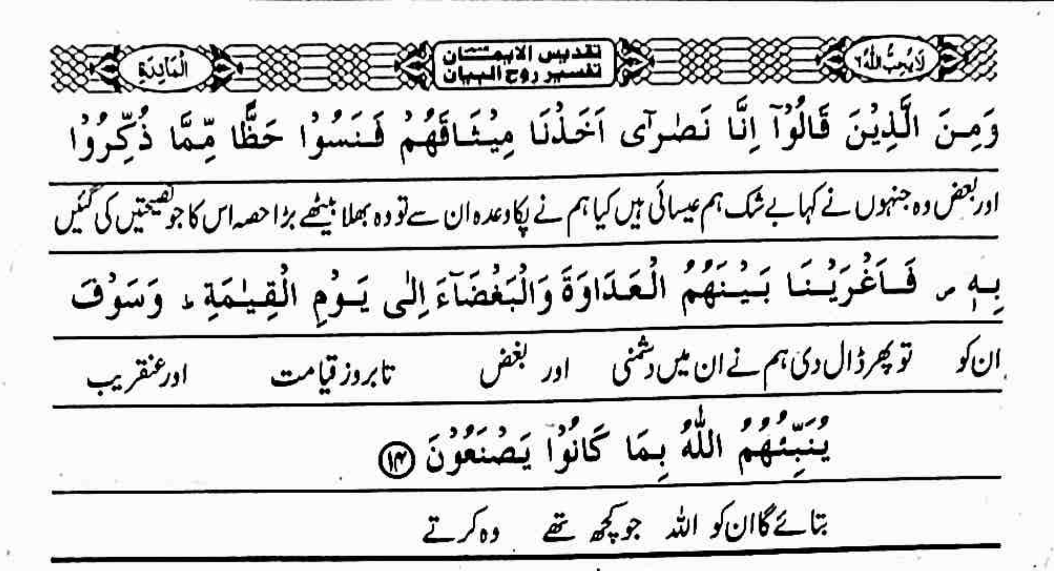
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾

پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو

جو ابراہیم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت کے مطابق ہوں گے۔ان ہی کے طفیل تمہیں روزی ملے گی۔اور تم جنگوں میں فتح یاب ہو گے۔اور ان ہی کے طفیل بارشیں بھی ہوتی ہیں۔اور ان ہی کے طفیل اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔

اولیاء کے مراتب: ابوعثمان مغربی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ابدال چالیس اور امناء سات ہیں۔خلفاء تین ہیں۔اور ایک قطب ہے جو ان سب کا نگران ہوتا ہے۔جب قطب دنیا سے چلا جائے۔تو امنا میں سے ایک کو قطب مقرر کیا جاتا ہی۔اور امناء میں سے ایک کم ہو تو ابدال سے لے لیا جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۳) پس بہ سبب ان کی وعدہ شکنی کے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہوں نے کئی نبیوں کو شہید کیا۔توراۃ میں تحریف کر دی۔اور احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی۔تو فرمایا کہ ان کرتوتوں کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی۔یعنی اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔کچھ کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔اور کچھ کو ویسے ہی ذلیل وخوار کر دیا۔اور ہم نے ان کے دلوں کو ایسا سخت کر دیا۔کہ پھر وہ نہ آیات کو سمجھے نہ کسی وعید کو۔ان کی قساوۃ قلبی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلمات کو بھی اپنی جگہ سے بدل دیا۔اور ان کی بے جا تاویلیں کیں۔جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکی۔اور انہوں نے آیات کا بہت بڑا حصہ بھلا کر ضائع بھی کر دیا۔کہ جن باتوں کی انہیں نصیحت کی گئی تھی۔یعنی توراۃ میں حضور ﷺ کے اتباع کے متعلق جو نصیحت کی گئی۔اس سے انہوں نے انحراف کیا۔بعض مفسرین فرماتے ہیں۔کہ توراۃ میں تحریف کرنے کی نحوست سے ان کو توراۃ کا بہت سارا حصہ بھلا دیا گیا۔گویا ان سے وہ حصہ ضائع ہو گیا۔



(بقیہ آیت نمبر۱۳) آخرت میں توضرور ان کوسزا ملے گی۔اگر چہ دنیا میں بھی اس بدعملی کی سزا ملی ہے۔اس حقیقت کو بار بار دوہرانے سے صرف بنی اسرائیل کی تذلیل مقصود نہیں۔ بلکہ حاملان قرآن کو بھی عبرت دلانا مقصود ہے۔کہ ایسا نہ ہو۔کہ تم بھی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنی صلاحیتیں کھو بیٹھو اور یہودیوں کی طرح ذلت کا سامنا کرنا پڑے۔**فائدہ**: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔گناہوں کی نحوست کی وجہ سے آدمی نیک باتیں بھول جاتا ہے۔اس کی دلیل یہی آیت ہے۔**فائدہ**: اس کا مطلب یہ ہے۔کہ اگر آدمی گناہ چھوڑ دے۔تو اس کا حافظہ تیز ہو جاتا ہے۔جیسا کہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔کہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا نور کسی گناہ گار کو نہیں ملتا۔

آگے فرمایا کہ آپ ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔وہ دھوکا اور خیانت سے باز نہیں آتے۔اگر چہ وہ خیانت اپنی طرف سے چھپ چھپا کر کرتے ہیں۔لیکن میرے محبوب آپ اس پر مطلع ہو جاتے ہیں۔مگر تھوڑے ہی ان میں سے وہ ہیں۔جو خائن نہیں۔جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے لوگ۔آگے فرمایا کہ اے محبوب ان کو معاف کر دیں۔اور ان سے درگذر فرمائیں۔جب کہ وہ سچے دل سے توبہ کر کے ایمان لے آئیں۔اور آپ سے پکا وعدہ کریں۔(کہ آئندہ خیانت نہیں کریں گے)۔

(آیت نمبر۱۴) اور ان میں سے بعض وہ ہیں۔جنہوں نے کہا کہ ہم عیسائی ہیں۔ہم نے ان سے (ان کے بڑوں سے) بھی وعدہ لیا تھا۔یعنی جیسے یہودیوں سے اتباع خاتم النبیین کا وعدہ لیا۔اسی طرح عیسائیوں سے بھی پختہ وعدہ لیا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے انجیل میں ان سے وعدہ لیا کہ میرے آخری نبی کی پیروی کرنا اوران کے اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کرنا۔لیکن انہوں نے اس فرض کو بھلا دیا۔جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی۔تو ہم نے ان کی آپس میں ایک دوسرے کے دل میں ایک دوسرے کی دشمنی پیدا کردی۔اور قیامت تک ایک دوسرے کے متعلق بغض وعداوت میں رہیں گے۔اورعنقریب اللہ تعالیٰ بروز قیامت انہیں بتائے گا۔جو جو وہ گندے کردار کرتے رہے۔

فائدہ: یہاں انہیں وعید سنائی گئی ہے۔جیسے کوئی غصہ میں دوسرے کو کہتا ہے۔میں تجھے بتاؤں گا۔۔(مطلب ہے میں تجھے سزا دونگا۔)

فائدہ: نصاریٰ جو پہلے ایک ہی عقیدے پر تھے۔بوس نامی شخص نے ان میں بغض وعداوت پیدا کی۔پہلے ان سے جنگ چھیڑی پھر صلح کرلی۔اور کہا مجھے عیسیٰ علیہ السلام نے تمہاری دینی خدمات کے لئے بھیجا ہے۔پھر روزانہ ان کو نئے نئے مسئلے بتاتا کہ آج عیسیٰ علیہ السلام آئے۔اورانہوں نے کہا کہ ہر چیز جواللہ نے پیدا کی وہ حلال ہے۔خواہ شراب ہے۔یا خنزیر اگر وہ حرام ہوتی تو اللہ پیدا ہی کیوں کرتا۔کبھی کہا عیسیٰ خدا ہے اس لئے کہ اس نے بہت سارے کام خدا والے کئے۔کبھی کہا خدا کا بیٹا ہے۔ورنہ بتاؤ اس کا باپ کون ہے؟ کبھی کہا عیسیٰ اور مریم خدائی میں برابر کے شریک ہیں۔یوں ان میں پھوٹ ڈالی۔کہ قیامت تک وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔(معاذ اللہ،استغفر اللہ)

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے ہدایت کی سیدھی راہ چھوڑ دی۔اورنفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا۔کہ ان کی یک جہتی اور اتحاد ختم ہوگیا۔محبت و پیار کی جگہ بغض وعناد نے لے لی۔اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے۔ایک دین کے ماننے والے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ایک دوسرے کو کافراور ملحد کہنے لگے۔آج بھی پوری دنیا میں انہوں نے فساد مچایا ہوا ہے۔ان میں بغض وعداوت ڈالنے کا یہی مطلب ہے۔

سبق: ہر مومن پر ضروری ہے۔کہ اس آیت کے آخری حصہ پر دھیان رکھے۔اور گناہوں سے بچ کر رہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ

اے اہل کتاب تحقیق آ گئے تمہارے پاس ہمارے رسول جو واضح کر دیتے ہیں تمہاری بہت سی باتیں جو تھے تم

تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ

چھپاتے کتاب میں سے اور معاف فرماتے ہیں بہت تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف نور

وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ ⑮

اور کتاب روشن

(آیت نمبر ۱۵) اے اہل کتاب یعنی اے یہودیو۔ اور عیسائیو تحقیق آ گئے تمہارے پاس ہمارے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ یعنی وہ دنیا میں تشریف لے آئے۔ جن کا تمہیں عرصہ سے انتظار تھا۔ لہذا ان کی اطاعت تم پر ضروری ہے۔ اور وہ ہمارے رسول ہیں۔ تمہارے سامنے بہت ساری باتیں وہ بیان فرماتے ہیں۔ جن کو تم چھپاتے ہو کتاب میں سے۔ اور ہمیشہ تمہارا طور طریقہ رہا ہے۔ کہ تم کتاب میں سے مرضی کی باتیں بتاتے ہو اور اکثر ناپسند مسائل کو چھپاتے ہو۔ یعنی توراۃ اور انجیل میں حضور ﷺ کے اوصاف اور آپ کی تشریف آوری کا بیان ہے اس کو چھپاتے ہو۔ اور تمہاری بہت سی باتیں میرے حبیب معاف فرما دیتے ہیں کہ تم شرمسار نہ ہو۔ یہ بھی ہمارے نبی پاک ﷺ کا معجزہ ہے۔ کہ امی ہونے کے باوجود توراۃ اور انجیل کے وہ مسائل جنہیں اہل کتاب چھپاتے تھے۔ اور ہمارے حضور ﷺ انہیں کھول کر بتاتے ہیں۔ آگے فرمایا تحقیق آ گیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب واضح روشن۔ بعض مفسرین کے نزدیک نور اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔ کہ اس سے شرک کے اندھیرے اور شکوک ختم ہو گئے۔

فائدہ: اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ نور سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔ اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے (تقریباً ننانوے پرسنٹ تفاسیر جن میں دوسرے مسالک کی بھی تفاسیر ہیں سب نے یہی مراد لی ہے)

آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس نور اور کتاب کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ "ہ" ضمیر واحد سے شک پڑتا ہے کہ شاید دونوں سے مراد ایک ہی ہو۔ ورنہ ھما ضمیر تثنیہ ہوتی۔ **جواب:** حضور اور قرآن کا منشا ایک ہے۔ اور وہ ہے ہدایت اور مخلوق کو خدا کی طرف بلانا۔ اس لئے ضمیر واحد ہی لائی گئی۔ اسی طرح کئی کئی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جیسے سورۂ نور آیت نمبر ۴۸ میں "اذا دعو الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم" میں ہے۔ کہ جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں۔ اور وہ فیصلہ کرے ان میں تو یہاں "یحکم" صیغہ واحد ہے۔ اور پیچھے اللہ اور رسول دو ہیں۔



يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

ہدایت دیتا ہے اس سے اللہ جو چلے مرضی خدا پر سلامتی کے راستوں پر اور نکالتا ہے انہیں اندھیروں سے طرف

النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾

روشنی کے اپنے حکم سے اور چلاتا ہے انہیں طرف راستے سیدھے کے

(آیت نمبر ۱۶) اس سے ہدایت اس کو ملے گی۔ جو حضور ﷺ پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چلا۔ جو عذاب سے بچ کر سلامتی کی طرف۔ (اور سلام اللہ کا نام بھی ہے)۔ یعنی اللہ کے راستوں پر چلا۔ اور (قرآن یا نبی ﷺ) نکالتے ہیں انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ یا اس کے ارادے سے اور یا انہیں سیدھی راہ کی طرف چلنے کی راہنمائی کرتا ہے۔ **فائدہ**: ایمان کو نور اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نور کی وجہ سے نجات کا راستہ آدمی پر کھل جاتا ہے۔ پھر وہ گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

حضور ﷺ کی نورانیت پر دلیل: اللہ تعالیٰ بھی نور ہے۔ اس لحاظ سے کہ آسمان وزمین عدم میں تھے انہیں وجود میں لایا اور ظاہر کر دیا۔ اور حضور علیہ السلام اس لحاظ سے نور ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بنانے کیلئے سب سے پہلے اپنے نبی کے نور کو بنایا۔ پھر اس نور سے ساری کائنات بنائی۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا۔ اور میرا نام نور رکھا۔ اور جو چیز بننے میں جس کے زیادہ قریب ہو وہی اس کا نام بہتر ہوتا ہے۔ لہذا حضور کو نور کہنا بھی صحیح ہے۔ اور بڑی بات یہ ہے۔ کہ اللہ نے خود انہیں نور کہا۔ تو اب کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتا رہا پھر اس نور کے چار حصے کئے۔ ایک سے عرش دوسرے حصے سے قلم کو پیدا کیا پھر قلم کو حکم دیا لکھ تو اس نے جو ہوا وہ بھی لکھا اور جو قیامت تک ہونے والا ہے وہ بھی لکھ دیا۔

فائدہ: معلوم ہوا عرش کا نور، قلم کا نور اور عقل کا نور، لوح کا نور سب حضور ﷺ کے نور سے بعد ہیں اور پہلے حضور ﷺ کا نور بنا۔

حدیث نمبر۱: حضور ﷺ نے فرمایا میں اللہ سے ہوں۔ یعنی اللہ کے نور سے ہوں۔ اور سب مسلمان مجھ سے ہیں۔ یعنی وہ میرے نور سے بنائے گئے۔ اس کی تصدیق مذکورہ آیت "قد جاءکم الخ" ہے (مصنف عبدالرزاق)۔ اور ایک حدیث بھی ہے: "کل الخلائق من نوری وانا من نور اللہ" یعنی سب مخلوق میرے نور سے اور میں اللہ کے نور سے بنا۔ (خصائص کبریٰ)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ

البتہ تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا بے شک اللہ ہی مسیح بیٹا مریم کا ہے فرمادو پھر کون

يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ

مالک ہوگا کہ اللہ سے کچھ (کہ بچالے) اگر ارادہ کرے ہلاک کرنے کا مسیح ابن مریم اور اس کی ماں کو اور جو کچھ

فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ

زمین میں ہے سب کو اور اللہ ہی کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے

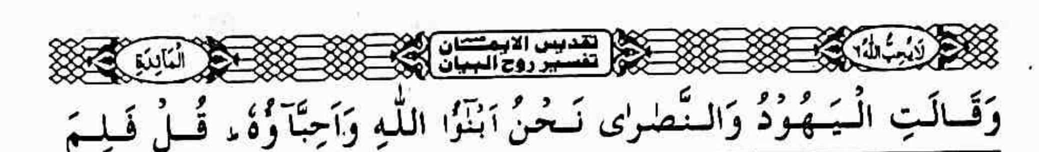
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

پیدا کرتا جو چاہے اور اللہ اوپر ہر ایک چیز کے قادر ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) **حدیث** نمبر ۲: حضور ﷺ نے فرمایا میں چودہ ہزار سال آدم علیہ السلام سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نور تھا۔ (نشر الطیب) **حدیث** نمبر ۳: ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو میرے نور کو عالم علوی سے اتار کر آدم علیہ السلام کی پشت میں رکھا (شفا قاضی عیاض)۔ **حدیث** نمبر ۴: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی تو ایک زمانہ بعد کہا کہ اے اللہ تجھے تیرے پیارے محمد ﷺ کا واسطہ میری خطا معاف فرما۔ کیونکہ میں نے ان کا نام عرش پر لکھا دیکھا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے وسیلے سے آدم علیہ السلام کی خطا معاف فرمادی۔ (فضائل ذکر مولانا زکریا)

(آیت نمبر ۱۷) البتہ تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

شان نزول: یہ جملہ نصاریٰ نجران کے یعقوبیہ فرقہ کا ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب فرمادو۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کس کی طاقت ہے۔ کہ اگر آن واحد میں وہ وفات دے دے مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو تو کوئی دم بھی نہ مار سکے۔ یہ ان کے عقیدے کا رد کیا جا رہا ہے اور یہ بتایا گیا کہ جو باقی مخلوق کی طرح فنا ہو سکتا ہو۔ وہ خدا کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جو اپنی جان کو موت سے نہ بچا سکے وہ دوسروں کو کیسے بچا سکتا ہے۔ اور جو اپنی والدہ کو موت سے نہ بچا سکے۔ وہ اوروں کو کیسے بچا سکتا ہے۔ جب وہ کسی کو بچا نہیں سکتا۔ تو وہ خدا بھی نہیں ہو سکتا۔ خدا کا بیٹا ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔



وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ

اور کہا یہود ونصاریٰ نے ہم ہیں بیٹے اللہ کے اور اس کے پیارے بھی فرمادو تو پھر کیوں

يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ

دیتا ہے عذاب تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب۔ بلکہ تم آدمی ہو اس کی مخلوق سے۔ بخشتا ہے جسے

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) **فائدہ**: یہ جملہ بھی اصل میں نصرانیوں کا منہ بند کرنے کیلئے کہا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے۔ تو اسے کون روک سکتا ہے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے۔ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور جو کچھ بھی ان دونوں کے درمیان ہے۔ سب پر قبضہ اسی کا ہے وہ جو بنانا یا بگاڑنا چاہے۔ یا زندہ کرنا یا مارنا چاہے۔ مکمل اسی کا اختیار ہے۔ جیسی وہ مخلوق چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ جو کچھ آج تک پیدا ہوا یہ اسی کی کاریگری ہے اور کوئی چیز بے کار یا بے مقصد نہیں بنائی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ان پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا:

۱۔ حق کو دل و جان سے مانو۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔

۳۔ جہاد فی سبیل اللہ۔ ۴۔ دین و ایمان بچانے کیلئے ہجرت۔ (شرح فتح المجید)

۵۔ جماعت کے ساتھ رہو۔ اس لئے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی ہٹ گیا۔ اس نے اسلام کی رسی گردن سے اتار دی۔

(آیت نمبر ۱۸) یہودیوں اور عیسائیوں نے (اپنے اپنے طور پر) کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور اس کے پیارے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بہت ہی قریب ہیں۔ جیسے اولاد ماں باپ کے قریب ہوتی ہے۔ اس جملہ سے وہ لوگوں پر اپنی فضیلت جتاتے تھے۔ اور از راہ غرور وہ کہتے۔ کہ ہمیں اس دین اسلام کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ نیک اعمال کی ضرورت ہے بلکہ برے اعمال پر بھی ہمیں کوئی پکڑ نہیں ہوگی کیونکہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں۔ کہ یہ مرتبہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب آپ ان کو الزامی طور پر اور خاموش کرنے والا جواب دیں۔ کہ اگر واقعی تمہارا دعویٰ صحیح سچا ہے تو بتاؤ کہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزائیں کیوں ملیں۔ کبھی تم قتل ہوئے۔ کہیں تمہیں بندر اور خنزیر بنایا گیا۔ یہ کیوں؟ (ان سزاؤں کے ملنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارا دعویٰ جھوٹا ہے۔ (اسی طرح آج کل جو سید یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ ہم پاک لوگوں کی اولاد ہیں ہمیں سب معاف ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں)۔



يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

چاہے اور عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو

بَيْنَهُمَا ؕ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف ہے لوٹ کر جانا

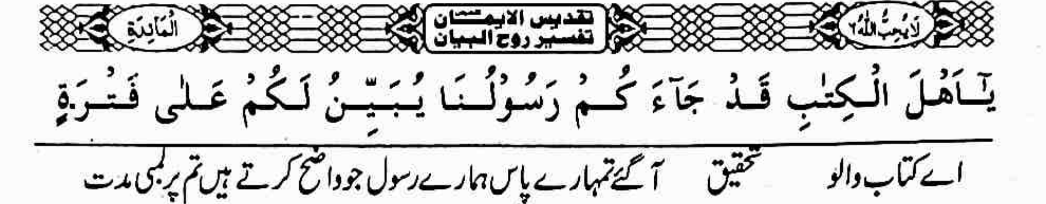
اتنی ساری سزاؤں کے بعد بھی تم تو دعوے دار ہو کہ ہمیں آخرت میں عذاب نہیں ہوگا۔ سوائے چند دنوں کے حالانکہ دنیا میں تمہاری غلطیوں پر اگر سزا ہوگئی۔ اور تم عذاب دیئے گئے تو آخرت میں کیوں نہیں ہوگا۔ بھلا کبھی دوستوں اور پیاروں کو یوں رسوا کیا جاتا ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے۔ کہ تم باقی لوگوں کی طرح انسان ہو اور بس۔ رحمت اور عذاب کا جو قاعدہ باقیوں کیلئے ہے وہی تمہارے لئے ہے۔ اور تمہیں کسی طرح کسی پر کوئی بزرگی حاصل نہیں۔ (قیامت کے دن) وہ جسے چاہے گا بخشے گا۔ اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہی ملک ہیں آسمانوں اور زمین میں۔ **فائدہ**: یاد رہے قرآن کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ مشرک کی کبھی بخشش نہیں ہوگی۔ نہ مشرک عذاب سے بچ سکتا ہے۔ یہود و عیسائی اکثر مشرک ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہیں۔ وہ تو پکے مشرک ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے یہ اپنے خیالی پلاؤ ہیں۔ (انہیں پتہ ہونا چاہئے) کہ آخرت میں سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جہاں ہر ایک کو جزاء یا سزا ہوگی۔ آخرت میں نجات کا دارو مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ جو محبت کے دعوؤں اور برتری کے نشے میں رہا۔ نہ ایمان لایا اور نہ نیک اعمال کئے۔ اور نہ اللہ رسول کی اطاعت کی۔ اسے سخت پکڑ ہوگی۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ اگر تو محبت میں سچا ہوتا۔ تو تو اس محبوب کی اطاعت کرتا۔ جس سے محبت کرنے کا دعوے دار ہے کیونکہ محبّ ہمیشہ اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔

نکتہ: حضور ﷺ کی کسی ایک بات کی بھی مخالفت کرنے والے نہ اللہ کے محبّ ہیں نہ محبوب ہیں۔

فائدہ: ظاہری صورت کے لحاظ سے تو سب لوگ برابر ہیں۔ اگر فضیلت ہے تو علم و عمل کے لحاظ سے ہے۔ قرب خداوندی جسے مل جائے وہی سب سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والا وہی ہے جو تقویٰ والا ہے۔

سبق: قابل مبارک ہے۔ وہ شخص جو آخرت کے بارے میں فکرمند رہتا ہے۔ تقویٰ اور اطاعت میں رغبت رکھتا ہے۔ اور دنیوی تمام خواہشات کو باہر نکال پھینکتا ہے۔ اور خالص نیت کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے رات دن تڑپتا رہتا ہے۔ لیکن یہ بات بغیر غلامئ مصطفیٰ کا پٹہ گلے میں ڈالے حاصل نہیں ہوسکتی۔



يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ

19

اے کتاب والو تحقیق آگئے تمہارے پاس ہمارے رسول جو واضح کرتے ہیں تم پر لمبی مدت

مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ز

رسولوں کے نہ آنے پر کہ کہیں تم کہو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور نہ ڈرانے والا

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ع ﴿١٩﴾

توتحقیق آگئے تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والے اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

(آیت نمبر۱۹) اے کتاب والو تحقیق آگئے تمہارے پاس ہمارے رسول جو تمہارے سامنے واضح بیان کرتے ہیں۔ شریعت کے احکام ایک عرصہ سے رسولوں کا سلسلہ منقطع تھا۔ اب جب حضور ﷺ تشریف لائے۔ تو تمہیں چاہئے تھا ان پر ایمان لانے میں پہل کرتے۔ کیونکہ اب آپ کی تشریف آوری کی سخت ضرورت تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے تو لگاتار انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پونے چھ سو سال کے بعد اب حضور ﷺ تشریف لائے۔ تاکہ تم قیامت کے دن یہ عذر نہ کرو۔ کہ ہمارے پاس کوئی جنت کی بشارت سنانے والا۔ اور دوزخ کے عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ آگئے تمہیں خوش خبری اور ڈر سنانے والے۔ تاکہ تم پر حجت پوری ہو جائے۔ لہٰذا اب بروز قیامت تمہارے عذر بہانے نہیں چلیں گے۔

مسئلہ: گویا اس آیت میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کا احسان جتایا گیا۔ کہ تمہاری سخت ضرورت کے پیش نظر ہمارے نبی تشریف لے آئے۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کہ چاہا تو لگاتار انبیاء بھیجے۔ بلکہ ایک وقت میں کئی نبی بھیج دیئے۔ اور نہ چاہا تو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پونے چھ سو سال تک نہیں بھیجے۔ الا ماشاء اللہ۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے اس زمانہ فترۃ کے درمیان دو تین انبیاء کا نام لیا ہے۔ لیکن لفظ فترۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نبی یا رسول تشریف نہیں لایا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں عیسیٰ بن مریم کے زیادہ نزدیک ہوں (بخاری و مسلم)۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی تشریف نہیں لایا۔ اگر درمیان میں اور بھی انبیاء کرام تشریف لائے ہوتے۔ تو پھر حضور ﷺ کی تشریف آوری پر یوں احسان نہ جتلایا جاتا۔ اور نہ اسے زمانہ فترۃ کہا جاتا۔ خالد بن سنان کے بارے میں جو بعض لوگوں نے ان کے نبی ہونے کے متعلق لکھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ انہوں نے تو یہ فرمایا تھا۔ کہ مرنے کے بعد میں تمہیں برزخ کے حالات کے بارے میں بتاؤں گا۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نبی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ

اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اے میری قوم یاد کرو احسان خداوندی اپنے اوپر کہ جب بنائے تم میں

أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾

نبی — اور بنائے تم میں بادشاہ — اور وہ دیا تمہیں جو نہیں دیا — کسی کو جہاں والوں میں سے

يَٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ

اے میری قوم داخل ہو سرزمین پاک میں — جو — لکھ دی اللہ نے تمہارے لئے — اور نہ پھرو

(آیت نمبر ۲۰) اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں سے بہت سارے انبیاء کرام علیہم السلام بنائے۔ (اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ کہ یہ صرف آپ کے ساتھ ہی ضد اور ہٹ دھرمی نہیں کر رہے۔ بلکہ یہ تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی یوں ہی پیش آیا کرتے تھے۔)

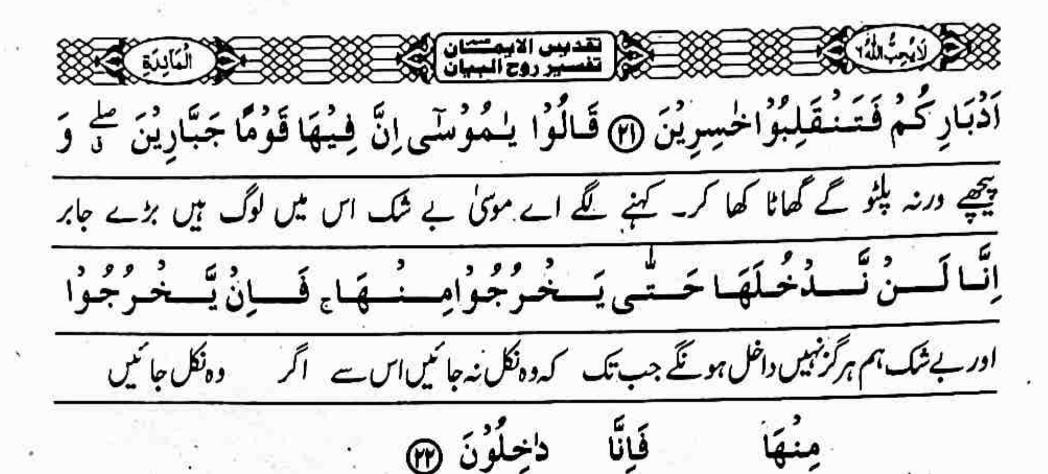
تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کا شکر کرو۔ کہ بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل خاندان میں سے آئے جو تمہیں حق کی راہ دکھاتے تھے۔ جن کی وجہ سے تم دنیا میں معزز سمجھے جاتے ہو۔ جہان میں یہ شرف صرف بنی اسرائیل کو ملا کہ ان میں بہت ہی انبیاء کرام تشریف لائے۔ انسانوں میں اس سے بڑی عزت شرافت کسی کو نہیں ملی اور فرمایا کہ تم میں ملوکیت بھی رکھی۔ یعنی تمہارے اس خاندان میں بادشاہ بھی ہوئے۔

فائدہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ملوک سے مراد یہ ہے کہ جن کے خادم اور نوکر چاکر ہوں۔

فائدہ: اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جن کے محلات اور بلڈنگیں بڑی بڑی ہوں۔ اور ان کے باغات ہوں۔

اور آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ کچھ دیا۔ جو اور جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔ تمہارے لئے دریا یوں پھٹا کہ اس میں راستے بن گئے تم صحیح سلامت پار ہو گئے اور دشمنوں کو رسوائی کے ساتھ موت دی کہ کوئی نہ بچ سکا۔ اور بادلوں کا تم پر سایہ کناں ہونا اور تم پر من سلویٰ کا اترنا۔ علاوہ ازیں بھی بے شمار انعامات اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائے۔ **فائدہ:** العالمین سے مراد موسیٰ علیہ السلام یا اس سے پہلے کا زمانہ ہے۔

(آیت نمبر ۲۱) اے میری قوم مقدس زمین میں چلے جاؤ۔ یعنی جہان انبیاء و اولیاء کرام کے ڈیرے تھے۔ وہ زمین اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دی ہے۔ ایمان کے ساتھ اطاعت گذار رہو۔ تو وہ تمہاری ہی رہے گی۔ لیکن جب انہوں نے نافرمانی کی تو انہیں وہاں سے نکال دیا گیا۔ پھر ان کا داخلہ وہاں پر حرام کر دیا گیا۔



اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَ

پیچھے ورنہ پلٹو گے گھاٹا کھا کر۔ کہنے لگے اے موسیٰ بے شک اس میں لوگ ہیں بڑے جابر

اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا

اور بے شک ہم ہرگز نہیں داخل ہونگے جب تک کہ وہ نکل نہ جائیں اس سے اگر وہ نکل جائیں

مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

اس (بستی) سے تو بے شک ہم داخل ہو جائیں گے

(بقیہ آیت نمبر۲۱) اسی لئے فرمایا کہ نہ پھر جاؤ اپنی پیٹھوں کی طرف۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنا۔ الٹا پھرنا یہ معاورہ ہے کسی کا حکم نہ ماننے سے۔ آگے فرمایا کہ اگر تم نے نافرمانی کی تو تم خسارہ لے کر واپس ہوگے۔ یعنی دونوں جہانوں میں ثواب سے محروم ہو جاؤ گے۔ لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کرتے ہوئے کہا۔

(آیت نمبر۲۲) کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) اس بستی میں تو بڑے جابر ظالم لوگ رہتے ہیں وہ تو بڑے طاقت ور ہیں۔ ان کا مقابلہ ہم کہاں کر سکتے ہیں۔ **تفصیل**: اس کی یہ ہے کہ ارض مقدس سے مراد اریحا کا مقام ہے۔ جس کے اردگرد تقریباً ہزار دیہات تھے۔ اور ان کے بے شمار باغات تھے۔ وہاں کنعانی جبارین مقیم تھے۔ بنی اسرائیل کو جب کہا گیا۔ وہ جگہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے۔ وہاں چلے جاؤ۔ ان جابرین کے ساتھ معمولی جہاد ہوگا۔ ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ ہی تمہارا امدادگار رہوگا۔ چونکہ وہ ان جبارین سے از حد خوف زدہ تھے۔

تو موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے بارہ سرداروں کو چن کر بھیج دیا۔ کہ تم حالات کا جائزہ لے آؤ۔ وہ تو پہلے ہی ان سے ڈرے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر مزید گھبرائے کہ یہ تو ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ واپس آ کر جب موسیٰ علیہ السلام کو جبارین کی قوت کے متعلق بتایا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا۔ کہ بنی اسرائیل تک یہ حالات نہ پہنچانا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی خوف زدہ ہیں تو صرف (۱) کالب بن یوقنا۔ اور (۲) یوشع بن نون موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر قائم رہے۔ باقیوں نے جنگ کرنے سے لوگوں کو بہت ڈرایا۔ اور جبابرہ سے لڑنے اور ان کے ساتھ جنگ کرنے سے روک دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو بڑی بے باکی سے کہا۔ کہ ہم ایسی جابر قوم سے ٹکر لے کر اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ نہیں کرائیں گے۔ ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ ہم واپس مصر میں غلامی کی ذلت قبول کر لیں گے۔ مگر موت کا اندیشہ قبول نہیں کرتے ہاں یہ ہے۔ کہ کسی طرح وہ خود وہاں سے نکل کر کہیں چلے جائیں۔ تو پھر ہم بھی وہاں چلے جائیں گے۔ ورنہ ہم اس بستی میں ہرگز نہیں جائیں گے۔ جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا

کہا ان دو آدمیوں نے جو خوف خدار کھتے تھے انعام کیا اللہ نے ان پر کہ داخل ہو

عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى

ان پر دروازے سے ۔ جب تم داخل ہو گئے تو بے شک تم غالب ہو جاؤ گے اور پر

اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

اللہ ہی کے بھروسہ کرو اگر ہو تم مومن

(آیت نمبر۲۳) تو ان دو آدمیوں (یوشع اور کالب نے جو اپنے اندر خوف خدار کھتے تھے) جن پر اللہ نے انعام کیا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت عطا فرمائی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر پورا بھروسہ رکھتے تھے۔ انہوں نے بنی اسرائیل سے کہا۔ کہ تم جبابرہ کے شہر اریحا میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن اس دروازے سے کہ جہاں سے داخل ہونے کا حکم ہوا ہے۔ تو بے شک جنگ کے بغیر ہی تم غالب آجاؤ گے ہم نے دیکھا ہے کہ بے شک ان کے جسم موٹے ہیں۔ لیکن دل چھوٹے یعنی کمزور ہیں۔ اور صرف اللہ پر بھروسہ کر کے ایک دفعہ پہنچو۔ ان شاء اللہ فتح تمہاری ہوگی۔ لیکن وہ (چوری کے مجنوں) جبابرہ سے از حد ڈرے ہوئے۔ اپنی بات پر ہی قائم رہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز اس بستی میں نہیں جائیں گے۔ جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ یعنی جبابرہ سے لڑائی کرنا تو در کنار ان کے سامنے جانے کیلئے بھی ہم تیار نہیں۔

تفصیل: اس کی یہ ہے۔ کہ جب وہ بارہ حضرات جبابرہ کو دیکھنے گئے۔ تو اس قوم میں عوج بن عنق انتہائی لمبا تلنگا آدمی تھا۔ اس نے ان بارہ آدمیوں کو پکڑ لیا اور ایک گٹھڑی میں باندھ دیا۔ اور گھر لے جا کر بیوی کے سامنے زمین پر دے مارا۔ اور بیوی سے کہا کہ میرا دل کرتا ہے کہ میں ان کو پاؤں کے نیچے دبا کر پیس دوں۔ یہ ہماری جاسوسی کرنے آئے ہیں۔ بیوی نے کہا کہ انہیں چھوڑ دے۔ یہ واپس جا کر اپنی قوم کو حالات سے باخبر کر دیں گے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس عوج نے ان بارہ حضرات کو آستین میں لیکر خوب دبایا۔ اور کہا کہ واپس جا کر اپنی قوم کو ہم سے خوب ڈراؤ۔ اور انہیں ہمارے ساتھ لڑنے سے باز کرو۔ ورنہ اگر ہمارے مقابلے پر آؤ گے۔ تو بالکل پس جاؤ گے۔ لہذا یہ باتیں جب ان کو پتہ چلیں۔ تو وہ ان سے بہت ہی دہشت زدہ ہوئے اور خوف سے مرنے لگے۔ اور بارہ میں سے دس کی تو ہوا ہی نہیں رکتی تھی۔ واپس آ کر جبابرہ کی قوت وجبروت کا وہ نقشہ پیش کیا اور ان کی قوت اور قد وقامت کا وہ حال بیان کیا۔ کہ بنی اسرائیل چلا اٹھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو صاف جواب دیدیا۔



قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ

بولے اے موسیٰ بے شک ہم ہرگز نہیں جائیں گے کبھی بھی جب تک کہ وہ اس میں ہیں جائیں آپ

وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا

اور آپ کا رب پھر لڑو بے شک ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ فرمایا اے میرے رب بے شک میں نہیں مالک مگر

نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اپنی جان کا اور اپنے بھائی کا تو جدائی کر درمیان ہمارے اور فاسقوں کی قوم سے

(آیت نمبر ۲۴) انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز وہاں نہیں جائیں گے جب تک وہ وہاں ہیں تو جا اور تیرا رب جائے اور تم دونوں جا کر ان سے لڑو۔ اور ہم یہاں بیٹھ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے اھانۃً کہی۔ اس لئے کہ اللہ رسول کی قدر و منزلت بھی ان کے دل سے نکل گئی تھی۔ باوجود اس کے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بھی سمجھایا، یوشع اور کالب نے سمجھایا۔ کہ بزدل نہ بنو مرد بنکر ذرا سی ہمت کر کے ان پر حملہ کردو۔ پھر اللہ کی مدد تمہارے دشمنوں کو کچل دے گی۔ مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

واہ کملی والے کے غلامو: (قربان جائیں تمہاری ہمت وحوصلہ پر) کہ جب بدر کے میدان میں حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ اب کیا خیال ہے میرے ساتھ مل کر کافروں سے لڑو گے۔ یا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح تم بھی مجھے جواب دو گے۔ تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیک زبان کہا۔ یارسول قوم موسیٰ نے کہا تھا۔ کہ تو اور تیرا خدا لڑو ہم تماشہ دیکھیں گے۔ لیکن ہم کہتے ہیں۔ کہ آپ اور آپ کا خدا تماشہ دیکھو اور لڑنے والا کام ہم کرتے ہیں۔ یارسول اللہ یہ تو جنگ ہے۔ جس میں ہار بھی ہوتی ہے۔ اور جیت بھی۔ بچ بھی سکتے ہیں اور موت بھی آسکتی ہے۔ اگر آپ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں۔ جہاں سوائے موت کے اور کچھ نہیں۔ ہم وہاں بھی چھلانگیں لگانے کیلئے تیار ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ جب جناب موسیٰ وعلی نبینا وعلیہ السلام نے ان کی سرکشی کا یہ حال دیکھا تو بارگاہ خداوندی میں نہایت غمزدہ دل کے ساتھ عرض کی:

(آیت نمبر ۲۵) کہ اے میرے رب میں صرف اپنی اور اپنے بھائی کی ذمہ داری لے سکتا ہوں۔ ہم حاضر ہیں۔ رہی بات باقی قوم کی۔ تو اب یہ مہربانی فرما۔ کہ ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی پیدا فرمادے۔ جو اطاعت سے نکل چکے ہیں۔ اور نافرمانی پر اصرار کر رہے ہیں۔ اب ان سے وہی کیجئے جس کے وہ مستحق ہیں۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ج يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ط

فرمایا بے شک وہ زمین حرام کر دی گئی ان پر چالیس سال تک بھٹکتے پھریں گے زمین میں

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ع ﴿۲۶﴾

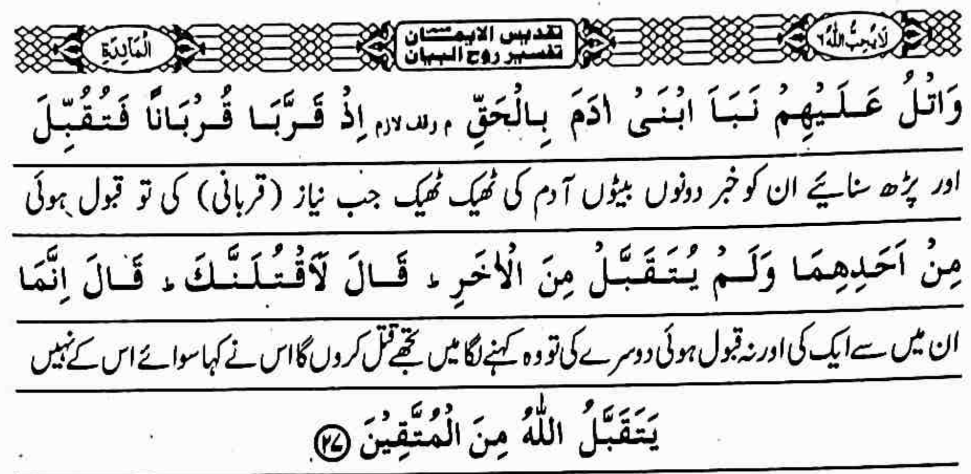
تو نہ کھاؤ افسوس اوپر قوم فاسقوں کے

(آیت نمبر ۲۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بے شک وہ مقدس مقام جس میں انہیں داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔ اب بے شک چالیس سال تک کیلئے اس میں ان کا داخلہ حرام کر دیا گیا۔ یعنی اتنا عرصہ تک نہ اس میں داخل ہونگے۔ نہ اس کے مالک بن سکیں گے۔ چونکہ انہوں نے ہماری نافرمانی کی اور وہاں داخل ہونے اور جہاد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اس چالیس سال کے بعد داخلے کی حرمت ختم ہو جائے گی۔ آگے فرمایا کہ اب وہ اسی جنگل میں چالیس سال تک حیران و سرگردان پھرتے رہیں گے اور اس سے نکل نہ سکیں گے۔

فائدہ: مروی ہے۔ کہ وہ جنگل اٹھارہ میل پر محیط تھا۔ وہ وہاں سے نکلنے کی بہت کوشش کرتے رہے۔ سارا دن چلتے رہتے۔ شام کے وقت تھک کر کہتے کہ کل یہاں سے نکل جائیں گے۔ رات گزار کر صبح کرتے تو اگلی صبح کے وقت جہاں سے چلے تھے وہیں ہوتے۔ تیلی کے بیل کی طرح ان کی منزل ختم ہی نہ ہوتی تھی۔ یہ ان کی بزدلی اور پیغمبر کی نافرمانی کی وجہ سے بطور سزا کے اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی بھی ملک اور شہر اور آبادی کا داخلہ بند فرما دیا تھا۔ لہذا وہ چالیس برس تک ان بیابانوں اور صحراؤں کی خاک چھانتے پھرے۔ اس مدت میں غلامی کی گود میں پلے ہوئے بے شمار اسرائیلی لقمہ اجل بن گئے۔ اور آزادی کی فضاء میں پیدا ہونے والے بچے جب پروان چڑھے۔ پھر انہوں نے شام پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ آزادی کی نعمت اسی قوم کو ملتی ہے۔ جو اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے۔ کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی ان کے ساتھ تھے۔ لیکن ان دونوں کو فرحت و سرور حاصل تھا۔ ان ہی کی برکت سے انہیں من سلوی بن محنت و مشقت ملتا رہا۔ بادل بھی سایہ کناں رہے۔

جناب ہارون علیہ السلام کا وصال اس عرصے میں ہوا۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد موسیٰ علیہ السلام کا انتقال بھی وہیں ہو گیا۔ آپ کی وفات کا بھی عجیب واقعہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ آپ اس فاسق قوم کے حال پر غم نہ کریں۔ یہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے۔



وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

اور پڑھ سنایئے ان کو خبر دونوں بیٹوں آدم کی ٹھیک ٹھیک جب نیاز (قربانی) کی تو قبول ہوئی

مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا

ان میں سے ایک کی اور نہ قبول ہوئی دوسرے کی تو وہ کہنے لگا میں تجھے قتل کروں گا اس نے کہا سوائے اس کے نہیں

يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾

قبول کرتا ہے اللہ متقی لوگوں سے

(آیت نمبر ۲۷) اے محبوب ان بنی اسرائیل کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی خبر پڑھ کر سنائیں۔ جو ایک صحیح اور سچی خبر ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حوا علیہا السلام سے ہمیشہ جوڑا پیدا ہوتا۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا۔ جب جوان ہوتے۔ پچھلی لڑکی کا پہلے لڑکے اور پہلی لڑکی کا پچھلے لڑکے سے نکاح ہوتا۔

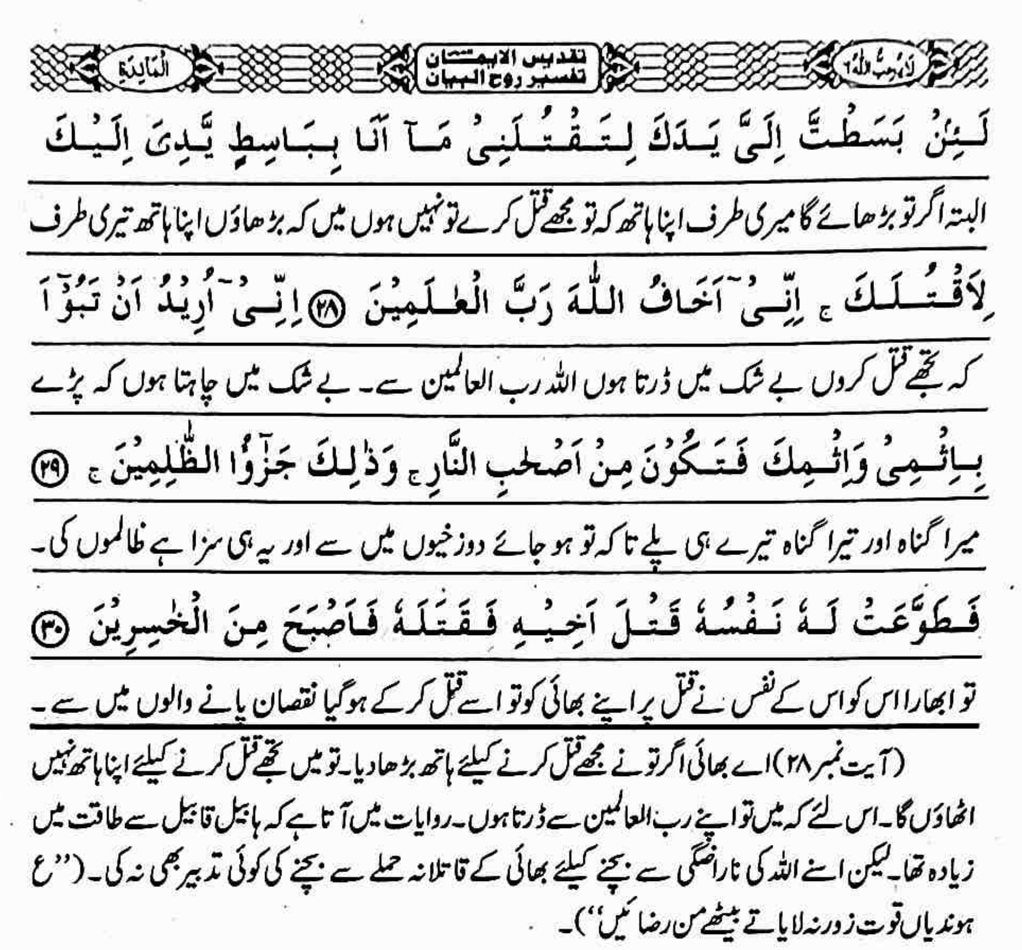
اتفاق سے قابیل کے ساتھ اقلیما پیدا ہوئی جو خوبصورت تھی اور ھابیل کے ساتھ جو لڑکی ہوئی وہ اتنی خوبصورت نہ تھی۔ قاعدے کے مطابق اقلیما کا نکاح ھابیل سے ہونا تھا۔ لیکن قابیل نے کہا کہ میرا نکاح اقلیما سے کیا جائے۔ آدم علیہ السلام نے بتایا بھی کہ یہ حکم خدا کے خلاف ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ دونوں بھائی قربانی کرو۔ جس کی قربانی قبول ہو وہ اقلیما سے نکاح کرے۔

واقعہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے جب دونوں بیٹوں نے قربانیاں دیں۔ تو ان میں سے ایک (ھابیل) کی قربانی تو قبول ہوگئی۔ (جو اونٹ یا دنبہ جو بھی پیش کیا)۔ آسمان سے آگ آئی اور اسے کھا گئی۔ اس زمانے میں یہی دستور تھا۔ کہ قربانی یا صدقہ کھلے میدان میں رکھا جاتا۔ اور آسمان سے آگ آتی اور جس کی قربانی منظور ہوتی اسے آگ آ کر کھا جاتی۔ یہ اس کی قبولیت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ (قابیل) کی قربانی قبول نہ ہوئی۔ اس نے گندم کے دانے قربانی کیلئے پیش کئے۔ لیکن آگ نے اسے چھوا بھی نہیں۔ چونکہ اس کی نیت میں پہلے ہی فتور تھا اور اس نے آدم علیہ السلام کی بے ادبی اور نافرمانی کی۔ اس لئے اس کی قربانی رد ہوگئی۔ اس سے اس کی بڑی رسوائی بھی ہوگئی۔ جب

اس کی قربانی منظور نہ ہوئی۔ تو وہ حسد سے جلنے لگا۔ اور اندر اندر کڑھنے لگا۔ غصے میں آ کر ہابیل سے کہا کہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ ایک تو اقلیما مجھے نہ ملی۔ دوسرا یہ کہ میری قربانی بھی منظور نہ ہوئی۔ جس کی وجہ سے میری بہت رسوائی ہوگی۔ تو ھابیل نے کہا اس میں میرا کیا قصور ہے۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ سوائے اس کے نہیں قربانی تو اللہ تعالیٰ ہی قبول کرتا ہے۔ لیکن اسی کی قربانی قبول فرماتا ہے۔ جو متقین میں سے ہو تو چونکہ متقین میں سے نہیں اس لئے تیری قربانی قبول نہیں ہوئی تو اس نے کہا کہ میں اپنی اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ لہذا اب میں تیری جان لے کر ہی چھوڑوں گا۔

ھابیل نے کہا۔ یہ تیری اپنی قسمت ہے۔ قربانی کی نامنظوری تمہاری سرکشی اور رب کی نافرمانی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ آؤ گذشتہ کرتوتوں پر سچے دل سے توبہ کرلو۔ اور تقوی کی راہ پر چل پڑو۔ تو رحمت خداوندی تمہاری قربانی بھی قبول کرے گی۔

قابیل کیلئے سلامتی کا راستہ تو وہی تھا۔ اس پر چل جاتا تو کامیاب ہوتا۔ لیکن وہ شیطن کے بکانے سے بھائی کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ تو ہابیل نے کہا۔ اگر تو مجھے قتل کرے گا۔ تو میں خدا سے ڈرتے ہوئے۔ تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ لیکن یہ بات یاد رکھ میرے خون ناحق کا گناہ بھی تیرے ہی سر پر لادا جائے گا۔ کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مظلوم کی دادرسی کیلئے ظالم کی نیکیاں مظلوم کو اور مظلوم کے گناہ ظالم پر رکھ دے گا۔



لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ

البتہ اگر تو بڑھائے گا میری طرف اپنا ہاتھ کہ تو مجھے قتل کرے تو نہیں ہوں میں کہ بڑھاؤں اپنا ہاتھ تیری طرف

لِاَقْتُلَكَ ج اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ

کہ تجھے قتل کروں بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ رب العالمین سے۔ بے شک میں چاہتا ہوں کہ پڑے

بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ج وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ج ﴿۲۹﴾

میرا گناہ اور تیرا گناہ تیرے ہی پلے تا کہ تو ہو جائے دوزخیوں میں سے اور یہ ہی سزا ہے ظالموں کی۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

تو ابھارا اس کو اس کے نفس نے قتل پر اپنے بھائی کو تو اسے قتل کر کے ہو گیا نقصان پانے والوں میں سے۔

(آیت نمبر ۲۸) اے بھائی اگر تو نے مجھے قتل کرنے کیلئے ہاتھ بڑھا دیا۔ تو میں تجھے قتل کرنے کیلئے اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ اس لئے کہ میں تو اپنے رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ روایات میں آتا ہے کہ ہابیل قابیل سے طاقت میں زیادہ تھا۔ لیکن اسنے اللہ کی ناراضگی سے بچنے کیلئے بھائی کے قاتلانہ حملے سے بچنے کی کوئی تدبیر بھی نہ کی۔ (''ع ہوندیاں قوت زور نہ لایا تے بیٹھے من رضائیں'')۔

(آیت نمبر ۲۹) مزید بھائی قابیل سے کہا۔ میں تجھ پر ہاتھ اس لئے بھی نہیں اٹھاؤنگا کہ میں چاہتا ہوں کہ تیرے کھاتے میں تیرے گناہ تو ہوں گے میرے گناہ بھی ہوں اس لئے کہ تو قتل کر کے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کرے گا۔ **مسئلہ**: آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے والے گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ لیکن مظلوم اگر حد سے تجاوز نہ کرے۔ تو اس کی گالیوں کا گناہ بھی ظالم کے سر پر ہوتا ہے۔ تو ھابیل نے کہا کہ میں یہ بھی چاہتا ہوں۔ کہ قتل کر کے تو جہنمیوں میں سے ہو جائے۔ اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔ کہ وہ جہنم میں رہیں۔

(آیت نمبر ۳۰) تو ابھار لیا اس (قابیل) کو اس کے نفس نے اپنے بھائی (ھابیل) کے قتل پر۔

فائدہ: انسان پر جب نفس امارہ غالب آ جائے۔ تو انسان میں درندگی صفات آ جانا کوئی محال نہیں۔ بھائی کو قتل کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ لیکن حسد کا جذبہ غالب آ گیا۔ تو قابیل کو نفس امارہ نے اس کام پر ابھارا تو اس نے ھابیل کو قتل کر دیا۔ کہ ایک بھاری پتھر اس کے سر پر دے مارا۔ یہ کام بھی اس کو شیطان نے سکھایا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِیْ سَوْءَةَ

پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کرید رہا تھا زمین میں کہ اسے دکھائے کہ کیسے چھپائے لاش

اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ

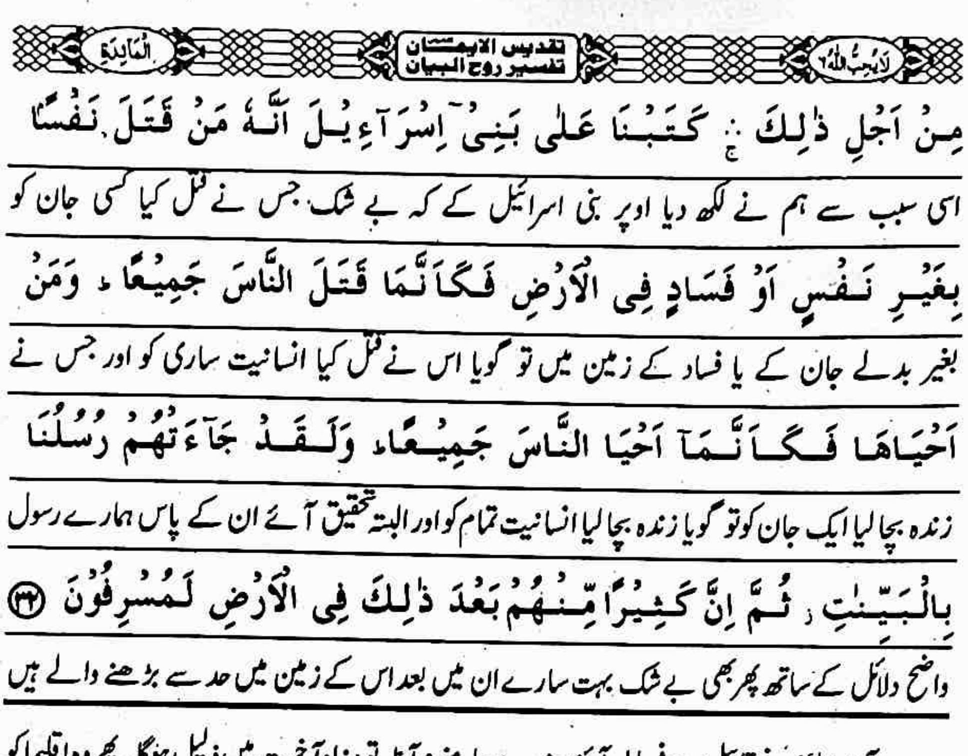
اپنے بھائی کی تو کہا ہائے افسوس میں اتنا عاجز ہوں کہ ہوں مثل اس کوے کے کہ میں چھپاتا

سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۚۛ ﴿۳۱﴾

لاش اپنے بھائی کی تو ہو گیا پشیمان

اس وقت ھابیل کی عمر بیس سال کی تھی۔ جب قابیل اتنا بڑا جرم کر کے خسارہ والے لوگوں میں ہو گیا۔ یعنی اسے دین و دنیا میں خسارہ نصیب ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ دنیا میں خسارہ یہ ہوا۔ کہ تا قیام قیامت باپ کے نافرمانوں میں شامل ہوا۔ اور قیامت تک اس کو نہ صرف ایک مذمت بلکہ کئی مذمتیں ہونگی۔ غیر شرعی سوچ کہ اپنی سگی بہن کو اپنی حوس کا نشانہ بنانا۔ باپ کی ناراضگی الگ اور اللہ کی ناراضگی اور بھائی کا قتل اسی لئے قیامت تک اس پر لعنت ہوتی رہے گی۔ اور آخرت میں اس کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ بلکہ دنیا میں جتنے بھی قتل ہوئے یا ہوں گے۔ ان کے گناہ بھی اس کے سر پر ہوں گے۔ کیونکہ یہ اس گناہ کا بانی ہے۔

(آیت نمبر ۳۱) پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا۔ جو زمین کریدنے لگا۔ یعنی قابیل نے ھابیل کو جب قتل کر دیا تو اب اسے معلوم نہ تھا۔ وہ کیا کرے۔ چونکہ بنی آدم میں پہلا آدمی فوت ہوا تھا۔ اب اسے یہ بھی ڈر تھا۔ کہ کوئی درندہ آ کر لاش کو خراب نہ کرے۔ لہذا چالیس دن تک اسے اٹھا کر پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ تھک ہار گیا تو اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے۔ وہ اس کے سامنے لڑنے لگے۔ ایک نے حملہ کر کے دوسرے کو مار دیا۔ پھر زمین میں گڑھا کھود کر اس میں دبا دیا۔ قابیل نے یہ سارا ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تو اس وقت وہ کہنے لگا۔ ہائے افسوس کیا میں اتنا ہی عاجز ہو گیا ہوں۔ میں کوّے جتنی بھی سمجھ نہیں رکھتا کہ میں بھائی کی لاش کو ہی چھپا دیتا۔ گویا میں تو کوے سے بھی گیا گذرا انسان ہوں۔ پھر وہ اپنے بھائی کے قتل پر انتہائی پشیمان ہو گیا۔ لیکن یہ ندامت توبہ والی نہ تھی۔ چالیس دن لاش اٹھانے کی ندامت تھی۔ اسی لئے اس ندامت سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ قابیل کا پیدائشی رنگ سفید تھا۔ ھابیل کو قتل کرنے سے اس کا رنگ بالکل سیاہ ہو گیا۔ جب آدم علیہ السلام حج سے واپس تشریف لائے۔ قابیل سے پوچھا کہ ھابیل کہاں ہے۔ تو اس نے کہا مجھے کیا علم میں ہر وقت اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا۔ تیرا کالا منہ ہی بتلا رہا ہے۔ کہ تو نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جناب آدم علیہ السلام بیٹے کے قتل پر از حد غمزدہ ہوئے۔ اور زندگی بھر آپ کو ہنسی نہ آئی۔



مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا

اسی سبب سے ہم نے لکھ دیا اوپر بنی اسرائیل کے کہ بے شک جس نے قتل کیا کسی جان کو

بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ

بغیر بدلے جان کے یا فساد کے زمین میں تو گویا اس نے قتل کیا انسانیت ساری کو اور جس نے

اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

زندہ بچالیا ایک جان کو تو گویا زندہ بچالیا انسانیت تمام کو اور البتہ تحقیق آئے ان کے پاس ہمارے رسول

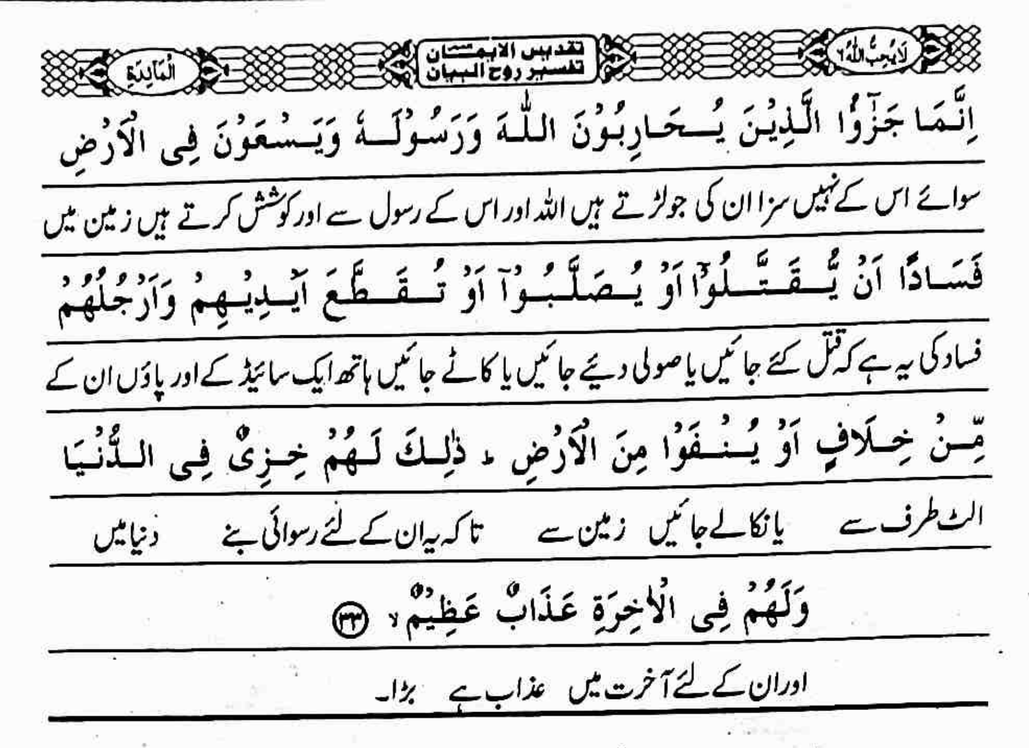
بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

واضح دلائل کے ساتھ پھر بھی بے شک بہت سارے ان میں بعد اس کے زمین میں حد سے بڑھنے والے ہیں

آدم علیہ السلام نے قابیل سے فرمایا۔ آئندہ میرے سامنے نہ آنا۔ تو دنیا وآخرت میں ذلیل ہوگا۔ پھر وہ اقلیما کو لیکر عدن کی طرف روانہ ہوگیا۔ اور شیطان کے کہنے پر وہ آگ کا پجاری بھی بن گیا۔ یاجوج ماجوج اسی کی اولاد سے ہے۔ آلات لہولعب اور گانے بجانے اسی کی اولاد میں شروع ہوئے۔

(آیت نمبر ۳۲) اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا۔ یعنی ان کو توراۃ اور انجیل میں لکھ کر دیا۔

شانِ نزول: بنی اسرائیل قتل وغارت میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ گذشتہ واقعہ سنانے کا مقصد یہ تھا کہ قتل وغارت کوئی معمولی جرم نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک سنگین جرم اور بہت قبیح کام ہے۔ اس کی وجہ سے ایک تو آدمی دنیوی اور اخروی سعادت سے محروم ہوجاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ زندگی بھر حسرۃ وندامت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور لوگوں کی نظروں میں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کی کتابوں میں لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی جان کو بلاوجہ قتل کیا یا زمین میں فساد کیا یا خون ریزی کی یعنی ڈاکے مارتا ہے۔ یا دہشت گردی کرتا ہے۔ تو اس نے گویا کہ سب لوگوں کو قتل کیا۔ یعنی قتل جیسے گناہ کا راہ کھول دیا۔ کہ لوگ جراۃ کر کے ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں۔ (یا دو آدمیوں کے قتل سے دو قبیلوں میں لڑائی شروع ہوگئی وہ آپس میں لڑلڑ کر مرگئے۔) یا اللہ کے غضب کے سامنے ایک کا قتل سب کے قتل کے برابر ہے۔ اور اسی طرح جو ایک آدمی کو بچالے قتل سے کہ معاف کیا یا قتل کرسکتا تھا اور رک گیا۔ تو گویا اس نے سب لوگوں کی زندگی بچالی۔ ایسے واقعات انبیاء کی زبانی سننے کے باوجود بھی بنی اسرائیل شر وفساد میں آمادہ رہے۔



اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ

سوائے اس کے نہیں سزا ان کی جو لڑتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں

فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

فساد کی یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا صولی دیئے جائیں یا کاٹے جائیں ہاتھ ایک سائیڈ کے اور پاؤں ان کے

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا

الٹ طرف سے یا نکالے جائیں زمین سے تا کہ یہ ان کے لئے رسوائی بنے دنیا میں

وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ ﴿۳۳﴾

اوران کے لئے آخرت میں عذاب ہے بڑا۔

(بقیہ آیت نمبر۳۲) آگے فرمایا البتہ تحقیق آئے ان (اہل کتاب کے) پاس ہمارے رسول بہت واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ۔ لیکن پھر بھی بے شک بہت زیادہ ان میں سے ان رسولوں کے تشریف لے جانے کے بعد جدال وقتال کو معمولی سمجھ کر حد سے بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کئی انبیاء بھی قتل کر دیئے۔ لہٰذا ان لوگوں سے کیسے توقع ہوسکتی ہے۔ کہ وہ نبی کریم ﷺ کی اذیت رسانی اوران کے خلاف سازشیں کرنے سے باز آجائیں گے۔

(آیت نمبر۳۳) سوائے اس کے نہیں جو لوگ اللہ اور رسول سے جنگ کرتے ہیں۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ اوراس کے رسول کے حکموں کے خلاف کام کرتے ہیں۔ اور اللہ رسول سے جنگ کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ ڈاکے۔ اغواء۔ قتل اور بدمعاشی کرتے ہیں۔ لوگوں کے مال غصب کر لینا۔ اور عورتوں اور مردوں کو اپنے غلام اور لونڈیاں بنالینا۔ (جیسے آج کل پاکستان میں طالبان اور شام میں داعش کا فتنہ ہے)

آگے فرمایا کہ وہ زمین میں فساد ڈالتے ہیں۔ یعنی اللہ اور رسول کے حکم کی مخالفت کر کے قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کرتے ہیں۔ (آگے ان کی سزا بیان کی جارہی ہے)۔

شانِ نزول: یہ ہلال بن عویمر الاسلمی کے حق میں نازل ہوئی۔ نبی پاک ﷺ نے ان کی قوم سے معاہدہ

کیا۔ کہ نہ ہم تمہیں ستائیں گے۔ اور نہ تم مسلمانوں کا کوئی نقصان کرو گے۔ تمہارے قریب سے ہمارا کوئی آدمی گذرے گا۔ تو تم اس کے جان و مال کی حفاظت کرو گے۔ اور اگر تمہارے لوگ ہمارے ہاں سے گذریں گے۔ ہم ان کی حفاظت کریں گے۔

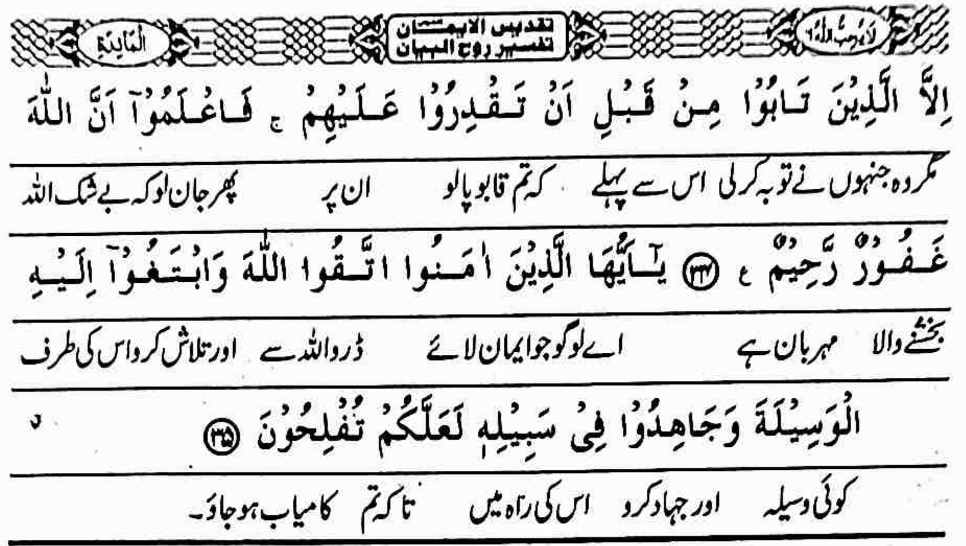
ایک دفعہ بنی کنانہ کے لوگ حضور ﷺ کی بارگاہ میں مسلمان ہونے کیلئے آرہے تھے۔ اگرچہ ہلال خود تو ان میں موجود نہ تھا۔ مگر اس کی قوم نے بنو کنانہ کے لوگوں پر حملہ کر دیا۔ ان کا مال بھی لوٹا۔ اور ان کے کچھ آدمی قتل بھی کر دیئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں۔ یہ حد اس لئے ہے کہ انہوں نے بلاوجہ قتل وغارت کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اس ظلم کرنے کی وجہ سے وہ ظالم ہیں۔

آگے فرمایا کہ اب ان کی سزا یہی ہے کہ وہ یا صولی دیئے جائیں۔ (یہ سزا اس وقت ہے) کہ جب انہوں نے مال بھی لوٹا ہو اور قتل بھی کیا ہو۔ تو صولی چڑھا کر نیزے ان کے پیٹ میں گھونپ دیئے جائیں۔ اور ان کی لاشیں لٹکی رہیں۔ تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔

مسئلہ: صولی زندہ آدمی کو چڑھایا جائے۔ اگر قتل ہو گیا ہے تو پھر صولی نہ چڑھایا جائے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سزا جرم کے مطابق ہو۔ جرم سنگین ہو تو سزا بھی سخت ہو گی۔ آگے فرمایا کہ یا پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں الٹ کاٹے جائیں۔ یعنی ہاتھ دایاں ہو تو پاؤں بائیں طرف کی۔ اور پاؤں گٹے سے کاٹا جائے۔ یہ اس وقت ہے۔ کہ جب صرف مال لوٹا ہو۔ اور اگر لوگوں کو دہشت زدہ کیا ہو۔ تو پھر انہیں قید کیا جائے اور وہ شہر بدر کئے جائیں۔ یعنی قید کی سزا بھگتنے کے بعد ضلع بدر کئے جائیں۔ کیونکہ دہشت پھیلانا بھی اسلام میں بہت بڑا جرم ہے۔ اور فرمایا کہ یہ تو صرف دنیا میں ان کی ذلت اور رسوائی ہے۔ اور ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔ جس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

مسئلہ: مذکورہ غلطیوں کے بعد گرفتار ہو جائیں۔ تو حد لگے گی معاف نہیں کیا جائیگا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مسلمان کو ہتھیار سے ڈرایا تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں (مشکوٰۃ شریف)۔ اور ایک **حدیث** میں فرمایا کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ کہ وہ اپنے ہتھیار سے کسی مسلمان کو ڈرائے۔ اور مسلم شریف کی **حدیث** میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا۔ وہ ہم میں سے نہیں۔ اور جس نے ہمیں دھوکا دیا۔ وہ بھی ہم میں سے نہیں۔ یعنی مسلمان ہی نہیں۔ گویا یہ دہشت گرد مسلمان نہیں ہیں۔

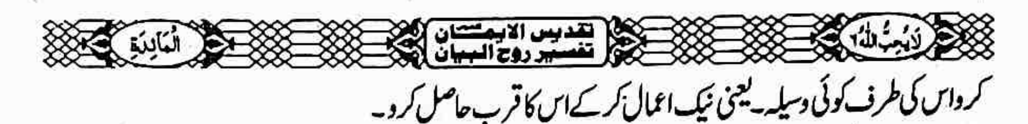


(آیت نمبر ۳۴) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کرلی اس سے پہلے۔ کہ تم ان پر قابو پاؤ۔ یعنی تمہارے گرفتار کر لینے سے پہلے توبہ کرلی۔ اور اپنے آپ کو حکومت اسلامیہ کے حوالے کر دیا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے حقوق معاف ہو جائیں گے۔

مسئلہ: توبہ سے حقوق اللہ تو معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ یعنی کسی کا قتل کیا ہے۔ تو وارث معاف کریں۔ تو معاف ہوگا ورنہ قصاص لیا جائے گا۔ اور اگر اس نے کسی کا مال چھینا ہے۔ تو ہاتھ کٹنے سے بچ جائے گا۔ لیکن مالکوں کا حق تو ادا کرنا واجب رہے گا۔ یعنی وہ مال مالکوں کو واپس کرنا ضروری ہوگا۔ آگے فرمایا کہ یہ جان لو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ مسلمانوں سے غلطیاں ہوئیں تو ان کے لئے بھی یہی ہے۔

یاد رہے: چوری یا غصب کرنے والا گرفتاری کے بعد توبہ کرتا ہے۔ تو نہ حقوق اللہ معاف نہ حقوق العباد معاف ہیں۔ مملکت اسلامیہ میں امن قائم کرنے اور راستوں کو محفوظ بنانے اور فتنہ وفساد کی جڑ کاٹنے کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے۔ جو اس حکم کی خلاف ورزی کر کے قتل وغارت وغیرہ کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہے۔ اسلامی مملکت میں کسی باشندے پر خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی دست درازی کرنے وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر رہا ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جن میں یہ تین شرطیں پائی جائیں وہ محاربین ہیں۔ (۱) جو بلاوجہ تلوار نیزہ یا بندوق سے مسلح ہوں۔ (۲) راہزنی یا ڈاکہ کا ارتکاب کرتے ہوں۔ (۳) برملا لوگوں پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار کریں۔ ایسے لوگوں کیلئے قرآن پاک میں یہ مذکورہ چار سزائیں بیان کی گئیں۔ (۱) انہیں قتل کیا جائے۔ (۲) انہیں صولی چڑھایا جائے۔ (۳) ان کے ہاتھ پاؤں الٹ سائیڈ سے کاٹ دیئے جائیں۔ (۴) حاکم وقت انہیں قید کرے یا جلاوطن کردے۔ تاکہ ملک میں امن اور خوش حالی ہو۔ اور وہ اس کے بغیر ناممکن ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) اے ایمان والو۔ اللہ سے ڈرو یعنی اس کی نافرمانی کر کے اس کے عذاب سے ڈرو۔ اور تلاش



کرواس کی طرف کوئی وسیلہ۔ یعنی نیک اعمال کر کے اس کا قرب حاصل کرو۔

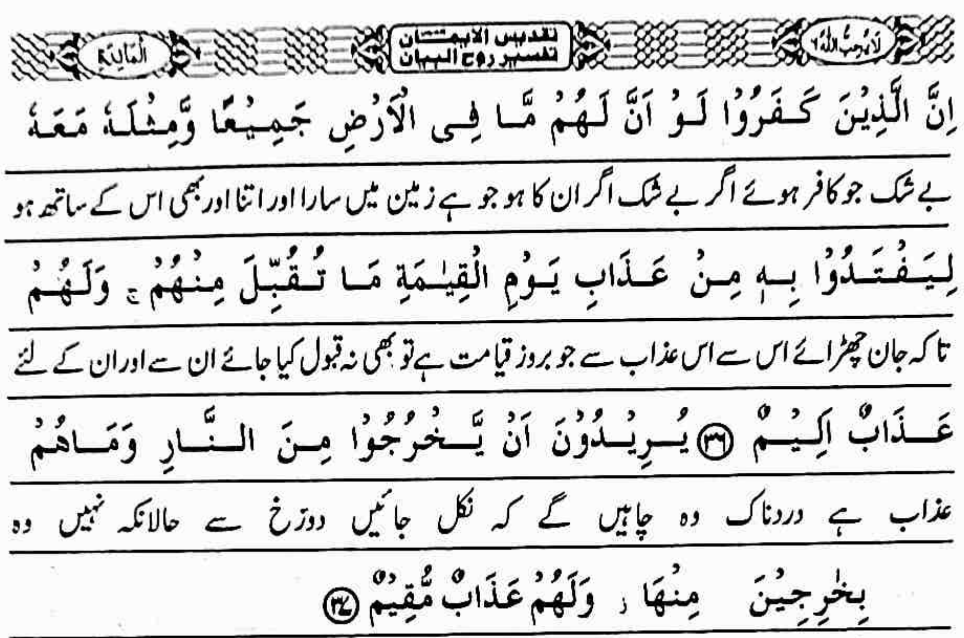
وسیلہ کی تحقیق:

لسان العرب میں ہے: وہ چیز جس کے ذریعے کسی مقصد تک پہنچا جائے تا کہ اس کا قرب حاصل ہو۔ اسے وسیلہ کہتے ہیں۔ ایمان نیک اعمال، عبادات۔ سنت کی پیروی اور تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنا۔ ان سے بندہ اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اس کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ جنت کے اعلیٰ درجات کا نام وسیلہ ہے۔ حضرت غفاری سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ وسیلہ جنت عدن میں ایک عالی شان مقام ہے۔ جو صرف حضور ﷺ کی امت کو ملے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو افضل امت قرار دیا ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ کہ حضور ﷺ کیلئے وسیلہ ملنے کی دعا کرو۔

مسئلہ: اس آیت کریمہ میں یہ وسیلہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے۔ کہ اس کے سوا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔ (قول جمیل)۔ اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے۔ شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔ کہ سالکان راہ حقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے۔ پس حقیقی کامیابی حاصل کرنے کیلئے مجاہدہ وریاضت سے پہلے تلاش مرشد از بس ضروری ہے۔

نکتہ: (قابل غور بات ہے کہ اعمال کا وسیلہ اگر جائز ہے۔ جیسا اوپر بیان ہوا۔ تو شخصیات کا وسیلہ کیوں ناجائز ہے؟ جبکہ اعمال کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کا کوئی علم نہیں۔ اور انبیاء واولیاء کے مقبول ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ اعمال کے وسیلہ کے ساتھ اگر انبیاء واولیاء کے وسیلہ حاصل کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ بے شک صرف اعمال کا وسیلہ بھی جائز ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے۔ اور شخصیات کا وسیلہ بھی احادیث سے ثابت ہے۔ جیسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارش نہ ہونے پر حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا وسیلہ پیش کیا۔ (بخاری)۔ (قاضی)

فائدہ: حضرت عطا فرماتے ہیں کہ جنت کے اعلیٰ درجات کا نام وسیلہ ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اذان کے بعد والی دعا "اللھم رب ھذہ الدعوۃ الخ" پڑھی اس پر میری شفاعت واجب ہے۔ (ترمذی)



اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

بے شک جو کافر ہوئے اگر بے شک اگر ان کا ہو جو ہے زمین میں سارا اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ ہو

لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ

تا کہ جان چھڑائے اس سے اس عذاب سے جو بروز قیامت ہے تو بھی نہ قبول کیا جائے ان سے اور ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ

عذاب ہے دردناک وہ چاہیں گے کہ نکل جائیں دوزخ سے حالانکہ نہیں وہ

بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا ؗ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۷﴾

نکل سکنے والے اس عذاب سے اور ان کا عذاب دائمی

(آیت نمبر ۳۶) بے شک جنہوں نے کفر کیا۔ اگر بالفرض واسطے ان کے وہ کچھ ہو۔ جو زمین میں ہے تمام کا تمام۔ یعنی زمین کے ہر قسم کے مال و دولت کے خزانے اور دنیا کی تمام نفع مند اشیاء اس کی ملکیت ہوں۔ بلکہ اتنا اور بھی اس کا ہو۔ یعنی روئے زمین کا دوگنا مال اس کا ہو۔ اور وہ قیامت کے عذاب سے بچنے اور جان بچانے کا فدیہ دے۔ تو بھی اس سے قبول نہ کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ کافر عذاب سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ **حدیث شریف:** میں ہے بروز قیامت کافر سے پوچھا جائیگا۔ زمین سونا سے بھر کر تجھے دی جائے۔ تو کیا تو جان کے فدیہ میں خرچ کر دیگا۔ تو وہ کہے گا کہ میں بالکل خرچ کر دونگا۔ تو اسے کہا جائے گا۔ کہ دنیا میں تو تجھے اس سے آسان تر بات کہی تھی۔ لیکن تو نے انکار کر دیا تھا (بخاری کتاب الرقاق)۔ آگے فرمایا۔ کہ ان کیلئے انتہائی دردناک عذاب ہے۔ یعنی کفار کی یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ کہ قیامت کے دن بھی روپے پیسے سے کام چلالیں گے۔ وہاں تو نجات کا ذریعہ صرف ایمان اور اس کے بعد عمل صالح ہیں۔ دنیا بھر کا مال و دولت پہلے تو کسی کے پاس ہوگا کہاں۔ اور اگر بالفرض محل ہو بھی جائے۔ تو وہ جان بچانے کیلئے دینا چاہیں گے۔ تو وہ ان کے منہ پر مار دیا جائے گا۔

(آیت نمبر ۳۷) آگ میں پہنچ کر چاہیں گے۔ کہ وہ جہنم کی آگ سے کسی طرح نکل جائیں۔ دل ہی دل میں ارادہ کریں گے۔ یا جہنم کے شعلے ان کو اوپر اٹھائیں گے۔ تو وہ سمجھیں گے کہ اب ہم نکل جائیں گے۔ لیکن پھر انہیں آگ اندر کی طرف واپس دھکیل دے گی۔ تو فرمایا کہ وہ نہیں نکل سکیں گے۔ اگر کسی طرح سے نکلنے کا ارادہ کریں گے۔ پہلے تو جہنم سے نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہیں۔ اگر کسی طرف بھاگ کر کوئی نکلنا چاہے گا۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا

اور چور مرد اور چور عورت کے کاٹ دو ان کے ہاتھ یہ سزا ان کی جو انہوں نے کیا عبرت بھی ہے

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾

اللہ کی طرف سے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) تو دھکے دے کر انہیں لوٹا دیا جائیگا۔ اس لئے فرمایا۔ کہ ان کے لئے عذاب ہمیشہ قائم رہنے والا ہے یعنی کبھی بھی۔ نہ ختم ہونے والا ہے۔ **فائدہ**: اور انہیں موت بھی نہیں آئیگی۔ اس لئے کہ موت کو دنبے کی صورت میں لا کر جنت وجہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ بروز قیامت ایک شخص کو لایا جائیگا۔ جو دنیا میں سب سے زیادہ نعمتوں میں رہا۔ اسے جہنم کا صرف ایک غوطہ دیا جائے گا۔ پھر پوچھا جائیگا۔ کہ اے آدم زادے کیا تو نے دنیا میں سکھ بھی دیکھا ہے۔ تو کہے گا کہ نہیں اے اللہ یعنی دنیا میں میں نے کوئی سکھ نہیں پایا (ریاض الصالحین)۔ پھر اس شخص کو لایا جائیگا۔ جو دنیا میں تکلیفوں ہی تکلیفوں میں رہا۔ اسے جنت کے اندر ایک چکر لگوا کر واپس لا کر پوچھا جائیگا۔ کہ تو نے دنیا میں کوئی تکلیف تو نہیں دیکھی۔ تو وہ کہے لگا۔ کہ نہیں خدا کی قسم میں نے کبھی کوئی تکلیف نہیں دیکھی۔ حالانکہ جہنمی نے دنیا میں سکھ ہی دیکھا ہوگا۔ مگر ایک ہی جھلک نے سب بھلا دیا۔

(آیت نمبر ۳۸) چور مرد اور چور عورت جب چوری کریں۔ تو ان کے دونوں ہاتھ کاٹ دو۔ یہ سزا ہے۔ اس کی جو انہوں نے کیا۔ یعنی دونوں نے اپنے کئے کی سزا پائی۔ اور یہ عبرت ناک عذاب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ تا کہ دوبارہ ایسا عمل کرنے سے رک جائیں۔ بلکہ یہ سزا دوسروں کے لئے بھی عبرت کا نشان ہے۔ کہ جو بھی اس قسم کا فعل کرنے کا ارادہ کرے گا۔ اسے پہلے ہی سوچ لینا ہوگا۔ کہ اگر میں نے یہ کام کیا۔ تو پھر ہاتھوں سے محروم ہو جاؤنگا۔

مسئلہ: صرف توبہ کرنے سے چوری کی حد معاف نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ ایک انسان کا حق ہے۔ اور حقوق العباد سے ہے۔ اور حقوق العباد صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔

مسئلہ: امام حدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر چور حاکم کے سامنے پیش ہونے سے پہلے یعنی گرفتاری سے پہلے چوری کا مال مالک کے حوالے کر دے۔ اور تائب ہو جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور مال واپس کرنے سے پہلے اگر حاکم کے سامنے پیش ہو گیا۔ اب توبہ کرے یا مال واپس کرے اس کا ہاتھ ہر حال کاٹا جائے گا۔ ہاں اگر سچے دل سے توبہ کی ہے۔ تو یہ اس کیلئے آخرت میں بلند درجات کا موجب ہوگا۔ اگر توبہ نہیں کی۔ تو آخرت کا عذاب الگ ہوگا۔ آگے فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ غالب ہے کا مطلب ہے کہ جو چاہے کر گذرتا ہے۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور حکمت والا ہے۔ یعنی جیسے اس کی حکمت ومصلحت کا تقاضا ہو ویسے ہی وہ حکم فرماتا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تو جس نے توبہ کر لی بعد ظلم کے اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بھی مہربانی کرے گا اس پر بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

بخشنے والا مہربان ہے۔ کیا نہیں تو جانتا کہ بے شک اللہ کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور بخشتا ہے جسے چاہے اور اللہ اوپر ہر ایک چیز کے قادر ہے

(آیت نمبر۳۹) پس جس نے توبہ کر لی ظلم کے بعد یعنی دوسروں کا مال چھین کر ظلم کیا۔ اب اس نے مالکوں کا مال بھی واپس کر دیا اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ اور اپنی اصلاح بھی کر لی۔ یعنی جو جو غلطیاں اس سے ہوئیں۔ ان سے اب بالکل دست بردار ہو گیا۔ اور پکا ارادہ کر لیا۔ کہ اب چوری وغیرہ کا ارادہ بھی نہیں کرے گا۔ تو ایسے بندے کی اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ اور اسے آخرت کے عذاب میں بھی نہیں ڈالے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اس کی رحمت و بخشش کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی لئے وہ اتنے بڑے بڑے گناہ گاروں کو بھی بخش دیتا ہے۔

(آیت نمبر۴۰) کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ زمین و آسمان میں بلکہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہے۔ وہ عذاب دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اگر وہ کسی صغیرہ گناہ پر بھی عذاب دے تو وہ بھی عدل ہی ہوگا اور بخش دے (جسے وہ چاہے)۔ خواہ اس نے کوئی کبیرہ گناہ کیا ہو۔ یہ اس کا فضل ہوگا۔ یعنی اس کی بخشش اور عذاب کسی حکمت کے تقاضا کے مطابق ہونگے۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ وہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔ **فائدہ**: مذکورہ آیات کے ضمن میں ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے چوری کی اور پھر توبہ بھی نہ کی۔ اسے دنیا میں ہاتھ کٹنے کی سزا ملی اور آخرت میں عذاب بھی ہوگا۔ اور اگر توبہ کر کے مرا۔ تو وہ بخشنہار سے امید ہے۔ کہ وہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ کیونکہ وہ مالک جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ (چوری کے متعلق ہاتھ کاٹنے کے تمام تفصیلی مسائل فیوض الرحمٰن یا فقہ کی کتب میں دیکھ لیں)۔ **حدیث شریف** میں ایک عورت کا قصہ آتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ایک مخزومیہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کی گئی۔ جس نے چوری کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس کی سفارش کی گئی۔ بلکہ جس نوجوان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید ان سے سفارش کرائی گئی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی سفارش اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں قبول نہ کی۔ (بخاری ۳۴۷۵، مسلم ۱۶۸۸)

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

یارسول اللہ نہ غم زدہ کریں آپ کو وہ جو دوڑتے ہیں کفر کی طرف ان لوگوں سے جنہوں نے کہا

اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ

ہم ایمان لائے منہ سے اور نہیں ایمان لائے اپنے دلوں سے اور ان سے بھی جو یہودی ہیں خوب سنتے ہیں

لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ

جھوٹ خوب سنتے ہیں کچھ اور لوگوں کی جو ابھی نہیں آئے آپ کے پاس بدل ڈالتے ہیں کلام الٰہی کو

(بقیہ آیت نمبر۴۰) اور فرمایا۔ کہ اے اسامہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی حدود کے خلاف سفارش کرتا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ کہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ ہوئے۔ کہ ان کے معزز گھرانے کا کوئی فرد چوری کرتا۔ تو اس پر حد جاری نہ کرتے۔ اور غریب گھرانے کا کوئی چوری کرتا تو اس کے ہاتھ کاٹے جاتے۔ یاد رکھو اگر میری اپنی بیٹی فاطمہ بھی (بفرض محال) چوری کرے۔ تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ حاکم وقت کے ہاں جب حدود کی قسم کا مقدمہ دائر ہو جائے تو پھر سفارش نہ کی جائے (ریاض الصالحین)۔ اس کی دلیل یہی واقعہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت اسامہ کی سفارش رد فرمادی۔

(آیت نمبر۴۱) اے پیارے رسول۔ نہ غم میں ڈالیں آپ کو وہ لوگ (چونکہ کچھ لوگ غم کا اور کچھ فرحت وسرور کا باعث بنتے ہیں)۔ اس لئے فرمایا۔ کہ جو لوگ کفر اور کافرانہ کاموں میں جلد بازی کرتے ہیں۔ کہ جب بھی انہیں موقع ملتا ہے تو وہ کفر بکتے ہیں۔ گویا حضور ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے۔ کہ جو کفر کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اے رسول ﷺ ان سے غمزدہ نہ ہوں۔ اللہ آپ کا مددگار ہے۔ آگے فرمایا کہ کفر کرنے والے بھی وہ ہیں جو زبانی طور پر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ لیکن دل ان کے بے ایمان ہیں۔ اور ایک اور بھی بے ایمانوں کا ٹولہ ہے جو یہودیوں سے ہیں گویا یہ دو گروہ ہیں: (۱) یہودی۔ (۲) منافق۔ **حدیث:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔ کہ سنی سنائی بات کو آگے پھیلائے (ریاض الصالحین)۔ یعنی سنی سنائی بات کی تحقیق کئے بغیر ہی آگے پھیلا دیتے ہیں۔ یہ منافق بھی سنی سنائی باتوں کو بہت زیادہ پھیلانے والے ہیں یعنی جھوٹ کو یا دوسرا معنی ہے۔ کہ وہ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے ہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ ان کے پادری جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ (معاذ اللہ)

بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ

بعد اس کے اپنی جگہوں سے کہتے ہیں کہ اگر دیئے گئے تم یہ حکم تو لے لینا اس کو اور اگر نہ دیئے جاؤ یہ

فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

تو بچو اور جس کا ارادہ کرے اللہ کہ فتنے میں ڈالے اس کو تو ہر گز نہیں تو کر سکے گا اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ

یہی وہ لوگ ہیں نہیں چاہتا اللہ کہ پاک کرے ان کے دل ان کی دنیا میں رسوائی ہے

وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

اور ان کیلئے آخرت میں عذاب ہے بڑا

یہ اسے اچھی طرح سنتے اور قبول کرتے ہیں۔ یا یہ معنی ہے۔ کہ وہ باتیں سن کر ان میں جھوٹ ملا کر لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ اور وہ حضور ﷺ سے بعض باتیں سن کر آگے اوروں کو کچھ کا کچھ کر کے سناتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ابھی تک آپ کی محفل میں نہیں آئے۔ یعنی تکبر کے طور پر یا آپ سے بغض کی وجہ سے آپ کے قریب بھی نہیں آئے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خیبر والے یہودی ہیں یا اس سے مراد بنو قریظہ ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کی کلام کو اس کی اصل جگہ سے بدلتے ہیں۔ یعنی اس کی اصل مراد کے برخلاف تاویل کرتے ہیں۔ لفظاً اور معنیً تحریف کرتے ہیں۔ اور ان کے بڑے لیڈر اپنے ماتحتوں کو کہتے ہیں۔ کہ اگر تمہیں رسول (ﷺ) کی طرف سے تمہاری مرضی کے مطابق بات مل جائے تو مان لینا یا اس پر عمل کر لینا۔ اور اگر اس کے علاوہ وہ کوئی حکم دیں۔ تو پھر ان سے بچو۔ یعنی اسے نہ مانو۔ اور اس سے دور ہو جاؤ۔

شانِ نزول : خیبر میں امیر گھرانے کے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا۔ دونوں ہی سردار قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور دونوں یہودی تھے۔ اور شادی شدہ بھی تھے۔ چونکہ توراۃ میں بھی شادی شدہ زانیوں کی سزا سنگساری ہے۔ انہوں نے قومی عزت و وقار کی وجہ سے سنگسار ہونا قبول نہ کیا۔ تو لوگوں نے ان کو ایک وفد کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس بھیج دیا۔ تو وفد نے انہیں بتایا کہ اس جوڑے نے بدکاری کی ہے اور تم یہاں کے رسول سے واقف ہو۔ فیصلہ ان سے کرا دو۔ انہوں نے ان کو پہلے ہی بتا دیا۔ کہ ان کا فیصلہ تمہیں ناگوار ہوگا۔ باقی تم کہتے ہو تو ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

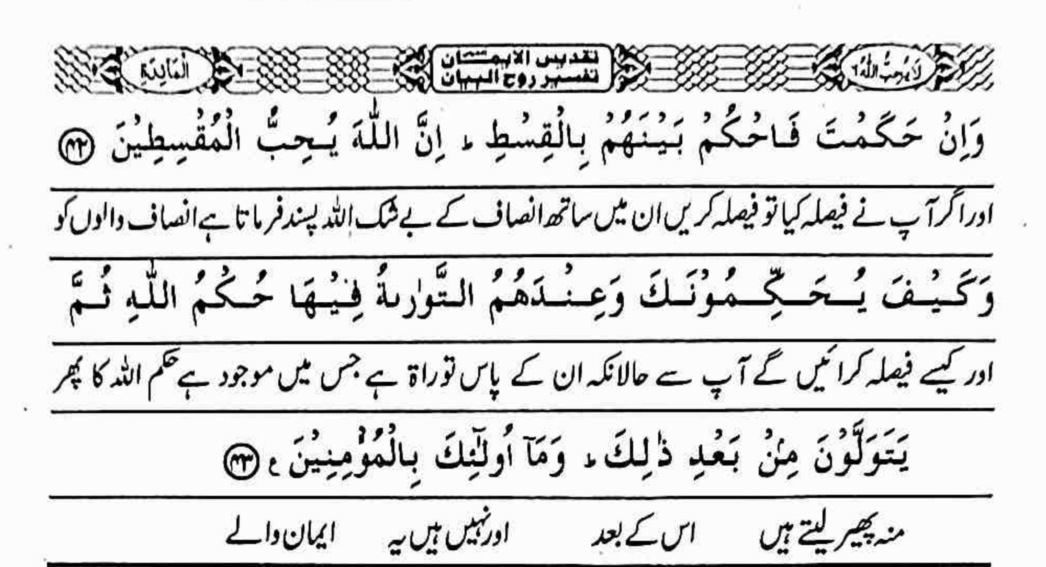
خوب سنتے ہیں جھوٹ بہت کھانے والے ہیں حرام پھر اگر آئیں آپ کے پاس تو فیصلہ کرو ان میں

اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ

یا منہ پھیر لو ان سے اور اگر آپ منہ پھیر لیں ان سے تو ہرگز نہیں بگاڑ سکیں گے آپ کا کچھ

(بقیہ آیت نمبر۴۱) بہر حال ان کے بڑے بڑے سردار کعب بن اشرف جیسے ان کے ساتھ چل کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ زانی مرد و عورت کی تمہاری کتاب میں سزا کیا ہے۔ جبکہ ہوں بھی شادی شدہ۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میرے فیصلے پر متفق ہو گے۔ انہوں نے کہا کہ اسی لئے تو ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ اتنے میں جبریل امین بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم لے کر آ گئے۔ تو آپ نے انہیں اللہ کا حکم سنایا۔ تو وہ اللہ کا حکم سنتے ہی منکر ہو گئے۔ جبریل کے کہنے پر حضور ﷺ نے ابن صوریا کو جو یہودیوں کا سب سے بڑا عالم تھا حکم بنایا۔ فرمایا کہ اگر وہ فیصلہ کرے تو مانو گے انہوں نے کہا ہمیں منظور ہے۔ اسے بلا کر حضور ﷺ نے اسے قسم دی۔ کہ صحیح بتاؤ یہود کی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کی کیا سزا ہے۔ تو اس نے صاف کہا۔ کہ اگر آپ قسم نہ لیتے پھر تو میں آگے پیچھے کرتا۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ ہماری کتاب میں بھی یہی حکم ہے۔ کہ شادی شدہ اگر زنا کریں تو ان کو سنگسار کیا جائے۔ تو ان زانیوں کو بھی مسجد کے قریب لا کر سنگسار کیا گیا۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے اللہ میں نے تیرے حکم کو زندہ کیا جسے یہود نے مٹا دیا تھا۔ آگے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ فرما لے۔ تو تجھے اللہ کے بالمقابل کوئی اختیار نہیں کہ اس گمراہی کو دور کرے اور یہی یہود اور منافق ہیں۔ کہ جن کے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ ہی نہیں کیا۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

(آیت نمبر۴۲) بہت ہی زیادہ سنتے ہیں جھوٹ۔ یا جھوٹ بڑے غور سے سنتے ہیں۔ اور بہت زیادہ کھاتے ہیں حرام۔ یعنی رشوت وغیرہ بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ پھر اگر وہ آپ کے پاس حاضر ہو جائیں۔ اپنے اختلاف کا فیصلہ کرانے تو آپ ان کا فیصلہ فرما دیں۔ یا ان سے منہ پھیر لیں۔ اگر آپ ان سے منہ پھیر بھی لیں۔ تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یعنی آپ کی روگردانی سے ظاہر ہے۔ کہ وہ مخالف ہو جائیں گے۔ لیکن اس مخالفت سے وہ آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اس لئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں ہیں۔ اور اگر آپ نے ان میں فیصلہ کرنا چاہا۔ تو ان میں فیصلہ کر دیں۔ انصاف کے ساتھ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان میں فیصلہ فرمائیں۔



وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور اگر آپ نے فیصلہ کیا تو فیصلہ کریں ان میں ساتھ انصاف کے بے شک اللہ پسند فرماتا ہے انصاف والوں کو

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ

اور کیسے فیصلہ کرائیں گے آپ سے حالانکہ ان کے پاس توراۃ ہے جس میں موجود ہے حکم اللہ کا پھر

يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

منہ پھیر لیتے ہیں — اس کے بعد — اور نہیں ہیں یہ — ایمان والے

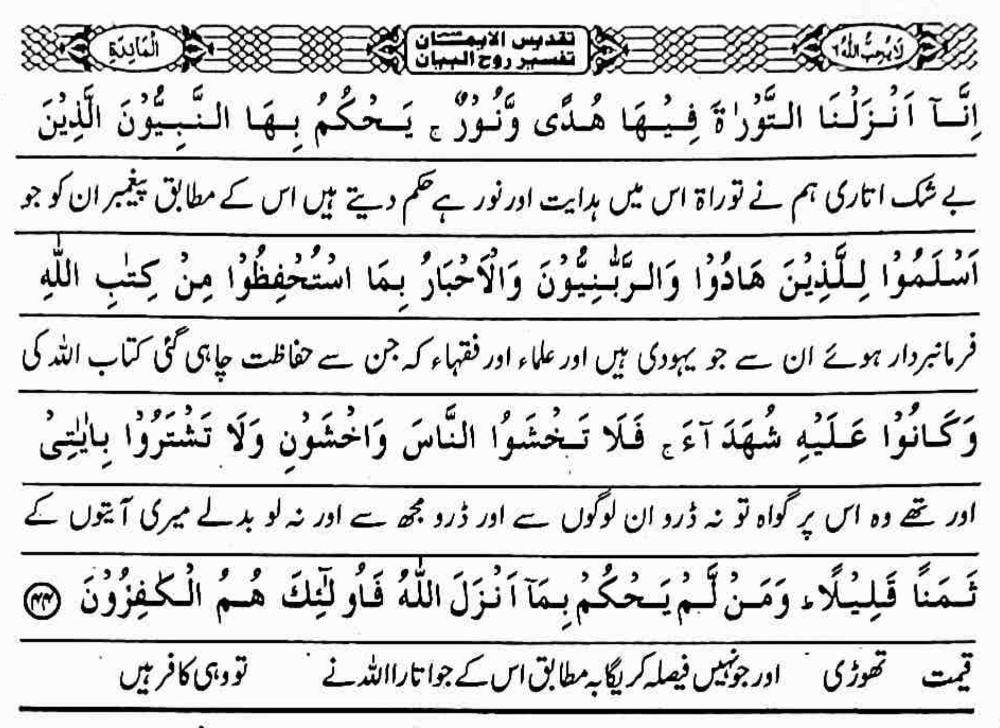
جیسے آپ نے رجم کے متعلق فیصلہ فرمایا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ عدل وانصاف والوں کو پسند فرماتا ہے۔ یعنی انہیں ہر قسم کی تکلیفوں پریشانیوں سے بچاتا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ انصاف کرنے والے بروز قیامت نور کے ممبروں پر ہونگے۔ (سنن کبریٰ، نسائی، مسلم شریف)۔ اس سے مراد مسلمان عادل حاکم ہیں۔

(آیت نمبر ۴۳) وہ کیسے آپ کو اپنا حاکم بنا سکتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس تو توراۃ ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم موجود ہیں۔

فائدہ: یہ جملہ بطور تعجب کے فرمایا گیا کہ عجب بے وقوف ہیں۔ کہ نہ آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ نہ آپ کی کتاب کو مانتے ہیں۔ پھر فیصلہ کرانے کیسے آپ کے پاس پہنچ گئے۔ جب کہ یہ فیصلہ ان کی کتاب توراۃ میں واضح الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ اور ان کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ ہم صرف توراۃ کو مانتے ہیں۔ اور کسی کتاب کو نہیں مانتے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس حق جاننے یا شریعت ماننے کیلئے نہیں آئے۔ بلکہ وہ تو اپنی جان بچانے کیلئے آسانی کی راہ دیکھنے آئے تھے۔ آگے اللہ کی مرضی ہے۔ راضی ہو یا ناراض۔ (ہماری جان بچ جائے سنگ ساری اور ذلت وخواری سے) آگے فرمایا اس کے بعد وہ پھر گئے۔ اس کے باوجود کہ آپ نے ان کی کتاب کے مطابق فیصلہ کیا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ ماننے والے ہیں ہی نہیں یعنی وہ پورے ہی بے ایمان ہیں۔

خلاصہ: مذکورہ آیات میں ظلم کی مذمت اور عدل وانصاف کی تعریف کی گئی۔ حرام خوری اور رشوت کی بھی مذمت بیان ہوئی۔ جو یہودیوں میں بہت زیادہ تھی۔ اسی وجہ سے انہیں دولت ایمان نصیب نہیں ہوئی۔

فائدہ: اس آیت کے ضمن میں رشوت کے تمام مسائل بیان ہوئے۔ فیوض الرحمٰن میں یا فقہ کی کتب میں دیکھ لیں۔


اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ

بے شک اتاری ہم نے توراۃ اس میں ہدایت اور نور ہے حکم دیتے ہیں اس کے مطابق پیغمبر ان کو جو

اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ

فرمانبردار ہوئے ان سے جو یہودی ہیں اور علماء اور فقہاء کہ جن سے حفاظت چاہی گئی کتاب اللہ کی

وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ

اور تھے وہ اس پر گواہ تو نہ ڈرو ان لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور نہ لو بدلے میری آیتوں کے

ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

قیمت تھوڑی اور جونہیں فیصلہ کریگا بہ مطابق اس کے جو اتارا اللہ نے تو وہی کافر ہیں

(آیت نمبر۴۴) بے شک ہم نے ہی توراۃ نازل فرمائی۔ جس میں ہدایت ہے اور واضح احکام ہیں۔ جو حق دکھائے اور سب کو ہدایت دے۔ اور اس میں نور بھی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی جہالت کے اندھیرے ختم ہوں۔ اور پوشیدہ راز ان پر ظاہر ہوں۔ اسی توراۃ کے مطابق ان کے نبی فیصلے سناتے رہے اور اسی کے مطابق عمل کراتے رہے۔ ان کے درمیان جو یہودی ہیں۔ یعنی ان کے فیصلے صرف یہودیوں کیلئے تھے۔

یہودیوں میں اللہ والے اور ان کے علماء نے بھی ان کے فیصلے کئے۔ یعنی توراۃ کے مطابق فیصلے کئے۔ اور ان کے فیصلے بالکل اللہ کے حکم کے مطابق تھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری ان پر ڈالی۔ اور انہوں نے کچھ حفاظت بھی کی۔ اور اس کے مطابق فیصلے بھی کئے۔ اور وہ اس پر گواہ بھی ہیں۔ کچھ عرصہ تک انہوں نے کتاب پر پوری نگرانی رکھی۔ کہ توراۃ میں انہوں نے کسی قسم کی تحریف وتبدیلی نہ ہونے دی۔ آگے فرمایا کہ اے یہود کے علماء توراۃ کے احکام جاری کرنے میں اپنے انبیاء وعلماء ربانی کے پیچھے چلو۔ لوگوں سے مت ڈرو۔ ڈرو تو مجھ سے ڈرو۔ کہ اگر توراۃ کے احکام کے اجراء میں تم نے کوئی کمی بیشی کی۔ تو سزا کے مستوجب ہو جاؤ گے۔

فائدہ : یہودی مولویوں کو کہا گیا۔ کہ توراۃ کے احکام جاری کرنے میں کسی سے نہ ڈرو۔ اور جو لوگ توراۃ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ان کا پورے زور سے مقابلہ کرو۔ کسی بڑے سے بڑے جابر ظالم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ سے بڑا کوئی نہیں۔ لہذا مجھ سے ہی ڈرو۔ **مسئلہ** : اس میں مسلمان علماء وحکام کو بھی تنبیہ

ہے۔کہ وہ قرآن کے مطابق فیصلے کریں۔کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔کہ علماء یہود کی طرح بادشاہوں اور امیروں سے ڈرکر کہیں تم بھی قرآن میں ہیر پھیر نہ شروع کر دینا۔اس کی پکڑ آگئی تو کوئی چھڑانے والا نہ ہوگا۔اور اس کی نگاہ لطف سے محروم ہوئے۔تو پھر کہیں بھی عافیت نہیں ملے گی۔

آگے فرمایا۔اور نہ خرید و میری آیات کے بدلے میں قیمت تھوڑی۔جیسے کوئی سامان قیمت کے بدلے میں خریدتا ہے۔یعنی میری ان آیات کو جو توراۃ میں ہیں۔دنیوی مال و دولت کے بدلہ میں نہ بیچو۔کہ دنیا کی لالچ میں آ کر میری آیات کی قیمت لوگوں سے وصول کرو اور نہ عمل کرو لوگوں کو خوش کرنے کیلئے۔(جیسے میں نے جدہ میں پاکستانی سندھی علماء کو دیکھا کہ وہ فرضوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔تو میں نے ایک عالم سے پوچھا۔کہ پاکستان میں تو تم سنت نفل پڑھتے تھے۔یہاں کیوں نہیں پڑھتے ہیں۔تو وہ کہنے لگے کہ یہ عربی لوگ اچھا نہیں سمجھتے یعنی پانچ سو ریال تنخواہ کی خاطر وہ نماز پوری نہیں ادھوری پڑھتے۔کہ خدا رسول ناراض ہوتے ہیں تو ہو جائیں۔ہمیں تنخواہ دینے والے ناراض نہ ہوں۔(لاحول ولا قوۃ الا باللہ))۔(اضافہ از قاضی)

یہی حال ان یہودیوں کا تھا۔کہ لوگوں کو راضی رکھنے کیلئے انہوں نے توراۃ پر عمل نہ کیا۔توراۃ کے مسائل کو بدل دیا۔فرمایا کہ بالکل تھوڑی سی قیمت لے کر۔یعنی معمولی رشوت لے کر یا کوئی معمولی مرتبہ کی وجہ سے وہ ایسا کرتے تھے۔یہ سب کام وہ خواہشات نفسانیہ کی وجہ سے کرتے تھے۔اس لئے کہ یہ دنیوی اشیاء ظاہراً بہت اعلیٰ نظر آتی ہیں۔لیکن حقیقت میں یہ انتہائی حقیر ہیں۔اللہ کی کتاب کے مقابلے میں پوری دنیا کا مال بھی بالکل قلیل ہے۔

مسئلہ: چونکہ یہودی مولویوں نے توراۃ میں جو تحریف کی اس کی بنیادی دو وجہیں تھیں:

۱۔ یہ کہ وہ ذی مرتبہ حضرات سے ڈر کر ان کی مرضی کے مسائل اپنی طرف سے گھڑتے اور کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔تا کہ وہ خوش ہو جائیں اور کوئی ہمیں ان سے فائدہ حاصل ہو۔

۲۔ دنیوی مال حاصل کرنے کے لئے مال داروں کی مرضی کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے۔اور ان کے برے کرتوتوں کو جائز کر دیتے تھے تا کہ کچھ مال حاصل ہو جائے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا۔جیسے یہودیوں نے لوگوں سے ڈر کر یا لالچ میں آ کر کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کیا۔وہ ہی کافر ہیں۔اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی گویا توہین کی۔اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف فیصلہ کر کے اللہ سے بغاوت کی۔اور اللہ کی حدوں کو توڑا۔اس لئے وہ فاسق کہلائے۔یہ تین لفظ فرمائے۔کافر۔ظالم اور فاسق۔دراصل یہ حکم الٰہی سے سرتابی کرنے والوں کیلئے استعمال ہوئے۔جنہوں نے از راہ تمرد ایسا کیا۔وہ کافر ہیں اور جن سے حکم عدولی غلطی سے ہوگئی۔وہ ظالم اور فاسق ہیں۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ

اور فرض کر دیا ہم نے ان پر اس (توراۃ) میں کہ بے شک جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک

بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ

بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں میں بھی بدلہ ہے پھر جو

تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ

خوشی سے بدلہ کرا دے اس کا تو وہی کفارہ ہے اس کے گناہ کا اور جو نہ فیصلہ کرے بہ مطابق اس کے جو اتارا

اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اللہ نے تو وہی لوگ ظالم ہیں

(آیت نمبر ۴۵) اور ہم نے ان یہودیوں پر فرض کر دیا تھا۔ اس کتاب (توراۃ) میں کہ جان کے بدلے جان ہے۔ کہ جب کوئی کسی کو ناحق قتل کرے۔ تو اس کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اور کان کاٹا جائے بدلے کان کاٹنے کے۔ یعنی ظلماً کسی نے کان کاٹا۔ تو پھر کاٹنے والے کا بھی یوں ہی کان کاٹا جائے گا۔ اسی طرح دانت بدلے دانت کے۔ اور دیگر بھی زخموں میں بدلہ ہے۔ ان سب میں مساوات ضروری ہے۔ یعنی جتنا کسی نے نقصان کیا۔ اتنا ہی اس کا بھی نقصان کیا جائے۔

مسئلہ: جس زخم کا قصاص لینا ناممکن ہو۔ جیسے ہڈی ٹوٹی یا جسم کے اندر جا کر کوئی زخم ہو گیا۔ کہ جس زخم یا نقصان کا اندازا نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ کتنا زخم ہے۔ اس کا وقت حاکم عادل جو فیصلہ کرے وہ تسلیم کیا جائے۔ آگے فرمایا کہ جو صدقہ کرے۔ یعنی قصاص لینا معاف کر دے۔ تو وہ معافی ہی معاف کرنے والے کی طرف سے اس کا کفارہ بن جائے گا۔ کہ اللہ پاک اس کے اس گناہ کو معاف فرما دے گا۔ **فائدہ**: کافر کے لئے کوئی نیکی کفارہ نہیں بن سکتی۔ کسی نیکی کے کفارہ بننے کے لئے پہلے ایمان شرط ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جس کے جسم پر کوئی تکلیف پہنچی۔ اور اللہ تعالیٰ اسے اس کے حال پر چھوڑے۔ یعنی اس تکلیف ہی میں رہا۔ یہ تکلیف ہی اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگی (کنز العمال ۶۶۹۷)۔ آگے فرمایا۔ اور جو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔ وہی لوگ ظالم ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی اس متعین کردہ حدود سے تجاوز کر گیا۔ اب اس سے مراد یہ ہے۔ کہ جو قرآن و حدیث کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔ اور قرآن و حدیث کے خلاف اپنی مرضی سے فیصلہ کریں۔ وہ ظالم ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اور پیچھے لائے اوپر ان ہی نشانات کے عیسیٰ بیٹے مریم جو تصدیق کرنے والے اس کی جو اس کے سامنے

مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا

توراۃ تھی اور دی ہم نے ان کو انجیل اس میں بھی ہدایت اور نور ہے جو تصدیق کرنے والی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ؕ ﴿۴۶﴾

اس کی جو اس کے سامنے ہے توراۃ میں سے ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

اور چاہیے کہ فیصلہ کریں انجیل والے بہ مطابق اس کے جو اتارا اللہ نے اس میں اور جو نہیں فیصلہ کرے گا

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

بہ مطابق اس کے جو اتارا اللہ نے پس وہ ہی فاسق ہیں

(آیت نمبر ۴۶) اور ہم نے پہلے انبیاء کرام کے نشان راہ پر ہی عیسیٰ بیٹے مریم کو بھی بھیجا یعنی سب انبیاء کرام کے بعد بھیجا۔ اور وہ تصدیق کرنے والے ہیں توراۃ کی جو ان سے پہلے اتری تھی۔ اور پھر ہم نے انہیں انجیل عطا کی جس میں ہدایت بھی ہے اور نور بھی۔ یعنی توراۃ کی طرح انجیل سے بھی ہدایت ملتی تھی۔ اور روشنی حاصل ہوتی تھی۔ اس سے مراد نور ایمان اور نور ہدایت ہے۔ اور وہ انجیل بھی تصدیق کرنے والی ہے۔ اس کتاب کی جو اس کے سامنے ہے۔ یعنی توراۃ کی جس میں ہدایت اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کیلئے۔

(آیت نمبر ۴۷) لہذا انجیل کے ماننے والوں کو چاہیے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے حکموں کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا۔ تو وہی لوگ تو فاسق ہیں۔ اور سرکش ہیں۔ اور بے ایمان ہیں۔ **فائدہ:** اس سے معلوم ہوا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام مستقل نبی اور رسول تھے۔ جن کی الگ شریعت تھی۔ جتنے اس میں احکام تھے۔ ان پر عمل کرنے کا حکم تھا۔ وہ توراۃ کے تمام احکام پر عمل کے پابند نہیں تھے۔ اس لئے کہ ان کی کتاب انجیل کی وجہ سے توراۃ کے کئی احکام منسوخ ہو گئے

تھے۔البتہ وہ توراۃ کی تصدیق کرتے تھے۔**فائدہ**:اس آیت میں مسلمان حاکموں اور قاضیوں کیلئے سخت وعید ہے۔**حدیث شریف**:حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ بروز قیامت غلط فیصلے کرنے والوں کو سخت عذاب میں ڈالا جائے گا۔تو وہ آرزو کریں گے۔کہ کاش میں نے دنیا میں کسی کے لئے دو کھجوروں کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا(سنن الکبریٰ للبیہقی)۔**سبق**:جب عام فیصلے کرنے والے قاضیوں ججوں کا یہ حال ہے۔تو پھر بڑے بڑے ظالم حاکموں کا کیا حال ہوگا۔جو رشوت لے کر خونخوار بنے ہوئے ہیں۔۔کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا: ع بوحنیفہ قضا نہ کرد و بمرد تو بمیری گر قضا نہ کنی

یعنی امام ابوحنیفہ نے مرنے تک عہدہ قضا قبول نہ کیا۔تو کیا مر جائے گا اگر تجھے عہدہ قضا نہ ملے۔

حکایت: بنی اسرائیل کی عادت تھی۔کہ اگر ایک حاکم کا فیصلہ پسند نہ ہوتا تو دوسرے کے پاس جاتے۔اس کا فیصلہ پسند نہ آتا تو تیسرے حاکم کے پاس چلے جاتے۔پھر انہیں تسلی ہوتی۔کہ اب فیصلہ ٹھیک ہے۔ایک دفعہ ایک فرشتہ انسانی لباس میں فیصلوں کی آزمائش کے لئے آیا۔ایک شخص گائے کو پانی پلانے ایک کنویں پر آیا۔اس کے ساتھ ایک بچھڑا بھی تھا۔فرشتے نے بچھڑے کو اشارہ کیا۔وہ اس کے پاس آ گیا۔گائے والے نے بڑے جتن کئے۔مگر بچھڑا نہ آیا۔فرشتے نے کہا بھائی یہ بچھڑا میری گھوڑی کا بچہ ہے۔تم اپنا کام کرو۔گائے والے نے کہا۔بھائی خدا سے ڈر گھوڑی کا بچہ بچھڑا کب ہوتا ہے۔یہ بچھڑا تو میری اس گائے کا بچہ ہے۔الغرض دونوں لڑتے جھگڑتے ایک حاکم کے پاس گئے کہ فیصلہ کروالیں۔فرشتے نے جلدی میں حاکم کی مٹھی گرم کی اور کہا فیصلہ میرے حق میں کردو۔تو اس نے فیصلہ اس کے حق میں ہی کردیا۔گائے والے نے کہا۔نہیں ہم ایک اور حاکم کے پاس چل کر فیصلہ کرواتے ہیں۔دوسرے جج کے پاس پہنچ گئے۔اس کو بھی فرشتے نے لالچ دے کر فیصلہ اپنے حق میں کروالیا۔گائے والا پھر راضی نہ ہوا۔اور کہا کہ ہم ایک اور حاکم کے پاس جا کر اس سے فیصلہ کروائیں گے۔جب تیسرے حاکم کے پاس پہنچے تو فرشتے نے اس حاکم کو بھی حسب دستور لالچ دے کر فیصلہ اپنے حق میں کروانا چاہا۔لیکن اس حاکم نے کہا۔کہ میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتا۔اس لئے۔کہ مجھے حیض آ گیا ہے۔تو فرشتے نے کہا۔یہ کیا کہتے ہو۔مردوں کو بھی کبھی حیض آتا ہے۔وہ تو عورتوں کو آتا ہے۔تو اس حاکم نے کہا کہ اگر حیض مردوں کو نہیں آتا۔تو پھر گھوڑیاں بھی بچھڑے پیدا نہیں کرتیں۔تو فرشتے نے کہا۔پہلے دونوں حاکم جہنم میں اور تو جنت میں جائے گا۔(ذکرہ الشیخ الشہیر بہدائی الاسکداری رحمۃ اللہ علیہ)۔(ایسے غلط ملط فیصلے کرنے والے ججوں کی آج بھی کوئی کمی نہیں۔اُس پرانے زمانے میں تیسرے جج کے دل میں تو کم از کم انصاف کا خیال آ گیا۔اگر وہ فرشتہ آج ان پاکستانی ججوں کے پاس جاتا۔تو شاید کوئی سو میں آخری جج ایسا ہوتو ہو ورنہ وہ بھی مشکل ہے۔الا ماشاء اللہ)

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

اور اتاری ہم نے آپ کی طرف کتاب حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی اس کی جو اس کے سامنے ہے کتاب میں سے

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا

اور محافظ ہے اس پر لہذا فیصلہ کریں ان میں بہ مطابق اس کے جو اتارا اللہ نے اور نہ پیچھے چلیں ان کی خواہشات کے جبکہ

جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

آیا آپ کے پاس حق ہر ایک کو ہم نے بنا کر دے دی شریعت اور راستہ اور اگر چاہتا اللہ

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ

تو کر دیتا تم کو امت ایک لیکن چاہا کہ تم کو آزمائے اس چیز میں جو دیا تم کو تو آگے بڑھو نیکیوں میں

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ ﴿۴۸﴾

طرف اللہ کے لوٹنا تمہارا ہے سب کا پھر وہ بتائے گا تمہیں جس میں تھے تم اختلاف کرتے۔

(آیت نمبر ۴۸) اور اے محبوب ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی۔ حق وصداقت کے ساتھ۔ یعنی قرآن مجید نازل فرمایا۔ جو تصدیق کرنے والا ہے۔ اس کی جو اس سے پہلے کتابیں اتریں۔ یعنی یہ قرآن بھی ان ہی کے مطابق ہے۔ جو اوصاف سابقہ کتابوں میں تھے۔ یعنی توحید، عدل اور شرائع کے اصول وہ ہی اوصاف اس قرآن مجید میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ ہے کہ اس میں کوئی تغیر تبدل نہیں۔ اور یہ سابقہ کتابوں کی صداقت وصحت پر گواہی دیتا ہے۔ پہلی کتابوں کے جو احکام منسوخ ہوئے اور جو باقی ہیں۔ سب کی یہ کتاب نشان دہی کرتی ہے۔ اور ان میں امتیاز کرتی ہے۔ لہذا اے محبوب آپ اسی کے مطابق فیصلہ ان لوگوں میں کریں۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم اتارا اور آپ ان کی خواہشات پر نہ چلیں۔ جبکہ آپ کے پاس حق آ گیا ہے۔ **مسئلہ**: اس سے معلوم ہوگیا۔ کہ ہم پہلی شریعتوں پر اور ان کے اوامر ونواہی پر عمل کرنے کے پابند نہیں ہیں۔ البتہ وہ مسائل جن کی ہماری شریعت تائید کرتی ہی۔ ان پر عمل کر سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ وہ ہماری ہی شریعت کے احکام ہیں۔ لیکن سابقہ آسمانی کتب یعنی انجیل وغیرہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اس لئے کہ اس میں ردوبدل ہوگیا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے

واضح فرمادیا۔ کہ وہ عقائد اور کلیات جن پر انسان کی نجات کا انحصار ہے۔ وہ تمام آسمانی کتابوں میں یکساں ہیں۔ البتہ شریعت کے احکام اور تفصیلات۔ عبادات اور ان کی شکل وصورت۔ حلال وحرام کے قواعد میں اختلاف ہے۔ اس لئے کہ ہر نبی کی امت کی ذہنی سطح۔ ان کا مخصوص ماحول ان کے معاشرہ کے تقاضے۔ اور سیاسی سماجی اور اقتصادی ضروریات مختلف تھیں۔ اس لئے ان کا فروعی مسائل میں بھی اختلاف ضروری تھا۔

آگے فرمایا کہ ہر ایک کے لئے خواہ سابق لوگ ہوں یا موجودہ سب کے لئے ایک راستہ اور واضح طریقہ بنادیا گیا۔ یعنی ہر امت کے لئے کوئی نہ کوئی راہ مقرر کی تا کہ وہ اس پر چلے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے توراۃ۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کیلئے انجیل اور ہمارے حضور ﷺ کی امت کے لئے قرآن پاک بھیج دیا۔ تا کہ اس پر ایمان بھی لائیں۔ اور اس پر عمل بھی کریں۔

فائدہ: لغت میں شرعہ اس راستے کو کہتے ہیں۔ جو پانی کی طرف جائے۔ دین اسلام کو شریعۃ اس لئے کہا گیا کہ اس راستے پر چل کر نماز۔ روزہ۔ حج۔ نکاح وغیرہ کے تمام اسلامی امور کی طرف راستہ بتادیا۔ اس لئے کہ یہ راستہ حیات ابدیہ کے سبب کی طرف لے جانے والا ہے۔ جیسے پانی فانی زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔

فائدہ: منہاج دین کے واضح راستہ کو کہا جاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر اللہ چاہے تو تمہیں ایک ہی امت بنادے۔ تا کہ کوئی اختلاف نہ رہے۔ یعنی اوّل سے آخر تک ایک ہی کتاب ہوتی۔ نہ کتاب بدلتی نہ احکام بدلتے۔ لیکن اس کی حکمت بالغہ نے یہ نہ چاہا۔ کہ تم ایک ہی امت رہو۔ بلکہ اس نے اسی طریقہ کو اپنایا۔ تا کہ تمہیں آزمائے۔ ان کاموں میں کہ جو تمہیں عطا کئے ہر زمانہ کے حالات کے مطابق حکم بھیجے۔ تا کہ تمہارا یقین اور عقیدہ مضبوط ہو۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ یہ اختلاف بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقاضے کے مطابق ہیں اور اس میں ہزار ہا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ جو چاہے کہ دنیاؤ آخرت کے فوائد حاصل کرے۔ اس کیلئے بھی راستہ کھلا ہے۔ اور جو حق سے منہ موڑ کر فائدے کے بجائے نقصان اور ہدایت کی جگہ گمراہی پانا چاہے۔ اس کیلئے بھی کوئی رکاوٹ نہیں۔ حق والا راستہ جنت کی طرف اور گمراہی والا جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔

آگے فرمایا کہ جب یہ بات برحق ہے۔ جس کا بیان ہوا۔ تو قرآن کے مطابق عقائد واعمال کو پوری کوشش سے درست کرو۔ اس سے تمہیں دونوں جہانوں کا نفع ملے گا۔ اس لئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم سب نے بالآخر لوٹ کر جانا ہے۔ خواہ مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ پھر وہ تمہیں بتائے گا۔ ان چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے یعنی پھر تمہیں اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے گا۔ **نوٹ:** بتائے گا کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان کے دنیوی اعمال کا نتیجہ نکال کر بتائے گا۔ کہ کون جنت کا مستحق ہے۔ اور کون جہنم کے لائق ہے۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ

اور یہ کہ فیصلہ کیجئے ان میں بہ مطابق اس کے جو اتارا اللہ نے اور نہ پیچھے چلیں ان کی خواہشات کے اور بچ کر رہو ان سے کہ

يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا

کہیں فتنہ میں ڈال دیں آپ کو اس میں جو اتارا اللہ نے آپ کی طرف تو اگر وہ پھر گئے تو پھر جان لے کہ بے شک

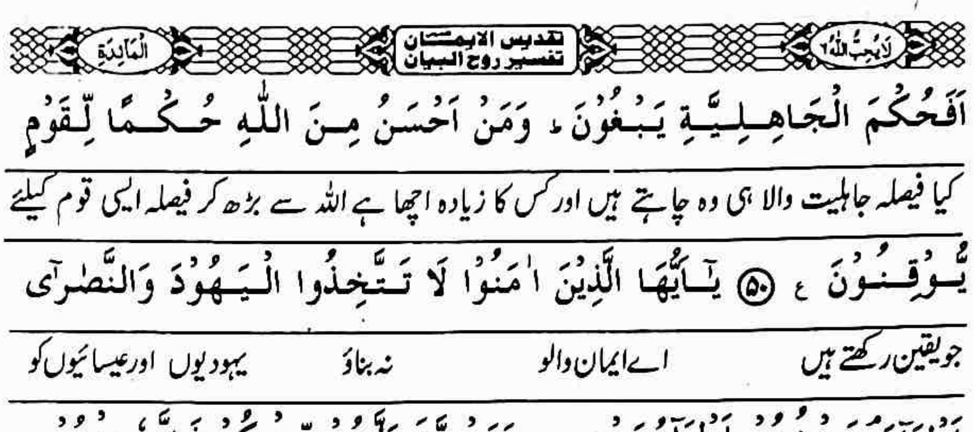
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

ارادہ کر لیا اللہ نے کہ سزا پہنچائے ان کو ان کے بعض گناہوں کی اور بے شک بہت لوگوں میں البتہ فاسق ہیں

(آیت نمبر ۴۹) اور یہ کہ آپ ان میں فیصلہ فرمادیں اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور ان (یہودیوں) کی خواہشات پر نہ چلیں۔ اور بچ کر رہیں۔ کہیں وہ آپ کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اس چیز میں جو اتاری اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف۔ یعنی وہ باطل کو حق بنا کر تمہیں کہیں سیدھے راستہ سے ہٹا نہ دیں۔ کہ قرآن کے کچھ حصے کا صحیح طور پر فیصلہ نہ کرنے دیں۔ اور اپنی مرضی کا فیصلہ کرالیں۔ خواہ معمولی ہی ہو

فائدہ: فتنہ سے مراد حق سے پھرنا اور باطل میں پڑنا ہے۔ جیسے **حدیث شریف** میں ہے: "اعوذ بك من فتنة المحيا" (ابوداؤد) یعنی میں زندگی کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں بھی فتنہ سے مراد سیدھی راہ سے پھر جانا ہے۔ **قاعدہ:** ہر وہ چیز جو حق سے باطل کی طرف لے جائے وہ فتنہ ہے۔ **مسئلہ:** احذرھم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء سے خطا اور نسیان ممکن ہے۔ لیکن جان بوجھ کر وہ کبھی ایسا نہیں کرتے۔ (اللہ تعالیٰ ان کی راہنمائی فرماتا ہے)۔

شان نزول: کچھ یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ کر کہنے لگے۔ ہم اپنی قوم میں بڑے ہیں۔ ہم نے آپ کو مان لیا۔ تو باقی سب مان جائیں گے۔ ہم اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو لائیں گے۔ جن سے ہمارا جھگڑا ہے۔ معاملہ کچھ بھی ہو آپ فیصلہ ہمارے حق میں کر دینا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ فیصلہ حق کے مطابق ہوگا۔ تمہاری مرضی ہے تو تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ آگے فرمایا۔ پھر اگر وہ مڑ جائیں۔ یعنی کوئی اور حکم چاہیں تو پھر جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمالیا ہے کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں دنیا میں ہی عذاب پہنچائے۔ وہ اس طرح کہ تمہیں ان پر مسلط کر کے دنیوی عذاب دے گا۔ کہ تم ان میں کچھ کو قتل کرو گے۔ اور باقیوں کو جلاء وطن کر دو گے۔ یا ان پر جزیہ لگا کر ذلیل کرو۔ پھر قیامت کی سزا انہیں الگ ہوگی۔ جیسے بنو قریظہ اور بنو نظیر کے ساتھ ہوا۔



اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ

کیا فیصلہ جاہلیت والا ہی وہ چاہتے ہیں اور کس کا زیادہ اچھا ہے اللہ سے بڑھ کر فیصلہ ایسی قوم کیلئے

يُّوْقِنُوْنَ ۫ ﴿۵۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى

جو یقین رکھتے ہیں اے ایمان والو نہ بناؤ یہودیوں اور عیسائیوں کو

اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ

دلی دوست ان میں بعض دوست ہیں بعض کے اور جو دوستی رکھے گا ان سے تم میں تو بے شک وہ ان ہی میں ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا ایسی قوم کو جو ظالم ہیں

(بقیہ آیت نمبر۴۹) **فائدہ:** معلوم ہوا کہ ان کے گناہ بہت بڑے بڑے تھے۔ آگے فرمایا۔ کہ ان میں اکثریت فاسقوں کی تھی۔ جو اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہین۔ جو حدود شرع سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

(آیت نمبر۵۰) تو کیا پھر وہ جاہلیت والے فیصلے چاہتے ہیں۔ یہ تعجب کا اظہار ہے۔ اور انہیں ڈانٹ کر یہ بات کہی جارہی ہے۔ **فائدہ:** جاہلیت کے فیصلے سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ فیصلہ جو خواہشات نفسانی سے ہو۔ جو نہ آسمانی کتاب میں ہو نہ ربانی وحی میں ملتا ہو۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کا فیصلہ اچھا ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہر لحاظ سے اور ہر ایک کیلئے بہت اچھا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ فیصلہ اس کے لئے ہے۔ جو قوم یقین رکھتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ساری دنیا والوں کے حکموں سے اچھا بھی ہے اور انصاف والا بھی ہے۔ **فائدہ:** معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک و مختار ہے۔ ہر زمانے میں جیسے چاہا احکام بھیجے اور اس کے ہر حکم میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔

(آیت نمبر۵۱) اے ایمان والو! یہ خطاب سب مومنوں کو ہے۔ خواہ مخلصین ہوں۔ یا مفسدین۔ لیکن یہاں جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ مخلصین لوگ ہیں۔ اس آیت میں دشمنانِ اسلام پر اعتماد کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے۔

شانِ نزول: مذکورہ آیت سننے کے بعد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی۔ کہ حضور یہودیوں کے بے شمار لوگوں کے ساتھ میرے بڑے گہرے تعلق تھے۔ لیکن میں نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کیلئے ان سب کو چھوڑ دیا۔ بلکہ سب مسلمانوں نے یہود و نصاریٰ سے دوستانہ تعلقات ختم کر دیئے۔ تو منافقوں کا سردار ابن ابی بھی وہیں تھا۔ وہ کہنے لگا۔ مجھے گردش ایام کا ڈر ہے۔ کہ اگر دن برے آگئے۔ تو میری کون مدد کرے گا۔

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ

تم دیکھو گے ان کو جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ دوڑے ہوئے جاتے ہیں ان میں کہتے یہ ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں

أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ

کہ آ جائے ہم پر کوئی گردش ہوسکتا ہے کہ اللہ لائے فتح یا کوئی حکم اپنی طرف سے

فَيُصْبِحُوا عَلٰى مَآ أَسَرُّوا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ؕ ﴿۵۲﴾

تو ہو جائیں اس پر جو چھپا رکھا ہے اپنے دلوں میں پشیمان

(بقیہ آیت نمبر ۵۱) پتہ نہیں کل کیا حالات ہوں۔ منافقین بہ ظاہر کلمہ بھی پڑھتے اور یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی گہرے تعلقات رکھے ہوئے تھے۔ (ع کعبہ کا حج بھی گنگا کا اشنان بھی۔ راضی رہے اللہ بھی خوش رہے شیطان بھی) تو وہ کہنے لگا کہ میں اپنے یہودی دوستوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کی مراد بنو قینقاع کے یہودی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ نہ تو یہودیوں کو اپنا دوست بناؤ نہ عیسائیوں کو وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوں تو ہوتے رہیں ان میں اکثریت کے تعلقات کشیدہ ہی تھے۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے۔ البتہ تمہارے مقابلے میں وہ ایک ہو جاتے ہیں۔ لہذا اے مسلمانو تم یاد رکھو تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا وہ ان ہی کے ساتھ قیامت کے دن ہوگا اور ان کے ساتھ ہی جہنم میں جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی جو مسلمانوں کو چھوڑ کر دشمنان خدا یہود و نصاریٰ سے دوستی و محبت کا دم بھرے گا۔ وہ بروز قیامت اپنا ٹھکانہ پھر ان کے ساتھ ہی سمجھے۔ البتہ اگر صرف کاروباری تعلق ہے۔ تو پھر ان کے ساتھ ملاقات میں کوئی حرج نہیں۔

(آیت نمبر ۵۲) پھر تم دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے۔ وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے رشتہ محبت قائم کرنے میں تیزی دکھاتے ہیں۔ اور ان سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور اگر مسلمان انہیں یہ کہتے۔ کہ ان غیر مسلموں سے دوستی نہ رکھو تو ان کے سامنے عذر رکھتے ہوئے وہ یہ کہتے تھے۔ کہ اسلام اور کفر میں کشمکش شروع ہے۔ ممکن کافروں کا غلبہ ہو جائے۔ تو پھر ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے۔ یعنی ہمارے حالات بگڑ جائیں۔ ہم مصائب و تکالیف میں گھر جائیں۔ یا قحط سالی میں پھنس جائیں۔ یا ان کافروں کو ہم پر غلبہ اور تسلط ہو جائے۔ تو کم از کم ہمارے مال جان محفوظ رہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ اے یہود و نصاریٰ کے غلبہ کے خواب دیکھنے والو اور ان سے غلط قسم کی امید رکھنے والو بھلا یہ بتاؤ۔ کہ ہوسکتا ہے کہ جلد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرما دے۔ تو پھر کیا کرو گے۔ اور حسب وعدہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو فتح مبین ضرور عطا فرمائے گا۔ پھر اس وقت تمہاری دوغلی پالیسی تمہیں کام نہیں آئے گی۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ

اور کہنے لگے وہ جو ایمان لائے کیا یہی ہیں جنہوں نے قسمیں کھائیں اللہ کی کہ یہ پکے ہیں اپنی قسموں میں

اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

کہ بیشک وہ تمہارے ساتھ ہیں اب ضائع ہو چکا ان کا کیا دھرا پھر رہ گئے خسارے میں

(بقیہ آیت نمبر ۵۲) **فائدہ:** اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت کی خوش خبری سنائی اور لفظ عسیٰ کلام مجید میں یقین کا فائدہ دیتا ہے۔ کہ بالآخر فتح مسلمانوں کو ہی حاصل ہوگی۔ کیونکہ کریم اپنے وعدے کو پورا کر کے چھوڑتا ہی۔ پھر اللہ تعالیٰ تو کریموں کا کریم ہے۔

فائدہ: اس سے فتح مکہ۔ یا فتح خیبر یا فدک مراد ہے۔ لہذا اے منافقو۔ یہ عذر نہ بناؤ کہ ہو سکتا ہے۔ کہ کافروں کو غلبہ مل جائے۔ جہاں یہودیوں کی جڑ ہی کاٹ کر پھینک دی جائے گی۔ یعنی کوئی قتل ہونگے اور کوئی جلاوطن ہونگے۔ تو پھر اور کون مسلمانوں کے سامنے ٹھہرے گا۔ لہذا یہ طرح طرح کے عذر کرنے والے۔ جو اپنے دلوں میں منافقت چھپاتے ہیں۔ اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہو جائیں گے۔ یعنی جو دلوں میں کفر رکھتے ہیں۔ اور حضور ﷺ کی نبوۃ میں شک کرتے ہیں۔ جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی اس وقت یہ پچھتائیں گے۔

(آیت نمبر ۵۳) مسلمان حیران ہو کر ان منافقوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔ کہ کیا یہ وہی لوگ نہیں۔ جنہوں نے اللہ کی قسمیں کھائیں۔ اور بڑی پکی قسمیں کھا کر کہا۔ کہ ہم ہر طرح سے تمہارے ساتھ ہیں۔

یعنی ہر طرح سے تمہاری مدد کریں گے۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے۔ کہ منافقوں نے جتنے اور جس کے ساتھ وعدے کئے سب غلط تھے۔ یا اس کے مخاطب یہود ہیں۔ جن کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا۔ پھر وہ اس سے پھر گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام بیان فرمایا ہے۔ کہ وہ جیسی محبت کے دم بھرتے ہیں اور دکھ سکھ میں ساتھ دینے کی وہ قسمیں کھاتے ہیں۔ سب جھوٹ ہے۔ لہذا ان کے تمام عمل ضائع ہو گئے۔ یعنی کافروں سے دوستی اور مسلم دشمنی کی وجہ سے جو بظاہر ان کی نیکیاں تھیں۔ وہ بھی سب رائیگاں گئیں۔ اور یہود و نصاریٰ سے بھی انہیں کچھ نہ ملا۔

سبق: لہذا مومن پر لازم ہے۔ کہ وہ کبھی بھی باطل کی طرف نہ جھکے خواہ وہ کتنا ہی خوبصورت نظر آئے۔

حکایت: جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عیسائی کو دیکھا۔ پوچھا یہ کون ہے۔ انہوں نے بتایا۔ یہ میرا سیکرٹری ہے۔ فرمایا۔ کیا آپ کو مسلمانوں سے کوئی نہیں ملا۔ جواب دیا یہ کاتب اچھا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ

اے ایمان والو جو پھر گیا تم میں اپنے دین سے تو عنقریب لے آئے گا اللہ ایسے لوگ

يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۬

جن سے وہ محبت کریگا اور وہ اس سے محبت کریں گے نرم دل مومنوں کیلئے سخت ہونگے کافروں پر

يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

لڑیں گے راہ خدا میں اور نہیں ڈریں گے ملامت کرنے والے کی ملامت سے یہ ہے فضل الٰہی

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۵۳) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کو اسی وقت وہاں سے نکال دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ یہود ونصاریٰ سے دوستی مت کرو۔ ابوموسیٰ اشعری نے عرض کی۔ کہ ہم نے تو اس سے لکھنے کا کام لینا تھا۔ یہ اچھا لکھنے والا ہے۔ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دور رکھنے کا حکم دیا۔ تو آپ قریب کیوں لائے۔ عرض کی مسلمانوں میں اچھا لکھنے والا کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر آج یہ مرجائے پھر کیا کرو گے۔ جو اس کے مرنے کے بعد کرنا ہے۔ وہ ہی اب کرلو۔

(آیت نمبر ۵۴) اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر گیا۔

مرتد لوگ: مروی ہے۔ کہ کئی گروہ مرتد ہوئے۔ تین حضور کے زمانے میں اور کچھ آپ کے بعد۔ ان میں ایک گروہ بنومدلج کا تھا۔ جن کا سردار ذوالحمار اسد عنسی۔ جو کاہن بھی تھا اور اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا تھا۔ اور اپنے علاقے سے حضور کے مقرر کردہ غلاموں کو بھی نکال دیا۔ پھر حضور ﷺ نے اسود کے قتل کا حکم دیا۔ تو فیروز دیلمی نے رات کے وقت اس کے بستر پر ہی اسے فی النار کر دیا۔ اسی صبح کو حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خوشخبری سنائی کہ اسد عنسی کو آج ایک مبارک شخص نے قتل کر دیا۔ پوچھا گیا وہ کون ہے۔ فرمایا۔ فیروز دیلمی۔ اس کے دوسرے دن حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا۔

ایک اور مرتد مسیلمہ کذاب ہے۔ اس کا قلعہ قمع سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت وحشی کے ہاتھوں ہوا۔ جس نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اس نے اس کے بدلے شر الناس مسیلمہ کو فی النار کیا۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

سوائے اس کے نہیں ولی تمہارا اللہ ہے پھر اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو قائم کرتے ہیں نماز

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور دیتے ہیں زکوٰۃ اس حال میں کہ وہ رکوع میں ہوں

(بقیہ آیت نمبر ۵۴) الغرض بہت سارے مرتدوں کا خاتمہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔ تو اللہ کریم نے فرمایا۔ کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر گیا۔ تو اللہ ان کو فنا کر کے ان کے بدلے ایسے لوگ لے آئے گا جن سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہوں گے جو مسلمانوں کیلئے نرم ہوں گے۔ اور کفار کیلئے سخت ہوں گے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا انہیں کوئی ڈر نہ ہوگا۔

فائدہ: یہ منافقین کے لئے تعریض ہے۔ جو یہود و نصاریٰ سے خوف زدہ تھے۔ کہ وہ ہمیں ملامت کریں گے یہ ایسی قوم کے اوصاف ہیں کہ جو اللہ سے محبت کرنے والے مسلمانوں کے لئے نرم کفار کیلئے سخت۔ کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنے والے اور مجاہد فی سبیل اللہ کا جذبہ محض فضل الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ فضل و کرم جس پر چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جو دے وہ بہ تقاضائے حکمت و مصلحت دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا یعنی فضل و احسان والا اور بہت بڑے علم والا ہے۔ تمام اشیاء پر اس کا علم محیط ہے۔ **فائدہ**: جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو۔ آدمی نفس کے پھندے سے نہیں نکل سکتا۔ وہ اسی ایک وادی میں بھٹکتا رہتا ہے۔ یہ فضل الٰہی بھی کسی خوش نصیب کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم پر بھی اپنا فضل و کرم دونوں جہانوں میں فرمائے۔ آمین)

(آیت نمبر ۵۵) پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کیا گیا۔ کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ البتہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اب فرمایا۔ کہ سوائے اس کے نہیں تمہارا دوست اللہ ہے اور اس کا رسول ہے۔ اور ایمان والے مسلمان تمہارے دوست ہیں۔ لہٰذا تم بھی ان کو ہی اپنا دوست بناؤ اور کسی کو دوست نہ بناؤ۔

فائدہ: اہل ایمان سے دوستی یہ ہے۔ کہ ان سے محض دینی بھائی چارہ ہو۔ جو محض رضاء الٰہی کیلئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہی ہے۔ کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا وہ آپس میں ہی بھائی بھائی بن کر رہیں۔ یہود و نصاریٰ میں سے کسی کے ساتھ دوستی نہ کریں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ع ﴿۵۶﴾

اور جو دوست بنائے اللہ اور اس کے رسول کو اور جوایمان لائے پس بیشک گروہ اللہ کا ہی غالب ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اے ایمان والو نہ بناؤ ان کو جنہوں نے بنایا تمہارے دین کو مزاخ اور کھیل ان سے بھی جو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور کافروں کو بھی دوست (نہ بناؤ) اور ڈرو اللہ سے اگر ہوتم مومن

(بقیہ آیت نمبر۵۵) آگے ان کی شان بیان فرمائی۔ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ رکوع کی حالت میں ہوتے ہیں۔ (اکثر مفسرین نے اس آیت کریمہ کے شان نزول میں لکھا ہے۔ کہ یہ آیت حضور مولائے کائنات جناب علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی۔ کہ جب آپ نے نماز کے دوران حالت رکوع میں ایک فقیر سائل کو قیمتی انگوٹھی اتار کردی۔ جس پر نبی کریم ﷺ بھی بہت خوش ہوئے)۔ (تفسیر ابن کثیر)

(آیت نمبر۵۶) اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستی لگائے گا۔ پس بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے۔ اور یہی گروہ ہمیشہ غالب رہے گا۔ حاصل کلام یہ ہے جو ان سے دوستی اور محبت رکھے گا۔ وہ یہ سمجھے کہ وہ اللہ کے گروہ میں ہے۔ اور غلبہ بھی ہمیشہ انہیں ہی حاصل ہوگا۔ (اس کا مفہوم مخالف یہ ہے) کہ جو ان کے خلاف ہوگا۔ وہ شیطانی گروہ ہے۔ اور شیطانی گروہ ہمیشہ خسارے میں ہے اور رہے گا۔

(آیت نمبر۵۷) اے ایمان والو ان لوگوں سے دوستی نہ رکھو۔ کہ جنہوں نے تمہارے دین کو کھیل تماشہ بنایا۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ منافقین تمہارے دین سے ٹھٹھہ مزاخ کرتے ہین۔ زبانی طور پر تو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن دلوں میں کفر چھپا رکھا ہے۔

شان نزول: رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث کبھی اسلام کا دم بھرتے کبھی منافق ہوجاتے۔ بعض مسلمان ان سے اچھے مراسم رکھتے تھے۔ ان سے دلی محبت کرتے۔ لیکن وہ منافق پکے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے دوستی رکھنے سے منع فرمادیا کہ یہ ان لوگوں سے ہیں جنہوں نے تمہارے دین کو ٹھٹھہ اور کھیل بنایا ہوا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے یعنی توراۃ۔ اور یہ مشرک ہیں۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

اور جب تم بلاؤ طرف نماز کے تو بناتے ہیں اس کو بھی ہنسی اور کھیل یہ اس لئے کہ وہ قوم ہی بے عقلوں کی ہے

(بقیہ آیت نمبر ۵۷) ان سے بھی اور کافروں سے خاص کر دوستی مت کرو۔ جن کا مشغلہ ہی اسلامی عبادات کا مزاخ اڑانا۔ اور مسلمانوں کا تمسخر کرنا ایسے کفر نواز مسلمانوں کی اللہ کو ضرورت نہیں ہے کہ جو دین کا مدعی ہو کر تمہاری ہی استہزاء کرے اور اپنے نفسانی خواہش پر چلتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اگر واقعی تم مومن ہو۔

(آیت نمبر ۵۸) اور جب تم نماز کے لئے آواز دو یعنی اذان دو۔ تو وہ اس کی بھی ہنسی مذاق بناتے ہیں۔

شانِ نزول: جب موذن اذان دیتے۔ تو وہ آپس میں ہنستے اور نقلیں اتارتے اور کہتے کہ یہ کیا شور وغل ہے۔ اسی طرح جب مسلمان نماز پڑھتے تو بھی وہ مسلمانوں کی طرف اشارے کر کے بے وقوفانہ باتیں کرتے۔ اور ہنسی کھیل کرتے تھے۔ اور یہ انہوں نے شغل بنالیا تھا۔ اور مسلمانوں کو کہتے کہ یہ جاہلوں والے کام کر رہے ہیں۔ اس قسم کی باتیں اس لئے کرتے تا کہ لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ یہ ہنسی مزاق کرنے والے بے شک وہ بے عقل ہیں۔ ان کے اس بے ہودہ مزاق سے یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ عقل نام کی کوئی شیء ان کے پاس ہے ہی نہیں۔ اگر ان میں کچھ بھی سمجھ ہوتی۔ تو اتنی اعلیٰ عبادت کے ساتھ یوں مزاق کی جرات نہ کرتے۔ اذان تو اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کی طرف بلانا ہے۔

حکایت: علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ مدینہ شریف میں ایک شخص اذان سن کر جلتا۔ اور جب موذن "اشھد ان محمد رسول اللہ" کہتا تو وہ کہتا "حرق الکاذب" جھوٹا جلے۔ چنانچہ ایک رات وہ گھر میں سو رہا تھا کہ آگ لگ گئی۔ جس میں وہ بمعہ سارا کنبہ اور مکان وسامان سب کچھ جل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ بھی بتا دیا۔ کہ جھوٹا کون ہے۔

اذان میں حکمتیں:

۱۔ شعائر اسلام کا اظہار ۲۔ توحید کا اعلان

۳۔ اوقات نماز کے مطابق لوگوں کو بلانا

۴۔ نماز کے وقت کی لوگوں کو اطلاع دینا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ ۵۔ نماز با جماعت کی دعوت دینا۔

حدیث شریف میں ہے کہ موذن حضرات میں سب سے پہلے حضرت بلال جنت میں جائیں گے۔ پھر درجہ بدرجہ تمام موذن اپنے اعمال صالحہ کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔ (کنز العمال)

تین آدمیوں کا نہ حساب نہ گھبراہٹ:

بروز قیامت تین آدمیوں کا نہ حساب ہوگا اور نہ انہیں کوئی گھبراہٹ ہوگی:

۱۔ باعمل حافظ قرآن ۲۔ فی سبیل اللہ اذان دینے والا

۳۔ غلام جو اللہ کی عبادت بھی کرتا ہے اور مالک کی خدمت بھی کرتا رہا۔ (کنز العمال ۴۳۳۸)

مسئلہ: گانے کی طرز پر اذان مکروہ ہے۔ یعنی ایسی ادا کہ جس سے معنی میں بگاڑ پیدا ہو جیسے اللہ کے الف کو لمبا کرنا یا اکبر کی با کو لمبا کرنا۔ یا اشہد ان میں نون کو لمبا کرنا۔ انتہائی سخت گناہ بلکہ کفر ہے۔ **مسئلہ:** اذان سننے والے پر واجب ہے کہ موذن کے الفاظ کو دھرائے۔ تا کہ شیطان بھاگے اور بندہ اذان سننے کے بعد فوراً مسجد میں حاضر ہو جائے۔ اور نماز با جماعت ادا کرے۔

انگوٹھے چومنا: جب موذن "اشھد ان محمد رسول اللّٰہ" کہے تو مستحب یہ ہے۔ کہ سننے والا انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائے۔ (علماء نے لکھا ہے۔ کہ ایسا کرنے والے کی آنکھوں میں کبھی تکلیف نہیں ہوتی) اور نظر تیز ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل درود وسلام والی آیت میں آئے گی۔ **مسئلہ:** جب موذن "حی علی الصلوٰۃ" اور "فلاح" کہے تو سننے والا "ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم" کہے۔

اذان کے فائدے:

مندرجہ ذیل مواقع پر اذان دی جائے۔ تو اس کا بہت اچھا اثر ہوتا ہے۔

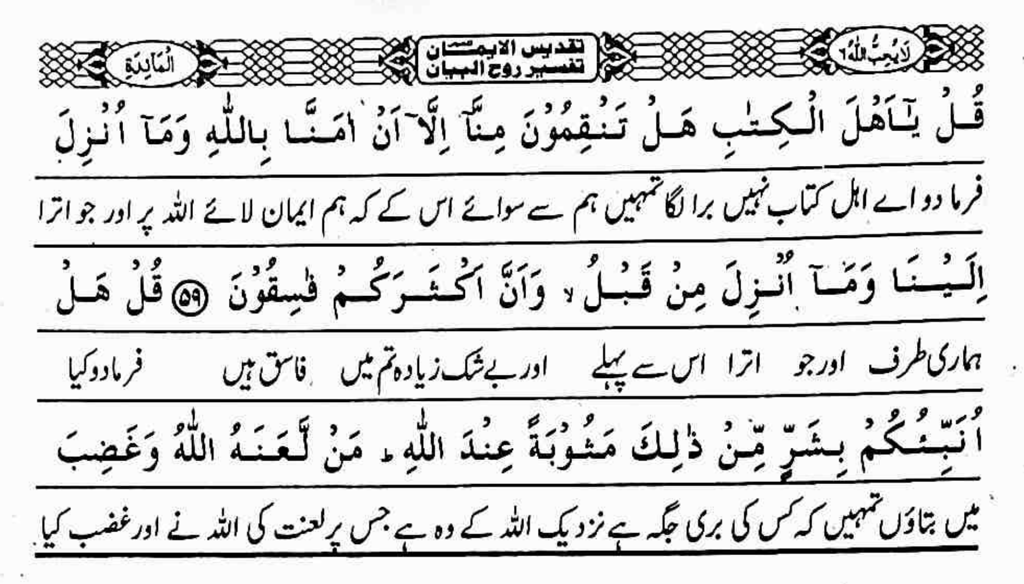
۱۔ نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے۔ تو وہ بچہ ام الصبیان کی بیماری سے محفوظ ہوگا۔

۲۔ اگر کسی کو یہ بیماری ہو تو اس کے لئے اس اذان اور اقامت عافیت کا باعث ہوگی۔

۳۔ آگ لگ جائے۔ ۴۔ سیلاب آجائے۔ ۵۔ سردی کا حملہ ہو۔

۶۔ کوئی خوف لاحق ہو۔ تو ان تمام مواقع میں اذان دینے سے امن وسلامتی ملتی ہے۔

۷۔ مردہ دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دی جائے تو اچھا ہے۔ (درمختار)۔ کیونکہ مسلمان مردہ اس سے مانوس ہوتا ہے۔ اور وہ منکر نکیر کے سوالوں کا آسانی سے جواب دے لیتا ہے۔ بلکہ بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ وہ اذان سننے کے بعد منکر نکیر سے کہتا ہے مجھے چھوڑو میں نماز پڑھ لو۔ تو وہ اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ جسے یہاں بھی نماز کی فکر ہے وہ دنیا میں پکا نمازی ہی ہوگا۔



قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

فرما دو اے اہل کتاب نہیں برا لگا تمہیں ہم سے سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا

اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ

ہماری طرف اور جو اترا اس سے پہلے اور بے شک زیادہ تم میں فاسق ہیں فرمادو کیا

اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ

میں بتاؤں تمہیں کہ کس کی بری جگہ ہے نزدیک اللہ کے وہ ہے جس پر لعنت کی اللہ نے اور غضب کیا

(آیت نمبر۵۹) اے محبوب آپ فرمادیں۔ کہ اے اہل کتاب (یہاں سے فتنہ باز فاسق وفاجر یہودی مراد ہیں)۔ تم ہم سے کھچے کھچے سے کیوں رہتے ہو۔ ہم نے تو تمہارے ساتھ کوئی ظلم وتعدی نہیں کی۔

شان نزول : یہود کی ایک جماعت نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا کہ میں تو یہی کہتا ہوں ایمان لاؤ اللہ اور اس کی کتاب پر اور مجھ سے پہلے جتنی کتابیں اتریں اور صحیفے جو ابراہیم واسماعیل واسحاق پر اور موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام پر جو بھی کتابیں اتریں اور جو ان پر صحیفے اترے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام سن کر جل گئے۔ کہنے لگے۔ کہ ہم نے تو ایسا پرفتن دین کہیں نہیں دیکھا۔

اللہ کریم نے فرمایا کہ اے محبوب ان کو بتاؤ نہیں برا لگا تمہیں ہم سے مگر یہ کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر۔ اور جو ہماری طرف نازل ہوا۔ اور جو ہم سے پہلے اترا یعنی توراۃ وانجیل اور باقی کتب سماوی پر اور تم اپنے بارے میں بھی سوچو تم میں اکثریت فاسقوں کی ہے۔ جو مذکورہ کتب پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ تم سرکش ہو اور ایمان سے بالکل خارج ہو۔

(آیت نمبر۶۰) اے میرے محبوب آپ ان یہودیوں کو بتادیں۔ کہ نہ اسلام میں کوئی برائی ہے۔ اور نہ انبیاء میں۔ اب میں تمہیں اس سے بھی بدتر بات بتاؤں کہ برا کون ہے۔ میرے نزدیک سب سے برے اور شریر وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ اور ان پر غضب الٰہی اترا۔ اور جن کی ان کے جرائم کی پاداش میں شکلیں مسخ ہوئیں۔ اے یہودیو۔ اگر تم اپنے اعمال کے آئینے میں ذرا غور سے دیکھو۔ تو تم پر عیاں ہو جائے گا۔ مخلوق میں سب سے بدتر تم ہو کیونکہ جو تمہارے خیال میں سب سے بری چیز ہے۔ وہ ہے دین اسلام۔ جسے تم نے بہت ہی برا سمجھ رکھا ہے۔ لیکن یہ تمہاری بہت بڑی غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برا ٹھکانہ اس کا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔

عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ

اس پر — اور بنائے ان میں سے — بندر — اور خنزیر — اور پجاری شیطان کے — ان ہی کا ہے

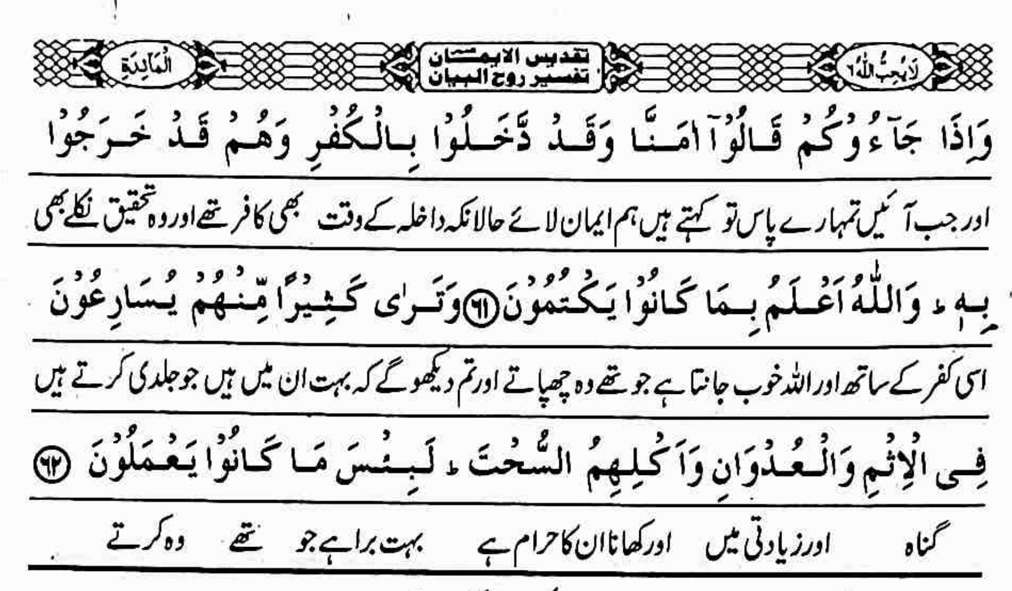
شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾

برا — ٹھکانا — اور گمراہ ہیں — سیدھی راہ سے

(بقیہ آیت نمبر ٦٠) یعنی یہودی لوگوں کے کفر اور پے در پے گناہوں کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوئی۔ اور ان پر غضب ہوا۔ یعنی احکام خداوندی کا انہیں علم تھا۔ اس کے باوجود وہ گناہوں میں منہمک ہوئے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ان پر پھٹکار ہوئی۔ اس سے مراد یا ایلہ والے ہیں۔ جو ستر سال تک بار بار منع کرنے کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہے بالآخر داؤد علیہ السلام کی بددعا سے کوئی بندر اور کوئی خنزیر بنائے گئے کہ جب انہوں نے ہفتہ کے دن شکار کو (جو ان پر حرام تھا)۔ حلال جانا یا اس سے مراد وہ ہیں جن کی شکلیں عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے مسخ ہوئیں کہ انہوں نے وعدہ کیا کہ معجزہ دیکھ کر ایمان لائیں گے اور انہیں عذاب کی دھمکی بھی دی گئی۔ مگر وعدہ کر کے منکر ہوئے۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ لوگ پکے شیطان کے پجاری ہیں۔ کہ یہ اسی کے کہنے پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر تو چلتے ہی نہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ لوگ جن کی اس آیت میں برائی بیان کی گئی۔ بہت برے ٹھکانے والے ہیں۔

مسئلہ: برے لوگوں کا دین بھی برا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ ان کی اپنی ذہنی اختراع ہے اور گناہ کو ثواب سمجھتے ہیں۔ پھر جیسا عمل ہوتا ہے اس کے مطابق سزا بھی ملتی ہے اور فرمایا۔ کہ وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ اور حق سے دور ہو گئے۔ یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوا۔ اگر برے نہ ہوتے تو حق سے بھی دور نہ ہوتے اور انہیں یہ سزائیں بھی نہ ملتیں۔ **اصول**: یہ ایک اصول ہے۔ کہ ہر آدمی اپنے طریقے پر ہی خوش ہوتا ہے۔ باقی سب کے طریقوں کو برا سمجھتا ہے۔ اور ان سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن حق دین اسلام میں ہے۔ اس لئے اس کی اتباع کی جائے۔ **سچا مومن**: وہی ہے جو صرف مسلمانوں سے محبت کرتا ہے۔ کفار اور مشرکین سے نفرت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اپنے اندر اخلاق حسنہ اور اچھے اوصاف رکھتا ہے۔

مقام اولیاء: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ قیامت کے دن کچھ لوگ بلند نور کے ممبروں پر ہونگے۔ ان کے بلند مقامات کو دیکھ کر انبیاء وشہداء بھی رشک کریں گے۔ پوچھا گیا۔ یارسول اللہ ان کا تعارف کیا ہے۔ فرمایا کہ محض رضاء الٰہی کیلئے وہ آپس میں محبت کریں گے۔ نرم کلام اچھے اخلاق والے خندہ پیشانی سے ملنے والے اعلیٰ درجے کے سخی ہر ایک پر شفقت کرنے والے۔ اور سب کا عذر قبول کرنے والے ہیں۔ (سنن ابوداؤد ۳۵۲۷)



وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُوا۟ بِٱلْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا۟

اور جب آئیں تمہارے پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ داخلہ کے وقت بھی کافر تھے اور وہ تحقیق نکلے بھی

بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا۟ يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَٰرِعُونَ

اسی کفر کے ساتھ اور اللہ خوب جانتا ہے جو تھے وہ چھپاتے اور تم دیکھو گے کہ بہت ان میں ہیں جو جلدی کرتے ہیں

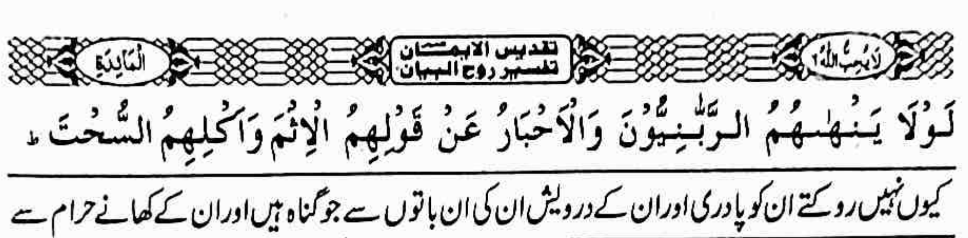
فِى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾

گناہ اور زیادتی میں اور کھانا ان کا حرام ہے بہت برا ہے جو تھے وہ کرتے

(آیت نمبر٦١) اور جب وہ تمہارے پاس آئیں۔تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔

شان نزول : یہود کی ایک جماعت حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔اور اپنے ایمان اور اخلاص کا اظہار کیا۔لیکن دل میں کفر اور گمراہی چھپا رکھی تھی۔تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا۔کہ یہ یہودی جو تمہارے پاس آئے۔اسلام کا انہوں نے اظہار کیا ہے۔یہ جب اندر داخل ہوئے تو بھی کفر کے ساتھ اور جب تمہارے پاس سے نکلے تو بھی کفر کے ساتھ۔یعنی آتے ہوئے بھی کافر اور جاتے ہوئے بھی کافر ہی تھے۔اور فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔کہ جب اپنے کفر کو وہ چھپا رہے تھے۔حالانکہ حضور ﷺ تو ان کی منافقت کو جانتے تھے۔(جیسا قرآن پاک میں کئی جگہ موجود ہے) کئی مواقع پر ان کی علامات بھی بتائی ہیں۔اور ان کے نام لے کر ان کو مسجد سے نکال دیا۔

(آیت نمبر٦٢) اے محبوب آپ ان میں سے اکثر کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔کہ یہودی اور منافق ہر قسم کے گناہ کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔خصوصاً جھوٹ تو ان کی عادت بن گیا تھا۔جیسے اہل ایمان کی صفت "یسارعون فی الخیرات" ہے۔اسی طرح ان کی عادت "یسارعون فی الاثم" ہے اور صرف گناہ نہیں بلکہ ظلم و تعدی میں بھی پیچھے نہیں تھے۔اور ان کی تیسری برائی یہ کہ حرام خور ہیں۔ان کا کھانا پینا حرام ہے۔کتنے ہی برے کام وہ کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو پاک صاف ظاہر کرتے ہیں۔یعنی ان کا کوئی کام اچھا نہیں ہے۔**نکتہ**: اثم بمعنی گناہ ہے اور عدوان بمعنی ظلم اور حرام خوری اور ذنب بھی گناہ کو کہتے ہیں مگر یہ گناہ غیر راسخ ہیں اور نہی عن المنکر (برائی سے روکنا) کو چھوڑ دینا یہ گناہ راسخ ہے۔یعنی اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔جس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔یعنی ایک آیت میں ان کے عوام کی برائی بیان کی اور دوسری میں ان کے مولویوں اور پیروں کی برائی بیان کی۔



لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط

کیوں نہیں روکتے ان کو پادری اوران کے درویش ان کی ان باتوں سے جو گناہ ہیں اوران کے کھانے حرام سے

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ط

بہت برا ہے جو وہ ہیں کرتے۔ اور کہا یہودیوں نے کہ ہاتھ اللہ کا بند ہو گیا

غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا م وقف لازم بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ لا يُنْفِقُ

بندھ جائیں ان کے ہاتھ اور وہ لعنت کیے گئے بوجہ اس جو کہا بلکہ للہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے

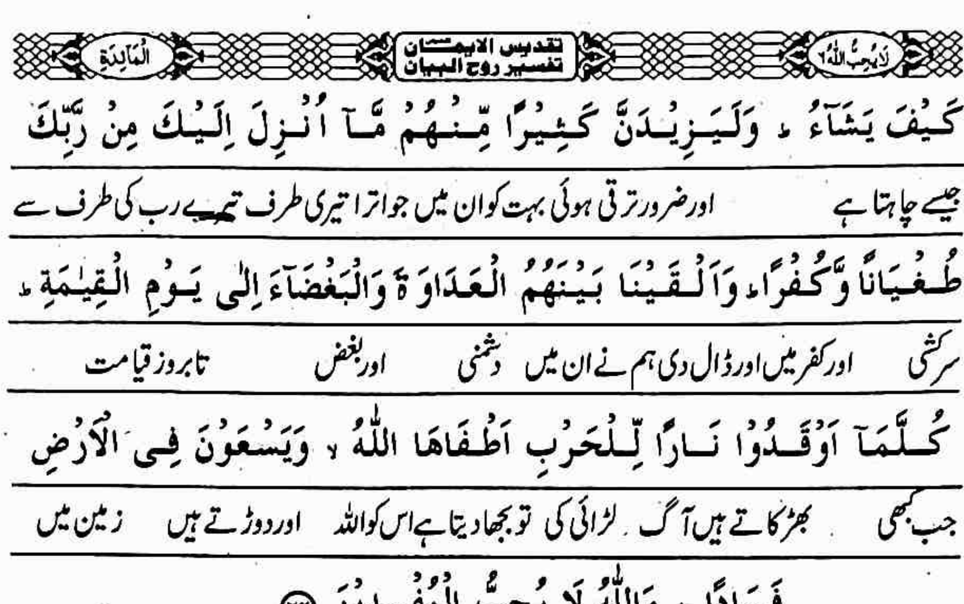
(آیت نمبر۶۳) کیوں نہیں روکتے ان کے مولوی اور پیران کو گناہ والی بات کرنے اور جھوٹ بولنے سے (جیسے آج کل کے پیراور بعض مولوی شراب کا کاروبار کرنے والے مریدوں کو نہیں روکتے۔ کیونکہ وہ نیازیں دیتے ہیں) توان یہودیوں کے مولوی اور پیر بھی انہیں نہ بری باتوں سے روکتے اور نہ حرام کھانے سے روکتے تھے۔ اورانہیں پتہ بھی تھا کہ یہ حرام کھاتے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ لیکن منع نہیں کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ انہیں اسی کمائی سے نذرانے وغیرہ دیتے تھے۔ یہ کتنا ہی برا کام تھا۔ جو وہ کرتے تھے۔

سبق: اس سے ان مولویوں اور پیروں کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔ جو لوگوں کو خصوصاً اپنے مریدوں کو برائی سے اور بری کمائی سے روکنے میں پس وپیش کرتے ہیں۔ اوران سے نذرانے وصول کرتے ہیں۔

فائدہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عذاب الٰہی ایک آدمی کے غلط کام کی وجہ سے نہیں آتا۔ بلکہ جب گناہ میں اکثریت ملوث ہو اورانہیں گناہوں سے نہ روکا جائے۔ اوران کے گناہوں پر چشم پوشی کرلی جائے۔ تو پھر سب لوگ عذاب میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔

(آیت نمبر۶۴) یہودیوں نے کہا۔ کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے۔ یعنی اب عطا نہیں کرے گا۔

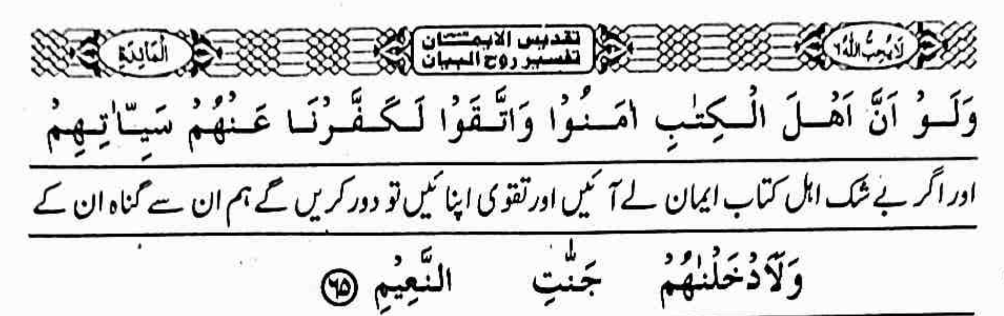
شان نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ چونکہ یہودی بڑے مالدار تھے۔ یہودیوں نے مسلمانوں کو دیکھا کہ ان کی زندگی فقر وفاقہ سے کٹ رہی ہے۔ اور یہ حکم الٰہی سنا۔ کہ اللہ کو اچھا قرض دو۔ تو وہ بے حیائی سے کہنے لگے۔ کہ محمد ﷺ کا خدا فقیر ہو گیا ہے۔ تو ایک فخاص نامی یہودی کہنے لگا معاذ اللہ اللہ بھی اب کنجوس ہو گیا (نقل کفر کفر نہ باشد) یہودیوں نے اس کے بکواس پر کچھ نہ کہا۔ بلکہ اس پر خوش ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ ان یہودیوں کے ہاتھ بندھ جائیں۔ اور وہ قیامت تک بخل اور کنجوسی میں رہیں۔ یہ جملہ بددعائیہ ہے۔



فائدہ: اسی بددعا کا ہی اثر ہے۔ کہ آج تک کہیں بھی آفت آئے مسلم اور غیر مسلم وہاں مدد کریں گے۔ مگر یہودی کسی غریب کی مدد نہیں کریں گے۔ بلکہ وہ تو لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ اللہ کی پھٹکار ان پر پڑے بھلا زمین و آسمان کے مالک کے خزانے بھی کبھی ختم ہو سکتے ہیں۔ اس کا دست جود و سخا تو ہمہ وقت کھلا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ساری دنیا اس کی محتاج ہے۔

فائدہ: اور امت مسلمہ کو بھی بتایا گیا۔ کہ ایسا کلمہ اگر تم نے بھی کہا۔ تو تم بھی ان کی طرح ذلیل و خوار ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے عجز ثابت کرنا کفر ہے۔ آگے فرمایا۔ بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ بہت بڑا سخی ہے۔ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ (گویا اپنے خزانے دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا ہے) نہ اس کی عطا میں کمی آئی نہ اس کے خزانے میں کمی آ رہی ہے۔ پھر ساری دنیا نے دیکھا۔ کہ چند سال بھی نہ گذرنے پائے تھے۔ کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ان فقیروں کی مسجدوں میں بانٹے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ابر کرم اس کے محبوب کے طفیل اس کے غلاموں پر برسا تو پھر ساری کائنات میں بہار آ گئی۔ اسلام کا جھنڈا ہر طرف لہرانے لگا۔

آگے فرمایا۔ کہ بہت ساروں کا بڑھا ہے کفر بہ سبب اس کے جو اتارا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے کفر بھی اور سرکشی بھی۔ یعنی جوں جوں آیات کا نزول ہوتا رہا۔ اسی قدر ان کا کفر اور سرکشی اور فتنہ و فساد اور شرارتیں بڑھتی رہیں اور ان کے کفر میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔



وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اور اگر بے شک اہل کتاب ایمان لے آئیں اور تقویٰ اپنائیں تو دور کریں گے ہم ان سے گناہ ان کے

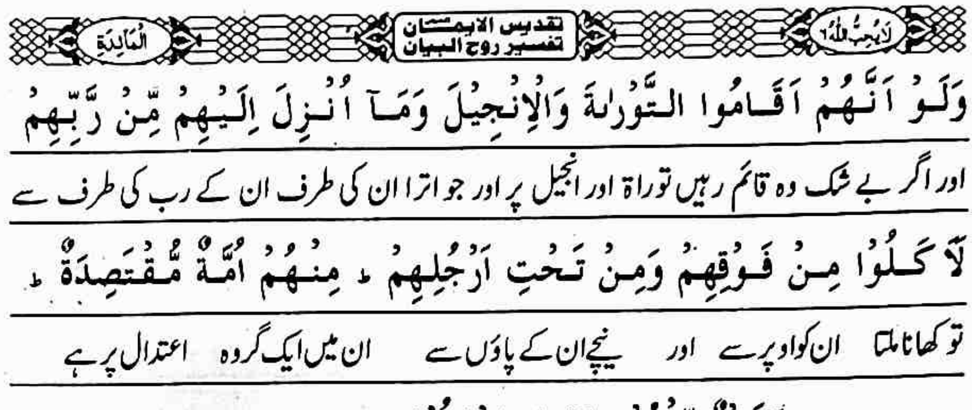
وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

اور ضرور داخل کریں گے ان کو باغات میں جو ہر قسم کی نعمتوں والے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ٦٤) اور ہم نے یہودیوں میں بغض وعداوت ڈال دی۔ یعنی دین میں انہوں نے تفرقے بنائے۔ جس کی پاداش میں ہم نے ان کی آپس میں بغض وعداوت ایسی ڈالی۔ کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے ہوگئے۔ اور وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے۔

سارا کفر ایک جماعت ہے: اگر اکٹھے ہوتے ہیں تو شر وفساد میں اکٹھے ہیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس وہم کو دور کیا گیا۔ کہ یہ کسی معاملے میں بھی اکٹھے نہیں۔ اور یہ افتراق بھی چند دن کیلئے نہیں بلکہ فرمایا۔ کہ تا قیامت ہے۔ اور جب بھی انہوں نے لڑائی کی آگ کو بھڑکایا۔ کوئی شر انگیزی کی۔ تو اللہ تعالیٰ اس آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔ تاکہ میرے حبیب کو اور مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اور فرمایا کہ یہ یہودی زمین میں فساد پھیلانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو کسی طرح زیر کریں۔ اور ان میں بھی پھوٹ ڈال کر ان میں شر پھیلائیں۔ جیسے آج مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں لیکن اسلام کو ہمیشہ غلبہ ہی رہا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اس لئے فسادیوں کے منصوبے ہمیشہ خاک میں مل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مصائب میں ڈالتا رہا۔ کبھی بخت نصر نے اور کبھی پطرس رومی نے انہیں تباہ کیا۔

(آیت نمبر ٦٥) اور اگر اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ ایمان لے آئیں۔ جن چیزوں پر ان کا ایمان لانا واجب ہے۔ اور گناہوں سے جھوٹ فریب سے اور حرام خوری وغیرہ سے بچ جائیں۔ تو ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے۔ یعنی بخش دیں گے۔ اس بناء پر انہیں عذاب سے بھی بچالیں اور ضرور انہیں نعمتوں والے باغات میں داخل کر دیں گے۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی انجیل کی اتباع کرنے کی برکت سے انہیں کشادہ حلال اور پاکیزہ روزی ملتی۔ **فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے قبول کرنے میں بہت ہی بڑا اجر وثواب ملتا ہے۔ اور اسلام قبول کرنے سے پہلے والے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ خواہ وہ گناہ کتنے ہی بڑے بڑے ہوں (بخاری شریف)۔ یہ بات بھی معلوم ہوئی۔ کہ اہل کتاب جب تک اسلام کو قبول نہ کریں۔ نہ دنیا میں کامیاب ہیں نہ آخرت میں۔



(آیت نمبر ٦٦) اور اگر بے شک وہ توراۃ اور انجیل پر قائم رہتے۔ یعنی ان پر صحیح عمل پیرا ہوتے۔ مثلاً ان دونوں کتابوں میں جو حضور ﷺ کے اوصاف موجود تھے یہ ان کی تصدیق کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے۔ اور پھر جو رب کی طرف سے ان کی طرف اتارا گیا۔ یعنی قرآن پاک پر بھی صحیح ایمان لاتے۔

فائدہ: اس سے ان کی غلط بدگمانی کی تردید کی گئی۔ کہ جو وہ کہتے تھے۔ (قرآن ہماری کتاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف مسلمانوں کیلئے اترا ہے)۔ یعنی اگر وہ آسمانی تمام کتابوں کو مانتے تو رزق ان کے پاس آتا۔ اوپر سے بھی جسے وہ کھاتے۔ اور پاؤں کے نیچے سے بھی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں رزق کی فراوانی ہوتی۔ کہ زمین و آسمان کی برکات سے انہیں نوازا جاتا اور رزق کے خزانوں کے منہ ان کیلئے کھول دیتے۔ اس میں انہیں تنبیہ بھی کی گئی۔ کہ تم پر جو مصائب و معاشی تنگی آئی۔ وہ تمہارے اپنے شامت اعمال سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں کمی نہیں کی۔

آگے فرمایا۔ کہ وہ سارے ایک ہی کیٹی گری کے لوگ نہ تھے۔ بلکہ ان میں کچھ اعتدال پسند تھے۔ جو دینی معاملات میں کوتاہی کرنے والے نہ تھے۔ جیسے عبد اللہ بن سلام یا ان کے ساتھی۔ جو یہودیت سے توبہ کر کے حضور ﷺ پر ایمان لائے۔ اور اسلام قبول کیا۔ لیکن اکثریت ان میں ان لوگوں کی تھی جو بہت برے عمل کرتے تھے۔ یعنی ان میں: (١) عناد۔ (٢) تکبر۔ (٣) حق میں تحریف (٤) حق سے منہ پھیرنا ایسے اور بھی بہت برے عمل تھے۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ ایمان۔ تقویٰ اور صالح اعمال سے رزق میں کشادگی آتی ہے۔ اور اس سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور ان کے لئے جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی خوراک انہیں مہیا کی جاتی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے قلب و روح پر رحمتوں اور برکتوں کا نزول کرتے۔ (لیکن اتنے بڑے نصیب کہاں سے لاتے۔ ان کی قسمت میں ہی ذلت شر اور فساد لکھا ہے۔ وہ پہلے بھی کر رہے تھے۔ آج بھی کر رہے ہیں۔)

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

یا رسول اللہ پہنچا دیں جو اترا آپ پر رب کی طرف سے اور اگر نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے

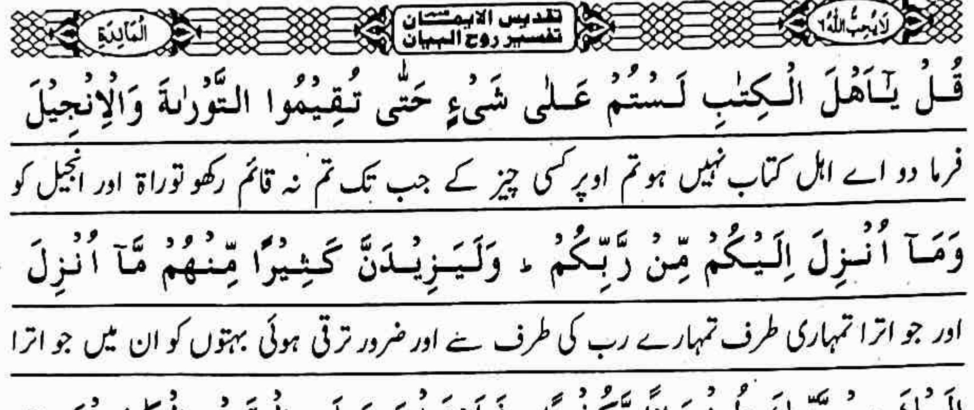
رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

پیغام اس کا اور اللہ بچائے گا آپ کو لوگوں سے بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا اس قوم کو جو کافر ہیں

(آیت نمبر ٦٧) اے پیارے رسول ﷺ آپ کے رب کی طرف سے جو بھی آپ کی طرف نازل ہو وہ آپ بے خوف وخطر بندوں تک پہنچا دیں۔ یعنی جو امور عام شریعت سے تعلق رکھتے ہیں وہ سب امت کو بتا دیں۔

رسول کی ڈیوٹی: سہل کر انہیں بتائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو اس نازک اور مشکل ترین خدمت کیلئے متعین فرمایا۔ رسول کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام مخلوق تک پہنچائے۔ اس کار عظیم کو سرانجام دینے کیلئے قدرت کی نظر انتخاب پڑی تو اس پر۔ جس کا کوئی بھائی نہیں باپ کا سایہ پیدا ہونے سے پہلے ہی سر سے اٹھ گیا ہے۔ عزیز واقارب بھی مخالف ہو گئے۔ نہ مال ہے نہ کوئی خدام ہیں۔ صرف اللہ کا سہارا ہے۔ انہیں امور شریعت دے کر بھیجا گیا۔ ساتھ ہی فرمایا۔ پس اگر آپ نے میرا پیغام کسی کے خوف کی وجہ سے نہ پہنچایا۔ تو گویا آپ نے رسالت کا حق ادا نہ کیا۔ اس لئے آپ اپنے منصب رسالت کا خیال رکھتے ہوئے۔ اپنے رب کریم کا جو حکم بھی آپ کو ملے۔ وہ لوگوں تک پہنچا دیں۔ اس میں کوئی پس وپیش ہوا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے فرض منصبی ادا کرنے میں غفلت کی اور حق ادا نہیں کیا۔۔ رسول کیلئے اللہ تعالیٰ کے پیغام زبان سے بیان کرنا ضروری ہے۔ خواہ کتنا ہی جان جانے کا خوف ہو۔ (شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کر دیں اور ابوبکر وعمر سے نہ ڈریں)۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ لوگوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اس سے مراد وہ یہ لیتے ہیں کہ حضور نے معاذ اللہ صحابہ سے ڈرتے ہوئے علی المرتضیٰ کی خلافت کا اعلان نہیں کیا۔ گویا حق رسالت ادا نہیں کیا۔ یہ منگھڑت بات ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ نہ اس آیت کا یہ معنی ہے۔ باقی رہی یہود کی ریشہ دوانیاں اور منافقین کی چالیں اور کفار کے حملے اس میں اللہ تعالیٰ تمہارا خود نگہبان ہے۔

رسول ﷺ کی حفاظت: مروی ہے۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ہر وقت حضور ﷺ کی حفاظت کیلئے ساتھ ساتھ رہتی کہ کوئی یہودی حضور کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔ جب یہ حکم آیا۔ کہ اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ تو حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرما دیا کہ آئندہ تمہیں میرا پہرہ دینے کی ضرورت نہیں۔ اب دشمنوں سے اللہ تعالیٰ خود میری حفاظت فرمائے گا۔



قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

فرما دو اے اہل کتاب نہیں ہو تم اوپر کسی چیز کے جب تک تم نہ قائم رکھو توراۃ اور انجیل کو

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ

اور جو اترا تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اور ضرور ترقی ہوئی بہتوں کو ان میں جو اترا

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

آپ کی طرف سے سرکشی اور کفر میں لہذا نہیں کوئی افسوس اوپر قوم کافر کے

(بقیہ آیت نمبر ٦٧) **فائدہ:** کرمانی فرماتے ہیں۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو تکالیف بیماریاں اور دکھ اور غم لاحق ہوا۔ لیکن اس سے انہیں بہت بڑا اجر بھی ملا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو تکالیف بیماریاں آنے کی وجہ ایک یہ بھی ہے۔ کہ ان کے معجزات دیکھ کر کوئی انہیں خدا بھی نہ سمجھ بیٹھے۔ آگے فرمایا۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

فائدہ: اس آیت میں بھی یہ اشارہ ملتا ہے۔ کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مخلوق کے شر سے ہر طرح حفاظت فرماتا ہے۔ جیسے کفار مکہ نے ہجرت کی رات قتل کے ارادے سے حضور ﷺ کے مکان کا محاصرہ کیا کہ جوں ہی باہر نکلیں گے۔ تو ہم قتل کر دیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحفاظت وہاں سے نکال لیا۔ اس طرح کئی دفعہ ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے موقع پر آپ کو بچالیا۔

(آیت نمبر ٦٨) اے محبوب فرمادو ان یہود و نصاریٰ سے اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں رہے۔ کیونکہ تمہارے دین تو اب منسوخ ہو چکے۔ اب تمہارے دین پر اعتماد نہیں رہا۔ اب تمہاری نجات کا یہی راستہ ہے کہ تم صحیح طور پر توراۃ اور انجیل کے احکام کو مان کر تم نبی آخر زمان پر ایمان لاؤ۔ اور ان کی لائی ہوئی کتاب پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اس لئے کہ اب تمام آسمانی کتب میں سے صرف قرآن پر اور پھر حضور ﷺ پر ایمان لانے کا حکم موجود ہے۔ اور ان کی اطاعت واجب ہے۔

اس لئے آگے فرمایا۔ کہ جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا۔ یعنی قرآن مجید پر بھی ایمان لاؤ۔ لیکن جوں جوں آیات قرآنی کا نزول ہوتا ان بدنصیب یہودیوں کا بجائے ایمان لانے کے غیظ و غضب بڑھتا ہی جاتا۔ اور ان کے کفر و سرکشی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

بے شک وہ جو ایمان لائے اور جو یہودی اور ستارے پرست اور عیسائی ہیں جو بھی ایمان لائے اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾

اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک تو نہیں ہے ڈر ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۶۸) **فائدہ:** قرآن مجید اگرچہ صرف ان کی طرف نازل نہیں ہوا۔ یہ جملہ اصل میں ان کے قول کا جواب ہے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ یہ قرآن ہماری طرف نہیں آیا۔ بلکہ یہ صرف مسلمانوں کی طرف اترا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ یہ تمہاری طرف بھی بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کی ہدایت کے لئے اترا ہے۔ آگے فرمایا۔ اے محبوب جب سے (قرآن) نازل ہو رہا ہے۔ اس وقت سے کفار و مشرکین کے بڑے لیڈروں میں سے اکثریت میں سرکشی اور کفر میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ یعنی ان کی شرارتیں اور بڑھ گئیں۔ (لہذا اے محبوب) اس کافر قوم پر آپ غم نہ کھائیں۔ یعنی ان کے شر سے آپ کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اور نہ ان کی تباہی پر کوئی افسوس یا افسردہ ہونے کی ضرورت ہے۔

(آیت نمبر ۶۹) بے شک جو اوپر اوپر سے ایمان لائے۔ یعنی منافقین اور جو یہودی ہیں۔ اور جو بے دین ہیں۔ اور جو عیسائی ہیں۔ ان تمام گمراہ لوگوں میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لائے سچے دل سے اور خالص ایمان کے ساتھ وہ نیک عمل بھی کرے۔ تو انہیں کوئی فکر نہیں۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں کسی نقصان کی۔

فائدہ: یہ بتانا مقصود ہے کہ گمراہ سے گمراہ تر لوگوں کی بھی توبہ قبول ہوسکتی ہے۔ اور مومن بھی غلطی کے بعد سچے دل سے توبہ کرے تو ضرور معافی ہو جائے گی۔ یعنی خالص ایمان کے بعد صالح عمل کریں تو پھر ان پر کوئی خوف نہیں۔ اور نہ وہ غمگین ہونگے جبکہ باقی لوگ پشیمان اور افسردہ ہونگے۔ جو اپنی عمر ضائع کر گئے۔ لیکن کامل مومن کو اس وقت کوئی ملال نہیں ہوگا۔ بلکہ فرشتے آکر ان کو تسلیاں دیں گے۔ کہ کوئی غم فکر نہ کرو۔ اور وہ جنت کی انہیں بشارت بھی دیں گے۔ جس کا انہیں وعدہ دیا گیا تھا۔ (اس آیت کی تشریح سورۂ بقرہ میں گذر گئی ہے) البتہ یہاں اتنی بات یاد رہے۔ کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔ جس سے یہ سمجھ آتا ہے۔ کہ شاید رسول پر ایمان نہ لائے۔ تب بھی کوئی ڈر فکر نہیں۔ اس لئے معلوم ہونا چاہئے۔ کہ اللہ پر ایمان لانا اس وقت تک قبول نہیں جب تک رسول پر ایمان نہ لایا جائے۔ اس لئے کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے۔ کہ رسولوں پر ایمان لائے بغیر بھی شاید نجات ممکن ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں: خلاف پیغمبر کسے راہ گزید۔۔۔۔ کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید۔ یعنی رسول اللہ کا مخالف منزل مقصود ہرگز نہیں پا سکتا۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَ

البتہ تحقیق لیا ہم نے پکا وعدہ بنی اسرائیل سے اور بھیجے ہم نے ان کی طرف رسول جب بھی آیا

هُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۗ ﴿٧٠﴾

ان کے پاس کوئی رسول وہ لے کر جو نہیں چاہتے تھے ان کے دل تو ایک گروہ کو جھٹلایا اور دوسرے گروہ کو شہید کیا انہوں نے

(بقیہ آیت نمبر ٦٩) **سبق**: لہذا مومن پر لازم ہے۔ کہ وہ اپنے قلبی مرض کا علاج کرے۔ یعنی منافقت اور بری عادات سے بچے اور اولیاء کرام کا قرب پانے کے لئے پوری کوشش کرے۔ یعنی ان کی مجلس اختیار کرے تا کہ آخرت میں کامیاب ہو۔

فرمان اولیاء: ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ بیمار دل پانچ چیزوں سے درست ہوسکتا ہے:

١۔ تلاوت قرآن پورے غور و فکر سے ہو۔ ٢۔ کھانے سے پیٹ پر نہ ہو۔

٣۔ رات کو نوافل ادا کئے جائیں۔ ٤۔ سحری کے وقت اللہ کے حضور گڑگڑاہٹ۔

٥۔ نیکوں کی صحبت۔

(آیت نمبر ٧٠) البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا۔ یعنی توراۃ میں ان سے توحید پر پختگی اور شرعی احکام پر عمل کرنے کا وعدہ لیا۔ اور ان کی طرف بہت سارے رسول بھیجے جو بڑی شانوں والے تھے۔ تا کہ انہیں دینی امور پر عمل کا وعدہ یاد کرائیں۔ کہ جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسے احکام لاتے۔ جنہیں ان کے دل نہیں چاہتے تھے۔ انبیاء کرام علیہم السلام جب ان کی غلط کاریوں پر انہیں ملامت کرتے۔ تو یہ بات ان کے متبعیوں کو ناگوار گذرتی۔ پھر وہ نبوت کے احترام کرنا تو درکنار انبیاء کرام علیہم السلام کے درپے آزار ہو جاتے۔ یعنی ان مسائل میں اور ان کے شرعی احکام میں مشقت کرنی پڑتی اور (یہ مفت خورے آرام طلب تھے) وہ ان کے نفسوں پر بوجھ پڑ جاتا تھا۔ لہذا وہ ان کی نافرمانی کر دیتے۔ اور نافرمانی کا انداز بھی یہ تھا۔ کہ کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلا دیا۔ کہ تمہیں اللہ نے نبی نہیں بنایا۔ اور انہیں سخت تکالیف بھی دیتے۔ اور کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کو انہوں نے شہید کر دیا۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام اور یحیٰی علیہ السلام و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام۔ بلکہ ایسا بھی ہوا۔ کہ انہوں نے ایک دن میں ستر انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کیا۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ

اور یہ سمجھے کہ کچھ نہیں ہوگی کوئی سزا تو اندھے اور بہرے ہوئے پھر توبہ قبول کی اللہ نے ان کی پھر

عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

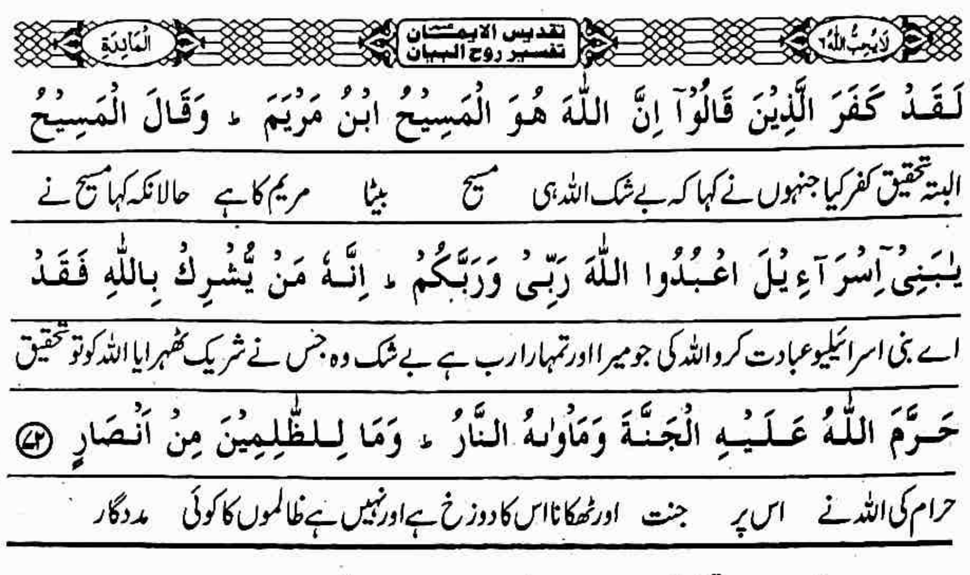
اندھے اور بہرے بنے بہت سارے ان میں اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں

(آیت نمبر ۷۱) اور انہوں نے گمان کیا۔ یعنی انہوں نے یہی سوچا۔ کہ ہم نے جو اتنے نبی قتل کئے۔ اس پر انہیں کوئی فتنہ (عذاب) نہیں ہوا۔ اس لئے ان کو نخرہ یہ ہوگیا۔ کہ ہم اللہ کے لاڈلے ہیں۔ اور اس کے بہت پیارے ہیں۔ اس لئے ہمیں تو کچھ عذاب وغیرہ نہیں ہوگا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ان کا عقیدہ تھا۔ کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد ہیں۔ ہمیں عذاب کیسے ہوگا۔ اگر ہو بھی گیا تو اتنے انبیاء ہیں ہمیں بچالیں گے۔ (جیسے آج کل سیدوں کی سوچ ہے۔ کہ ہم جو بھی کریں۔ معاف ہے کیونکہ نبی کا خون ہمارے اندر ہے۔ ہمیں ہرگز عذاب نہیں ہوگا۔) ماشاء اللہ۔ آگے فرمایا کہ وہ شر و فساد میں اس قدر اندھے ہوگئے کہ انہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے راہنمائی کرنے کے باوجود کچھ سوجھتا نہ تھا۔ اور اتنے بہرے ہوئے۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بھی کوئی بات ان کے کانوں میں نہیں پڑ رہی تھی۔

فائدہ: اس میں ان کے فساد اول کا بیان ہے۔ کہ انہوں نے توراۃ کے احکام بدلے۔ حرام خوری کی۔ انبیاء کو قتل کیا۔ وغیرہ۔ پھر جب انہوں نے سچے دل سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی کہ فارس کے ایک بادشاہ نے انہیں بخت نصر سے (جس کے ظلم و ستم کا ایک طویل عرصہ تک تختہ مشق بنے رہے) آزاد کرایا۔ بیت المقدس کو نئے سرے سے آباد کیا۔ اور بنی اسرائیل کے حوالے کیا۔ تیس سال میں بیت المقدس پہلے سے کئی گنا بہتر ہوگیا۔

آگے فرمایا پھر وہ اندھے اور بہرے ہوئے۔ **فائدہ:** یہ ان کے فسادات کا دوسرا دور ہے۔ کہ ان کی اکثریت جب پھر گناہوں میں حد سے بڑھ کر کفر تک پہنچی۔ تو پھر ان پر فارس کا بادشاہ مسلط کر دیا گیا۔ اس نے بھی بے حساب لوگوں کو قتل کیا۔ ایک دن وہ ایک جگہ سے گذرا دیکھا۔ تو خون کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ کہ یہ خون کیوں نکل رہا ہے۔ تو انہوں آئیں بائیں شائیں کیں۔ یعنی بہت جھوٹ بولے اس نے کہا سچ بتاؤ۔ ورنہ ایک یہودی بھی زندہ نہ رہے گا۔ پھر انہوں نے بتایا۔ کہ یہاں یحییٰ علیہ السلام دفن ہیں۔ انہوں آج والے تمام حالات سے آگاہ کیا تھا۔ ہم نے ظلماً انہیں قتل کیا۔ یہ خون اس وقت سے جاری ہے۔ تو وہ جرنیل حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تربت کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کی اے یحییٰ پیغمبر آپ کے خدا کو معلوم ہے۔ کہ میں نے آپ کی قوم سے بہت بدلہ لے لیا ہے۔ آپ اپنے خون کو روک لیں۔ ورنہ میں ان کا ایک بچہ بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس کے بعد آپ کا خون رک گیا۔

آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے جو جو وہ عمل کر رہے ہیں۔ پھر ان کے عمل کے مطابق انہیں سزا دے گا۔



لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ

البتہ تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ ہی　مسیح　بیٹا　مریم کا ہے　حالانکہ کہا مسیح نے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

اے بنی اسرائیلو عبادت کرو اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے بے شک وہ جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کو تو تحقیق

حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

حرام کی اللہ نے　اس پر　جنت　اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہے اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی　مددگار

(آیت نمبر ۷۲) البتہ تحقیق کفر کیا۔ جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔

شان نزول : نجران کے عیسائیوں میں ان کے رئیسوں خبیثوں کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں داخل ہو گیا (معاذ اللہ)۔ اب وہ دونوں ایک ہی ذات ہو گئے۔ اس فرقے کا نام یعقوبیہ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے بالکل مبرا اور پاک ہے۔ اس بات سے کہ وہ کسی میں حلول کرے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کا تو فرمان یہ تھا۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرو۔ جو میرا بھی رب ہے۔ اور تمہارا بھی رب ہے۔ یعنی میں عبد اور عابد ہوں اور رب معبود ہے۔ اس کی عبادت کرو۔ اور بے شک یہ بات پکی ہے۔ کہ جس نے بھی اللہ کے ساتھ کوئی شریک بنایا۔ تو تحقیق حرام کر دی اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت۔ یعنی اس میں وہ ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور ظالم کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ جو جہنم سے نکلنے میں ان کی مدد کر سکے۔ یہ تو تھا عقیدہ عیسائیوں میں یعقوبیہ فرقے کا جو یہ گندہ عقیدہ رکھتے تھے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے دعوے کا بطلان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی زبان مبارک سے کرایا۔ کہ میں رب نہیں ہوں۔ میں بھی عبادت کرتا ہوں۔ تم بھی عبادت کرو اس کی جو میرا بھی رب ہے۔ اور تمہارا بھی رب ہے۔ رب کا معنی ہے۔ کسی چیز کو آہستہ آہستہ نقص سے کمال کی طرف لے جانے والا۔ اس لحاظ سے میں کیسے رب ہو سکتا ہوں۔ خدا تو وہ ہے۔ جو ہر نقص اور کمی سے پہلے ہی پاک ہے۔ اور منزہ ہے۔ وہ کسی کے پاک اور منزہ کہنے کا محتاج نہیں ہے۔ میں تو بچپن سے آہستہ آہستہ جوانی کی طرف گیا۔ یعنی نقص سے کمال کی طرف اور رب وہ ہوتا ہے۔ جو ایک ہی حال میں رہتا ہے۔ لہذا اس رب کی پوجا کرو۔ جو سب کا رب ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ

البتہ تحقیق کافر ہیں جنہوں نے کہا بے شک اللہ تیسرا ہے تین میں حالانکہ نہیں کوئی معبود سوائے خدا ایک کے

وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

اور اگر نہ باز آئے اس سے جو کہتے ہیں تو ضرور پہنچے گا ان کو جو کافر ہیں ان میں عذاب دردناک

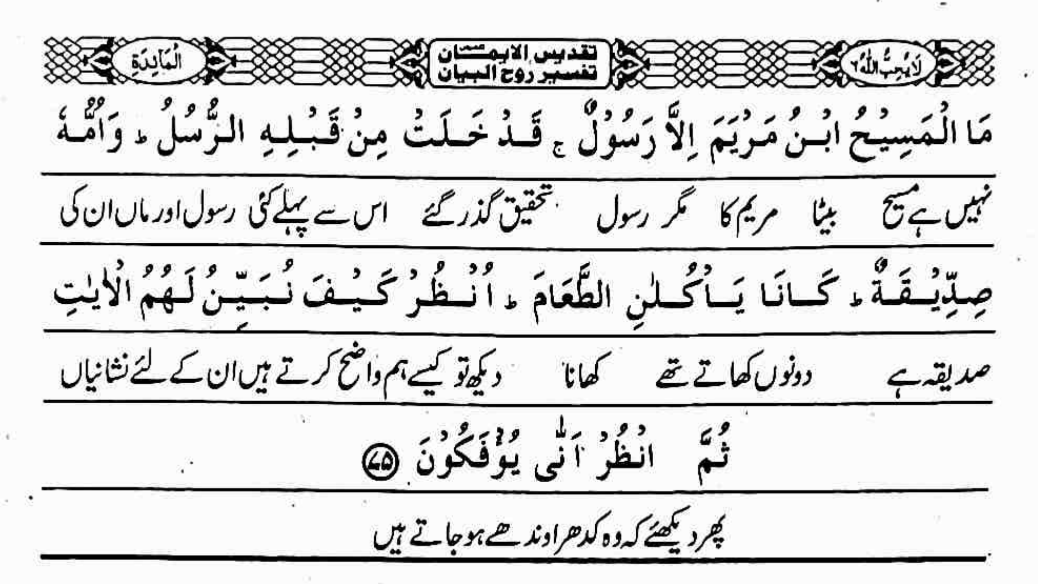
اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

تو کیوں نہیں رجوع کرتے طرف اللہ کے اور بخشش مانگتے اس سے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(آیت نمبر۷۳) البتہ تحقیق کفر کیا۔ جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تینوں میں تیسرا ہے۔ یعنی کل خدا تین ہیں۔ ان میں تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ تینوں معبود ہیں۔ معبود ہونا ان تینوں میں مشترک ہے۔ وہ تین معبود یہ ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ۔ (۲) حضرت عیسیٰ۔ (۳) اور بی بی مریم۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ کوئی بھی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے جو بالکل اکیلا ہے۔ اور وہ واجب الوجود ہے۔ اور عبادت کے مستحق صرف وہی ذات ہے۔ جو اکیلی ہے۔ تمام کائنات کا وہی خالق ہے۔ اور عبادت کے لائق ہونا بھی صرف اسی کے لائق ہے۔ جس کی صفت وحدانیت ہے۔ اور شرک سے بہت بلند ہے۔ لہذا وہ یاد رکھیں۔ کہ اب اگر وہ باز نہ آئے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔ یعنی جو یہ غلط عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔ جس کا بیان پچھلی آیت میں ہے۔ یا نسطور یہ فرقے کا جو عقیدہ ہے۔ اب اگر انہوں نے یہ غلط عقیدہ نہ چھوڑا تو ان میں سے جن لوگوں نے یہ کفر کیا۔ انہیں ضرور پہنچے گا عذاب دردناک۔ یعنی اتنا سخت عذاب کہ جو دل پر بہت زیادہ اثر کرے گا۔

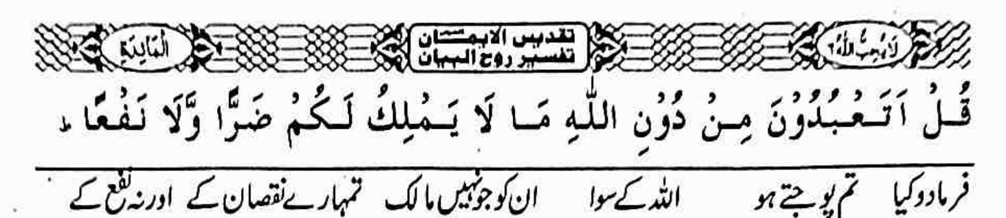
(آیت نمبر۷۴) کیا پس وہ توبہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ سے یعنی کیا وہ اپنی غلطیوں پر ڈٹے ہی رہیں گے۔ کیا وہ اپنے گندے عقیدے اور الٹے عقیدے سے پھر کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔

فائدہ: اصل میں یہاں ان کا غلطیوں پر ڈٹ جانے کی وجہ سے بطور تعجب کے یہ جملہ کہا گیا ہے۔ یا انہیں توبہ پر ابھارنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ کہ اب بھی وہ توبہ کر لیں تو معافی مل جائے گی اور جو جو ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔ مثلاً توحید کا انکار کیا یا اور کوئی گناہ کیا۔ اس پر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔ تو کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی جو بھی اس سے بخشش مانگے۔ اسے بخش دیتا ہے۔ اور اپنے فضل و کرم سے بھی انہیں نوازتا ہے۔



(آیت نمبر۷۵) نہیں ہے مسیح بیٹا مریم کا مگر رسول تحقیق گذر گئے۔ان سے پہلے کئی رسول علیہم السلام وہ اپنے منصب رسالت سے ذرہ بھی آگے نہیں بڑھے۔باقی انبیاء و رسل بھی اپنے اپنے مناصب پر قائم رہے۔لیکن انہوں نے اپنے آپ کو نبوت و رسالت کی حد تک ہی رکھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کو معجزات سے بھی نوازا۔اور کچھ خصوصیات مزید بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح عطا فرمائیں۔مثلاً عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدھا بن کر تمام جادوگروں پر چھا گیا۔عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اور آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔یہ سب باتیں عجیب سے عجیب تر ہیں۔اس لئے اگر عیسیٰ علیہ السلام کے کمالات دیکھ کر ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا۔(تو موسیٰ اور آدم علیہم السلام کے بارے میں تمہارا یہ خیال کیوں نہ بنا۔**خلاصہ کلام** یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اصل میں اللہ تعالیٰ کے کمالات کا مظاہر ہیں۔یعنی ان میں حقیقی فعل تو اللہ تعالیٰ کا ہے)۔

آگے فرمایا۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ صدیقہ ہیں۔یعنی بہت ہی سچ بولنے والی۔جو باقی عورتوں سے زیادہ پرہیزگاری سچائی اور طہارت پر ہمیشگی کرتیں۔ہمیشہ سچ بولنے کی وجہ سے صدیقہ کہلائیں۔اللہ تعالیٰ سے بھی گہرا تعلق اور محبت رکھتی تھیں۔پوری زندگی میں ایسی کوئی بات یا ایسا کوئی عمل نہیں کیا۔جو اطاعت الٰہی کے خلاف ہو۔آگے فرمایا۔حضرت مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں کھانا بھی کھاتے تھے۔جس طرح دوسرے لوگ کھانے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔تو جو کھانے کے محتاج ہوں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔(اگرچہ اس وقت آسمانوں پر زندہ ہیں۔لیکن وہ عالم روحانیات ہے۔وہاں زمین والا کھانا نہیں ہے۔زمین والا کھانا زمین پر ہی کھانے سے تعلق رکھتا ہے۔چنانچہ جب پھر آپ زمین آئیں گے۔تو پھر زمین والا کھانا کھایا کریں گے)۔ماشاءاللہ۔عیسائیوں کے عقیدے کا بطلان کتنے زبردست دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا۔تو اس آیت میں یہودیوں کی بھی تردید ہوئی۔اور عیسائیوں کے عقیدے کا بھی رد ہو گیا۔



قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ

فرمادو کیا تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ان کو جو نہیں مالک تمہارے نقصان کے اور نہ نفع کے

وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾

اور اللہ ہی سننے جاننے والا ہے

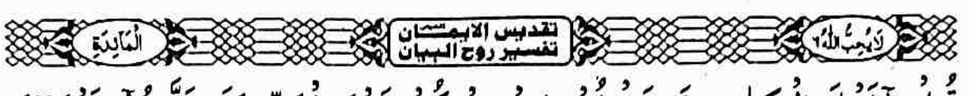
(بقیہ آیت نمبر ۷۵) آگے فرمایا۔ دیکھئے تو سہی کیسے ہم واضح طور پر آیات ان کے لئے بیان کر رہے ہیں۔ یعنی ایسے روشن دلائل بتا رہے ہیں۔ تاکہ انہیں اس بات کا پختہ یقین ہو جائے۔ کہ جو کچھ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ وہ بالکل غلط ہے۔ اور وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کی یہ جھوٹی باتیں پہاڑ بھی سنیں تو وہ بھی پھٹ جائیں۔

آگے پھر فرمایا۔ کہ پھر ذرا غور سے دیکھیں۔ کہ کہاں یہ پھیرے جا رہے ہیں۔ یعنی نہ ان کے کانوں تک حق بات پہنچتی ہے۔ کہ غور و فکر کریں۔ نہ یہ سننا چاہتے ہیں کہ سن کر اس کو مانیں اور عمل کریں۔

فائدہ: یہاں دو دفعہ تعجب کے صیغے استعمال کئے گئے اور ان کے درمیان لفظ ثم لایا گیا۔ تو اس سے مراد یہ ہے۔ کہ ہمارا ان آیات کو بیان کرنا اگر عجیب ہے۔ تو ان کا ان واضح آیات کا یوں رد کر دینا اس سے بھی عجیب تر ہے۔ اس لئے۔ کہ ان کے سامنے ایسے واضح اور روشن دلائل رکھ دیئے گئے ہیں۔ کہ اب تو ان کے لئے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ (لیکن ضد اور ہٹ دھرمی کا تو کوئی علاج ہی نہیں)۔

(آیت نمبر ۷۶) اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیں ان نصاریٰ کو اور ان کو جو ان کی طرح غیر اللہ کو پوجنے والے ہیں۔ کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کو پوجتے ہو۔ جو نہ تو تمہارے لئے کوئی نقصان کے مالک ہیں۔ نہ نفع کے مالک ہیں۔

فائدہ: یاد رہے۔ یہاں ذاتی ملکیت کی نفی ہے۔ (یعنی اللہ کی عطا کے بغیر کسی کو ذاتی طور پر نہ نفع دے سکیں نہ نقصان۔ ورنہ باذن اللہ تو انہوں نے کئی کمالات دکھائے۔ بے حساب مردوں کو باذن اللہ زندہ کیا بیماروں کو تندرست کیا) یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح کسی پر مصیبت نازل نہیں کر سکتے۔ نہ صحت و سلامتی اس طرح دے سکتے ہیں بطور نبی کے معجزہ دکھائیں یہ کوئی بعید نہیں۔ ایسے ہزاروں کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے دکھائے۔ آگے فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی تمام باتوں کو سننے والا۔ خواہ وہ اقوال ہیں۔ یا عقائد اس پر ان کو جزاء بھی دے گا۔ اور وہ جاننے والا ہے۔ ان کے اقوال۔ اعمال اور عقائد کو۔ اگر ان کے اقوال و اعمال اچھے ہیں۔ تو انہیں اچھا بدلہ دے گا ورنہ برا۔ لہٰذا اے عیسائیو دین میں افراط و تفریط سے کام نہ لو۔ اور حضرت عیسیٰ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جاؤ۔



قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ

فرمادو اے اہل کتاب نہ زیادتی کرو اپنے دین میں ناحق اور نہ پیچھے چلو خواہشات کے

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ؏ ﴿۷۷﴾

ایسی قوم کی جو تحقیق گمراہ ہیں پہلے ہی سے اور گمراہ کیا انہوں نے بہتوں کو اور گمراہ ہوئے سیدھی راہ سے

(آیت نمبر ۷۷) اے محبوب آپ فرما دیں۔ کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔ کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھا کر خدا کا درجہ دے دو۔ اور نہ ان کو یہودیوں کی طرح اتنا گھٹاؤ۔ (کہ انہیں نبی اور رسول ماننا تو درکنار ان کی شان میں نازیبا کلمات کہنا شروع کر دو) اور گمراہ لوگوں کی خواہشات پر مت چلو۔ جو تم سے پہلے ہوئے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جو گمراہ ہوئے۔ ان میں بڑے ان کے لیڈر تھے۔ یا ان کے پیشوا تھے۔ انہوں نے بہت ساری دنیا کو گمراہ کیا۔ اور لوگ ان کی تابعداری کر کے بری بری بدعات اور رسمیں نکالتے اور گمراہی میں ان کی اتباع کرتے تھے۔ اور فرمایا۔ کہ وہ سیدھی راہ سے گمراہ ہو گئے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد آپ کی تکذیب کی۔ بغاوت اور حسد کی وجہ سے اس لئے وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

نصاریٰ کے بھٹکنے کی دوسری وجہ: امام نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب نصاریٰ نے نظر عقل سے انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال کا مطالعہ کیا۔ تو شبہات کی وادیوں میں بھٹکنے لگے۔ اور ہلاکت کے جنگلوں میں تباہ و برباد ہوئے۔ چونکہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی عقل کی آنکھ سے دیکھا۔ تو سمجھے کہ باپ کے بغیر پیدا ہونا تو عقلاً محال ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں اور اس لئے بھی کہ مٹی کا پرندہ بنا لیتے تھے۔ اندھوں کو ٹھیک کر لیتے مردوں کو زندہ کر لیتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ لہذا اگر وہ خدا نہیں تو خدا کے بیٹے ضرور ہیں۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

ان کی دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ خدا یا خدا کے بیٹے نہیں۔ تو پھر وہ آسمان پر کیسے چلے گئے۔ (نعوذ باللہ) یہ باتیں شیطان ان کے عقلوں میں ڈالتا ہے۔ جن کو وہ اپنا عقیدہ بنا لیتے تھے) اصل بات یہ ہے۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کی کرامات کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کام کر رہی ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر یہ فیض ڈائریکٹ ہو رہا ہوتا ہے۔ اور اولیاء کرام پر انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ہو رہا ہوتا ہے۔ اور ان کی اتباع سے۔ لہذا اے عیسائیو اس خود ساختہ عقیدہ کو چھوڑ دو۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے دین کو مضبوط پکڑو۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى

لعنت کیے گئے وہ جو کافر ہیں بنی اسرائیل سے اوپر زبان داؤد اور عیسیٰ

ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ

بیٹے مریم کے یہ بوجہ اس کے جو نافرمانی کی انہوں نے اور تھے سرکش نہ روکتے (اوروں کو)

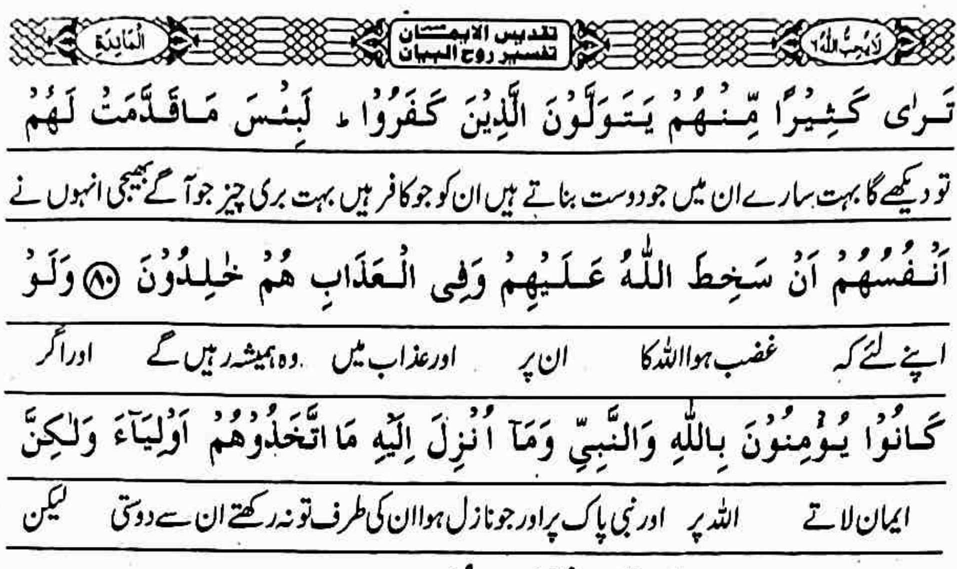
عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

برائی سے جو وہ کرتے بہت برا ہے جو تھے وہ کرتے

(آیت نمبر ۷۸) بنی اسرائیل کی قوم میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان پر اس سے مراد اہلیان ایلیا ہیں۔ جن کو ہفتہ کے دن شکار سے منع کیا گیا تھا۔ لیکن وہ باز نہ آئے۔ اور حد سے تجاوز کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بددعا کی۔ کہ اے اللہ ان پر لعنت فرما تو وہ اسی دن بندر اور خنزیر ہو گئے۔ اور اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لعنت ہوئی۔ اس قوم نے آسمانی دستر خوان مانگا اور وعدہ کیا۔ کہ کھا کر مسلمان ہو جائیں گے۔ لیکن کھانا کھا کر منکر ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے ان کی شکلیں بھی مسخ ہو گئیں۔ یہ تقریباً پانچ ہزار مرد تھے۔ ان میں کوئی عورت اور بچہ وغیرہ نہ تھا۔ سب مرد تھے۔ جو بندر اور خنزیر بن گئے۔ تو اس سزا کے ملنے کی بنیادی وجہ اللہ تعالیٰ نے بتا دی۔ کہ جو انہوں نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا۔ یعنی حدود شرعیہ کو پامال کیا۔ گویا انہیں اپنے کرتوتوں کی سزا ملی تھی۔

(آیت نمبر ۷۹) ان میں کچھ وہ تھے۔ جنہوں نے برائی کی جس کی انہیں سزا ملی۔ لیکن کچھ وہ بھی تھے۔ جنہوں نے یہ برائی نہیں کی شکار نہ کرنے کے باوجود انہیں سزا ملی۔ تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا۔ کہ انہوں نے برائی تو نہیں کی۔ لیکن سزا اس لئے ملی کہ وہ دوسروں کو برائی سے روکتے نہیں تھے۔ دیکھ کر خاموش رہے۔ نہ ہاتھ سے روکا نہ زبان سے روکا۔ گناہ سے نہ روکنے والا گناہ کرنے والے کی طرح ہے۔ جو انہوں نے کیا۔ مزید اس برائی کی سزا وہ قیامت کے دن پائیں گے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ میری امت کے کچھ لوگ بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں قبروں سے نکلیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے۔ جو برے لوگوں سے دوستیاں رکھتے تھے۔ اور انہیں برائی سے روکتے نہیں تھے۔ حالانکہ ان میں یہ طاقت بھی تھی۔ کہ وہ ان کو گناہوں سے روک سکتے تھے۔ (اخرجہ الدیلمی فی الفردوس)

فائدہ: برے لوگوں کو برائی سے روکنے کیلئے ان سے مقابلہ کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا یہ تمام بزرگوں کا معمول رہا ہے۔ اگر ہاتھ اور زبان سے نہ روک سکے۔ کم از کم دل سے تو برا جانے۔



تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ

تو دیکھے گا بہت سارے ان میں جو دوست بناتے ہیں ان کو جو کافر ہیں بہت بری چیز جو آگے بھیجی انہوں نے

اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِى الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ

اپنے لئے کہ غضب ہوا اللہ کا ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اگر

كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ

ایمان لاتے اللہ پر اور نبی پاک پر اور جو نازل ہوا ان کی طرف تو نہ رکھتے ان سے دوستی لیکن

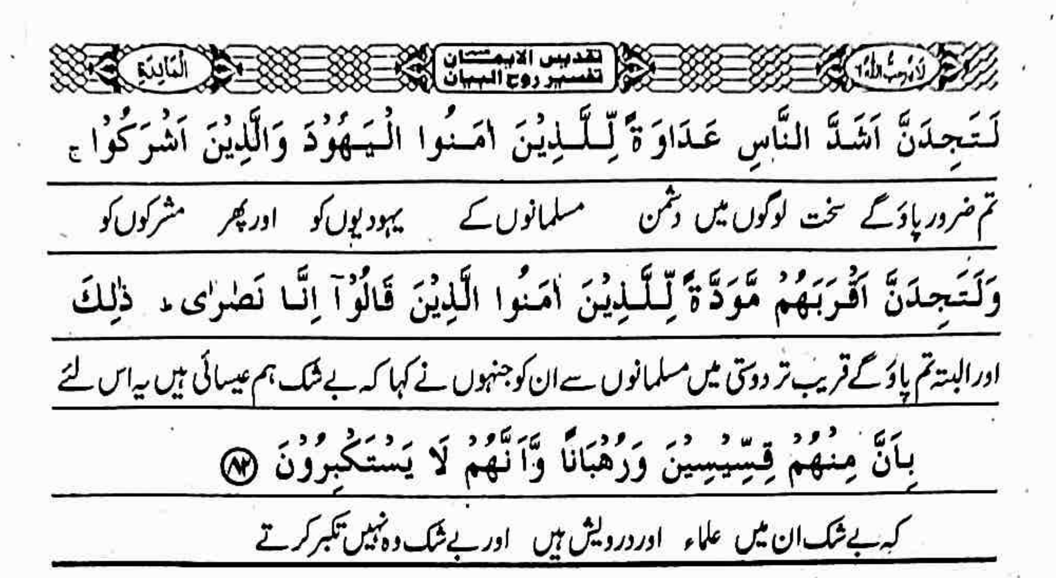
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾

زیادہ تر ان میں فاسق ہیں

(آیت نمبر ۸۰) تم ان یہودیوں میں سے زیادہ تر کو دیکھو گے۔ کہ وہ کافروں سے دوستیاں رکھتے ہیں۔ جیسے کعب بن اشرف اپنے ساتھ ایک بہت بڑی جماعت لے کر مشرکین مکہ سے ملنے گیا۔ تا کہ ان کو ساتھ ملا کر حضور ﷺ سے جنگ کریں۔ یعنی مسلمانوں خصوصاً حضور نبی کریم ﷺ سے بغض وعناد کی وجہ سے مشرکین نے جا دوستی گانٹھی تو اللہ پاک نے فرمایا۔ یہ انہوں نے بہت ہی برا کام کیا اپنے نفسوں کیلئے۔ اس لئے کہ آخرت میں اس کا نتیجہ بھی برا ہی بھگتنا پڑے گا۔ کہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر سخت ناراض ہوا۔ اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس لئے کہ انبیاء اور رسولوں کو بھی مانتے ہیں اور دوستی بت پرستوں سے بھی رکھتے ہیں۔

سبق : مومن کامل پر ضروری ہے۔ کہ وہ کفار کے ساتھ محبت اور دوستی ہرگز نہ کرے۔ اور ان کی دوستی اور صحبت سے دور بھاگے۔ بلکہ فاجروں اور بری بدعات کرنے والوں اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے والے اور غافل لوگوں سے خاص کر منکریں اسلام سے بالکل علیحدہ رہے۔ ورنہ آخرت کے برے انجام اور ہمیشگی کے عذاب کے لئے تیار رہے۔

(آیت نمبر ۸۱) اور اگر اہل کتاب مشرکین سے دوستی کے بجائے اللہ پر ایمان رکھتے۔ اور نبی ﷺ پر ایمان لاتے۔ اور جو کتاب ان کی طرف نازل ہوئی۔ اس پر ایمان رکھتے۔ تو پھر یہ ان مشرکوں کو کبھی دوست نہ بناتے۔ اس لئے کہ مشرکین سے دوستی کی حرمت صرف اس امت پر نہیں ہوئی۔ بلکہ سابقہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی مشرکین سے دوستی حرام تھی۔ اور ان کی بڑی تعداد فاسقوں کی ہی۔ جو دین وایمان سے ہی خارج ہیں۔



لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

تم ضرور پاؤ گے سخت لوگوں میں دشمن مسلمانوں کے یہودیوں کو اور پھر مشرکوں کو

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ

اور البتہ تم پاؤ گے قریب تر دوستی میں مسلمانوں سے ان کو جنہوں نے کہا کہ بے شک ہم عیسائی ہیں یہ اس لئے

بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

کہ بے شک ان میں علماء اور درویش ہیں اور بے شک وہ نہیں تکبر کرتے

(آیت نمبر۸۲) اے محبوب! تم ضرور مسلمانوں کے ساتھ عداوت میں سخت ترین لوگ یہودیوں کو پاؤ گے۔ اور ان لوگوں کو بھی جو مشرک ہیں۔ یعنی مشرکین عرب کو بھی مسلمانوں کے سخت دشمن پاؤ گے۔ البتہ تم ضرور پاؤ گے مسلمانوں کے قریب تر محبت کے لحاظ سے ان لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ بے شک ہم عیسائی ہیں۔ یاد رہے ان عیسائیوں سے مراد عام عیسائی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا وہ مختصر گروہ ہے۔ جو ان عقائد کا پابند تھا۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں سکھائے تھے۔ (یہ ارشاد چودہ سو سال پہلے کا ہے اور آج کے دور میں بھی یہی صورتحال ہے)۔

یہود اور مشرکین کی دشمنی کی وجہ: یہ ہے کہ یہ دنیا سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اس لئے یہ اصولی بات ہے۔ کہ جسے دنیا سے محبت ہوگی۔ وہ دنیا کی خاطر دین کو پیچھے دھکیل دے گا۔ اور پھر ہر قسم کی برائی کرنے سے بھی نہیں ہچکچائے گا۔ اور اہل ایمان کی نظر دنیا پر نہیں بلکہ آخرت پر ہے۔ جس طرح دنیا اور آخرت آپس میں ضد ہیں۔ اسی طرح یہودی اور مشرک مسلمانوں کے برخلاف ہیں۔ مراد یہ ہے۔ کہ یہود اور مشرکین کی اذیت رسانیوں اور اسلام دشمنیوں کے مقابلے میں۔ نصاریٰ کا رویہ بہتر ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کو اس قدر تکلیفیں نہیں دیتے۔ ان میں ابھی علماء اور عابدین موجود ہیں۔

جو وہ اپنے دین کے لحاظ سے دنیا سے روگردانی کر کے رہبانیت کو پسند کرتے ہیں۔ عہدے۔ تکبر اور اپنی بلندی سے دور رہتے ہیں۔ جو اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو نہ ایذا دیتے ہیں۔ نہ ان سے حسد کرتے ہیں۔ بلکہ بڑے ہی نرم دل خوش مزاج ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی نہیں رکھتے ہیں۔ ہو سکے تو دوستی کر لیتے ہیں۔

فائدہ : امام بغوی فرماتے ہیں۔ کہ اس سے تمام نصاریٰ مراد نہیں ہیں۔ یہود تو سارے ہی مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ مسلمان ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ ہوسکتا ہے یہ آیت صرف ان نصرانیوں کے متعلق نازل ہوئی ہو۔ جو حبشہ میں تھے۔ یعنی نجاشی بادشاہ اور اس کے ساتھی۔ جو پہلے عیسائی مذہب پر تھے۔ تب بھی مسلمانوں سے اچھا سلوک کیا اور اپنے پاس پناہ دی۔ وہ فتح مکہ سے پہلے مسلمان بھی ہوئے۔

واقعہ: قریش مکہ نے جب مسلمانوں کا عرصہ حیات انتہائی تنگ کر دیا اور ہر طرح سے ان کو ایذا دینا۔ اور انہیں تنگ کرنا روز کا معمول بنالیا۔ تو حضور ﷺ نے محسوس فرمایا۔ کہ یہ ظلم یوں ہی رہا۔ تو اسلام کا پھیلنا مشکل ہوگا۔ تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ وہاں کا بادشاہ عادل نیک ہے۔ چنانچہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔ نجاشی بادشاہ کا نام اصحمہ تھا۔ نجاشی اس کا لقب تھا۔ جیسے کسریٰ ایران کے ہر تخت نشین کو کہتے اسی طرح روم کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا۔

بہر حال حضور ﷺ کا حکم سن کر ابتداء میں گیارہ حضرات نے ہجرت کی۔ جن میں چار عورتیں بھی تھیں۔ جو پوشیدہ طور پر مکہ مکرمہ سے حبشہ میں چلے گئے۔ جن میں حضرت عثمان اپنی اہلیہ رقیہ بنت رسول کے ساتھ سمندری سفر طے کرتے ہوئے حبشہ میں پہنچ گئے۔ یہ بعثت کا پانچواں سال تھا۔ اور اس کو ہجرت اولیٰ کہا جاتا ہے۔ یوں تھوڑے تھوڑے حضرات جوں جوں موقع ملتا۔ حبشہ میں جاتے رہے۔ عورتوں اور بچوں کے سوا بیاسی حضرات حبشہ میں پہنچ گئے۔ جب قریش مکہ کو پتہ چلا۔ تو انہوں نے اپنا وفد بہت قیمتی تحائف کے ساتھ حبشہ بھیجا کہ وہ بادشاہ سے کہیں کہ ان لوگوں کو وہاں پناہ نہ دی جائے۔ بلکہ انہیں ہمارے ساتھ واپس کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا ارادہ پورا نہ ہونے دیا۔ (نجاشی بادشاہ نے انہیں دربار میں طلب کیا اور کہا کہ یہ لوگ آپ کو لینے آئے ہیں۔

حضرت جعفر طیار نے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر مشرکین مکہ کی برائیوں اور نبی کریم ﷺ کی آمد کا ذکر کیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ ان سے پوچھیں۔ کہ کیا ہم ان کے غلام ہیں۔ یا ان کا کوئی نقصان کر کے آئے ہیں۔ تو انہوں نے کہا۔ ان میں سے کوئی بات نہیں۔ بادشاہ نے ان کو تحفے واپس کئے۔ اور کہا میں انہیں تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔ انہوں نے اگلے دن ایک اور چال چلی بادشاہ کو غضب ناک کرنے کے لئے اور بادشاہ سے کہا کہ یہ حضرت عیسیٰ کو گال دیتے ہیں کہ انہیں بندہ کہتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ تو اللہ کے بیٹے ہیں۔ تو بادشاہ نے مسلمانوں سے پوچھا۔ کیا یہ صحیح کہتے ہیں؟ تو جعفر طیار نے اس ورد سے سورہ مریم کی تلاوت کی۔ کہ پورے ایوان میں سناٹا چھا گیا۔ اور بادشاہ زار وقطار رو رہا تھا۔ تلاوت کے بعد بادشاہ نے کہا۔ کہ جو کچھ انہوں نے کہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکا بھر بھی زیادہ نہ تھے۔ بہر حال قریش کو بڑی ذلت کے ساتھ وہاں سے واپس ہونا پڑا (بڑے بے آبرو ہو کر

تیرے کوچے سے ہم نکلے) والا معاملہ ہوا۔ اور مسلمان وہاں آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ اور کچھ عرصہ بعد بادشاہ سلامت نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اور جب فوت ہوا۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھایا۔) میت حبشہ میں تھی۔ اور جنازہ مدینہ شریف میں پڑھا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس مسلمانوں کے خیر خواہ بادشاہ پر کروڑ ھا رحمتیں فرمائے۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حضور سے نکاح: حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں ام حبیبہ بنت ابوسفیان بھی اپنے خاوند کے ساتھ گئی تھیں۔ ان کے خاوند وہاں فوت ہوگئے۔ تو حضور ﷺ نے نجاشی بادشاہ کو خط لکھا۔ کہ ام حبیبہ کا نکاح میرے ساتھ کر کے میرے پاس بھیج دو۔ بادشاہ نے اپنی نزہتہ نامی لونڈی کے ذریعے وہ پیغام ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تک پہنچایا۔ اور ساتھ ہی بادشاہ نے ایک قیمتی ہار بھی انعام میں دیا۔ حضور ﷺ نے خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل نکاح بنا کر بھیجا۔ لیکن نکاح کے وقت نجاشی بادشاہ خود حضور ﷺ کی طرف سے وکیل بنا۔ خالد بن سعید نے نکاح پڑھا۔ اور چار سو دینار حق مہر دیا گیا۔ پھر نجاشی بادشاہ نے بہت سا سامان دے کر دو کشتیوں میں سوار کر کے انہیں مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔ جس دن یہ قافلہ مدینے شریف پہنچا۔ اس دن حضور ﷺ خیبر میں تھے۔ اس قافلے میں حضرت جعفر بھی تھے۔ جو سیدھے خیبر پہنچ گئے۔ اسی دن خیبر بھی فتح ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ آج مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو رہا۔ کہ مجھے خیبر کے فتح ہونے کی خوشی ہے۔ یا جعفر کے آنے کی خوشی ہے۔

نجاشی بادشاہ بھی ایمان لے آیا: نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر طیار سے آیات ربانی سنتے ہی دل میں ایمان قبول کرلیا تھا۔ لیکن ام حبیبہ کے روانہ کرنے کے بعد باقاعدہ طور پر اس نے جعفر طیار کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضور ﷺ کی خدمت میں خط لکھا۔ یا رسول اللہ میں آپ پر ایمان لایا۔ بے شک آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اور میں اللہ رب العالمین پر ایمان لایا۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں خود بھی حاضر ہو جاؤں۔ اور صلوٰۃ وسلام ہو۔ آپ پر۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے از ہر کے ساتھ ستر آدمی روانہ کئے۔ ان میں علماء و راہب بھی تھے جو ایمان لائے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ وہ محبت اس لئے مسلمانوں سے کرتے ہیں۔ کہ ان میں بڑے بڑے عالم اور اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں اور بے شک وہ تکبر بھی نہیں کرتے۔ وہ حق کو قبول کرتے ہیں اور عاجزی میں رہتے ہیں۔ معلوم ہوا۔ وہ عیسائی جو علم رکھتے ہیں۔ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ تکبر نہیں کرتے۔ صرف وہ مسلمانوں سے محبت کرتے ہیں۔ اس سے مراد سارے نصاریٰ نہیں ہیں۔

پارہ چھٹا ختم : مورخہ ۲۸ اکتوبر ۲۰۱۴ء ۳ محرم ۱۴۳۶ھ بروز منگل بعد نماز صبح

(دوسری جلد ختم ہوئی)